جلد اول، دوم

کارل مارکس

مترجم

سید محمد تقی

32۔ میکلیگن روڈ، چوک اے جی آفس لاہور
☎ :042-7239138

کتاب : داس کیپیٹل

مصنف : کارل مارکس

مترجم : سید محمد تقی

اشاعت : ستمبر 2004ء

مطبع : حاجی حنیف اینڈ سنز لاہور

برائے : دارالشعور 32۔ میکلیگن روڈ لاہور

قیمت : -/440 روپے

E-mail: m_d7868@hotmail.com

Ph: 7239138

پیش لفظ

''سرمایہ دنیا میں سرتاپا انسانیت کے ایک ایک عضو خاک اور خون میں لتھڑا کر آیا ہے۔'' (مارکس)

مارکس انسانی تاریخ کا وہ نابغہ ہے جس کے اثرات کی یہ صدی تیسری صدی ہے۔ کوئی مارکس سے کتنا ہی اختلاف رکھتا ہو یہ ماننے پر مجبور ہے کہ ہم مارکس کے عہد میں زندہ ہیں۔ آج کے نیولیفٹ کے رجحانات پوسٹ ماڈرن ازم اور پوسٹ سٹرکچرل ازم سمیت فلسفے کی ہر جہت کو مارکس ازم نے متاثر کیا ہے۔ مارکس کی کتاب ''داس کیپٹل'' کا عہد آزاد منڈی کی معیشت کے فلسفے کے اثرات کے خلاف مزاحمت کی مختلف شکلوں کے خدوخال واضح ہونے کا دور ہے۔ مارکس نے یہ کتاب اُن حالات میں لکھی ہے۔ جب جان اسٹوارٹ مل کلاسیکی معیشت کے تحفظ میں مصروف تھا۔

مارکس ''داس کیپٹل'' کے دوسرے ایڈیشن کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

''جب تک فلسفہ معاشیات بورژوا ماحول میں گھومتا رہتا ہے یعنی جب تک سرمایہ داری اقتدار کو سماجی پیداوار کی قطعی شکل خیال کیا جاتا ہے صرف ایک عبوری درجہ نہیں سمجھا جاتا تو فلسفہ معاشیات صرف اسی وقت تک علم کی حیثیت سے باقی رہ سکتا ہے۔ جب تک طبقاتی جدوجہد مخفی رہے اور چلی بھی ہو تو خال خال حوادث کی شکل میں (اس کے بعد ایک علم کی حیثیت سے باقی نہیں رہتا۔ (مترجم)۔''

گویا مارکس کی ''داس کیپٹل'' سرمایہ داری کو انسانی ارتقاء کا ایک مرحلہ بتاتی ہے۔ جان اسٹوارٹ مل کے دور تک طبقاتی جدوجہد شدت اختیار کرتی جارہی تھی اور جس سال جان اسٹوارٹ مل اپنی کتاب لکھتا ہے اسی سال مارکس ''کمیونسٹ مینی فیسٹو'' لکھتا ہے اور طبقاتی جدوجہد کے خدوخال واضح کرتا ہے اور یوں کلاسیکی معیشت کے دور کا دروازہ بند ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ جان اسٹوارٹ مل دراصل ریکارڈو کا پیش رو تھا اور ریکارڈ کے دور میں طبقاتی جدوجہد بحیثیت فلسفہ بالکل نمو نہ پاسکی تھی اور ریکارڈو بھی عمر کے آخری حصے میں کہیں مزدوروں اور محنت کشوں کے مفادات کے بارے میں کان دھرتا نظر آتا ہے۔ لیکن مارکس کی ''داس کیپٹل'' کے ارتقاء کو دیکھنے کے لئے

ہمیں مختلف معاشی نظریات کے ارتقاء پر ایک مختصری نظر ڈالنا ہوگی۔ اسی صورت میں ہم مارکس کی اس شہرۂ آفاق تحریر کی اہمیت کو پاسکیں گے۔

سرمایہ داری نظام، جس کے ارتقاء اور قوانین کی نئی توضیح وتشریح "داس کیپٹل" کرتی ہے، عمومی طور پر مغربی یورپ اور خصوصی طور پر انگلستان کا مظہر ہے۔ 700ء سے 1200ء تک گھریلو خاندانی نظام رائج تھا۔ اس دور میں صلیبی جنگیں ہوئیں کیونکہ مسلمانوں نے پورے ایشیاء پر قبضہ کرلیا تھا اور یورپ کے تمام زمینی تجارتی راستے بند ہو چکے تھے۔ لہٰذا یورپ نے تجارتی راستوں کی آزادی کے لئے صلیبی جنگیں لڑیں۔ پھر 1200ء سے 1492ء تک یورپ میں امن قائم رہا اور چھوٹی چھوٹی صنعت تجارت کے جاری ہونے سے فروغ پائی۔ یہ دور گلڈ (Gilds) کا دور کہلاتا ہے۔ جس میں دو تین آدمی ایک مالک کی مشاورت سے کام کرتے تھے اور پھر معمولی مزدور محنت کر کے مالک بھی بن جاتا تھا۔ لیکن 1492ء تک یورپ نے زمینی راستوں کے بند ہونے کے بعد سمندری راستوں کو تجارت کے لئے خصوصی ترقی دی اور اس ترقی کا نتیجہ 1942ء میں کولمبس کا امریکہ دریافت کرنا اور پھر واسکوڈے گاما کا ہندوستان کی بندرگاہ کالی کٹ آنا ہے۔ پھر 1942ء سے 1700ء تک یورپ نے ساری دنیا کی دولت لوٹ کر انگلستان اور یورپ میں اکٹھی کرنا شروع کر دی۔ اس دور میں یورپ کے دولت کو اکٹھا کرنے کے تین ذرائع یعنی قزاقی، غلاموں کی تجارت اور لاطینی امریکہ کی کانوں کا سونا تھا۔ اس دولت سے مغربی یورپ اور انگلستان میں گلڈ سسٹم کی جگہ Putting Out یعنی برآمدی نظام آگیا۔ گلڈ کی مساوات ختم ہوگئی اور گلڈ دولت مند اور غریب کاریگروں میں تقسیم ہوگیا۔ گویا پرانی قصباتی اقتصادیات نے دم توڑ دیا اور نیا تجارتی شہروں کا برآمدی نظام رائج ہوگیا جس میں منتظم یا مالک دستکار مزدور کو خام مال اور اوزار دے دیتا تھا اور کاریگر اب اپنی محنت کی بنی ہوئی چیز کی بجائے اپنی محنت بیچنے لگا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس دور تک معیشت دان یا فلاسفران باتوں کو سمجھتے تھے اور مزدور کے استحصال اور قدر زائد وغیرہ کے تصورات سے واقف تھے کیونکہ تا حال معیشت اور انسانی تاریخ کو واقعات کی سطحی اپروچ کے تحت ہی دیکھا جاتا تھا۔ پھر یوں ہوا کہ 1700ء سے 1789ء تک گلڈز کے مالکان نے بڑی بڑی عمارتیں بنا کر وہاں مزدوروں کو اکٹھا کر کے مشینوں پہ کام کروانا شروع کیا اور

Manufactory بنی جو کہ رفتہ رفتہ کارخانے کی شکل اختیار کر گئی۔ اس عرصے تک یعنی
1942ء سے 1789ء تک کے دور میں سارے یورپی ملکوں نے قومی تجارت کو ترقی دی اور
دوسرے ملکوں کی تجارت کی محض حوصلہ شکنی ہی نہ کی بلکہ دوسرے کی تجارت کو تباہ و برباد کر کے اپنی
تجارت کو فروغ دیا کیونکہ یہی اُس کی اخلاقیات تھیں اور ان اخلاقیات کا علمبردار فلسفہ تجارتی نظریہ
زر یعنی Mercantilism تھا۔ اس فلسفے کے مطابق کسی ملک کے امیر ہونے کا مطلب یہ ہے
کہ اس کے پاس زیادہ سے زیادہ سونا ہو اور کسی ملک کے پاس زیادہ سے زیادہ سونا ہونے کا
مطلب یہ ہے کہ وہ سونے کو ملک سے باہر نہ جانے دے۔ سونے کو باہر نہ جانے دینے کا مطلب
ہے کہ وہ ملک اپنی اشیاء کو زیادہ سے زیادہ باہر بھیجے اور سونا کمائے یعنی برآمدات زیادہ کرے۔
سونے کو باہر جانے سے روکنا ہوگا اور اس کے لئے ملک میں اشیاء کو کم سے کم آنے دینا چاہئے۔
کیونکہ اشیاء کو خریدنے کے لئے سونا خرچ کرنا پڑتا ہے یعنی کسی ملک کی درآمدات کو کم ہونا چاہئے۔
اس فلسفے کے داعی ٹی من (T. Mun) اور اے سیرا (A.Sera) تھے۔ یوں اس دور میں سرمایہ
داری نے جہاں عالمی سطح پر لوٹ مار اور جنگیں کیں وہاں اندرون ملک یعنی انگلستان میں بھی
کسانوں کو زمینوں سے بے دخل کر کے مزدوروں میں تبدیل کر دیا اور خوب استحصال کیا۔ اس دور
کو مارکس نے کہا کہ سرمایہ داری کا نظام زر انسانیت کے ایک ایک عضو کو خون میں نہلا کر آیا ہے۔
اب جب ساری دنیا کی دولت انگلستان اور مغربی یورپ میں اکٹھی ہو گئی یعنی
Accumulation of Capital ہو گئی اور صنعتی ترقی کی بنیاد پڑ گئی یا اُس کے واضح خدو
خال بن گئے تو صنعتی ملکوں نے تجارت میں حکومتی مداخلت کے خلاف بولنا شروع کر دیا کیونکہ ان
کے کارخانوں کی پیداوار کی بیرون ملک کھپت اور خام مال کی اندرون ملک درآمد کے راستے میں
تجارتی نظریہ زر (Mercantilism) کی ناروا پابندیاں ناگوار تھیں۔ لہذا کسی ملک میں سونا
زیادہ ہونے کے خلاف فلسفے آگے بڑھے۔ 1774ء میں ڈیوڈ ہیوم نے کہا کہ کسی ملک میں سونا
جتنا زیادہ ہوگا وہاں اتنی ہی افراط زر ہوگی اور قیمتیں زیادہ ہو جائیں گی جس کی وجہ سے برآمدات کم
ہوں اور درآمدات زیادہ ہوں گی سونا باہر چلا جائے گا۔ یوں ان لوگوں نے Laisez Faire
یعنی ہمیں آزاد کر دو کا نعرہ لگایا۔ اس نعرے کے علمبردار فطری حکومت کے حامی یعنی Physio

Crats تھے جن کا اہم ترین فلسفی (F. Ouesnay 1757) تھا۔ یہ فلسفہ فرانس کی سرزمین میں پیدا ہوا۔ یہ وہ دور تھا جب فرانس میں جاگیرداری نظام ٹوٹ رہا تھا۔ تجارتی نظریہ زر کے حامی ٹوٹی جاگیرداری میں کسان اور زراعت کے حامی تھے۔ یہ لوگ تجارتی نظریہ کے خلاف کہتے تھے کہ حکومت کو اپنی توجہ تجارت کی ترقی پر نہیں لگانی چاہئے بلکہ زمین کے کثیر ثمرات (Fruits of Earth) پر اپنی توجہ صرف کرنی چاہئے۔ یہ لوگ صرف فطرت ہی کو دولت کا ذریعہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ زراعت ہی سے حاصل پیداوار (Net Profit) حاصل ہوتی ہے۔ صنعت بانجھ (Barren) ہوتی ہے اور اس سے جڑا ہوا مزدور طبقہ بھی بانجھ ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک جاگیرداری کا بحران زراعت کا بحران اور زراعت کا بحران دراصل کاشتکاروں کی خام پیداوار کی درآمد برآمد کی راہ میں تجارتی رکاوٹیں ہیں۔ لیکن یہ لوگ کھل کر آزاد تجارت کے حامی نہ تھے۔ یہ لوگ نہیں سمجھتے تھے کہ اُبھرتی ہوئی بورژواوازی کے مقابل زرعی پیداوار سے جُڑے ہوئے جاگیرداری نظام کا تحفظ نہیں کیا جاسکتا۔ اب تجارتی پابندیاں جاگیرداروں کے حق میں نہیں بلکہ سرمایہ داروں کے حق میں ٹوٹیں گی۔ ایڈم سمتھ نے ان کے کام کے اثرات قبول کئے۔ اس دور میں پہلے صنعتی انقلاب کے خدوخال تشکیل پا چکے تھے اور اس صنعت کو خام مال کی کثیر درآمد درکار تھی اور فاضل پیداوار کی تیز ترین برآمد درکار تھی۔ مگر اس کی راہ میں تجارتی نظریہ زر (Mercantilism) کی حکومتی رکاوٹیں (Restrictions) اور ضابطے (Regulations) حارج تھے۔ اس مسئلے کا حل آدم سمتھ کا آزاد تجارت کا فلسفہ تھا جس کی نمائندہ کتاب آدم سمتھ نے 1776ء میں بعنوان ''قوموں کی دولت کی نوعیت اور وجوہات کی تحقیق'' (An Inquiry into the Nature and Causes of Wealth of Nations) لکھی۔ آدم سمتھ کے مطابق معاشی معاملات فطری قوانین کے تحت چلتے ہیں لہٰذا حکومتوں کو معاشی معاملات میں مداخلت نہیں کرنی چاہئے۔ اس نے سرمایہ داری اور تجارت کی آزادی کی وکالت کی گویا آدم سمتھ سرمایہ دار طبقے کا نمائندہ تھا اور اس کے بعد جتنے بھی کلاسکی معیشت دان آئے یعنی ریکارڈو، مالتھس اور جان اسٹوارٹ مل وغیرہ وہ سبھی آزاد تجارت کے حامی اور سرمایہ داری نظام کے داعی و مبلغ تھے۔ اس دور میں جوں جوں سرمایہ داری ترقی کرتی گئی

مزدور کی حالت دن بدن خراب ہوتی گئی۔ تمام کلاسیکی معیشت دان سرمائے کے اجتماع (Accumulation of Capital) کو اس معاشی ترقی کی وجہ سمجھتے تھے۔ جس کا مطلب ہے کہ بڑی بچت کی جائے۔ اب مزدور کو تو صرف اتنی تنخواہ ملتی ہے کہ وہ کم سے کم گزارے کی سطح (Subsistence Level) پر ہی زندگی گزار سکتا تھا۔ لہٰذا ساری بچت سرمایہ دار اور زمیندار ہی کر سکتا تھا۔ اب سرمایہ دار جو دولت اکٹھی کرتا تھا وہ کوئی نہیں بتاتا تھا کہ یہ مزدوروں کی جمع ہوئی محنت ہے اور قدر زائد ہے۔ کیونکہ یہ تمام معیشت دان سرمایہ دار طبقے کے حامی تھے لہٰذا یہ مزدور طبقے کی بگڑی ہوئی حالت سے صرف نظر کرتے تھے۔ اس مکتبہ فکر کے معیشت دان ریکارڈو سے منسوب اجرتوں کے آہنی قانون (the Iron Law of Wages) کے ذریعے مزدور کو ان کے مقدر میں لکھی ہوئی کم سے کم تنخواہ ہی مل سکتی تھی کیونکہ اس کا فنڈ مخصوص ہوتا ہے۔ لہٰذا مزدوروں کی تنخواہیں نہیں بڑھ سکتی تھیں۔ ان معیشت دانوں کے بقول جب مزدوروں کے حوالے سے سرمایہ داروں میں مسابقت ہو تو ان کی تنخواہیں بڑھ جاتی ہیں لیکن سرمایہ داروں کا منافع کم ہو جاتا ہے گویا سرمایہ دار مزدور کو مخصوص فنڈ سے زیادہ تنخواہ دیتا ہے تو اپنے حصے سے دے گا۔ یہ اُجرتوں کا آہنی قانون 1876ء میں فرانسس واکر نے توڑا اور کہا کہ مزدوروں کو مخصوص فنڈ سے تنخواہ نہیں دی جاتی بلکہ صنعت کے منافع میں سے دی جاتی ہے۔ لہٰذا اگر منافع زیادہ ہے تو مزدور کی تنخواہ بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ مارکس نے تو اس سے بھی آگے بڑھ کر بہت پہلے قدر زائد کا تصور دیا۔ سرمایہ دراصل مزدور کی کشید کی گئی محنت کی شکل ہے جو کہ قدر زائد کی شکل میں سرمایہ دار نے استحصال کے ذریعے اکٹھی کر رکھی ہے۔ سرمائے کے اسی کردار، خصوصیات اور نوعیت کی تفصیل کا نام ''داس کیپٹل'' ہے۔ یہ کتاب روح عصر کی حامل تھی اس لئے اربوں انسانوں کے دل کی آواز بن گئی۔ جوں جوں مزدور طبقے کا شعور ترقی کرتا گیا ''داس کیپٹل'' کی اہمیت بڑھتی گئی۔ فرسٹ انٹر نیشنل کی تمام نظریاتی اساس انہی خطوط پر تھی جس کی داغ بیل مارکس کی کتاب نے ڈالی۔ مارکس کے دور میں پہلے تو بورژوا معیشت دانوں نے اپنی خاموشی سے اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کی لیکن بات نہ بن سکی تو کھلے عام تنقید کرنا شروع کر دی۔ مارکس نے جس دور میں ''داس کیپٹل'' لکھی اس دور میں مزدور کی حالت دگرگوں تھی لیکن چونکہ یہ دور عمومی طور پر سرمایہ داری کی ترقی کا

دور تھا لہٰذا انقلابی تحریکیں مادی معروضی حالات کی عدم موجودگی میں تیزی سے نہ بڑھ سکی تھیں۔ لیکن ''داس کیپیٹل'' میں مارکس نے جس انداز سے سرمایہ داری نظام کا پردہ چاک کر کے محنت کش طبقے کو اس کے استحصال سے آگاہ کر دیا تھا وہ کشتی میں ایسا سوراخ تھا جس کی وجہ سے رفتہ رفتہ سرمایہ داری کا سفینہ ڈوبتا چلا گیا۔ 1880ء سے 1914ء تک سرمایہ داری نے نوآبادیوں کی لوٹ کھسوٹ انتہائی تیز کر دی۔ دولت چند صنعتوں، ٹرسٹوں اور کارٹلز کے قبضے میں آ گئی۔ آزاد مقابلے کی جگہ اجارہ داری اور مناپلی نے لے لی۔ اس صورتحال کی نشاندہی لینن نے کی اور یوں اُس نے مارکس کے طے کئے ہوئے خطوط کے مطابق اجارہ دارانہ سرمایہ داری کا تجزیہ کیا۔ ''داس کیپیٹل'' میں سرمائے کے ارتکاز کا رجحان تو موجود ہے لیکن اجارہ دارانہ سرمایہ داری کا تجزیہ کہ یہ مسابقت اور آزاد مقابلے کو ختم کر دیتا ہے لینن کے ہاں ملتا ہے۔ لینن نے سرمائے کی اجارہ دارانہ سطح کے بارے میں لکھا کہ ''سامراج سرمایہ داری کی ترقی کا ایک مخصوص مرحلہ ہے۔ اس کا مخصوص کردار تین طرح کا ہے۔ سامراج (1) اجارہ دارانہ سرمایہ داری ہے (2) طفیلی (Partsitic) یعنی مفت خور سرمایہ داری ہے (3) Moribund یعنی مردار سرمایہ داری ہے۔'' غرض مارکس کی نشاندہی کہ ''سرمایہ داری انسانیت کے نس نس کو لہو میں ڈبو کر آئی ہے۔'' یوں یہ نس نس کو لہو میں ڈبونے والی سرمایہ داری مردار سرمایہ داری میں تبدیل ہو گئی۔ اجارہ دارانہ سطح پر آزاد مقابلہ ختم ہو جاتا ہے اور ان دونوں کا یہ تعلق ہی سامراج کی بنیادی خصوصیت ہے۔ اجارہ داری آزاد مقابلے کو ختم کر دیتی ہے۔ پیداوار کا ارتکاز اس حد تک پہنچ جاتا ہے جس سے سرمایہ داروں کی اجارہ دارانہ ایسوسی ایشنز (Associations) بننا شروع ہو جاتی ہیں۔ یعنی کارٹلز (Cartels)، سینڈیکیٹ اور ٹرسٹس (Trusts) کی شکل میں سرمایہ دار جڑ جاتے ہیں اور آزاد منڈی کی معیشت کو کھا جاتے ہیں۔

سرمایہ داری کی یہ اجارہ دارانہ سطح سرمایہ داری کی موت کا باعث بن جائے گی لینن کا کہا سچ ہوا اور یوں داس کیپیٹل میں یہ تخلیقی اضافہ پوری دنیا کے محنت کشوں اور ان کے پارٹیوں کی رہنمائی کرتا رہا۔ وہی ہوا سامراجی مالک گرگ باراں دیدہ کے مصداق الجھ پڑے اور پہلی عالمی جنگ ہوئی۔ مارکس کے تجزیے کے عین مطابق ورکنگ کلاس کے شعور نے پیرس کمیون کی ناکامی سے سبق سیکھ کر

محنت کشوں کی پارٹی بنائی تھی جس کے خدوخال واضح کرنے میں بھی لینن کی کاوشوں کا دخل تھا۔ یوں لینن کی قیادت میں روس میں محنت کشوں کا انقلاب ہوا اور اجرتوں کے آہنی قانون کے کھونٹے سے بندھی ہوئی ورکنگ کلاس نے زمام کار اپنے ہاتھ میں لے لی۔ مارکسی فلسفے کو 1917ء کے انقلاب میں جو فتح نصیب ہوئی اس کے خطوط پر چلتے ہوئے چین، کیوبا، ویت نام، کوریا، لاؤس، کمبوڈیا، مشرقی یورپ غرض ایک تہائی دنیا میں انقلابات ہوئے اور انقلاب کی جدوجہد میں ساری دنیا کے محنت کشوں کو بنیادی انسانی حقوق میسر آ گئے۔ سامراج پوری صدی ''داس کیپٹل'' کے جادو کو اتارنے میں لگا رہا لیکن روح عصر کی ترجمان یہ کتاب انسانی شعور کو وہاں لے گئی تھی جہاں سے واپسی ناممکن تھی۔ 1990ء کے بعد مارکسی فلسفے کو عمومی طور پر روس کے ڈاؤن فال سے جھٹکا لگا۔ مارکسی فکر کی سٹیٹ سپانسر شپ ختم ہو گئی لیکن اس کا مطلب سامراجی ملکوں نے مارکسی فکر کی شکست اور ناکامی بتایا۔

اب 1990ء کے بعد کے دور کو یوں بتایا گیا کہ مارکس کا عہد ختم ہو گیا ہے۔ ''داس کیپٹل'' غیر متعلق ہو گئی ہے۔ دعویٰ ہوا کہ یہ آزاد منڈی کی معیشت کا دور ہے۔ یہ گلوبلائزیشن سے عبارت ایک نیا عہد ہے۔ سب سے پہلے تو راقم یہ بات ہی ہضم نہیں کر سکتا کہ 1990ء کے بعد اچانک نئی دنیا کیسے شروع ہو گئی اور دنیا سر کے بل یک دم کیسے کھڑی ہو گئی۔ لیکن کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی ہر طرف ''ختم ہو گیا ختم ہو گیا'' شور تھا۔ ان لوگوں کی خوشی بتا رہی تھی کہ وہ مارکس ازم سے کتنے تنگ تھے۔

سرمایہ داری کی فتح اور سوشلزم کی ریٹریٹ عارضی تھی۔ آدم سمتھ کے فلسفے کے دیمک زدہ ستونوں پر جو ''ڈبلیو ٹی او (WTO)'' کی آزاد تجارت کی عمارت کھڑی کی جا رہی ہے وہ مسلسل چرچرا رہی ہے۔ آج کی دنیا میں سرمایہ کا میکانزم کچھ یوں بنتا ہے کہ دنیا کی معیشت کا لوکوموٹو چند ''ملٹی نیشنل کمپنیاں'' ہیں۔ یہ کمپنیاں سامراجی ملکوں کے حکمرانوں کے گروہوں کو جتواتی ہیں۔ باقاعدہ بڑی بڑی کمپنیاں ایوان نمائندگان کی انتخابی مہم کے پیچھے چندہ دینے والی ہوتی ہیں۔ پھر یہ سامراجی حکمران آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، اور ڈبلیو ٹی او کی پالیسیوں پر اثر انداز ہو کر ایسے قوانین اور پالیسیاں (سٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ پالیسی) یعنی SAP اور غربت میں خاتمے کی حکمت عملی یعنی

Poverty Reduction Strategy Paper وغیرہ بناتی ہیں جس سے غریب ملکوں کی معیشت میں ایسی جینیاتی تبدیلیاں آتی ہیں کہ وہ عوام کے مفادات کے تابع ہونے کی بجائے سامراج کے مفادات کے تابع ہو جاتی ہیں۔ یوں حکمران عالمی مالیاتی اداروں کو اور عالمی مالیاتی ادارے تیسری دنیا کے حکمرانوں کو تیسری دنیا کے حکمران اپنے اصل حاکموں یعنی ''ملٹی نیشنل کمپنیوں'' کے لیے غریب ملکوں کی معیشت کی اکھاڑ پچھاڑ کرتے ہیں۔

یہ ملٹی نیشنل کمپنیاں سرمایہ داری کی اجارہ دارانہ سطح ہے اور بڑی اجارہ داریاں معرض وجود میں آ گئی ہیں۔ سوشلسٹ بلاک کی وقتی پسپائی سے اجارہ داریاں مزید فربہ تو ہو گئی ہیں مگر ان کے آپس میں تضادات گہرے ہوتے جا رہے ہیں۔ پہلے ہم اجارہ داریوں کی نوعیت اور تفصیل کو جان لیں بعد میں ان کے تضادات کی مختلف جدلیاتی سطحوں کو زیر بحث لائیں گے۔ آج معیشت دان متفق ہیں کہ کسی شعبے میں اگر 4 فرمیں 40 فیصد یا اس سے زیادہ حصے پر قبضہ کر لیں تو وہ شعبہ اجارہ داری تلے دب جاتا ہے۔ اب صورتحال یوں ہے کہ 15 ملٹی نیشنل کمپنیوں کے قبضہ قدرت میں دنیا کی گندم کی تجارت کا 90 فیصد، تانبے کی تجارت کا 90 فیصد، تیل کا 60 فیصد، لوہے اور کچ دھات کی تجارت کا 90 فیصد اور انناس کی تجارت کا 90 فیصد ہے۔ مالیاتی سرمایہ چند بینکوں کے قبضے میں ہے۔ برطانیہ میں چار بینکوں برکلیز بینک (Berclays Bank) نیٹ ویسٹ بینک (Nat West Bank) مڈ لینڈ بینک (Mid Land Bank) اور لائیڈز بینک (Lioyds Bank) کا قبضہ ہے۔ جرمنی پر تین بینکوں نے معیشت کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ فرانس میں 4 بینک معیشت کے بڑے حصے پر قابض ہیں۔ 1990 کے آخر تک دنیا کے 15 بڑے بینکوں کے پاس 5 ٹریلین ڈالر کے اثاثے تھے جو کہ 1976ء میں 100 بڑے بینکوں سے 3 گناہ زیادہ ہے۔ ایک اندازے کے مطابق امریکہ کے 50 بینک پوری دنیا کے سرمائے کا دو تہائی رکھتے ہیں۔ دنیا کی چوٹی کی ایک فیصد امریکی ملٹی نیشنل کمپنیاں دنیا کی 70 سے 80 فیصد تجارت اور سرمایہ کاری کا کنٹرول کرتی ہیں۔ دنیا کی سب سے بڑی ملٹی نیشنل کمپنی وال مارٹ دنیا کے 161 ممالک سے زیادہ رقم رکھتی ہے۔ امریکہ کے تین امیر ترین ارب پتیوں کے قابو میں 60 کروڑ عوام سے زیادہ دولت ہے۔ امریکہ ہی کے 358 امیر ترین ارب پتیوں کے پاس آدھی دنیا (3 ارب

لوگوں) سے زیادہ دولت ہے۔
دولت کا یہ ارتکاز یونہی نہیں بلکہ پوری سرد جنگ کے دوران دنیا کے وسائل کی لوٹ کھسوٹ پر ہے۔سرمایہ دارانہ نظام 1990 کے بعد کی اپنی خود ساختہ فتح کے آغاز ہی میں بحران کا شکار ہو گیا۔ اس نے سرمایہ داری کے جو نئے ماڈل مشرق بعید کے ممالک کے پیش کئے وہ چند سالوں میں دھڑام سے زمین بوس ہو گئے۔ان کی ببلہ معیشتیں پھٹیں تو بحران امریکہ کی طرف بڑھا۔امریکہ کی معیشت مارچ 2000ء سے سکڑنا شروع ہوئی اور 31 مارچ 2001ء کو سٹاک مارکیٹ کریش ہو گئی۔ہر سٹاک ایکسچینج میں حصص کی ویلیوگری اور سرمایہ داری کو آؤٹ پٹ کے 30 فیصد کے برابر یعنی 10 ٹریلین کا نقصان ہوا۔ڈو جانز انڈکس کے محور کے گرد گھومنے والا دوسری سٹاک ایکسچینجز بھی اس بحران سے متاثر ہو گئیں۔جاپان کی بڑی سٹاک ایکسچینج Nikei کا انڈکس 70 فیصد، جرمن Nemax کا انڈکس 67 فیصد، برطانوی Techmark کا انڈیکس 50 فیصد اور امریکی Nasadaq کا انڈیکس 60فیصد گر گیا۔
سرمایہ داری کا بحران دراصل زائد پیداوار کا بحران ہوتا ہے۔لہٰذا دسمبر 2000 ہی میں دنیا کی مینو فیکچرنگ استعداد 6 فیصد کم کرنا پڑی۔سٹیل کی پیداوار اتنی بڑھ گئی کہ جرمنی اور امریکہ میں ٹھن گئی۔ پچھلی صدی کے آخر میں کمپیوٹر انڈسٹری کی پیداوار میں 40 فیصد سالانہ کا اضافہ ہو رہا تھا جبکہ کھپت کم تھی۔کار انڈسٹری اپنی کل پیداوار کا محض 74 فیصد سالانہ فروخت کر پا رہی تھی۔فائبر او پٹک اور ٹیلی کمیونیکیشن نیٹ ورکس استعداد کا 2.5 فیصد استعمال کر رہے تھے۔
اب بحران بڑھتا ہے تو بڑی بڑی بزنس ایمپائرز ایک دوسرے کو کھانے کو دوڑتی ہیں۔اگرچہ اس کے لئے نام انتہائی ٹیکنیکل لئے جاتے ہیں یعنی سوشل ڈاونزم Survival of the fittest وغیرہ۔یہ فلسفہ جو کہ انسانی ارتقاء کی نہایت ابتدائی کیفیات کا حامل ہے ان بڑی بڑی کارپوریٹ کلچر کی داعی ''ملٹی نیشنل کمپنیوں'' پر صادق آتا ہے۔سست رو معیشت کی بڑبونگ میں کمپنیوں نے پہلی سطح پر اپنی کمزوری کو چھپانے کے لئے کارپوریٹ کرائمز کا آغاز کیا۔کھاتوں میں غلط اندراجات کر کے خسارے میں جانے والی کمپنیوں کو منافع بخش دکھایا گیا۔ایرون کمپنی (Enron) کے کھاتوں میں بے قاعدگیاں زبان زد عام ہیں۔کونسٹ کمیونیکیشن (Quest

(Commnication جو کہ امریکہ کی چوتھی بڑی کمپنی ہے جرائم اور اکاؤنٹس بکس میں ہیرا
پھیری کے الزامات میں زیر تفتیش آئی۔ بوئنگ، جنرل الیکٹرک کمپنی اور ٹائیکو انٹرنیشنل، ورلڈ کام،
جانسن اینڈ جانسن اور Merril Lynch بینک بھی کارپوریٹ جرائم اور Cooking of
books یعنی اکاؤنٹس و کھاتوں میں ہیرا پھیری کے جرائم میں ملوث پائے گئے برسبیل تذکرہ
بتاتا چلوں کہ کانگریس کی رپورٹوں پر مشتمل ایک کتاب Impure Science کے مصنف
نے بتایا ہے کہ ناسا اور پینٹاگون کے دفاع سے متعلق پراجیکٹس اور ٹھیکوں کا کام کرنے والی 60
فیصد کمپنیاں مختلف جرائم میں سزا یافتہ ہیں۔ان جرائم میں جب کمپنیوں کو پناہ نہیں ملتی تو وہ
مرجرز (mergers) اور Acquisition s یعنی خرید و یا خریدنے دو کے نعرے پر آجاتی
ہے۔لہٰذا 90 کی دہائی آخر میں ہونے والے بحران نے ان کمپنیوں کے ادغام کے عمل کو مہمیز لگائی
۔11 ستمبر 2001ء کے واقعے سے پہلے یہ عمل خاصا تیز ہوگیا جو کہ گہرے ہوتے ہوئے بحران کا
شاخسانہ تھا۔مثال کے طور پر ٹائم وارنر اور امریکن آن لائن کی ڈیل، رینالٹ کا نسان موٹرز کو
خریدنا، Exxron اور Mobil کا ادغام وغیرہ اہم ہیں۔لیکن سرمایہ داری کا بحران جو کہ وقفے
وقفے سے آتا ہے اس کو سرمایہ داری روکنے سے قاصر ہے۔لہٰذا 9/11 کا واقعہ محض بہانہ بنا بلکہ
بنایا گیا۔اس واقعے کے بظاہر اثرات یہ ہوئے کہ چار دن کی بندش سے چار مرچنٹ بینکوں کو 330
ملین ڈالر کا نقصان ہوا، دس دن میں وال سٹریٹ 15 فیصد گر گئی۔امریکن آن لائن نے ایک لاکھ
ملازمین نکال دیئے، انفارمیشن ٹیکنالوجی کے حصص 17 فیصد گر گئے، انرون دیوالیہ ہوگئی الکاٹل
نے 10 ہزار ملازم نکالے۔غرض سرمائے کے ارتکاز اور اس کی بے قاعدگیوں اور بے ضابطگیوں کا
ایک نہ تھمنے والا سلسلہ چل نکلا۔جس نے ان خطوط پر پیش رفت کی جس کی نشان دہی ''داس کیپٹل''
اور بعدازاں لینن نے کی تھی۔

موجودہ دور سرمایہ داری کے بحران کا دور ہے۔ایسے دور میں ''داس کیپٹل'' کی اہمیت یوں ہے کہ
آج کے بحران میں سرمایہ داروں کے تنخواہ دار دانشوروں کے واویلے نے سرمائے کی نوعیت اور
اس کی تشکیل کے عمل کو دھندلا دیا ہے۔جس کو جانے بغیر آج کے سرمائے کی حرکیات کا تجزیہ ناممکن
ہے۔ہر طرف ایک شور ہے کہ یہ دور آزاد منڈی کی معیشت کا دور ہے اور ساری دنیا کو بشمول امریکہ

کی لگائی ہوئی لکیر کا فقیر ہونا چاہئے۔ پہلے تو ہم آج کی سرمایہ داری کا چہرہ دیکھتے ہیں۔
آج 6.1 ارب انسانوں میں سے 1.9 ارب انسان غربت کی سطح سے نیچے زندگی گزار رہے ہیں یعنی یہ لوگ 1 ڈالر روزانہ پر گزارہ کرتے ہیں۔ 2001ء یعنی 9/11 کے واقعے سے پہلے 820 ملین ورکرز نوکری سے محروم ہوئے۔ آج ایک ارب انسان ان پڑھ، 100 ملین بے گھر اور 20 لاکھ بچے بلوغت سے پہلے فوت ہو جاتے ہیں۔ 302 ملین لوگوں کو صاف پانی میسر نہیں اور 30 ملین بچے آوارگی میں بچپن گذار دیتے ہیں۔ سب سے اہم یہ ہے کہ 4.4 ارب انسان پانی کی نکاسی اور فراہمی سے محروم ہیں جو کہ 80 فیصد بیماریوں کا موجب ہے۔ دنیا کی قوت خرید اتنی کم ہوئی کہ پیداوار میں 60 فیصد کمی کرنا پڑی۔ ساری معاشی سرگرمی سٹہ بازی اور پراپرٹی کی خرید و فروخت جیسے غیر پیداواری میدان میں ہو رہی ہے۔
اب سرمایہ داری کے اس عمومی بحرانی دور میں ہمارے پاس ایک دفعہ پھر دو راستے باقی بچتے ہیں۔ (1) انقلاب کا راستہ (2) اصلاحات کا راستہ۔ لیکن یہاں پر ہمیں ''داس کیپیٹل'' اور اس کا مصنف دوبارہ رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن وہ کیا راستہ بتاتا ہے؟ آیئے پہلے مختلف اصلاحاتی فلسفیانہ موشگافیوں کا جائزہ لیں۔ ہم پھر ''داس کیپیٹل'' سے رجوع کرتے ہیں۔ سرمایہ داری نظام میں اصلاحات کا تصور اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ کہ سرمایہ داری نظام۔ کیونکہ سرمایہ داری کے رد کے فلسفوں کے ساتھ ساتھ ہمیشہ اس کی بہتری کی باتیں بھی ہوئیں۔ 40 اور 50 کی دہائی کے انقلابی عہد میں سوشل ویلفیئر سٹیٹ کا تصور دراصل انقلاب کی دھار کو کند کرنے کا عمل تھا۔ جیسے ہی یہ انقلابی ابھار کا دور ختم ہوا ویلفیئر سٹیٹ کے تصور کی اہمیت ختم ہوگئی اور اب رفتہ رفتہ حکومتیں سہولتوں سے دستکش ہوتی جا رہی ہیں۔ کیونکہ اصلاحات کا مطالبہ انقلابی عہد کی یادگار ہے اور اگر آج کے رد انقلابی اور انقلابی پسپائی کے دور میں کوئی اصلاحات کا ایجنڈہ لاتا ہے تو گویا تاریخ کے ارتقاء کا منہ چڑاتا ہے۔ آج کے اصلاح پسند فرماتے ہیں کہ ہم ریاستوں کی سٹرکچرنگ کے عمل میں جو کہ سٹرکچرل ایڈجسٹمنٹ پروگرام کا حصہ ہے، گڈ گورنس لا سکتے ہیں لہٰذا تعلیم اور صحت کے شعبوں میں ان اصلاح پسند این جی اوز کے نمائندوں نے نجی شعبے کے شانہ بشانہ تعلیم اور صحت کی ''خدمات'' سرانجام دینا شروع کر دیں۔ اس کی آڑ میں تعلیمی اداروں کی نجکاری میں اصلاح پسند این جی اوز نے خوب ہاتھ رنگے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس طرح کی این جی اوز دو طرح کی ہیں ایک مذہبی اور دوسری وہ جو کہ پڑھی لکھی ایلیٹ کلاس سے تعلق رکھتی ہیں اور اپنے آپ کو لیفٹ یا پرانا لیفٹ بھی بتاتی ہیں۔ اول الذکر نے اپنے مدرسوں کے نیٹ ورک کو ہی نام نہاد جدید کر کے بہتی گنگا میں ہاتھ دھوئے جبکہ موخذ الذکر نے تعلیمی اداروں کی نج کاری کے خلاف تحریک میں حصہ ڈالنے کی بجائے ان کی گڈ گورنس کی آڑ میں سرکاری سکولوں کے نیٹ ورکس کو اول الذکر کے ساتھ ساتھ ہتھیانے کی کوشش بھی کی۔ علاوہ ازیں نام نہاد لیفٹ کی این جی اوز نے اسی ری سٹرکچرنگ کے نعرے کی بنا پر ڈی سنٹرلائزیشن کی جدید تشریح کر کے نئے بلدیاتی نظام میں خواتین کی شرکت کے بلدیاتی نظام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اصلاح پسندوں نے سول سوسائٹی کا نعرہ لگایا جو کہ دراصل کسی نہ کسی طرح سرمایہ دارانہ نظام کے خدوخال ہی مہیا کرتا ہے اور اس کا پھل بھی سرمایہ داروں کی ٹوکری میں ہی سجتا ہے۔ اصلاح پسندوں نے قرضوں کی معافی کی تحریک چلائی اور کہا کہ دنیا نے 480 ارب ڈالر کے قرض کے بدلے 1250 ارب ڈالر ادا کر دیئے ہیں لہٰذا قرض معاف ہونا چاہئے لیکن عمل درآمد ندارد۔ اصلاح پسندوں نے ایک اور زقند لگائی کہ اصل مسئلہ سرمایہ داری نہیں بلکہ سرمایہ داری میں پائیدار ترقی ہے۔ اگر ترقی پائیدار نہ ہو تو تب انقلابات ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کا پائیدار ترقی کا نظریہ دراصل سرمایہ داری نظام کے اندر ہی اصلاحات کا نظریہ ہے۔ جب آزاد منڈی کی معیشت کا شاہکار اور معجزہ "مشرق بعید کے ممالک" ایشین ٹائیگرز دھڑام سے زمین پر آرہے تو تبصرہ ہوا کہ وہاں پر جمہوریت نہ ہونے کی وجہ سے ایسا ہوا۔ ان لوگوں نے سرمایہ دارانہ ترقی کے ہیومین فیس (Human Face) کا بھی مطالبہ کیا۔ کہا گیا کہ عالمگیریت کے خلاف ریجنل اتحاد بننے ضروری ہیں۔ گلوبل تجارتی سسٹم کی جگہ ریجنل تجارتی سسٹم ہونا چاہئے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ NAFTA جیسا ریجنل اتحاد محض میکسیکو اور اتحاد میں شامل غریب ملکوں کی لوٹ کھسوٹ کے لئے ہے۔ اس طرح اگر سارک کا تجارتی بلاک پیدا ہوتا ہے تو اس کا فائدہ تو ملٹی نیشنل کمپنیاں لیں گی۔ معاشی سرمایہ دار تو صفحہ ہستی سے غائب ہو جائے گا۔ اصلاح پسند تجویز آئی کہ ملٹی نیشنل کمپنیوں پر دباؤ بڑھا کر ٹیکنالوجی کی منتقلی پر مجبور کیا جائے۔ 60 فیصد پیداوار پہلے ہی کم ہوگئی ہے اور دنیا بھر میں پیداواری عمل میں کوئی سرمایہ نہیں لگایا جا رہا ہے۔ ایسے میں ٹیکنالوجی کی منتقلی چہ معنی دارد۔ اصلاح

پسندوں کی خوش فہمیوں کی پرواز ملاحظہ ہو کہ ڈبلیو ٹی او کو اگر جمہوری کر دیا جائے تو سرمایہ داری کو قابل قبول بنایا جا سکتا ہے۔ اول تو یہ ناممکن ہے۔ دوسرے اگر ایسا ہو بھی جائے تو کیا نواز شریف اور مزدور کے ووٹ کے برابر ہونے سے وطن عزیز میں رائج جمہوریت سماجی انصاف مہیا کر دیتی ہے۔ یہ لوگ فری ٹریڈ کے بجائے فیئر ٹریڈ (Fair Trade) کا بھی مطالبہ کرتے ہیں۔ اگر ان لوگوں کی تمام کوششوں کو نظریاتی طور پر بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ دراصل سرمایہ دارانہ نظام ہی کی ٹرمنگ (Triming) کرنا چاہتے ہیں اور اس کی Excesses کو کاٹ کر اسے قابل عمل و قابل قبول بنانے کے متمنی ہیں۔ یہ لوگ سمجھتے ہیں کہ سوشلزم کسی انقلاب سے حاصل نہیں ہو سکتا جو کہ سرمایہ داری کے کسی بحران سے فائدہ اٹھا کر لیا جا سکے۔ ان کے خیال میں تمام پیداواری عمل پر ورکنگ کلاس کے موثر کنٹرول سے رفتہ رفتہ اصلاحات کے عمل کے ذریعے سوشلزم کی منزل حاصل کی جا سکتی ہے۔

اس کے برعکس انقلابی قوتیں ''داس کیپیٹل'' میں موجود سرمائے کی حرکیات کے سائنسی تجزیئے سے رہنمائی لیتی ہیں اور اس میں تخلیقی اضافوں سے جو لینن، سٹالن اور ماؤزے تنگ نے کئے۔ توانائی حاصل کرتی ہیں۔ مارکس نے ''داس کیپیٹل'' میں سرمائے کے رجحانات، برتاؤ اور قوانین حرکت کو بیان کیا۔ اس نے بتایا کہ کسی بھی سماجی مظہر کو تاریخی ارتقاء کے ساتھ جوڑ کر دیکھا جائے۔ اس نے بتایا کہ سرمایہ دارانہ انٹرپرائز (Capitalist Enterprises) ایک انفرادی فرم (firm) پر لگاتار پھیلنے کی شرط لگاتی ہے۔ وہ ''داس کیپیٹل'' میں رقمطراز ہے۔

''سرمایہ دارانہ پیداوار کی ترقی، ایک صنعت میں سرمائے کی مقدار کے بڑھنے کو ضروری قرار دیتی ہے اور مقابلہ کی وجہ سے سرمایہ دارانہ پیداوار کے ضروری قوانین کو ہر انفرادی سرمایہ دار محسوس کرتا ہے کہ وہ لازمی بیرونی قوانین ہیں جو (سرمایہ دار کو) مجبور کرتے ہیں کہ وہ اپنے سرمائے کو بچانے کے لئے مستقل طور پر بڑھائے اور یہ صرف مسلسل اجتماع زر (Accumulation) سے ہی ممکن ہے''۔

یوں پھر مارکس کے بعد لینن بتاتا ہے کہ مقابلے والی سرمایہ داری (Completive Capitalism) اجارہ دارانہ سرمایہ داری (Monopoly Capitalism) میں تبدیل ہو

جاتی ہے۔ جس کے بعد فرموں کا ادغام یعنی Mergers اور Acquisition ہونا شروع ہو جاتے ہیں اس کی ممکنہ اور مناسب تنظیمی شکل آج کی "ملٹی نیشنل کمپنی" ہے جس کو مارکس نے اپنے دور میں جائنٹ سٹاک کمپنی کہا تھا۔ گویا سولھویں صدی کے کمرشل ریوولوشن سے سرمایہ داری پیدا ہوئی اور پھر اس سے پیدا ہونے والی عالمی تجارت کے پھیلاؤ نے سرمایہ دارانہ انٹر پرائزز کو پھیلایا ۔جس کے بعد مناپلی کیپٹل ازم سے بڑے بڑے جنات کارٹلز اور سنڈیکیٹ نے دنیا کو منڈیوں میں تقسیم کر دیا تو پہلی عالمی جنگ لینن کی پیشن گوئی کے عین مطابق ہوئی اور لینن نے اس کے لئے انتہائی تخلیقی انداز سے اس مرحلے پر سرمائے داری کو لاحق ایک عارضی یعنی سرمایہ دارانہ معیشت کی انارکی کی وضاحت کر دی جس کے نتیجے میں مزدوروں کا منظم ہو کر انقلاب کرنا ناگزیر ہے۔ پچھلے صفحات میں ہم وضاحت کر آئے ہیں کہ ہماری آج کی آزاد معیشت سے عبارت ملٹی نیشنل کمپنیوں کی معیشت دراصل سامراج یعنی مناپلی کیپٹل ازم ہی کی ایک شکل ہے۔ اور ساتھ ساتھ ہم بڑی وضاحت سے دیکھ آئے ہیں کہ آج کی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے آزاد منڈی کی معیشت کے فلسفہ میں سرمایہ داری نظام بحرانوں کے گرداب میں پھنسا ہوا ہے۔ مزید برآں سرمایہ داری کے بحران تلے انسانی سماج Haves اور Have nots کی بڑھتی خلیج میں غوطے کھا رہا ہے۔ ایسے میں اصلاحات کی بات صدا بصحرا ثابت ہوگی اور انسانی سماج مساوات اور برابری کے معاشی و سماجی حق سے عبارت انقلابات کا ماتھا چومے گا۔ یہی نوشتہ دیوار ہے۔ لہٰذا ایسے دور میں "دارلشعور" لاہور نے داس کیپٹل کا ترجمہ شائع کر کے انقلابی قوتوں کی بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ ترجمے کے حوالے سے پہلے ایڈیشن کے دیباچوں میں وضاحت اور مترجم کی ستائش موجود ہے لہٰذا راقم اس دیباچے میں مترجم کو سرخ سلام کے علاوہ اور کیا پیش کر سکتا ہے۔ امید ہے تمام انسان دوست انقلاب دوست قاری اس ترجمے سے مستفید ہوں گے۔

سید عظیم

داس کیپٹل

جلد اول

فہرست

تمہید

ارادہ یہ تھا کہ ''داس کیپیٹال'' کا ایک تفصیلی دیباچہ لکھا جائے،جس میں کتاب اس کے مصنف اور اس نظریہ پر جو اس تاریخی تصنیف کا سبب بنا اور جس نے ایک نئے عہد کی بنیاد ڈالی' سیر حاصل بحث کی جائے۔ لیکن کیپیٹال جن جسمانی اور ماحولی مشکلات میں لکھی گئی تھی اس کا اردو ترجمہ یا ترجمہ کا بڑا حصہ اس سے کچھ ہی کم جسمانی اور ماحولی ناسازگاریوں میں پورا ہوا۔ اس کے ساتھ وہ ذہنی اضطراب مستزاد ہے جو مترجم کے اپنے پیشے اور دوسرے حالات کی وجہ سے ارتکاز توجہ ہٹانے کا سبب بنتا رہا۔ ایسے میں اگر کیپیٹال جیسی کتاب کے شایانِ شان دیباچہ جو مسئلہ کے مختلف پہلوؤں پر حاوی ہو لکھنا ممکن نہ ہوسکا تو اس کا باعث وہ ناگزیر حالات تھے جن سے اس کتاب کا مترجم دوچار رہا۔ ادھر میرے عزیز دوست جناب مشفق خواجہ صاحب جو انجمن ترقی اردو کے شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کے نگراں ہیں' اس بات پر مصر تھے کہ ترجمہ کی پہلی جلد چند دن میں بازار میں آ جائے۔ ان کی خواہش تو یہ تھی کہ 30 جون 61ء تک کتاب بازار میں موجود ہو' مگر بدقسمتی سے اس منصوبہ پر عمل نہ ہوسکا اور تاریخ میں توسیع ناگزیر ہوگئی' لیکن نہ اتنی کہ ان تمام بکھرے ہوئے خیالات کو مجتمع کیا جاسکے جن کے دیباچہ میں بیان کرنے کا ارادہ تھا۔ تاہم مختصر طور پر یہاں چند خاص خاص باتیں عرض کرنی ضروری ہیں تاکہ قاری کو اِس بات کا ایک سرسری سا اندازہ ہو جائے کہ اسے کس کتاب کا مطالعہ کرنا ہے اور مطالعہ کے سلسلے میں کیا توقعات ہیں جو اس سے وابستہ کی جاتی ہیں۔

سب سے پہلے اُردو ترجمہ کے کام کے معاملے میں چند باتیں تذکرہ کے قابل ہیں۔ داس کیپیٹال تاریخ کی ان امہات کتب میں شامل ہے جنہوں نے ایک نئے عہد کی

بنیاد ڈالی۔ تاریخ کا ایک نیا بہاؤ پیدا کیا ہے۔ علم، فکر و ادب اور مذہب کی امہاتِ کتب کے سلسلہ میں اب تک رواج یہ رہا ہے کہ ان کے اصل ناموں کو جوں کا توں باقی رکھا جاتا ہے۔ داس کیپٹال کا سرمایہ کے لفظ سے ترجمہ کیا جاتا تو بات میں وہ عمومیت پیدا ہو جاتی جو اس جیسی تاریخ ساز کتاب کے اختصاصی مقام سے ہم آہنگ نہ ہوسکتی۔ اس لئے مناسب یہی سمجھا گیا کہ اصل نام کو علیٰ حالہٖ باقی رکھا جائے اور -سرمایہ- کے بجائے- داس کیپٹال- نام برقرار رکھا جائے۔

1955ء کے شروع موسم بہار کا ذکر ہے۔ عرب دنیا کے مشہور ادیب مصنف اور انشا پرداز ڈاکٹر طٰہٰ حسین سے میں نے قاہرہ میں ملاقات کی تھی۔ گفتگو میں امہاتِ کتب کے ترجمہ کا بھی ذکر آ گیا۔ عربی میں کئی ان کتابوں کا ترجمہ موجود نہیں ہے جن کو اُردو والے پہلے ہی اپنی زبان میں منتقل کر چکے ہیں۔ بحث میں کچھ مجادلاتی اسپرٹ پیدا ہوگئی۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے پوچھا۔ کیا آپ ''کیپٹال'' کا اُردو میں ترجمہ کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں۔ ظاہر ہے جواب نفی میں تھا۔ لیکن کیپٹال کو عربی، فارسی یا مشرق کی کسی اور زبان میں ابھی تک منتقل کرنا ممکن نہیں ہوسکا ہے۔ یوں اس اعتبار سے عربی اور اُردو کے جدید علمی سرمائے ایک سطح پر آتے ہیں۔ گو ویسے یہ اختصاص صرف اُردو ہی کو حاصل ہے کہ اس میں صفِ اول کی کئی ایسی کتابیں جو تاریخ گیر شہرت کی حامل ہیں مشرق کی دوسری زبانوں سے بہت پہلے ترجمہ کی جا چکی ہیں۔ کیپٹال ان چند کتابوں میں شامل ہے۔ جن کو اُردو میں منتقل کرنے کی یا تو کوئی کوشش ہی نہیں کی گئی یا کی گئی تو کامیابی حاصل نہ کرسکی۔

مصر سے واپسی پر میں نے ڈاکٹر مولوی عبدالحق صدر انجمن ترقی اُردو سے اس گفتگو کو نقل کیا۔ بابائے اُردو ایک مدت سے مارکس کے اس شاہکار کو اُردو میں ترجمہ کرانے کی خواہش رکھتے تھے۔ انہوں نے آزادی سے پہلے متعدد بار مترجم حضرات کے بورڈ بنائے جو ابتدائی کوششوں کے بعد ہی اس مقصد کو حاصل کرنے میں ناکام ہوگئے۔

کیپیٹال تاریخ علم کی چند مشکل ترین کتابوں میں شامل ہے۔ اس لئے جہاں تک مجھے معلوم ہے...... انگریزی' فرانسیسی اور روسی کے علاوہ دنیا کی کسی اور زبان میں اس کا کامیاب ترجمہ نہیں ہوسکا اور انگریزی اور فرانسیسی کا ترجمہ بھی مارکس کے خاص حلقہ نے کیا ہے۔ انگریزی کے ترجمہ کی نگرانی تو خود اینگلز نے کی ہے جو کتاب کے شریک مصنف کی حیثیت رکھتا ہے۔

بابائے اُردو یہ سن کر اچھل پڑے کہ میں ''کیپیٹال'' کے ترجمہ کا عزم رکھتا ہوں۔ انہوں نے اپنی خاص لائبریری سے کتاب کی پہلی جلد ایشو کرائی اور مجھے اس انداز میں اس کام پر آمادہ کیا جیسے یہ کوئی اُن کا ذاتی کام ہو جس کی ذمہ داری اٹھا کر میں ان پر احسان کر رہا ہوں۔ کیپیٹال کی بالکل پہلی فصل اس تمام عظیم فکری مجموعہ کا مشکل ترین حصہ ہے۔ ترجمہ شروع ہونے کے کوئی دو ہفتہ بعد مشن روڈ پر انجمن ترقی اُردو کے صدر دفتر کی دوسری منزل میں ڈاکٹر مولوی عبدالحق اور فضل کریم فضلی صاحب' لائبریری کی لمبی بیضوی میز کے ایک کونہ پر بیٹھے تھے اور میں ترجمہ کا مسودہ سنا رہا تھا۔ انجمن کے شعبہ تصنیف و تالیف کے تین حضرات نگران تھے' لیکن اس وقت صرف یہ دو حضرات ہی مسودہ کا جائزہ لے رہے تھے۔ مسودہ ختم ہونے کے بعد بابائے اردو نے کہا:

''اب آپ چند اُن بنیادی مسائل کی وضاحت کیجئے جو مصنف نے اس فصل میں بیان کئے ہیں''۔

میں نے ذرا تفصیل سے ان پہلوؤں کو بتایا جو پہلی فصل میں زیر بحث آئے ہیں۔ جناب فضل کریم فضلی صاحب بھی ساری گفتگو کو پوری توجہ سے سنتے رہے۔ صدر انجمن ترقی اُردو نے درمیان میں کئی سوال پوچھے اور پھر میں نے دیکھا کہ خوشی کے آنسو اُن کی آنکھوں میں چمک رہے ہیں۔

ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے فاتحانہ انداز میں جیسے انہوں نے کوئی ذاتی کامیابی حاصل کر لی ہو کہا:

''آخر کار مارکس کامیابی کے ساتھ اُردو میں منتقل ہو گئے۔ ایک بڑا بوجھ سر سے اتر گیا''۔

''تقی صاحب!'' محبت بھرے لہجے میں مولوی عبدالحق نے کہنا شروع کیا: ''میں نے بار بار برصغیر کے ماہروں کے بورڈ بنائے کہ وہ ''کیپٹال'' کو اُردو میں منتقل کر دیں لیکن یہ کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ ایک بڑے فاضل بزرگ'' فضلی صاحب کی طرف رخ کرتے ہوئے بابائے اردو نے کہا۔ ''کیپٹال کی ابتدائی فصل کا ترجمہ کر کے لائے تھے۔ جب سارا ترجمہ سنا چکے تو میں نے پوچھا۔ اب اس کا مفہوم بھی بتاتے چلیے کہنے لگے۔ مفہوم تو مجھے نہیں معلوم البتہ ترجمہ میں نے کرلیا ہے۔ بتایئے جب مفہوم ہی کا علم نہیں تو ترجمہ کس چیز کا کیا گیا ہے۔

یہ 1955ء کے موسمِ بہار کا ذکر ہے۔ اپنی پرانی خواہش کو یوں پورا ہوتے دیکھ کر مصنف یا مترجم کو جو غیر معمولی مسرت حاصل ہوتی ہے اس کی مؤثر تحریک کے سہارے میں کئی ماہ اس ترجمہ میں مشغول رہا اور کوئی 122 صفحات کا ترجمہ تکمیل کو پہنچ گیا۔ انجمن ترقی اُردو اِس دوران میں بڑے شدید بحران سے دوچار رہی اور یہ توقع کہ ترجمہ کے ساتھ ساتھ اشاعت بھی ہوتی رہے گی پوری نہ ہو سکی۔ کتاب نہ چھپے تو مصنف کا دل بیٹھ جاتا ہے۔ مصنفوں' ادیبوں اور فنکاروں کو ان کی اشاعت کی رشوت ملتی رہے تو وہ دل جما کے کام کرتے ہیں' مگر انجمن کے حالات کچھ ایسے تھے کہ اشاعت کا دُور دُور تک امکان نظر نہ آتا تھا۔ بہت سے کام رُکے تھے۔ اختراعی کام بند کیا گیا تھا جو اس ترجمہ کی تکمیل کی جا رہی تھی' مگر جب اشاعت کی توقعات پر اوس پڑ گئی تو ترجمہ جاری رکھنا بھی ممکن نہ ہو سکا۔

فروری 1958ء سے کراچی میں ماہنامہ ''انشاء'' کا اجرا عمل میں آیا۔ انشاء کے مدیر جون ایلیا صاحب ہیں' ان کا اصرار تھا کہ ''کیپٹال'' کا ترجمہ انشاء میں شروع کیا جائے ترجمہ کے مسودہ کو پہلے میرے برادر بزرگ جناب رئیس امروہوی پڑھتے تھے جو

اس ترجمہ کا پوری توجہ سے مطالعہ کرنا چاہتے تھے اور کتابت کی تصحیح جون ایلیا کرتے رہے جو میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ یہ اہتمام اس لئے کیا گیا کہ ترجمہ پہلی بار چھپے تو کتابت میں کوئی غلطی نہ رہ جائے لیکن پھر بھی بہت سی سنگین غلطیاں رہ گئیں جن کی وجہ سے کئی جگہ ساری عبارت اُلجھ کر رہ گئی؛ تاہم ''انشاء'' میں ترجمہ کی اشاعت کافی مقبول ہوئی اور پاکستان و ہندوستان کے اکابر نے اس کوشش کو سراہا۔ انشاء میں چند ہی اقساط چھپی تھیں کہ ناگزیر اسباب کی بنا پر اشاعت روک دینی پڑی۔ اس تعطل کو کئی ماہ بلکہ کوئی ڈیڑھ سال گذر گیا کہ مئی 1961ء کے آغاز میں اچانک انجمن ترقی اُردو سے اطلاع ملی کہ جون کے آخر تک ترجمہ کی پہلی جلد کے بازار میں لے آنے کا پروگرام بنا ہے' اس لئے مجھے مسودہ پر جلد نظر ثانی کر دینی چاہئے۔ یہ زمانہ اتفاق سے میری شدید مصروفیتوں کا زمانہ تھا' لیکن مدتوں کی تمنا پوری ہوتے دیکھ کر میں نے اسی مصروف زمانہ میں پہلی جلد کے لئے مناسب مواد تیار کرنا شروع کر دیا۔ کئی جگہ تشریحی نوٹ بڑھائے گئے۔ بہت سی عبارتوں میں تسلسل اور روانی پیدا کی گئی۔ بعض مقامات پر اُلجھاؤ پایا جاتا تھا جسے دُور کیا گیا اور یہ سب کچھ اس شدید ذہنی ناآسودگی کے زمانہ میں اور اس لئے یہ بالکل ممکن ہے کہ اگر حالات زیادہ سازگار ہوتے تو ان بہت سی فروگذاشتوں کو بھی دُور کیا جاسکتا جو اب بھی آپ اس ترجمہ میں پائیں گے۔

کیپطال کا ترجمہ کئی زبانوں میں کیا گیا ہے لیکن اُردو ترجمہ میں چند باتیں اختصاصی ہیں جو نہ جرمن اصل میں پائی جاتی ہیں نہ کسی ترجمہ میں۔ اُردو ترجمہ' ترجمہ کے ساتھ ہی تفسیر بھی ہے۔ تقریباً تمام ادق اور مغلق مباحث پر توضیحی نوٹ دیئے گئے ہیں تاکہ پڑھنے والا صرف الفاظ کی ادائی ہی نہ کرے اس مفہوم کو بھی سمجھے جو مصنف نے اپنی فکر خیز عبارتوں میں پیش کیا ہے۔ ان تشریحی نوٹوں کے بعد مارکس پہلی بار اوسط درجہ کے قاری کی سمجھ میں آئیں گے۔ چند بالکل مخصوص افراد اور ماہرین کے علاوہ مارکس کو نہ اصل جرمنی میں سمجھا جاسکا' نہ فرانسیسی' انگریزی اور رُوسی ترجمہ میں۔ لیکن اس اُردو ترجمہ

کے بعد مارکس پہلی مرتبہ اوسط درجہ کے قاری کی دسترس میں آ گئے ہیں۔ مارکس نے اپنے دیباچہ میں متنبہ کیا ہے کہ کتاب کی پہلی دو فصلیں خاص طور پر دشوار ہیں۔ ان فصلوں کو قریب الفہم بنانے کے لئے لمبے تشریحی نوٹ دیئے گئے ہیں جن کے بعد ان مباحث کو سمجھنے میں کوئی دشواری پیش نہ آنی چاہئے جو ''کیپیٹال'' کی تین ضخیم جلدوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ سب سے کٹھن منزل ابتدا کی یہ چند فصلیں ہیں جن سے گذرنے کے بعد اتنا اغلاق باقی نہ رہے گا جو آغازِ کتاب میں نظر آتا ہے؛ تاہم مارکس کے اندازِ نگارش کے سلسلہ میں یہ بات ذہن نشین کر لینے کی ہے کہ وہ ایک دقیق النظر فلسفی، سماجیات کو سائنسی بنیاد عطا کرنے والے مفکر، انقلابی ماہرِ معاشیات اور سب سے آخر میں مگر سب سے اہم بات یہ کہ ایک عظیم ادیب ہیں اور اِس لئے ان کے ادب میں گہرے طنز، دقیق فکر اور ادبی استعارات کا ایک دلکش اور مؤثر امتزاج پایا جاتا ہے۔ مارکس ہزاروں صفحات کے اس طویل ترجموعہ میں کسی بھی مقام پر اعلیٰ شعوری سطح سے نیچے نہیں اترے اس لئے ان سے کہیں بھی عام فہم اور سادہ طرزِ بیان کی امید نہ رکھئے۔ اسی دقتِ فکر کی وجہ سے تشریحی نوٹوں کی ضرورت ہر نقطہ پر محسوس کی گئی۔

ترجمہ کے سلسلہ میں ایک بنیادی حقیقت جسے ہر مترجم کو پیشِ نظر رکھنا چاہئے یہ ہے کہ دنیا کی تمام دو زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں اور یہ اختلاف بہت زیادہ واضح اور نمایاں ہو جاتا ہے جب دو ایسی زبانوں میں ترجمہ کا رشتہ قائم ہو جن میں سے ہر ایک زبانوں کی نام نہاد خاندانی تقسیم کے اعتبار سے بالکل ابتداء ہی میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئی ہو جیسے انگریزی اور اُردو کا معاملہ ہے کہ وہ السنہ کی مشہور تقسیم کی رُو سے زبانوں کے بالکل جدا خاندانوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ ایسی دو زبانوں کے درمیان ترجمہ کرتے وقت ان دونوں کی جدا جدا ساخت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ دونوں کے استعارے، تشبیہیں، اندازِ بیان، ادائے مفہوم کا طریقہ اور جملوں کی ساخت ایک دوسرے سے مختلف نہج رکھتے ہیں۔ اِس لئے الفاظ کا اتباع ساری بات کو اُلجھا دینے کا

سبب بن سکتا ہے۔ لفظی ترجمہ کی اصطلاح سرے سے کوئی مفہوم نہیں رکھتی۔ ترجمہ ''انتقال مفہوم'' کو کہتے ہیں۔ کسی بھی مفہومی اکائی۔ الف۔ کے لئے مصنف نے کون سے الفاظ اور جملے چنے ہیں' مترجم کے لئے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ مترجم کو دیکھنا یہ ہوتا ہے کہ متعلق مفہوم کو اپنی زبان میں بہتر طور پر ادا کرنے کے لئے مناسب طرزِ بیان کون سا ہوگا۔ مفہوم کو منتقل کرنے کے اس عمل میں اصل کا کچھ حصہ لازماً ضائع ہو جاتا ہے۔ کم سے کم حسنِ زبان کی لطافتیں تو اکثر قربان ہو جاتی ہیں۔ وہ ترجمہ سب سے کامیاب ترجمہ خیال کیا جائے گا جس میں مصنف کا زیادہ سے زیادہ مفہوم ترجمہ میں منتقل ہو جائے۔

مارکس نے کیپیٹال کے نام سے ایک علمی اور سائنسی کتاب لکھی ہے اور افلاطون کے علاوہ مفکرینِ عالم میں کوئی مصنف ایسا نہیں گذرا جس نے خالص علمی و سائنسی مباحث کو اعلیٰ ادب کی زبان میں بیان کیا ہو' لیکن مارکس سائنس کی خشک بحثوں کو ادب میں بیان کرنے کے اصول پر چلتے ہیں' اس لئے اُن کی کتاب کا ترجمہ کچھ اور زیادہ مشکل ہو گیا ہے۔ ایک طرف سائنسی صحت استعارات کا بوجھ اٹھانے سے انکار کرتی ہے اور دوسری طرف ترجمہ کے معیاری اصولوں کا تقاضہ یہ ہے کہ سائنسی صحت کے ساتھ ادبی لطافتیں بھی ترجمہ میں منتقل ہو جائیں ''کیپیٹال'' کے ترجمہ میں ان دونوں تقاضوں کا ہر ہر قدم پر سامنا کرنا پڑتا ہے۔ میں نے ایسے تمام مقامات پر جہاں سائنسی صحت اور حسنِ بیان کے تقاضوں میں تصادم نظر آیا سائنسی صحت کی ضرورتوں کا خیال رکھا ہے اور ادبی نزاکتوں کو سائنسی استدلال پر قربان کر دیا ہے۔ کوشش تو ہر جگہ یہی کی گئی کہ ترجمہ میں ان دونوں پہلوؤں کا خیال رکھا جائے مگر کئی جگہ ایسا کرنا ممکن نہ ہو سکا اور اس لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ سارے مفاہیم جو اصل میں موجود تھے- سائنسی اور ادبی دونوں- جوں کے توں اُردو میں منتقل نہیں ہوئے اور دُنیا کے کسی بھی ترجمہ میں اصل کے سارے مفاہیم کبھی منتقل ہونے ممکن نہیں ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ زیرِ نظر ترجمہ میں

اصل کا جتنا حصہ آ گیا ہے اس سے زیادہ مفاہیم کا منتقل کرنا غالباً ممکن بھی نہ تھا۔کوشش یہی کی گئی کہ ادبی عبارتوں اور اندازِ بیان کو ادبی طرزِ بیان کے ذریعہ منتقل کیا جائے لیکن اس میں کہاں تک کامیابی ہوسکی' اس کا فیصلہ قارئین کریں گے۔جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا اس ترجمہ کی اشاعت پر مترجم کو یہ ذہنی سکون حاصل ہے کہ ''کیپٹال'' اپنی پوری تاریخ میں پہلی بار اِس انداز میں اُردو میں آئی ہے کہ مارکس کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے میں اب کوئی دشواری باقی نہیں رہی۔

اردو ترجموں میں اصطلاحات کا مسئلہ شروع سے ایک مشکل مسئلہ رہا ہے۔ اصطلاحات کے سلسلہ میں میری ہر مرحلہ پر یہ کوشش رہی کہ اخلاق اور نامانوسیت سے بچا جائے یوز ویلیو (Use Value) اور ایکسچینج ویلیو (Exchange Value) کی اصطلاحیں شروع کتاب سے آخر تک بار بار استعمال ہوئی ہیں۔ان دونوں کا ترجمہ قدر استعمال اور قدر مبادلہ کے بجائے استعمالی قیمت اور مبادلاتی قیمت سے کیا گیا ہے تاکہ مفہوم کی وضاحت میں آسانی ہو۔البتہ سرپلس ویلیو (Surplus Value) کا ترجمہ قدرِ زائد ہی رکھا گیا ہے اس لئے کہ یہ ترجمہ مقبول عوام ہے۔دوسری اصطلاحات کے معاملہ میں بھی قریب الفہم ہونے کے پہلو کو خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے۔جن مقامات پر روش عام سے ہٹنے کی کوشش کی گئی فٹ نوٹ کے ذریعہ اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔تشریحی نوٹوں پر جہاں جہاں صرف ''مترجم'' لکھا ہے اس سے اُردو مترجم مراد ہے۔انگریزی مترجم نے خال خال ہی نوٹ دیئے ہیں۔ایسے مقامات پر انگریزی مترجم لکھ کر وضاحت کردی گئی ہے۔

ترجمہ سے متعلقہ چند ضروری باتوں کی وضاحت کے بعد کتاب کے مطالعہ کے سلسلہ میں بعض باتیں عرض کرنی ضروری ہیں۔ کیپٹال' فلسفہ' ادب اور سائنسی مباحث کا مجموعہ ہے۔ایک ایسی کتاب کے مطالعہ میں لفظوں کا مقام اور جملہ کی ساخت بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔اُردو مترجم نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ اصل کے زیادہ سے

زیادہ مفہوم کو اُردو میں منتقل کر دیا جائے۔ اس کوشش میں جملوں کی ساخت سے پوری مدد لی گئی ہے۔ فقروں کی تقدیم و تاخیر سے بھی اس مقصد کے حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس لئے جہاں جہاں ابہام نظر آئے وہاں جملوں کی ساخت' فقروں کے باہمی رشتوں اور حروف ربط کے استعمال کو خاص توجہ سے پڑھنا ضروری ہے۔ آپ جو کتاب پڑھ رہے ہیں وہ کوئی افسانہ یا ناول نہیں ہے اس لئے اس کے مطالعہ میں توجہ کا ارتکاز کئے بغیر کام چلنا ممکن نہیں۔ بات کتنی ہی سہل بنا کر کیوں نہ کہی گئی ہو تاہم کیپٹال۔ پھر -کیپٹال- ہے اور اس لئے اس کے مطالعہ کے دوران شعور کا ہر لمحہ بیدار رہنا ضروری ہے۔ کسی عبارت کو دشوار خیال کر کے نہ چھوڑیئے۔ مشکل عبارتوں کو دوبارہ احتیاط کے ساتھ پڑھ لیجئے اور فقروں کے دروبست اور الفاظ کے رشتوں پر نظر ڈال لیجئے۔ وہ ابہام اور اشکال دُور ہو جائے گا جو سرسری نظر میں دیکھنے سے نا قابل فہم معلوم ہوتا ہے۔

اُردو ترجمہ سے متعلقہ ان معروضات کے بعد اب آیئے کتاب کے سلسلہ میں چند دوسری باتوں پر کچھ توجہ کر لی جائے۔ کیپٹال کا سارا مجموعہ انگریزی کی تین جلدوں میں اشاعت پذیر ہوا ہے۔ زیر نظر ترجمہ ماڈرن لائبریری نیویارک کے تازہ ترین ایڈیشن سے کیا گیا ہے۔ یہ ایڈیشن تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ 1957ء میں ماسکو کے فارن لینگویجز پبلشنگ ہاؤس نے بھی تین جلدوں میں ''کیپٹال'' کا ایڈیشن چھاپا ہے۔ امریکی ایڈیشن کی پہلی اور ماسکو ایڈیشن کی دوسری جلد میرے سامنے ہے۔ امریکی ایڈیشن ماسکو ایڈیشن کی طرح تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی پہلی جلد 848 صفحات کی ہے۔ پہلی جلد میں آٹھ باب ہیں جن میں سب سے بڑا باب۔ باب اول۔ ہے۔ اردو ترجمہ کی زیرِ نظر جلد پہلے باب کا ترجمہ ہے۔ اس حساب سے اگر مارکس کے پورے مجموعہ کا ترجمہ کیا جائے تو دس یا بارہ جلدوں میں سارا ترجمہ مکمل ہو سکے گا۔ اختراعی اور تخلیقی تصنیفات کے مقابلہ میں ترجمہ زیادہ دقت طلب' زیادہ استخوان گداز کام ہوتا ہے۔ خاص طور پر ''کیپٹال'' کا ترجمہ تو ایک ایسا ہفت خواں ہے جسے سر کرتے بڑے

بڑے جفاکشوں کے چھکے آپ ہوجاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ متن کی خارزار وادیوں کو عبور کرلیا گیا ہے اور اب جو آنے والے مراحل ہیں وہ اتنے مشکل نہیں ہیں؛ تاہم مارکس کی ادق پسندی اور ترجمہ کی دقتوں کو دیکھتے ہوئے مزید جلدوں کی اشاعت اس ہمت افزائی اور ردِعمل پر منحصر ہے جو اس پہلی جلد کا ہوگا۔ قلم کاری کے پیشہ کے لئے ہمت افزائی سب سے مؤثر محرک ہوتا ہے اس لئے میں یہ وعدہ کرنے کو تیار نہیں کہ دوسری جلد کب اشاعت پذیر ہو سکے گی گو جناب مشفق خواجہ صاحب کا پروگرام یہ ہے کہ یہ سارا کام اس سال کے آخر تک اختتام کو پہنچ جائے' لیکن میرے خیال میں اس ارشاد کی تعمیل دشوار ہوگی۔ البتہ اگر اُردو مترجم کے نجی حالات سازگار رہے اور ترجمہ کا طاقتور محرک موجود رہا تو اس سال کے ختم تک دو تین جلدوں کا اشاعت پذیر ہو جانا مشکل نہیں ہے۔

ارادہ یہ تھا کہ دیباچہ میں جدلیت یعنی اس نظریہ کے متعلق جس پر مارکس کے کائناتی اور تاریخی تصور کی بنیاد رکھی ہے ایک تفصیلی بحث چھیڑی جائے گی مگر نہ تو حالات ہی اس کی اجازت دیتے ہیں اور نہ اب ان صفحات میں جو اس مقصد کے لئے چھوڑے گئے تھے اتنی گنجائش ہی باقی رہی ہے جو اس تفصیلی بحث کو یہاں بیان کیا جا سکے؛ تاہم بعض موٹی موٹی باتوں کا ذکر ضروری ہے۔ جدلیت سوفسطائیوں اور سقراط کے یہاں سے چلی ہے۔ سقراط کی بحث کا انداز ''جدلیت'' کہلاتا تھا۔ لیکن مارکس کی جدلیت ہیگل کے فلسفہ سے اخذ کی گئی ہے۔ جدلیت کا یہ فلسفہ جو متضاد اکائیوں کے تصادم سے کائنات کے عمل کی تشریح کرتا ہے تین اساسی اکائیوں سے چلتا ہے۔ پہلی اکائی۔ تھیسز۔ ابتداء۔ دوسری اینٹی تھیسز۔ نفی ابتداء۔ اور تیسری سنتھیسز۔ مرکب (ان تینوں اصطلاحات کا یہ ترجمہ مفہوم کے اعتبار سے کیا گیا ہے) ہوتی ہے۔ ہر پہلی اکائی کی جوابی اکائی پیدا ہوتی رہتی ہے اور ان دونوں کے ٹکراؤ سے تیسری اکائی پیدا ہوتی ہے۔ مارکس کائنات کی حرکتی تعبیر پر اعتقاد رکھتے ہیں۔ کائنات کی حرکتی تعبیر اور میرے اپنے تصور کائنات کے سلسلہ میں ملاحظہ ہو میرا وہ مقالہ جو بین الاقوامی فلسفہ کانگریس کے اجلاس وینس (اٹلی) ستمبر

1958ء میں پیش کیا گیا تھا۔ کائنات کی حرکی تعبیر سب سے پہلے ہیراقلیطس یونانی نے پیش کی تھی جس کی مارکس نے بڑی تعریف کی ہے۔ کائنات کی حرکی تعبیر کے نظریہ کا جس غیر معمولی ذہانت کے ساتھ مارکس اور اینگلز نے تاریخ پر اطلاق کیا ہے اس کی مثال دوسرے کسی مفکر کے یہاں نہیں ملتی۔ انسانی نسل کی عمر کا اندازہ سرسری طور پر دس لاکھ سال کیا گیا ہے لیکن انسان کی معلومہ تاریخ بمشکل 6 ہزار سال پرانی ہے۔ مارکس کا تاریخی تجزیہ اس آخر الذکر چھ ہزار سال کی مدت میں اطلاق رکھتا ہے۔ مارکس جس نظریہ سے چلتے ہیں اس کی رو سے انسانوں کی قدیم برادریاں جائیداد کے اشتراک کے نظریہ پر بنی تھیں۔ یہ برادریاں انفرادی یا اور نجی جائیداد کے نظام میں منتقل ہوگئیں اور وہ عہد جب غلاموں کو رکھنے کا رواج شروع ہوا تاریخ کے عمل میں تھیسز قرار پایا۔ تھیسز کے اپنے بطن سے اینٹی تھیسز جنم لیتا ہے اور ان دونوں کے تصادم سے سنتھیسز پیدا ہوتا ہے۔ خود تخلیقی اور تصادم کا یہ عمل تاریخ کو مستقبل کی طرف دھکیلنے کا سبب بنتا ہے جس سے مسلسل ارتقاء کی کڑیاں بنتی چلی جاتی ہیں اور یوں تاریخی عمل کی ناگزیر منطق اس عہد کو جنم دے گی جسے کمیونسٹ سماج کہتے ہیں۔

مارکس کا معاشی نظریہ رکارڈو کے محنت کے نظریہ پر مبنی ہے۔ اس تفصیلی نظریہ کو آپ اصل کتاب میں پڑھیں گے لیکن بالاختصار یہ نظریہ اس اصول پر قائم ہے کہ دولت من حیث المجموع محنت سے پیدا ہوتی ہے جبکہ اس کے برعکس وہ حضرات جو مارکس کی حمایت نہیں کرتے دولت کی پیدائش کا سبب طبعی حالات اور اتفاقی حقیقتوں کو قرار دیتے ہیں جس میں محنت کا عنصر بنیادی اہمیت کا حامل نہیں ہوتا۔ بیسویں صدی کے پہلے نصف حصہ تک اشتراکیت اور اس کے مخالف سماجی نظریے بالکل متخالف سمتوں میں چلتے تھے لیکن نئے حالات نے مختلف سماجی نظاموں کو کچھ ایسے نقطوں پر پہنچا دیا ہے جہاں اختلاف کے اسباب بہت کم رہ گئے ہیں۔ نئے عہد کو دو عظیم سماجی قدریں ورثہ میں ملی ہیں جو انسان کی تین ہزار سالہ ذہنی کاوشوں کا منطقی نتیجہ ہیں۔ سب سے پہلی مگر عظیم تر

سماجی قدر جسے انسانوں نے ہزاروں سال کے تاریخی تجربہ کے بعد ایک اصول موضوعہ کے طور پر مان لیا ہے یہ ہے کہ افراد بنیادی انسانی حقوق کے معاملہ میں مساوی سطح پر آتے ہیں۔ مکان۔ غذا۔ کام اور زندگی کی تفریحات کے حصول میں ہر شخص برابر کا حق رکھتا ہے اور کوئی وہ سماج جو فرد کے اس حق کو تسلیم نہ کرے مہذب سماج کہلانے کا حق کھو بیٹھتی ہے۔ جمہوریت کے تصور کی اپنی منطق اس بات کی متقاضی ہے کہ بنیادی انسانی حقوق اور ضروریات کے حصول میں ہر شخص کا مساوی حصہ تسلیم کیا جائے۔ ویلفیئر اسٹیٹ یا رفاہی مملکت کا تصور جس میں ہر شخص کو ترقی کے مساوی مواقع حاصل ہوں گے مہذب دنیا کا مشترکہ مثالیہ ہے اور اس مثالیہ میں وہ تمام جوہری عناصر موجود ہیں جو اشتراکی سماج کے بنانے والوں کے سامنے تھے۔

انسان نے دوسری عظیم قدر جو ہزار ہا سال کی سیاسی جدوجہد کے بعد حاصل کی ہے فکر کی آزادی اور اقتدار پر پابندیاں لگانے کا وہ نظریہ ہے جو فرد کی اقتدار جوئی کی سرگرمیوں کے ردعمل میں پیدا ہوا ہے۔ مارکس نے اس خطرہ کو دیکھتے ہوئے ریاست کو ختم کر دینے کا مشورہ دیا تھا۔ ریاست استبدادی ذریعہ کی حیثیت رکھتی ہے جو مارکس کے خیال میں کسی ایک طبقہ کا اقتدار برقرار رکھنے کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ طبقات کے ختم ہو جانے کے بعد ریاست کے قیام کی ضرورت باقی نہ رہے گی۔ سوویت روس اور دوسرے اشتراکی ملکوں میں ابھی تک ریاست کا پورا نظام اپنی تمام کیفیت کے ساتھ موجود ہے۔ جو اس بات کا ثبوت ہے کہ تا حال وہ مثالیہ پوری طرح عمل میں نہیں آسکا جو مارکس کے سامنے تھا۔ یہاں اس قدرے دقیق اور طویل بحث کو چھیڑنے کی ضرورت نہیں کہ سماج کو آگے لے جانے میں معاشی قوتوں کا کتنا ہاتھ رہا ہے اور اقتدار جوئی کا عنصر تاریخ کو حرکت میں لانے کا کس حد تک سبب بنا ہے۔ بلیخانوف نے اس سلسلہ میں بڑی دلچسپ اور فکر خیز بحث کی ہے جس سے پوری طرح اتفاق نہ کرنے کے باوجود اس مسئلہ کو سمجھنے میں کافی مدد ملتی ہے جو تاریخ کے عمل میں فرد کی شخصیت یا اجتماعی قوتیں انجام

دیتی ہیں جن میں ظاہر ہے معاشی قوتیں بنیادی اہمیت رکھتی ہیں۔

بہرحال آج کا انسان جس مثالی سماج کی طرف آگے بڑھ رہا ہے۔ وہ طے شدہ طور پر ایک ایسی سماج ہوگی جس میں طبقات کا وجود نہ ہوگا اور جس میں ہر فرد کو ہر قسم کی فکری اور ذہنی آزادیاں اور ہر نظریہ، ہر فرد اور ہر نظامِ حیات پر تنقید کا پورا پورا حق حاصل ہوگا۔ لاطبقاتی سماج کے قیام بغیر معاشی انصاف اور عدل عمرانی کے بنیادی انسانی حقوق اور مثالیے وجود میں نہ آسکیں گے اور تنقید و نکتہ چینی کی مکمل اور بلاشرط آزادی بغیر فرد کی ذہنی اور فکری نشوونما مرجھا کر رہ جائے گی اس لئے وہ سماج جو انسان کی ہزار ہا سالہ جدوجہد کا مآل اور شریف افراد کے ذہنی، فکری اور نظریاتی تقاضوں کی تسکین کا ذریعہ بن سکے، کوئی وہ سماج لازماً نہیں ہوسکتی جو لاطبقاتیت اور تنقید و نکتہ چینی کی مکمل اور بلاشرط ضمانت کے اصول پر وجود میں نہ آئی ہو۔ اس نوع کا مثالیہ اشتراکیوں کی عظیم اکثریت اور مغربی جمہوریت کے شریف اور ایماندار حامیوں کے مطالبات کا جواب اور ان کی امنگوں کی تسکین کا سبب بنے گا۔ یوں منطقی طور پر تیسری جنگ کا کوئی جواز موجود نہیں ہے لیکن وائٹ ہیڈ کے بقول اس بدقسمتی کا کیا علاج کہ انسان کی تاریخ کو حرکت دینے میں شعور کے عنصر نے محض ناقابل اعتنا پارٹ ادا کیا ہے اور اس بات کی کوئی ضمانت موجود نہیں کہ بین الاقوامی جھگڑوں کے حل میں شعوری تقاضوں سے ہٹنے کی کوشش نہ کی جائے گی۔

ان فلسفیانہ مباحث سے گذر کر آیئے اب ذرا اس شخص کی زندگی پر ایک نظر ڈالیں جس نے انسانی تاریخ کا نیا بہاؤ پیدا کیا اور جو ایک نئے عہد کو جنم دینے کا اعزاز رکھتا ہے۔ کارل ہائن ریخ مارکس 1818ء میں ٹرائر یا ٹریوس نامی شہر میں پیدا ہوا۔ اس شہر کی آبادی 1950ء میں 88 ہزار تھی۔ ٹرائر دریائے موزیل رہائن لینڈ میں واقع ہے اور آج کل کپڑے کے کارخانوں۔ مشینری۔ چمڑے اور لوہے کے سامان اور شراب کی کشید کے لئے مشہور ہے۔ جرمنی کا یہ علاقہ جو آج کل دنیا کے مشہور صنعتی علاقوں میں شمار کیا جاتا ہے، نپولین کے قبضہ میں آجانے کے بعد فرانسیسی انقلاب کے لبرل خیالات سے

سب سے زیادہ متاثر ہوا تھا۔ انیسویں صدی کے پہلے 25 سال میں جرمنی اور خاص طور پر رہائن لینڈ صنعتی انقلاب کے ابتدائی کرب کا تجربہ کر رہا تھا۔ مارکس کی پیدائش سے تین سال پہلے ورٹرلو کی تاریخی جنگ لڑی گئی تھی جس میں نپولین کو مکمل شکست ہوئی اور اسے جزیرہ سینٹ ہیلینا میں نظر بند کر دیا گیا۔ مارکس نے اس جرمنی میں آنکھیں کھولیں جو جاگیرداری عہد کی گہری خصوصیات رکھتا تھا۔ جرمنی کے حکمران فرانسیسی انقلاب کے نظریوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اس زمانہ میں جرمنی کے شہروں کی جو حالت تھی اسے ڈاکٹر کلے فام نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''یہ شہر پریوں کے قصوں' کہانیوں کے چھوٹے چھوٹے پرسکون مقامات تھے جن کی بے ترتیب چھتیں اور منارے عجیب منظر پیش کرتے اور جن سے ان چھوٹے چھوٹے شہروں کے کھیت اور نخلستان صاف نظر آتے تھے''۔

ٹرینٹی کالج کیمبرج کے لیکچرار پروفیسر مارس دوب ایم۔ اے۔ نے اپنی کتاب ''آن اکانمک بھیٹری اینڈ سوشلزم'' میں اپنا وہ لیکچر شائع کیا ہے جو انہوں نے مارکس پر 14 نومبر 1942ء کو کیمبرج یونیورسٹی کی معاشیات اور سیاسیات کی فیکلٹی کی نگرانی میں دیا تھا۔ مارکس کی زندگی کے آنے والے حالات میں اس لیکچر سے کافی مدد لی گئی ہے۔ پروفیسر مارس دوب نے لکھا ہے کہ مارکس مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے یہودی خاندان کا رکن تھا۔ اس نے جس گھر میں آنکھیں کھولیں وہ بیروک طرز تعمیر پر بنا تھا۔ مارکس کے دادا۔ ربی یعنی یہودی فرقہ کے فقیہ تھے اور ماں کے آباء واجداد ہالینڈ میں ایک سو سال کی زیادہ مدت تک ربی کے عہدہ پر فائز رہے تھے۔ لیکن مارکس کے والد نے 1826ء یعنی بیٹے کی پیدائش کے چھ سال بعد عیسائی مذہب اختیار کر لیا۔ مارکس کا بیرسٹر باپ روایتی طرز کا مفکر تھا۔ وہ پروشیائی اسٹیٹ کی عظمت کا معترف اور فریڈرک اعظم کا بڑا مداح تھا جبکہ اسے نپولین سے دلی نفرت بلکہ عداوت تھی۔ سترہ سال کی عمر میں مارکس کو ایک سال کے لئے بون یونیورسٹی میں داخل کر دیا گیا۔ جہاں اس نے قانون کا

مطالعہ شروع کیا لیکن یہ مدت فضول کی مصروفیات میں گذر گئی اور باپ نے بیٹے کو متعدد خطوط میں اس بات پر توبیخ کی کہ وہ اپنا وقت فضول کاموں میں کیوں ضائع کرتا ہے۔ مارکس اس زمانہ میں طلباء کی انجمن شعراء اور مجالس مئے خواران کا رکن بھی رہا۔ بلکہ بون یونیورسٹی کے رکارڈ میں یہ دلچسپ واقعہ بھی درج ہے کہ یونیورسٹی کے حکام نے مارکس کو اس جرم میں ایک دن کے لئے قید کی سزا دی کہ وہ پوری رات شراب میں دُھت رہا اور یونیورسٹی کے امن وسکون کو غارت کر دینے کا باعث بنا۔ مارکس نے ایک مرتبہ ڈوئیل بھی لڑی تھی جو غالباً نشہ کے عالم میں لڑی گئی تھی۔ مارکس کے گھر کے قریب سول سروس کے ایک ممتاز رکن اور پریوی کونسل کے ممبر رہتے تھے۔ جن کا نام بیرن فان ویسٹ فیلن تھا۔ یہ آدھے جرمن اور آدھے اسکاچ تھے اور بڑے وسیع الذوق اور صاف دل و دماغ کے بزرگ تھے۔ ان کی لڑکی مارکس کی بہن کی سہیلی تھی جس سے مارکس کی منگنی ہوگئی اور پھر دونوں میں گاڑھی چھلنے لگی۔ خیال یہ ہے کہ بون یونیورسٹی کے ریکارڈ میں جو واقعہ درج ہے وہ اس رومان کے جذباتی ہیجان ہی کے عالم میں ہوا تھا۔ فان ویسٹ فیلن سے مارکس کو باپ جیسی محبت تھی۔ فیلن۔ مارکس کو لائبریری کے متعلق تفصیلات بتایا کرتے۔ دونوں گھومنے کے لئے قریب کے پہاڑوں میں چلے جاتے۔ دوران گفتگو میں فیلن۔ ہومر۔ اور شیکسپیئر کی پوری پوری نظمیں مارکس کو سنا دیتے۔ شیکسپیئر سے مارکس کا تاثر اسی عہد سے شروع ہوا ہوگا۔

بون یونیورسٹی کی سرگرمیوں سے باپ راضی نہ تھے۔ اس لئے انہوں نے بیٹے کو برلین یونیورسٹی میں داخل کر دیا جہاں مارکس نے سنجیدگی کے ساتھ علوم کا مطالعہ شروع کیا۔ اس زمانہ میں برلین یونیورسٹی کی کیا حالت تھی۔ لڈوگ فیورباخ نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> ”برلین یونیورسٹی کے مقابلہ میں جو واقعی کام گھر کی حیثیت رکھتی ہے باقی ساری یونیورسٹیوں میں عیاشی کا رجحان پایا جاتا ہے“۔

برلین یونیورسٹی کے زمانہ کی جو مشق کی کاپیاں ہیں ان میں کئی عشقیہ گیت بھی ملے ہیں جو مارکس نے اپنی منسوبہ کی یاد میں کہے تھے۔ان میں سے دوتو جرمنی کے رسالہ ''اتے توم'' میں چھپ چکے ہیں۔ مارکس قانون کا طالب علم تھا لیکن وہ قانون کے لیکچروں میں بہت کم شرکت کرتا اور زیادہ وقت جرمنی کی تاریخ۔ادب اور کلاسیکیات کے وسیع مطالعہ پر صرف کیا کرتا۔لیکن مارکس کے والد اس رجحان سے بہت ناراض تھے۔وہ چاہتے تھے کہ ان کا بیٹا منظم عملی پیشہ اختیار کرے جو اس وسیع فکری اور ادبی مطالعے سے ہم آہنگ نہیں ہوتا۔ مارکس کے والد میں بیماری کی وجہ سے چڑچڑا پن پیدا ہو گیا تھا۔ انہوں نے بیٹے کو سخت زجر و توبیخ پر مشتمل خطوط لکھے جن میں اس بات پر غصہ کا اظہار تھا کہ مارکس میں ''نظم وضبط کا فقدان اور قابلِ کراہت ناسماجیت پائی جاتی ہے اور یہ کہ وہ سائنس کے تمام کھیتوں میں چرتا پھرتا ہے''۔یونیورسٹی میں مارکس نے ڈاکٹوریٹ کے لئے جو مقالہ تیار کیا وہ دیمقراطیس اور ابیقورس کے فلسفوں کے توازنی مطالعہ سے تعلق رکھتا تھا۔ مارس نے قانون کے مطالعہ کے دوران فلسفہ قانون کو دریافت کرنے کی سعی کی ہوگی جہاں سے ذوق فلسفہ بڑھا اور پھر اس نے فلسفہ تاریخ کو دریافت کرنے کی کوشش کی۔مارکس 1835ء میں یونیورسٹی میں داخل ہوا تھا۔اور 1825ء میں ہیگل کا انتقال ہوا۔گویا مارکس کے یونیورسٹی میں داخل ہونے سے صرف دس سال پہلے۔اس زمانہ میں جرمنی کی یونیورسٹیوں میں ہیگل کا طوطی بول رہا تھا۔مگر ہیگل کے مقلدین دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے۔ایک گروہ دائیں بازو کے خیالات کی نمائندگی کرتا اور دوسرا بائیں بازو کے رجحانات کا نمائندہ تھا۔ دائیں بازو والے ماضی کی تمام روایات اور اداروں کے بچانے پر زور دیتے جبکہ بائیں بازو کے حامی ہیگل کے فلسفہ کے اس حصہ سے دلچسپی لیتے تھے جو تغیر سے تعلق رکھتا ہے۔وہ اس تغیر پذیری کے رجحان کو کام میں لا کر لبرل خیالات اور ابھرتی ہوئی جمہوری قدروں کی تائید کیا کرتے۔ ہیگل کے فلسفہ کے سلسلہ میں پروفیسر ای۔ایچ۔کار۔نے بڑے کام کی بات کہی ہے کہ:

''ہیگل اپنے اصول اور اندازِ بحث میں ترقی پسند انقلابی مگر اپنے فلسفہ کے نتائج میں رجعت پرست ہے۔ دائیں بازو والے اس کے نتیجوں پر جمے ہوئے تھے جبکہ بائیں بازو والے ہیگلی طریقہ بحث کو اختیار کر کے خود اس کے فلسفہ کے نتائج کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتے تھے''۔

جرمنی کی فکری بحثوں کی یہی وہ فضا تھی جس میں مارکس کے شعور کی تربیت ہو رہی تھی۔ پہلے پہل مارکس کو ہیگل کے فلسفہ نے اپنی طرف متوجہ نہ کیا مگر اتفاق سے اسی زمانہ میں اسے ایک سخت بیماری لاحق ہوگئی۔ بیماری کی اس مدت کو اس نے ہیگل کے فلسفہ کے مفصل مطالعہ کے لئے وقف کر دیا۔ ہیگل سے گہری واقفیت نے خود مارکس کو ہیگلی بنا دیا۔ چنانچہ وہ نوجوان ہیگلیوں کے بائیں بازو کے گروہ کا ممبر بن گیا اور جلد ہی اپنے ساتھیوں میں نمایاں مقام حاصل کر لیا۔ اس گروہ کے ایک پرانے رکن موز زہس تھے جنہوں نے مارکس کی اس زمانہ کی سرگرمیوں کے سلسلہ میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے کہ:

''اس نوجوان نے تمام ہیگلیوں پر بڑا گہرا اثر چھوڑا ہے۔ غالباً یہ نوجوان موجودہ دنیا کا وہ واحد شخص ہے جسے فلسفی کہا جا سکتا ہے۔ اس میں گہرا فلسفیانہ خلوص بھی موجود ہے اور چبھتی ہوئے طنز سے بھری ذہانت بھی''۔

ہیگل کے تنقیدی اندازِ بحث میں مارکس نے جو مہارت حاصل کی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تنقید کی یہ ساری صلاحیتیں خود ہیگل کے خلاف استعمال ہوگئیں اور اس نے ہیگل کے فلسفہ کو الٹ کر رکھ دیا۔ بحث ونظر کے بعد مارکس نے یہ رائے قائم کی کہ کسی عہد کا فلسفہ اور نظریے اس عہد کے سماجی اور معاشی کردار کو متعین نہیں کرتے بلکہ خود سماجی و معاشی حالات ہی کسی عہد کے فلسفہ اور نظریوں کا تعین کرتے ہیں۔ یہاں سے قدرتی طور پر یہ ضروری معلوم ہوا کہ سماجی اور معاشی حالات کے مطالعہ کو اپنا موضوع بنایا جائے چنانچہ مارکس کی آئندہ فکری سرگرمیاں اسی موضوع کے گرد گھومتی ہیں۔ 1845ء میں

اس نے مشہور فلسفی فیور باغ کی بابت جو خیالات ظاہر کیے تھے۔ان کے آخر میں یہ مشہور جملہ بھی لکھا تھا کہ:

''ماضی میں فلسفیوں نے کائنات کی نت نئے انداز میں تشریحیں کی ہیں۔اب وقت آ گیا ہے کہ ہم اس انداز کو یکسر بدل کر رکھ دیں''۔

ابھی تک مارکس کی خواہش یہ تھی کہ وہ کوئی علمی پیشہ اختیار کرے۔ مارکس کا دوست برونو بار بون یونیورسٹی میں دینیات کا لیکچرار مقرر ہو گیا تھا۔ بار کی توقع یہ تھی کہ مارکس کے لئے بھی یونیورسٹی میں موقع نکال لیا جائے گا مگر بار نے عہد نامہ جدید پر جو خطبات دیے تھے ان سے پروشیائی حکومت خفا ہو گئی۔ڈاکٹر ہو جانے کے بعد مارکس نے ڈیوٹشے جارہ بوچ میں ایک مضمون لکھا جس میں پروشیائی سنسر کی مذمت کی گئی تھی جس سے اس کے لیکچرار بننے کے امکانات تقریباً ختم ہو کر رہ گئے اس کے دوسرے سال جنوری میں کچھ آزاد خیال تاجروں نے اخبار رائے نشے زائٹنگ کی بنیاد ڈالی جو رجعت پرست کو نشے زائٹنگ کے مقابلہ میں نکالا گیا تھا۔اخبار کے اسٹاف میں ہیگل کے نوجوان پیروؤں کے کلب کے ممتاز ارکان کو رکھا گیا۔ مارکس بھی اس پرچہ میں مضمون لکھا کرتا تھا بلکہ اکتوبر میں اسے اخبار کا ایڈیٹر مقرر کر دیا گیا۔ جلد ہی برلین کے حکمران اس پرچہ کو خطرناک خیال کرنے لگے۔ایڈیٹری مارکس کا آخری علمی پیشہ تھا۔ایڈیٹری کے زمانہ میں مارکس کو مروجہ مسئلوں سے آگہی کا موقع ملا جیسے قانون جائیداد اور کسانوں پر اس کا اثر یا آزاد تجارت کا معاملہ۔ مارکس کے اخبار پر کمیونسٹوں سے ساز باز کرنے کا الزام لگایا گیا۔اس الزام نے مارکس کو فرانسیسی سوشلسٹوں کی مکتوبات پڑھنے پر متوجہ کیا تاکہ یہ اندازہ لگایا جا سکے کہ مذکورہ الزام صحت پر مبنی ہے یا نہیں۔1843ء میں اخبار نے موزل کے کسانوں کی خراب حالت پر مضامین کا ایک سلسلہ شائع کیا جس میں پولیس کے ان مظالم کی مذمت بھی کی گئی تھی جو اس نے غریب کسانوں پر کیے تھے۔ان مضامین کی اشاعت پر حکومت نے اخبار رائے نشے زائٹنگ کو وارننگ دی کہ اسے بند کر دیا جائے

گا۔ سنسر کے ذمہ داروں نے یہ بات نوٹ کی کہ:

''ڈاکٹر مارکس انتہا پسندانہ جمہوری نظریے رکھتے ہیں جو کہ پروشیائی حکومت کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہیں''۔

مارکس نے ایڈیٹری سے علیحدگی اختیار کر لی تاکہ اس کے خیالات اخبار کے بند ہو جانے کا سبب نہ بن جائیں۔

اخبار سے علیحدگی کے بعد کا زمانہ مارکس کے نسبتاً سکون کا زمانہ تھا۔ اس نے اس فرصت کو غنیمت جان کر اپنی محبوبہ ''جینی'' سے شادی کر لی۔ جینی ایک مالدار باپ کی بیٹی تھی لیکن اس نے مارکس کی شریکِ زندگی بن کر جرأت کے ساتھ وہ تمام مصیبتیں جھیل لیں جن کے لئے وہ بالکل موزوں نہ تھی۔ جینی نے فاقہ کشی اور افلاس کے کئی سال بڑی ثابت قدمی سے گذارے۔ وہ اپنے شہر کی سب سے زیادہ حسین لڑکی تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں یہ دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے کہ مارکس جب اپنی شادی کے بیس سال بعد سسرال گیا تو یہ جان کر بہت خوش ہوا کہ اس کی بیوی کو ٹرائر کے باشندے ابھی تک اپنے شہر کی سب سے زیادہ حسین لڑکی کی حیثیت سے یاد کرتے ہیں۔ ہنی مون کا زمانہ عیش و نشاط کا زمانہ ہوتا ہے لیکن مارکس نے ہنی مون کو بھی مطالعہ اور فکری سرگرمیوں سے خالی نہ رکھا۔ اس عرصہ میں اس نے پانچ نوٹ بکیں بھریں جن میں مانٹینسکو، روسو اور میکیاویلی کے لمبے چوڑے اقتباسات موجود ہیں۔ اُس زمانہ میں نوجوان ہیگیلیوں سے برابر خط و کتابت جاری رہی جس میں ایک اخبار نکالنے پر تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ اخبار پیرس سے نکالا جائے۔ اخبار کو کامیاب بنانے کے خیال سے مارکس پیرس منتقل ہو گیا اور یہیں سے اس کی جلاوطنی کا طویل زمانہ شروع ہوتا ہے۔ یہ 1843ء کی بات ہے جہاں سے مارکس کو فرانسیسی سوشلسٹوں اور کلاسیکی معاشیین کے خیالات اور نظریوں سے آگاہی کا موقع ملا۔ اسی زمانہ میں اسے رکارڈو۔ میک کلاک۔ آدم اسمتھ جیمس مل اور سے کی کتابیں پڑھنے کا موقع بھی ملا۔ اخبار تو زیادہ دن نہ چل سکا مگر اس کا ایک بڑا

فائدہ یہ ہوا کہ اس طرح مارکس اور اینگلز سے واقفیت اور پھر دوستی کا ذریعہ پیدا ہو گیا۔ اینگلز نے اخبار کے پہلے پرچہ پر اپنا تبصرہ بھیجا جس کے ساتھ ایک مضمون بھی تھا۔ فریڈرک اینگلز کا خاندان ان خاندانوں میں شامل تھا جنہوں نے جرمنی میں مشینی کتائی کی صنعت شروع کی ہے۔ اینگلز کو اوائل عمر میں توپ خانہ کے گارڈ میں تربیت کے لیے داخل کیا گیا تھا۔ بائیس سال کی عمر میں اسے مانچسٹر بھیج دیا گیا جہاں اس کے خاندان نے اپنی فرم کی شاخ قائم کی تھی۔ اینگلز کو برلین میں ہیگل کے نوجوان پیروؤں سے جو بائیں بازو کا رجحان رکھتے تھے کافی ارتباط کے مواقع ملے تھے۔ انگلستان میں اسے انقلاب پسندوں اور سوشلسٹ حلقوں سے قریب آنے کا موقع ملا۔ 1843ء میں اینگلز نے رابرٹ اودن کے لئے ایک مقالہ لکھا جس کا عنوان تھا ''نئی اخلاقی دنیا'' چارٹسٹ گروہ کا ترجمان ناردرن اسٹار۔ جلد ہی اینگلز کی دلچسپیوں کا مرکز بن گیا اور اس نے اس اخبار میں متعدد مضامین لکھے۔ 1844ء میں مارکس سے اینگلز کی ملاقات پیرس میں ہوئی اس زمانہ میں اینگلز اپنی کتاب.......... 1844ء میں انگلستان میں مزدوروں کی حالت پر کام کر رہا تھا۔ مارکس نے پہلی ہی ملاقات میں پرکھ لیا کہ ایک ہم خیال رُوح اسے مل گئی ہے۔ جرمنی کے دورانِ قیام میں مارکس جس اندازِ نظر کی حمایت کرتا تھا اس کا اندازہ اس کے اس مشہور قول سے ہوگا کہ:

> ''ہر وہ چیز جو موجود ہے بے رحم تنقید کی آماجگاہ بنی چاہئے۔ بے رحم اس اعتبار سے کہ تنقید نہ اپنے نتائج سے گھبرائے اور نہ کسی کے اقتدار سے خائف ہو''۔

مارکس کے خیال میں تنقیدی فلسفہ کا کام یہ ہے کہ وہ سماج میں اپنی ذات کا شعور پیدا کرے جو سماج کو یہ بتائے کہ وہ کس مقصد سے جدوجہد کرتی ہے۔ تنقید کو سیاسیات میں حصہ لے کر ابھرنا چاہئے۔ گویا یوں کہئے کہ اسے حقیقی جدوجہد میں حصہ لینا چاہئے۔ پیرس میں مارکس کی توجہ حقیقی زندگی کے جائزہ پر مرکوز رہی۔ اینگلز سے ملاقات

نے اسے معاشی حالات کے گہرے جائزے اور سرمایہ داری نظام کی تنقید پر متوجہ کیا۔ اینگلز انگلستان کے حالات سے گہری آگہی رکھتا تھا۔ سرمایہ داری کے انہیں حالات پر مارکس کی تنقید بھی ملتی تھی۔

مارکس پیرس ہی میں مقیم تھا کہ فرانس کے وزیر خارجہ۔ گیزے نے حکومت پر پروشیا کے دباؤ سے مجبور ہو کر مارکس کو پیرس سے نکال دیا اور اسے بروسلز میں پناہ لینی پڑی۔ بروسلز سے اینگلز کے ساتھ مارکس نے انگلستان کا دورہ کیا جہاں وہ ڈیڑھ ماہ مقیم رہا۔ انگلستان میں چارٹسٹوں اور ٹریڈ یونینوں کی سرگرمیاں تیزی سے جاری تھیں۔ مارکس نے ان تحریکوں کا گہرا مطالعہ کیا اور اس طرح پہلی بار اسے برطانیہ کی مزدور تحریک سے واقفیت حاصل کی۔ مارکس کی رائے یہ تھی کہ اس تحریک سے نظریاتی مخالفت ممکن نہیں۔ اس لئے کہ مذکورہ تحریک کے پاس کوئی نظریہ موجود نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ اصل مسئلہ ری پبلک اور انفرادی شہنشاہی نظام کے اختلاف کا نہیں ہے۔ اصل سوال مزدوروں اور بورژوازیوں کے عمل اور کردار کا ہے۔ مارکس نے 1847ء کے موسمِ خزاں میں پھر انگلستان کا دورہ کیا۔ اس سفر کا مقصد فریٹرنل ڈیماکریٹس نامی جماعت کے جلسہ کی شرکت تھی۔ اسی سفر میں کمیونسٹ لیگ نامی مجلس کے جلسہ میں بھی وہ شریک ہوا جو کہ ایک بین الاقوامی ادارہ تھا۔ اسی کمیونسٹ لیگ نے مارکس اور اینگلز کے سپرد یہ کام کیا تھا کہ وہ اس جماعت کا منشور تیار کریں اور یہی وہ منشور تھا جس کی اساس پر آئندہ سال کمیونسٹ منیفیسٹو تیار ہوا جو تاریخی اہمیت کا حامل ہے اور جسے مزدور تحریک کا سب سے عظیم منشور شمار کیا جاتا ہے۔ اس تاریخی دستاویز کو ایک جرمن پرنٹر نے 46 لیور پول اسٹریٹ لندن میں چھاپا تھا۔ مارکس بروسلز میں بھی زیادہ عرصہ قیام نہ کر سکا اور 1848ء کے انقلابی سال میں بلجیم کی حکومت نے اسے بروسیلز سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ بروسلز سے مارچ کے شروع میں وہ پیرس گیا جہاں سے اینگلز کے ساتھ کولون روانہ ہو گیا تا کہ اخبار نیوے رائی نشے رائنگ کو ایڈٹ کرے یہ اخبار جمہوریت کے ترجمان کی حیثیت سے

سامنے آیا تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مزدوروں' کسانوں اور ترقی پسند بورژوازیوں کو انفرادی اقتدار کے خلاف منظّم کرے۔ 1849ء میں جرمنی کی حکومت نے اخبار کو بند کردیا اور ایڈیٹر کو حکم دیا کہ وہ 24 گھنٹے کے اندر پروشیا کی سرزمین سے نکل جائے۔ اخبار تو بند کردیا گیا مگر ایڈیٹر نے آخری پرچہ کو سرخ رنگ میں شائع کیا اور صفحہ اوّل پر ''فرائی لی گریتھ'' کی نظم شائع کی۔ اینگلز کولون سے جنوبی علاقہ میں چلا گیا تاکہ اس باغی فوج میں شرکت کرے جو بیڈن میں بھرتی کی جارہی تھی اور مارکس اپنی بیوی اور تین بچوں سمیت پیرس چلا گیا جہاں نام بدل کر مقیم ہوگیا۔ اخبار کی اشاعت میں مارکس کا سارا سرمایہ ختم ہوچکا تھا اس لئے سفر کا خرچ اور پیرس کے مکان کا کرایہ ادا کرنے کے لئے بیوی کا زیور گروی رکھ دینے کی نوبت آ گئی۔ پیرس کی پولیس نے جلد ہی مارکس کا پتہ چلالیا اور اسے دوبارہ ہجرت کے لئے مجبور ہونا پڑا۔ اس مرتبہ اس نے لندن میں پناہ لی۔ لندن مارکس کی مستقل قیام گاہ ثابت ہوا اور تھوڑے تھوڑے وقفوں کے علاوہ اس نے اپنی بقیہ عمر کے تیس سال لندن ہی میں گذار دیئے۔

لندن میں چند دنوں مارکس کا قیام چلسیا اور کیمبرول میں رہا جہاں اس کی قیامگاہیں ساز و سامان سے آراستہ تھیں لیکن اس خرچ کو وہ برداشت نہ کرسکا۔ اور سامان کی ضبطی تک نوبت پہنچی۔ اس لئے اس مختصر سے خاندان کو سوہو کے ایک مکان میں منتقل ہونا پڑا۔ جس میں صرف دو کمرے تھے جن میں سے ایک کمرہ باورچی خانے کا بھی کام دیتا تھا اور سونے اور بیٹھنے کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا۔ پہلے مارکس کا خاندان سوہو کی ڈین اسٹریٹ نمبر 69 پر مقیم رہا اور اس کے بعد اس سڑک کے مکان نمبر 38 میں۔ اس زمانہ میں مارکس کی آمدنی کا ذریعہ کچھ تو اخبارات کے وہ مضامین تھے جو کافی وقفوں بعد چھپتے۔ مارکس نیویارک ٹرائیبون کا لندن کا نمائندہ بھی رہا۔ ایک بار اس نے اخبار کے صدر دفتر سے درخواست کی کہ اس کی ہر خبر کا معاوضہ دو ڈالر کے بجائے چار ڈالر کردیا جائے مگر ٹرائیبون کے ذمہ داروں نے اس درخواست کو منظور نہ کیا۔ امریکہ کے موجودہ

صدر مسٹر جان کینیڈی نے ایک بار کہا تھا کہ اگر امریکہ کا یہ سرمایہ دار اخبار مارکس کے مطالبہ کو مان لیتا تو ممکن ہے تاریخ کا رخ اب سے مختلف ہو جاتا۔ اخبار سے حاصل شدہ اس آمدنی کے علاوہ اپنی سسرال کی چاندی یا اوورکوٹ کو گروی رکھ کر نیز اینگلز کی مسلسل مدد کے ذریعہ وہ اپنے اخراجات چلاتا رہا۔ اینگلز کی یہ مالی امداد دراصل ایک دوستانہ انداز تھا اپنی مساعی کو مجتمع کرنے کا۔ اس میں لین دین کی کیفیت نہ تھی۔ خاندان مارکس کے لئے یہ زمانہ شدید افلاس کا دور تھا۔ جس سے اس کی بیوی کی صحت پر بہت برا اثر پڑا۔ اس بھیانک غربت اور فاقہ کشی کی وجہ سے اس کی ایک لڑکی اور دو بچے انتقال کر گئے۔ مارکس کا سب سے بڑا لڑکا جس کی عمر 9 سال تھی ان دونوں بچوں میں شامل تھا۔ مارکس کو اپنے اس بیٹے سے بڑی محبت تھی اور اس لئے بچہ کی موت نے باپ پر بڑا گہرا اثر ڈالا۔ دنیا کے بہت سے معاشیین غربت کے تذکرے تو کرتے ہیں مگر وہ مارکس کی طرح غربت کے عملی تجربات سے بالکل محروم رہتے ہیں۔ جب مارکس کے بیٹے ''فران زسیکا'' کا انتقال ہوا تو باپ کے پاس اتنے روپے بھی نہ تھے کہ بیٹے کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا جا سکتا۔ کچھ دن بعد مارکس کو ایک شدید بیماری لاحق ہوئی اس موقع پر اس نے اینگلز کو ایک خط میں لکھا کہ میرے پاس اتنے پیسے بھی موجود نہیں ہیں کہ دوا خرید سکوں اس لئے ڈاکٹر کو بلانے کا ارادہ ملتوی کر دیا ہے۔ آخر میں اس نے لکھا کہ:

> ''پچھلے آٹھ دس دن میں اتنی تنگی ترشی رہی کہ میں اپنے بال بچوں کو صرف روٹی اور آلو ہی مہیا کر سکا' مگر آج تو ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ اتنا کچھ بھی مہیا کرنا ممکن نہ ہو سکے گا''۔

اس تمام مدت میں مطالعہ کا کام برابر جاری رہا اور وہ برٹش میوزیم کے ریڈنگ روم میں گھنٹوں کتابوں کے پڑھنے میں مشغول رہتا۔ 28 ستمبر 1959ء کی شام کے سوا پانچ بجے اپنے دورہ کے سلسلہ میں جب میں برطانوی حکومت کی دعوت پر لندن میں مقیم تھا تو برٹش میوزیم کے ریڈنگ روم کے نگران کی عنایت سے میں نے ریڈنگ روم کا وقت

گذرنے کے بعد بھی تھوڑی دیر کے لئے اس بیضوی ہال کو دیکھا جس کے بڑے دروازہ سے کوئی دس قدم اندر وہ تاریخی کرسی رکھی تھی جس پر مارکس نے بیٹھ کر ان کتابوں کا مطالعہ کیا تھا جو ''کیپیٹال'' کی تصنیف میں ماخذ بنی تھیں۔ اس کرسی پر مارکس کے نام کی کوئی تختی لگی ہوئی نہ تھی۔ نگراں سے اس سہو کا سبب پوچھا گیا تو وہ صرف یہ جواب دے سکا کہ اس ہال میں اتنے اکابر عالم نے کتب کا مطالعہ کیا ہے کہ ان سب کی تختیاں لگانا ممکن نہیں ہے۔ برٹش میوزیم میں مارکس روزانہ صبح نو بجے سے شام کے سات بجے تک کتابوں کے سمندر میں غرق رہتا۔ اس کے اپنے الفاظ ہیں:

''میں فلسفہ سیاسیات کی بھول بھلیوں میں کھو جاتا''۔

شام کا وقت لکھنے میں صرف ہوتا اور رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔ اس تمام مدت میں ایک کے بعد دوسرا سگریٹ برابر جلتا اور بجھتا رہتا۔ مارکس کو کھیلوں میں شطرنج سے بڑی دلچسپی تھی۔ لکھنے پڑھنے سے جب تھکتا تو شطرنج کھیلنے بیٹھ جاتا۔ لیکن جینی کے کہنے سے یہ کھیل کھیلنا چھوڑ دیا۔ اس لئے کہ شطرنج کے دوران وہ ذرا ذرا سی بات پر مشتعل ہو جاتا اور سارا کھیل لڑائی جھگڑے میں ختم ہو جاتا۔ گھریلو پریشانیوں کو بھلانے کے لئے اس نے کیلکولس پر ایک مقالہ بھی لکھا تھا۔ کبھی وہ شیکسپیئر کی نظمیں گنگناتا اور کبھی ایسچائلیس کو یونانی زبان میں پڑھتا اور یوں مکروہات دنیوی سے نجات پالیا کرتا۔ کسی اتوار کو گونا در ہی ایسا ہوتا اپنے بیوی بچوں کو لے کر جیک اسٹرا کاسل کی گھاس پر پکنک کے لئے چلا جاتا۔ ایسے مواقع پر بیوی بچوں کے علاوہ اس کی وفادار خادمہ لنچن بھی ساتھ ہوتی۔ یہ سب اپنے پرانے خاندانی صندوق میں ترکاریاں وغیرہ جمع کر کے لے جاتے اور ہیمپسٹڈ ہیتھ میں اتوار کا دن گذار دیتے۔

پکنک کا یہ دن مارکس کی ذہنی آزادی کا دن ہوتا۔ کبھی اچھل کود کر اور مزے لے لے کر اشعار گنگناتا۔ کبھی اپنے بچوں کو پشت پر بٹھا کر کیولیری کھیل کھیلتا جس میں بڑی بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے۔ یا انہیں خوش کرنے کے لئے خود خچر پر سوار ہو جاتا اور بڑے

قاعدہ سے اسے چلاتا۔ لائب تخت نے ایک دلچسپ رات کا ذکر کیا ہے جو مارکس لائب تخت اور برونو بار نے گذاری تھی۔ تینوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ ٹوٹنہام کورٹ روڈ کی ساری طوائفوں کے کوٹھوں کا دورہ کریں گے۔ اس علاقہ میں وہ نئے قسم کے لوگوں کی سوسائٹی میں جا پھنسے اور مآل کار وہاں سے بھاگ کر کالج کے لڑکوں کی طرح گیس کی لالٹینوں پر پتھر پھینکنے لگے جس پر چار پولیس کانسٹیبلوں نے سوہو کی گلیوں میں ان کا تعاقب کیا۔

سوہو میں خاندان مارکس نے کافی عرصہ سخت مصیبت اور تنگی میں گذارا آخر چھ سال بعد خوشدامن کا کچھ ورثہ ملا جس سے مارکس نے تھوڑا استعمالی فرنیچر خریدا۔ اپنے گروی شدہ کپڑے چھڑائے اور ہیوراسٹاک ہل کے زیادہ دلکش ماحول میں مکان کرایہ پر لے لیا۔ پہلے یہ خاندان گریفٹن ٹیرس پر رہا اور اس کے بعد میٹلنڈ پارک روڈ پر۔ فرسٹ انٹرنیشنل کا جب قیام عمل میں آیا تو مارکس اسی علاقہ میں مقیم تھا۔ فرسٹ انٹرنیشنل کا پورا نام تھا۔ انٹرنیشنل ورکنگ منس ایسوسی ایشن۔ سینٹ مارٹس ہال لندن کے ایک جلسہ میں برطانی ٹریڈ یونین کے لیڈروں اور فرانسیسی سوشلسٹوں کی تجویز پر اس مجلس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ یہ جلسہ 1864ء میں ہوا اور پروفیسر بیلی جلسہ کے صدر تھے۔ مارکس ہیوراسٹاک ہل ہی میں مقیم تھا جب اس نے 1859ء میں اپنی کتاب ''اے کنٹری بیوشن ٹوائے کریٹیک آف پولیٹیکل اکانمی'' لکھی اور 1865ء میں کیپیٹال کی پہلی جلد مکمل کی جو دو سال بعد 1867ء میں پہلی بار جرمنی میں چھپی۔ مارکس نے اپنی تصنیفات میں مسائل کے ساتھ کس قدر انصاف کیا ہے اس کا اندازہ اس بات سے ہوگا کہ اس نے جب مشینری پر بحث چھیڑی تو جرمن اسٹریٹ لندن کے جیلوجیائی انسٹیٹیوٹ میں ٹکنالوجی کی عملی تربیت حاصل کرنے کے لئے داخل ہوگیا تاکہ مشینری سے متعلق ٹھیک معلومات حاصل کرنے کے بعد ہی اس موضوع پر کچھ لکھے۔

مارکس کی عمر کے آخری بیس سال اتنی سخت مالی مشکلات میں بسر نہ ہوئے جیسے قیامِ لندن کے پہلے چند سال گذرے تھے۔ لیکن 1869ء تک کم ہی ایسا ہوا کہ وہ مالی

مشکلات میں مبتلا نہ رہا ہو۔ اینگلز کی امداد کے باوجود اس کی آمدنی غیر یقینی تھی۔ ہیوراسٹاک ہل کے مکان میں منتقل ہوجانے کے بعد اخراجات میں بھی اضافہ ہوگیا۔ بچوں کی تعلیم کا خرچ بڑھ گیا اور پھر ''جینی'' کی صحت کی خرابی کی وجہ سے علاج کے مصارف بھی بڑھ گئے۔ آخر ایک بار تھک کر اس نے ایک ریلوے کمپنی میں کلرکی کی ملازمت تلاش کی۔ ملازمت تقریباً مل ہی گئی تھی۔ مگر ہینڈ رائٹنگ خراب ہونے کی وجہ سے کمپنی نے ملازمت دینے سے انکار کردیا۔ پھر خود اس کی اپنی صحت بھی بگڑ گئی جس کی وجہ سے کام رُک گیا اور طبیعت میں چڑچڑاپن پیدا ہوگیا۔ اس نے اپنی مشکلات کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ:

> ''مجھ پر وہی مصائب پڑ رہے ہیں جو ایوب پر پڑے تھے گو میں ان کی طرح خدا سے ڈرنے والا آدمی نہیں ہوں''۔

مارکس انٹرنیشنل کی جرمنی کی شاخ کا سیکرٹری تھا اور کبھی کبھی جنرل کونسل کی صدارت بھی کرتا۔ صدارت میں وہ مخالف پارٹیوں کے درمیان موافقت پیدا کرنے کا گر جانتا تھا۔ صدارت کا فرض کبھی اینگلز کو بھی انجام دینا پڑتا مگر وہ مارکس کی طرح کامیاب صدر ثابت نہ ہوتا۔ اس ادارہ میں جو گروہ بندیاں ہوئیں ان کے نتیجہ میں اس نے انگریزی میں ''سول واران فرانس'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے متعلق وہ خود ہی کہتا ہے کہ اس کتاب نے مجھے لندن کا سب سے مطعون شخص بنادیا ہے۔ ہجرت کی زندگی میں جو ذاتی جھگڑے رونما ہوا کرتے ہیں انہوں نے مارکس اور اینگلز کو بہت پریشان کیا۔ چنانچہ اینگلز نے ایک مرتبہ عاجز آ کر لکھا تھا کہ ''ہجرت کی زندگی اس زندگی کا نام ہے جس میں ہر شخص احمق' گدھا یا غبی ہوجانے پر مجبور ہوجاتا ہے''۔ مارکس کو دو شعراء ہائنے اور فرائی لی گریتھ بے حد پسند تھے جو اس کے خیال میں عام انسانوں سے بلند درجہ پر فائز تھے۔ لیکن ان کے علاوہ وہ گھٹیا درجہ کے شاعروں کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہوتا تھا۔

60ء اور 70ء کے عشرہ کے آخری برسوں میں اینگلز نے مانچسٹر کے اپنے تجارتی حصہ دار کے ہاتھ اپنا حصہ فروخت کر دیا اور پانچ ہزار روپے سے کچھ کم رقم (ساڑھے تین سو پونڈ) مارکس کو سالانہ دینا طے کیا۔ اور خود بھی مارکس کے مکان سے کچھ ہی دور ریجنٹ پارک روڈ کے ایک خوبصورت مکان میں اٹھ آیا۔ اسی زمانہ میں مارکس کی دو لڑکیوں کی دو خوش حال فرانسیسی سوشلسٹوں سے شادی ہوگئی۔ اب کہ مارکس کی مالی حالت اچھی ہوگئی تھی اور اس کا جگری دوست اینگلز بھی قریب آ گیا تھا تو اس کی صحت جواب دینے لگی اور اسے بحالی صحت کے لئے ''ہیروگیٹ'' ''مال ورن'' اور کارلس بیڈ جانا پڑا۔ خرابی صحت کے ساتھ ہی سیاسی مشکلات بھی تھیں۔ 1872ء میں فرسٹ انٹرنیشنل ٹوٹ گئی جس کے بنانے میں اس نے شدید محنت کی تھی۔

کیپیٹال کی پہلی جلد نے رُوس میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔ مگر جرمنی میں بھی کیپیٹال کی پہلی جلد کا پانچ ہی سال کے اندر دوسرا جرمن ایڈیشن چھپ گیا جس سے اس کتاب کی جرمنی میں مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ البتہ انگلستان میں صورتِ حال مختلف تھی وہاں انٹرنیشنل کے حلقوں کے علاوہ کوئی اس کے نام سے بھی واقف نہ تھا۔ عمر کے آخری چند سال میں مارکس کے نواسے جب کبھی لندن آ جاتے تو ان کی موجودگی اس کے لئے بڑی مسرتوں کا سبب بن جاتی۔ اسنے اپنی لڑکی کو ایک خط میں لکھا کہ:

> ''جب سے تم گئی ہو طبیعت بجھی بجھی رہتی ہے۔ میں کبھی کبھی بچوں کی آواز پر کھڑکی کی طرف دوڑ جاتا ہوں یہ ہمارے بچوں کی سی آوازیں معلوم ہوتی ہیں اور ایک لمحہ کے لئے یہ بھول جاتا ہوں کہ یہ ننھے منّے تو برطانی آبنائے کے پار پہنچ چکے ہیں''۔

خاندان مارکس محبت میں مارکس کو ''اولڈ مور'' بوڑھا عرب مسلمان کے نام سے پکارتا تھا۔ بیوی کی صحت کے ساتھ شوہر کی صحت بھی بگڑی ہوئی تھی۔ مارکس کی بیوی کو سرطان تھا۔ 1881ء میں میاں بیوی اپنی لڑکیوں سے ملنے پیرس گئے تھے۔ اس دورہ

سے واپسی کے بعد مارکس کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔ مارکس کو ذات الجنب کی شکایت تھی لیکن بیوی کے انتقال کے زمانہ میں اس کی صحت قدرے بہتر ہوگئی۔ بیوی کے انتقال کے وقت مارکس اس کے سرہانے موجود تھا۔ بیوی کی جدائی شوہر کو بڑی شاق گذری۔ محبوب شریکِ زندگی کے انتقال کا اتنا غم ہوا کہ اس کی صحت نے جواب دے دیا۔ مارکس بھیانک مصیبتوں کو ہنسی خوشی برداشت کرگیا تھا مگر بیوی کی موت کا صدمہ اس سے برداشت نہ ہوسکا۔ اور چند ہی مہینوں میں اس نے بھی داعی اجل کو لبیک کہا۔ 1882ء میں صحت برابر گرتی چلی گئی۔ بحالی صحت اور بیوی کی جدائی کا صدمہ بھلانے کے لئے الجیریا روانہ ہوگیا۔ واپسی میں جنوبی فرانس اور جنیوا جھیل سے گذرا۔ بوڑھے اور نڈھال مارکس کو چند ہی مہینوں میں ایک اور صدمہ اٹھانا پڑا۔ بیوی کی موت کے چھ ماہ بعد اچانک بڑی لڑکی کا انتقال ہوگیا۔ لندن واپس آنے کے بعد بیمار مارکس ایک یا دو ماہ اور زندہ رہ سکا لیکن اس کی آنکھوں کی چمک جا چکی تھی اور زبان کی اس طراری کا کہیں نشان موجود نہ تھا جو مارکس کی مشہور خصوصیت سمجھی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں بھی وہ ہیم اسٹڈ ہیتھ میں چہل قدمی کیا کرتا اس نے پھر اپنے مسودات کو مرتب کرنا شروع کیا۔ چند ہفتہ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا رہا کہ ان مسودات کو مکمل کرنا ممکن ہو سکے گا۔ اپنی زائل شدہ مگر ناقابل شکست قوتوں کو جمع کرنے کی یہ آخری کوشش تھی۔ لندن کی سخت سردی نے پھر حملہ کیا اور پہلے نرخرے کی نالیاں متورم ہوگئیں اور پھر ایک پھیپھڑے میں پھوڑا نکل آیا۔ آخر مارچ 1883ء انیسویں صدی کے اس عظیم مفکر کی موت کا پیغام لایا۔ مارکس کا انتقال ہوگیا قدرے غیر متوقع طور پر اس نے بڑے سکون کے ساتھ موت کا مقابلہ کیا۔ انتقال کے وقت مارکس ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس وقت اس انقلابی مفکر کی عمر پورے پینسٹھ سال کی بھی نہ ہوئی تھی۔ ہائی گیٹ کے قبرستان میں بیوی کے قریب اسے دفن کیا گیا۔ قبر پر اینگلز نے تقریر کی جس میں مارکس کی خدمات کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا تھا۔ اس تقریر کو سننے کے لئے ایک درجن سے زیادہ آدمی موجود نہ تھے۔ انیسویں صدی کے اس عظیم مفکر

کی موت پر اخبار لندن ٹائمنز نے جو آج کل "دی ٹائمنز" کہلاتا ہے وفات کے کالم میں دو انچ کی خبر شائع کی تھی۔ خبر میں مرنے والے سے متعلق جو معلومات مہیا کی گئی تھیں وہ پوری طرح صحیح نہ تھیں۔ خبر میں کہا گیا تھا کہ مارکس کولون میں پیدا ہوا اور 1866ء سے یورپ کی سوشلسٹ پارٹی کے ایک ایسے لیڈر کی حیثیت رکھتا تھا جس کی قیادت سب تسلیم کرتے تھے پھر عجیب تر یہ کہ اطلاع بھی اخبار کے پیرس کے نمائندے بھیجی تھی جس نے فرانس کے سوشلسٹ اخباروں سے خبر کو حاصل کیا تھا۔ ٹائمنز کی مذکورہ اطلاع کے علاوہ مارکس کی وفات پر انگلستان میں کسی نے کوئی دلچسپی نہ لی۔

مارکس کا مستند سوانح نگار، مہرنگ ہے، جس کی کتاب بدقسمتی سے میرے سامنے موجود نہیں ہے۔ اس لئے میں نے مذکورہ واقعات مارس ذوب کے لیکچر سے لئے ہیں۔ جن میں کہیں کہیں دوسرے ذرائع کی مدد سے کچھ اضافہ بھی کر دیا گیا ہے۔ پروفیسر مارس دوب نے مارکس کے تفصیلی حالات بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:

"اگر آپ یا میں 1855ء میں زندہ ہوتے اور ہمیں اس بات کا موقع ملتا کہ ایک ایسے باتمکنت مگر منکسر المزاج شخص کو دیکھیں جو ایک لمبے چوڑے مگر ٹیڑھے میڑھے بٹنوں والا کوٹ پہنے ہوتا اور اندر کو دھنسی ہوئی سیاہ آنکھوں اور پروقار سیاہ ڈاڑھی کے ساتھ سینہ تانے برٹش میوزیم اور سوہو کے ایک گندہ گھر کے درمیان آیا جایا کرتا اور ہم سے یہ کہا جاتا کہ یہی وہ شخص ہے جو اب سے دو تہائی صدی بعد تاریخ کے ایک عظیم ترین سماجی انقلاب برپا کرنے کا سبب بن جائے گا اور ایک ایسے نظریہ کی تخلیق کرے گا جو دنیا کی دو میں سے ایک بڑی طاقت کی تعلیمات کی اساس بنے گا تو کیا ہم اس بات کو یاد ہوائی قرار دے کر نہ ٹھکرا دیتے۔ اور ہم ہی کیا گریفٹن ٹیریس یا میٹلینڈ پارک روڈ میں جن لوگوں نے قریب سے مارکس کی ذہانت اور مناظرات اور بحثوں میں اس کی زبان کی طراری کو قریب سے دیکھا تھا وہ بھی اس خیال کی صداقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو سکتے"۔

دوب لکھتے ہیں کہ:

''ابھی چند دن کی بات ہے کہ اخبار ٹائمز نے لینن کے متعلق یہ لکھا تھا کہ لینن وہ شخص تھا جس نے پہلی بار مغربی دنیا کو یہ بتایا کہ جو تہذیب سرمایہ اور مزدور کے نزاع پر مبنی ہو وہ اپنی تباہی کے تخم اپنے ساتھ ہی رکھتی ہے''۔

ٹائمز کا یہ بیان دراصل مارکس ہی کو خراجِ عقیدت تھا جو لینن کے توسط سے پیش کیا گیا تھا۔

مارکس کی زندگی اور سرگرمیوں سے متعلق اس قدرے تفصیلی تذکرہ کے بعد اب مجھے مصنف اور قارئین کے درمیان زیادہ عرصہ رکاوٹ بننے کی کوشش نہ کرنی چاہئے۔ متن سے پہلے انگریزی مترجم اور مارکس اور اینگلز کے دیباچے آتے ہیں جن سے اس کتاب کے متعلق آپ کو چند ضروری باتیں معلوم ہوں گی۔ میں آخر میں ان حضرات کا تہہ دل سے ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کے ترجمہ کے سلسلہ میں بار بار میری ہمت افزائی کی اور جن کی اس دلچسپی اور کرم فرمائی بغیر میں اس مشقت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہ ہوسکتا۔ ناانصافی ہوگی اگر یہاں میں ذہینہ تقی کا شکریہ بھی ادا نہ کروں جنہوں نے کتاب کی ترتیب کے لئے ضروری ساز و سامان مہیا کرنے میں کسی زحمت کے اٹھانے سے گریز نہیں کیا۔

سید محمد تقی

29 جولائی 1961ء

نرجیس ولا۔۱۲۹۔الف

مانک جی سٹریٹ گارڈن ایسٹ کراچی

پہلے امریکی ایڈیشن کا دیباچہ

(ایڈیشن کے مرتب کے قلم سے)

مارکس نے 1867ء میں سرمایہ کے جرمن ایڈیشن کے دیباچہ میں کتاب کا جو ابتدائی خاکہ بیان کیا ہے وہ یہ تھا کہ اس کتاب کو تین جلدوں میں بانٹا جائے گا۔ پہلی جلد کتاب اوّل یعنی سرمایہ داری طرزِ پیداوار کا عمل پر مشتمل ہوگی۔ دوسری جلد میں کتاب ثانی ہوگی جس میں سرمایہ داری طرزِ پیداوار کا عمل اور کتاب ثالث میں سرمایہ داری طرزِ پیداوار کا عمل من حیث المجموع پر بحث کی جائے گی۔ آخری یعنی تیسری جلد کتاب رابع ہوگی جس میں قدر زائد سے متعلق نظریوں کی تاریخ بیان کی جائے گی۔

جب طباعت کے لئے مارکس نے کتاب کی تفصیلات مکمل کرنی شروع کیں تو چند مستثنیات کے علاوہ ان تینوں جلدوں کے اہم حصے جن کے تمام مباحث اور نتائج کو تفصیل سے تیار کیا جا چکا تھا موجود تھے' گو یہ مباحث بہت ہی غیر واضح اور غیر مکمل حالت میں تھے۔ خرابیٔ صحت کی بنا پر مارکس صرف پہلی جلد کو مکمل کر سکا۔ مارکس کا انتقال 14 مارچ 1883ء کو ہوا۔ ٹھیک اُس وقت جب اس جلد کا تیسرا جرمن ایڈیشن طباعت کے لئے بھیجا جا رہا تھا۔

مارکس کے جگری دوست اور شریک کار فریڈرک اینگلز نے اپنے آنجہانی دوست کی جگہ لے لی اور یہ کام تکمیل کو پہنچانا شروع کر دیا۔ دوسری جلد کی تفصیلات کی تکمیل کے دوران پتہ چلا کہ پوری دوسری جلد میں کتاب ثانی یعنی سرمایہ داری طرزِ پیداوار ہی آ جائے گی۔ دوسری جلد کا پہلا جرمن ایڈیشن مئی 1885ء یعنی پہلی جلد کے 18 سال بعد تک شائع نہ ہو سکا۔

تیسری جلد کی اشاعت میں تو اور بھی تاخیر ہوئی۔ جب جولائی 1893ء میں دوسری جلد کا دوسرا ایڈیشن اشاعت پذیر ہوا تو اس وقت بھی اینگلز تیسری جلد کی تکمیل ہی میں مصروف تھا۔ آخر اکتوبر 1894ء میں تیسری جلد کا پہلا جرمن ایڈیشن دو جدا حصوں میں اشاعت پذیر ہو سکا جس میں وہ مباحث بھی شامل تھے جو پہلے دوسری جلد کی کتاب ثالث میں شامل کرنا تھے۔ اس میں سرمایہ داری طرزِ پیداوار کے عمل پر من حیث المجموع پر بحث تھی۔

دوسری اور تیسری جلدوں کی اشاعت میں جو تاخیر ہوئی اور مارکس کے وسیع و عریض نوٹوں کو مرتب کر کے انہیں اس کے نظریوں کی مربوط و مکمل شکل میں پیش کرنے کا کام جن مشکلات کا باعث بنا' ان کو اینگلز نے ان دونوں جلدوں کے دیباچوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس اہم اور ساسی کام میں اینگلز کا جو نمایاں حصہ ہے اسے اس نے انکساری کی وجہ سے بہت کم کر کے بیان کیا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ سرمایہ کا خاصا بڑا حصہ اسی قدر اینگلز کی تخلیق ہے جتنا اس وقت ہوتا جب وہ اسے مارکس کی شرکت بغیر آزادانہ طور پر لکھتا۔

اینگلز کا ارادہ یہ تھا کہ کتاب رابع کے مضامین کو جنہیں پہلے تیسری جلد میں شامل کیا جانا تھا سرمایہ کی چوتھی جلد کے طور پر شائع کیا جائے گا۔ لیکن 6 اگست 1895ء کو' جبکہ تیسری جلد کی اشاعت کو ایک سال بھی نہ گزرا تھا' اینگلز کا انتقال ہو گیا اور کتاب نامکمل رہ گئی۔

البتہ اپنے انتقال سے چند سال پہلے اور اسی خطرہ کے پیش نظر اس نے کارل کاٹسکی کو' جو جرمن سوشلسٹ پارٹی کے سائنسی ترجمان ڈائی نیوزائٹ کا ایڈیٹر تھا' اپنا جانشین بنا دیا تھا اور ان مباحث سے آگاہ کر دیا تھا جو چوتھی جلد میں شامل کرنا تھے مگر یہ مباحث اتنے طول طویل ثابت ہوئے کہ کاٹسکی نے ان کو سرمایہ کی چوتھی جلد بنانے کی بجائے ابتدائی منصوبہ کو بدل دیا اور ان مباحث کی تفصیلات بڑھا کر ان کو تین جلدوں کی

ایک جداگانہ کتاب بنادیا اور اس کا نام قدر زائد سے متعلق نظریے رکھا۔ سرمایہ کی پہلی جلد کے پہلے انگریزی ترجمے کی ترتیب ونگرانی خود اینگلز نے کی تھی۔ یہ 1886ء میں چھپا تھا۔ مارکس نے دوسرے جرمن ایڈیشن کے متن اور فرانسیسی ترجمہ میں کچھ تبدیلیاں کردی تھیں۔ یہ دونوں 1873ء میں اشاعت پذیر ہوئے تھے۔ مارکس کا ارادہ یہ تھا کہ اس کے انگریزی ترجمہ کی نگرانی وہ خود کرے گا مگر صحت کی خرابی کی وجہ سے ایسا ممکن نہ ہو سکا۔ اینگلز نے مارکس کے نوٹوں اور 1873ء کے فرانسیسی ایڈیشن کے متن کو سامنے رکھ کر تیسرا جرمن ایڈیشن تیار کیا اور اسی ایڈیشن سے پہلا انگریزی ترجمہ کیا گیا۔

چونکہ اس انگریزی ترجمہ (جسے سوان سائنس شائن اینڈ کو نے چھاپا تھا) کے سرورق پر واضح طور پر یہ ذکر نہ تھا کہ یہ محض جلد اوّل ہے اس لئے اکثر غلطی سے یہ سمجھ لیا گیا کہ یہی پوری کتاب ہے حالانکہ مارکس اور اینگلز دونوں نے اپنے دیباچوں میں واضح طور پر بتادیا تھا کہ یہ صرف جلد اوّل ہے۔

1890ء میں یعنی پہلے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کے چار سال بعد اینگلز نے پہلی جلد کے چوتھے جرمن ایڈیشن کی تدوین کی اور فرانسیسی ایڈیشن نیز مارکس کے مسودوں سے مسلسل موازنہ کرنے کے بعد اس میں کچھ کمی اور اضافہ کردیا لیکن سوان سانس شائن کے انگریزی ایڈیشن کی بعد کی اشاعتوں میں بھی ان تبدیلیوں کو شامل نہ کیا گیا۔

یہ پہلا امریکی ایڈیشن جو سرمایہ داری پیداوار سے متعلق مارکس کے سارے نظریوں پر حاوی ہے، پہلا مکمل انگریزی ایڈیشن ہے۔ اس میں سرمایہ کی تینوں جلدیں پوری کی پوری شامل ہیں۔ یہ موجودہ جلد، جلد اوّل سرمایہ داری طرزِ پیداوار۔ پیداوار اپنے بالکل صحیح ترمعنی میں کے عمل سے بحث کرتی ہے۔ دوسری جلد سرمایہ داری گردش زر۔ گردش زر اپنے صحیح ترمعنی میں سے متعلق ہوگی اور تیسری جلد میں سرمایہ داری پیداوار کے عمل پر من حیث المجموع بحث ہوگی یعنی پیداوار اور گردش زر کے باہمی ربط و تعلق پر۔

قدر زائد سے متعلقہ نظریے جو کاٹسکی نے مارکس اور اینگلز کے انتقال کے بعد

ان کے نوٹوں کی توضیح سے مدون کیے ہیں' کچھ دنوں بعد انگریزی میں ایک جداگانہ کتاب کی شکل میں اشاعت پذیر ہوں گے۔

یہ پہلا امریکی ایڈیشن چوتھے جرمن ایڈیشن کا ترجمہ ہے۔سوان سانس شائن کے انگریزی ترجمہ کو اس صحت شدہ جرمن ایڈیشن کے ایک صفحہ سے ملا کر دیکھا گیا ہے اور اس طرح تقریباً دس نئے صفحوں کا ترجمہ پہلی بار انگریزی میں امریکی قارئین کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔تمام فٹ نوٹوں پر بھی نظر ثانی کی گئی اور ان کے نقائص دور کر دیئے گئے ہیں۔اس کتاب کی فنی جزدیات سے متعلق مزید معلومات کا جہاں تک تعلق ہے میں قارئین کی توجہ مارکس اور اینگلز کے دیباچوں کی طرف مبذول کراتا ہوں۔

آرنسٹ انٹرمان

اوالانڈ وفلا 18 جنوری 1906ء

پہلے ایڈیشن کا دیباچہ

(از مارکس)

میری کتاب کی یہ پہلی جلد جو میں عوام کے سامنے پیش کر رہا ہوں میری اس کتاب کی آخری کڑی ہے جو ۱۸۵۸ء میں اشاعت پذیر ہوئی تھی اور جس کا نام ''فلسفہ معاشیات کی تنقید کے سلسلہ میں ایک بحث'' تھا۔ پہلے اور بعد کے حصول میں جو طویل وقفہ آ گیا اس کا سبب میری کئی سال کی علالت تھی جو بار بار کام میں رکاوٹ ڈالتی رہی۔

زیرِ نظر جلد کے پہلے تین ابواب میں مذکورہ کتاب کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے۔ مذکورہ کتاب کے اس خلاصہ کا صرف سلسلہ برقرار رکھنے یا اس سلسلہ کی تکمیل کے لئے ہی ذکر نہیں کیا گیا بلکہ خود اس کتاب کے مباحث کی توضیح میں بھی کافی اصلاحیں کر دی گئی ہیں۔ جہاں تک بھی حالات نے اجازت دی ان نکات کو جن کی طرف میری سابقہ کتاب میں محض اشارے ہی کئے گئے تھے یہاں پوری تفصیل سے پیش کیا گیا ہے جبکہ اس کے برعکس بعض ان مباحث کو جن کا سابقہ تصنیف میں پوری تفصیل سے ذکر کیا گیا تھا یہاں محض سرسری انداز میں حوالہ دے دیا گیا ہے۔ قیمت اور زر سے متعلقہ نظریات کی تاریخ کو یہاں بلکہ نظر انداز کر دیا گیا؛ تاہم سابقہ تصنیف کا مطالعہ کرنے والے پہلے باب کے نوٹوں میں ان نظریات کی تاریخ سے متعلق چند مزید مآخذ سے آگاہ ہوں گے۔

ہر کام کی ابتدا میں دشواریاں پیدا ہوا کرتی ہیں۔ یہ اصول تمام علوم پر منطبق ہوتا ہے۔ نظر بریں پہلے باب خاص طور پر اس فصل کے سمجھنے میں جو اجناس کے تجزیہ سے تعلق رکھتی

اوراس کی مقدار سے تعلق رکھتی ہے جہاں تک ہوسکا ہے عام فہم[1] بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔

قیمت کی شکل جس کی پوری طرح ترقی یافتہ صورت۔ زر کی شکل ہے ایک بالکل ابتدائی اور سیدھی سادی سی بات ہے۔ لیکن اس سیدھی سادی سی بات کو انسانی دماغ دو ہزار سال سے بھی زیادہ کی مساعی کے بعد بھی نہ سمجھ سکا۔ جبکہ اس کے برعکس یہ عجیب بات ہے کہ زیادہ مرکب اور پیچیدہ اشکال کے کامیاب تجزیہ میں بڑی حد تک منزل کو پالیا گیا۔ اس کا سبب کیا ہے؟ سبب واضح طور پر یہ ہے کہ انسانی جسم کا نامی مجموعہ ہونے کی حیثیت میں مطالعہ اس سے کہیں آسان ہے کہ جدا جدا ایک ایک خلیہ کا مطالعہ کیا جائے۔ علاوہ بریں معاشیاتی اشکال کے مطالعہ میں نہ خوردبینیں کام دیتی ہیں نہ کیمیائی اثرات جانچنے والے آلے۔ یہاں ان دونوں کے بجائے قوتِ تجرید کام دیتی ہے۔ بورژوا سماج میں محنت کی پیداوار کی وہ حالت جو جنس کی شکل میں نمودار ہوتی ہے یا بالفاظ دیگر جنس کی قیمتی شکل معاشیاتی خلیہ کی حیثیت رکھتی ہے سطحی نظر ڈالنے والوں کے لئے ان اشکال کا تجزیہ جزئیات میں پھنسنے کے مترادف ہے اور بلاشبہ یہ بحث جزئیات کی ہے بھی

---

[1] یہ اس لئے اور بھی ضروری تھا کہ فرڈینینڈ لاسالے کی اس کتاب کے حصہ میں جو اس نے شولٹز ڈیلیشے کے خلاف لکھی ہے اور جس میں یہ ظاہر کیا ہے کہ ان مباحث میں میری جو اپنی تشریحات ہیں ان کا فکری خلاصہ آ گیا ہے اہم اغلاط پائی جاتی ہیں۔ اگر فرڈینینڈ لاسالے نے اپنی تمام معاشی تصنیفات مثلاً ان تصنیفات میں جو سرمایہ کے تاریخی پہلو یا پیداوار کے مخصوص حالات اور طرزِ پیداوار میں جو رشتہ ہوتا ہے اس پر بحث کرتی ہیں، حوالہ دیئے بغیر میری تحریروں سے تمام نظریاتی اصولوں کو لفظاً نقل کر دیا ہے یہاں تک کہ ان اصلاحات کو بھی جن کی تخلیق میں نے ہی کی ہے تو یہ سب کچھ غالباً محض پروپیگنڈہ مقاصد سے کیا گیا ہے۔ میں یہاں ان نظریاتی اصولوں کے اطلاق اور ان کے تفصیلی طور پر بیان کرنے کی لاسلالے نے جو کوشش کی ہے اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ رہا ہوں کہ اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔

لیکن یہ جزئیات اتنی ہی اہمیت کی حامل ہیں جتنی ان جزئیات کی اہمیت ہوتی ہے جو تشریح الاعضاء میں زیرِ بحث آتی ہیں۔

بایں وجوہ اس باب کے علاوہ جو قیمت کی شکل سے تعلق رکھتا ہے اس جلد پر مغلق ہونے کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ لیکن اسی کے ساتھ میں زیرِنظر کتاب کے لئے ایک ایسے قاری کا تصور رکھتا ہوں جو کسی نئی چیز کو سمجھنے کا مشتاق ہونے کی بناء پر خود بھی کچھ سوچنے کی اہلیت رکھتا ہو۔

ایک ماہر طبعیات دو طرح مشاہدہ کرتا ہے یا تو وہ طبعی مظاہر کا مطالعہ خاص اس مقام پر کرتا ہے جہاں وہ اپنی مثالی شکل میں رونما ہوں اور اضطراب خیز اثرات سے زیادہ سے زیادہ پاک ہوں اور یا پھر اگر ممکن ہو تو اپنے تجربات کے لئے ایسے حالات چنتا ہے جو کسی مظہر طبعی کے اس کے معمولی حال میں رونما ہونے کی ضمانت بن سکیں۔ زیر نظر کتاب میں مجھے سرمایہ داری طرزِ پیداوار اور پیداوار و مبادلہ کے ان حالات کا جائزہ لینا ہے جو اس طرزِ پیداوار سے ہم آہنگ ہوں۔ اب تک ان کا خاص مرکز انگلستان رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے نظریات کی توضیح میں بار بار میں نے انگلستان کو بطورِ مثال پیش کیا ہے اس لئے اگر جرمن قارئین انگلستان کے صنعتی و زرعی مزدوروں کی خراب حالت کے ذکر پر اظہار تبختر کریں یا پر امید انداز میں اپنے دل کو یہ تسلی دینا چاہیں کہ جرمنی میں حالات ایسے بگڑے ہوئے نہیں ہیں تو میں انہیں واضح الفاظ میں بتا دینا چاہتا ہوں کہ ایں خیال خام است۔

جوہری دَور پر مسئلہ یہ نہیں ہے کہ سرمایہ داری طرزِ پیداوار کے فطری قوانین سے جو سماجی منافرت پیدا ہوتی ہے وہ کم درجہ پر بڑھتی ہے یا زیادہ درجہ پر، بلکہ سوال خود ان قوانین کا ہے۔ مسئلہ تو ان رجحانات کا ہے جو قطعی ناگزیر طور پر مذکورہ نتائج پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ قطع نظر بریں وہ ملک جو صنعتی طور پر زیادہ ترقی یافتہ ہوتا ہے دراصل اس مستقبل کا پتہ دیتا ہے جس کی طرف کم ترقی یافتہ ملکوں کو بہر حال پہنچنا ہے، لیکن معاملہ کے

اس پہلو سے قطع نظر جرمنوں میں جہاں جہاں سرمایہ داری طرزِ پیداوار نے جگہ پکڑی ہے (مثلاً کارخانوں میں) حالات اس سے بھی زیادہ بدتر ہیں۔ جیسے انگلستان میں[6] اس لیے کہ جرمنی میں قوانین[7] کارخانہ جیسی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ باقی زندگی کے تمام شعبوں میں براعظم یورپ کے مغربی حصوں کے تمام دوسرے ممالک کی طرح ہم بھی نہ صرف سرمایہ داری طرز پیداوار کے ارتقاء سے ہی نقصانات اٹھا رہے ہیں بلکہ اس کے ناکافی ارتقاء کا خمیازہ بھی بھگت رہے ہیں۔ پھر جدید برائیوں کے ساتھ متوارث خرابیوں کا ایک ہجوم بھی ہمیں کچل رہا ہے جو فرسودہ طرزِ پیداوار کے زندہ بچ رہنے سے پیدا ہوئی ہیں اور بعد از وقت سماجی و سیاسی خصوصیات کا ایک طویل اور ناگزیر سلسلہ برقرار رکھے ہوئے ہیں ہم زندوں کے مظالم ہی سے نہیں کچلے جا رہے مردوں کے مظالم سے بھی پس رہے ہیں۔

جرمنی اور براعظم یورپ کے مغربی حصے کے متعلق جو بھی سماجی اعداد و شمار موجود ہیں وہ انگلستان کے سماجی اعداد و شمار کے مقابل بڑے بھونڈے انداز میں مرتب کئے گئے ہیں، لیکن وہ نقاب کو اس حد تک ضرور ہٹا دیتے ہیں کہ پیچھے کا مبہوت کن منظر نظر آ جائے۔ اگر انگلستان کی طرح ہماری حکومتیں اور پارلیمنٹیں بھی معاشی حالات کی تحقیقات کے لئے مختلف اوقات میں تحقیقاتی کمیشن بٹھایا کرتیں اور ان کمیشنوں کو واقعات کے چھان بین کے پورے اختیارات ملتے یا یہاں بھی مذکورہ مقصد کے لئے ایسے لائق غیر جانبدار اور اثرات سے آزاد افراد مل سکتے جیسے انگلستان کے کارخانوں کے انسپکٹر ہیں۔ نیز اگر خرابی صحت کی خبریں جمع کرنے والے طبی رپورٹر عورتوں اور بچوں کے استحصال سے متعلق تحقیقات کرنے والے اور غذا اور رہائش کے حالات کا جائزہ لینے والے کمیشن ہمارے وطن میں بھی بنتے تو ہم جرمنی کے اصلی حالات کو جان کر دہشت زدہ رہ جاتے۔

پرسیس نے ایک جادو کی ٹوپی اوڑھ رکھی تھی تاکہ جن عفریتوں کا اسے شکار کرنا تھا وہ اسے نہ دیکھ سکیں مگر ہم نے یہ جادو کی ٹوپی اپنی آنکھوں اور کانوں پر منڈھ لی ہے

تا کہ دل ہی دل میں ہم خوش ہوتے رہا کریں کہ عفریتوں کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ لیکن یاد رکھئے اس معاملہ میں خود کو دھوکہ دینا کوئی ہوشمندی لازماً نہ ہوگی۔ اٹھارھویں صدی میں امریکی جنگ آزادی نے یورپ کے طبقہ وسطیٰ کے لئے خطرہ کی گھنٹی بجادی تھی۔ اسی طرح اب انیسویں صدی میں امریکہ کی خانہ جنگی نے یورپی مزدور طبقہ کے لئے خطرہ کی گھنٹی بجادی ہے۔ انگلستان میں سماجی انتشار کا عمل واضح ہو چکا ہے۔ جب یہ عمل ارتقاء کرتے کرتے ایک خاص درجہ تک پہنچ جائے گا تو اس کا براعظم (یورپ) میں ردعمل ہونا بالکل یقینی ہے۔ اب رہا یہ امر کہ براعظم میں یہ سماجی انتشار وحشیانہ رُخ اختیار کرے گا یا رحمدلانہ' سو اس کا انحصار خود مزدور طبقہ کے درجہ ارتقاء پر ہے۔ نظر بریں بلند تر مقاصد سے قطع نظر اپنے خالص اہم تر مفادات کے پیش نظر بھی یہ ضروری ہے کہ وہ طبقے جو اس وقت حکمران بنے ہوئے ہیں ان تمام دشواریوں کو جو مزدور طبقہ کی ترقی میں حائل ہیں اور قانونی طور پر دُور کی جا سکتی ہیں دُور کر ڈالیں۔ دوسری تمام وجوہ سے قطع نظر خالص مذکورہ پہلو کے پیش نظر بھی میں نے انگلستان کے قوانین کارخانہ جات کی تاریخ۔ تفصیلات اور نتائج کے لیے زیرِ نظر کتاب کا کافی بڑا حصہ وقف کیا ہے۔ ایک قوم دوسری قوم کے تجربات سے بہت کچھ سیکھ سکتی ہے۔ اسے بہت کچھ سیکھنا چاہیے۔ گو سماج کی حرکت کے فطری قوانین کی دریافت (اور اس کتاب کی تصنیف کا مقصد ہی یہ ہے کہ جدید سماج کی حرکت کے معاشی قانون کو واضح کیا جائے) کے سلسلہ میں صحیح راستہ پا لینے کے بعد بھی کوئی سماج جراٗتمندانہ اقدامات عمل میں لا کر یا قانونی رکاوٹیں دور کر کے بھی یہ توقع نہیں کر سکتی کہ وہ ان مواقع کو دُور کر لے گی جو اس کے حسب معمول ارتقاء کی مختلف منزلوں میں رفتہ رفتہ جمع ہو گئے ہیں۔ البتہ ایک نئے عہد کے پیدا ہونے کے وقت جس شدید درد و کرب سے سماج گذرا کرتی ہے اس طریقہ پر چل کر وہ اس کرب کو کم ضرور کر لے گی۔

غلط فہمی پیدا ہو جانے کا خوف ہے۔ اس لئے چند الفاظ اور عرض کرنے ہیں۔

میں سرمایہ دار یا زمیندار کو بھدے رنگ میں پیش کرنے کی فکر میں ہرگز نہیں ہوں۔ یہاں افراد کی صرف اس حد تک اور اسی قدر اہمیت ہے جس حد تک وہ معاشی درجوں کی نمائندگی کرتے اور مخصوص طبقاتی رشتوں اور مفادات کا مظہر بنتے ہیں۔ میرا موقف جہاں سے کھڑے ہو کر سماج کی معاشی تشکیل کے ارتقاء کو تاریخ طبعی کے عمل کی حیثیت سے دیکھا جاسکتا ہے دوسرے کسی بھی نقطہ نظر سے بہت کم اس بات کا باعث بنے گا کہ وہ افراد کو ان رشتوں کے لئے ذمہ دار قرار دے جن رشتوں کی یہ افراد سماجی مخلوق بنے رہتے ہیں گو یہ ان سے ذہنی طور پر خود کو کسی قدر بھی اونچا بنانے کی کوشش کیوں نہ کیا کریں۔

فلسفہ معاشیات کے میدان میں آزاد تحقیقات کو صرف انہیں دشمنوں کا سامنا نہیں کرنا پڑتا جو دوسری تحقیقاتوں کے دوران سامنے آتے ہیں بلکہ اس مواد کی مخصوص نوعیت ہی جو فلسفہ معاشیات میں زیر بحث آتا ہے انسان کے نہایت متشددانہ ذلیل اور کینہ پرور جذبات کو بھی دشمن بنا دینے کا باعث بن جاتی ہے۔ یہاں میری مراد انفرادی مفادات کے پیدا کردہ منحوس سایوں سے ہے۔ اب مثلاً قائم شدہ انگریزی کلیسا ہی ہے جو اپنے قانون کی 39 دفعات میں سے 38 پر حملہ کو تو بہ آسانی معاف کر دے گا مگر اپنی آمدنی کے انتالیسویں حصہ پر حملوں کو بھی برداشت نہ کرے گا بلکہ اب تو مروجہ جائیدادی رشتوں پر تنقید کے مقابلہ میں الحاد کو بھی ایک عام سی فروگذاشت خیال کیا جانے لگا ہے لیکن اس تاریک پس منظر میں ارتقاء کی بھی واضح علامتیں نظر آ رہی ہیں۔ چنانچہ پریوی کونسل کی وہ رپورٹ ملاحظہ فرمائیے جو پچھلے چند ہفتوں میں ملکہ عالیہ کے غیر ملکی وفود سے صنعتی سوالات اور ٹریڈ یونینوں کے متعلق خط و کتابت کے نام سے چھپی ہے۔ اس خط و کتابت میں تاج برطانیہ کے غیر ملکی نمائندوں نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ جرمنی فرانس بلکہ مختصر اً یوں کہئے کہ براعظم یورپ کے تمام مہذب ملکوں میں سرمایہ اور محنت کے موجودہ رشتوں میں زبردست تبدیلیوں کی علامتیں ایسی ہی واضح اور ایسی ہی یقینی نظر آ رہی ہیں جیسی انگلستان میں۔ پھر ادھر ایطلانٹک کے اس پار ریاست ہائے متحدہ کے نائب صدر

مسٹرویڈ۔ عام جلسوں میں اعلان کر رہے ہیں کہ تنسیخ غلامی کے بعد ملکیت اور سرمایہ کے باہمی رشتوں میں بنیادی تبدیلی پیدا کرنا وقت کا دوسرا اہم مطالبہ ہے۔ یہ سب وقت کی علامتیں ہیں جنہیں بھڑکیلے لباس اور شاندار چغے چھپا نہیں سکتے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ علامتیں کل ہی کوئی معجزہ پیدا کر دیں گی۔ ان سے تو صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ حکمران طبقوں ہی میں مستقبل کے خطرناک امکانات کا احساس بیدار ہو رہا ہے۔ ہمارا یہ موجودہ سماج کوئی ٹھوس بلور تو ظاہر ہے نہیں کہ وہ ایک جسم نامی ہے جو تبدیلی کی صلاحیت رکھتا ہے جو برابر بدل رہا ہے۔

اس کتاب کی دوسری جلد میں سرمایہ کی گردش کے عمل[1] ''کتاب ثانی'' اور ان مختلف اشکال پر جو سرمایہ اپنے ارتقا کے دوران اختیار کرتا ہے۔ بحث ہوگی (کتاب ثالث) اور تیسری و آخری جلد میں (کتاب رابع) نظریہ کی تاریخ زیر بحث آئے گی۔

ہر اس رائے کا جو سائنسی تنقید پر مبنی ہوگی، میں خیر مقدم کروں گا۔ رہے نام نہاد رائے عامہ کے تعصبات جسے میں نے کبھی بھی مراعات نہیں دیں سو اس کے متعلق میرا ابھی وہی قول ہے جو عظیم فلورنس مفکر کا تھا کہ:

''سیدھے راستہ پر چلنے سے کسی کا شور وغوغا مجھے نہیں روک سکتا۔

لندن 25 جولائی 1867ء　　کارل مارکس

کتاب کے دوسرے ایڈیشن کا دیباچہ

جرمنی میں اس وقت تک فلسفہ معاشیات ایک غیر ملکی علم کی حیثیت رکھتا ہے۔ گستاوفان گیولش نے اپنی کتاب تجارت وصنعت وغیرہ کی تاریخ تشریح خاص طور پر اس کی پہلی دو جلدوں میں تفصیل کے ساتھ ان تاریخی حالات کا جائزہ لیا ہے جو جرمنی میں

---

[1] اجتماع سرمایہ کے باب میں مصنف نے بتایا ہے کہ اس بحث میں وہ کن کن چیزوں کو شامل خیال کرتا ہے (انگریزی مترجم کا نوٹ)

سرمایہ داری طرز پیداوار کے ارتقاء میں حائل ہوئے۔ جس کی وجہ سے جدید بورژوا سماج کے ارتقاء میں رکاوٹ پیدا ہوگئی اور یوں وہ زمین ہی ہموار نہ ہوسکی جس میں فلسفہ معاشیات نشوونما پاتا۔ اس پورے کے پورے علم کو انگلستان و فرانس سے ایک تیار سامان کے طور پر درآمد کرلیا گیا اور بے چارے فلسفہ معاشیات کے جرمن اساتذہ محض سکول کے بچے بنے رہے۔ انہوں نے اس غیر ملکی شے کو نظریاتی انداز میں بیان کرنے کی جو کوشش کی وہ اعتقادات کا گھروندہ بن کر رہ گئی۔ ان اساتذہ نے اس کی تشریح اپنے ارد گرد کی چھوٹی موٹی تجارت کرنے والی دنیا کی اصطلاحوں میں کر ڈالی لیکن اس طرح ساری کی ساری تشریح ہی غلط ہو کر رہ گئی۔ ان میں سائنسی نااہلیت کا جو احساس پیدا ہوا جسے پوری طرح دبا دینا ممکن نہیں ہے اور ایک ایسے موضوع کو جو فی الواقع ان کے لئے غیر تھا زیر بحث لاتے ہوئے شعور کو جو بے چینی پیدا ہوئی وہ پوری طرح نہ چھپ سکی۔ انہوں نے اسے چھپانے کی کوشش ادبی اور تاریخی تبحر کی نمائش سے کی یا نام نہاد کیمرال علوم یعنی خرافات کے اس مجموعے سے قطعی غیر متعلق مواد لے کر جس کے اعراف سے جرمن دفتریت (بیوروکریسی) کے ہر غریب امیدوار کو گزرنا پڑتا ہے۔

جرمنی میں 1848ء سے سرمایہ داری پیداوار نے تیزی سے ترقی کی ہے اور اس وقت وہ سٹہ بازی اور لوٹ کھسوٹ کے عروج پر پہنچ چکی ہے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پیشہ ور ماہرین معاشیات سے قسمت نے بے وفائی کی ٹھان لی ہے۔ اس لئے کہ جب وہ فلسفہ معاشیات پر بہ آسانی غور و بحث کر سکتے تھے تو جدید عہد کے معاشی حالات ہی وجود میں نہ آپائے تھے اور جب یہ مناسب معاشی حالات پیدا ہوگئے تو صورتِ حال ایسی بدل گئی کہ بورژوا ماحول میں ان کا حقیقی اور غیر جانبدارانہ مطالعہ ہی ممکن نہ رہا۔ بات اصل یہ ہے کہ جب تک فلسفہ معاشیات بورژوا ماحول میں گھومتا رہتا ہے یعنی جب تک سرمایہ داری اقتدار کو سماجی پیداوار کی قطعی آخری شکل خیال کیا جاتا ہے صرف ایک عبوری درجہ نہیں سمجھا جاتا تو فلسفہ معاشیات صرف اسی وقت تک علم کی حیثیت

سے باقی رہ سکتا ہے جب تک طبقاتی جدوجہد خفی رہے اور جلی بھی ہو تو بس خال خال حوادث کی شکل میں (اس کے بعد وہ ایک علم کی حیثیت سے باقی نہیں رہتا' مترجم) انگلستان ہی کی مثال لے لیجئے وہاں کا فلسفہ معاشیات اس عہد سے تعلق رکھتا ہے جس میں طبقاتی جدوجہد پوری طرح ترقی نہ پا سکی تھی۔ اس فلسفہ معاشیات کے آخری بڑے نمائندے رکارڈو نے طبقاتی مفادات۔ اجرتوں اور نفعوں' نفعوں اور کرایہ کے درمیان جو منافرت پائی جاتی ہے اس کو شعوری طور پر بالکل آخر میں اپنی تحقیقات کا نقطہ آغاز بنایا تھا۔ لیکن طفلانہ طور پر یہ خیال بھی قائم کر لیا کہ یہ منافرت فطرت کے ایک یقینی سماجی قانون کی حیثیت رکھتی ہے لیکن فلسفہ معاشیات کے لئے اس چیز کا نقطہ آغاز بن جاتا اس بات کو بتاتا ہے کہ بورژوا معاشیات اپنی آخری حد کو پہنچ گئی ہے۔ اور اب اس کے آگے بڑھنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہا ہے اس لیے خود رکارڈو ہی کی زندگی میں بلکہ اس کی مخالفت میں سسمانڈی[1] نے اس پر نکتہ چینی شروع کر دی تھی۔

انگلستان میں اس کے بعد کا دور یعنی 1820ء سے 1830ء کی درمیانی مدت فلسفہ معاشیات کے میدان میں اہم سائنسی سرگرمیوں کے لئے مشہور ہے۔ یہ زمانہ رکارڈو کے نظریہ کو توسیع دینے اور عامیانہ بنانے کا زمانہ بھی تھا اور اس کے نظریہ کے قدیم مدرسہ فکر سے تصادم کا زمانہ بھی۔ اس تصادم کے سلسلہ میں بڑے بڑے اہم معرکے ہوئے لیکن اس زمانہ میں جو کچھ ہوتا رہا اس کا علم دوسرے یورپی ملکوں کو بہت کم ہو سکا اس لئے کہ یہ مناظرہ بازی زیادہ تر تبصروں۔ اتفاقی مطبوعات اور پمفلٹوں میں ہوتی رہی۔ اس مناظرہ بازی کا غیر متعصبانہ پہلو اس وقت کے مخصوص حالات کی وجہ سے باقی رہا حالانکہ رکاڈرو کا نظریہ مستثنیٰ مثالوں میں بورژوا معاشیات پر حملہ کا ذریعہ بھی بنایا[2]

---

[1] میری کتاب تنقید فلسفہ معاشیات ملاحظہ کیجئے (از مارکس)

[2] جس کی وجہ سے عام حالات میں بحث کا غیر متعصبانہ پہلو باقی نہ رہنا چاہئے تھا۔ (مترجم)

جاتا رہا۔ اس وقت ایک طرف تو صورت یہ تھی کہ خود جدید صنعت ابھی اپنے عہد طفولیت ہی سے نکل پائی تھی جیسا کہ اس حقیقت سے ظاہر ہے کہ 1825ء کا بحران ہی وہ پہلا بحران تھا جس سے نظام سرمایہ داری نے جدید معاشی بحرانوں کے طویل سلسلہ میں قدم رکھا۔ اور دوسری طرف حالت یہ تھی کہ سرمایہ اور محنت کے درمیان کی طبقاتی کشمکش پس منظر میں چلے جانے کے لئے مجبور ہوگئی تھی۔ اس کے پس منظر میں چلے جانے کی سیاسی وجہ یہ ہوئی کہ حکومتوں اور زمینداروں کے مقدس اتحاد اور عوام میں جن کی قیادت بورژوائی کر رہے تھے پھوٹ پڑ گئی اور معاشی وجہ یہ ہوئی کہ صنعتی سرمایہ اور جاگیرداری میں ٹکراؤ ہوگیا۔ فرانس میں یہ تصادم چھوٹے اور بڑے زمینداروں کی باہمی مخالفت کی وجہ سے چھپا رہا مگر انگلستان میں قوانین غلہ فروشی کے بعد کھل کر سامنے آ گیا۔ اس زمانہ میں انگلستان میں جو معاشی ادب پیدا ہوا اسے دیکھ کر ذہن میں اس پر جوش طوفانی تحریک کی یاد تازہ ہو جاتی ہے جو ڈاکٹر کوئزنے کے انتقال کے بعد فرانس میں پیدا ہوئی تھی گو یہ یاد کچھ اسی قسم کی ہوگی جیسی نومبر کی خوشنما خزاں کو دیکھ کر موسم بہار کی یاد تازہ ہو جایا کرتی ہے۔ انگلستان اور فرانس دونوں میں بورژوائی سیاسی طاقت پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے بورژوائیوں کے سیاسی طاقت پر قبضہ کر لینے کے بعد سے طبقاتی جدوجہد نے عملی اور نظری دونوں حیثیتوں سے زیادہ نمایاں اور زیادہ خطرناک شکلیں اختیار کر لیں جو بورژوا سائنسی معاشیات کے لئے موت کا پیغام تھا۔ اس کے بعد تو پھر سوال کی نوعیت ہی بدل گئی۔ پھر یہ سوال باقی نہ رہا تھا کہ کون سا نظریہ صحیح اور کون سا غلط تھا۔ پھر تو یہ سوال پیدا ہوگیا کہ کون سا نظریہ سرمایہ کے لیے مفید یا مضر۔ موزوں یا ناموزوں اور سیاسی طور پر خطرناک یا مفید ہے۔ اس نقطہ پر غیر جانبدارانہ تحقیقات کے بجائے کرایہ پر خریدے ہوئے اور انعاموں کے حصوں پر لڑنے والے ماہرین آ گئے۔ اور حقیقی سائنس تفحص و تجسس کی جگہ سرمایہ داری کا دفاع کرنے والے ماہرین معاشیات کے برے ارادوں اور نجس خمیر نے لے لی۔ لیکن اس کے باوجود وہ پمفلٹ جو اینٹی کارن لیگ (قوانین غلہ

فروشی کی مخالفت جماعت نے) مالکان کارخانہ کابڈن اور برائٹ کی قیادت میں چھاپے تھے اور ساری دنیا میں پھیل گئے تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ گو سائنسی اہمیت کے حامل نہ بھی ہوں اس لئے کہ ان میں جاگیرداروں کے خلاف زبردست بحثیں کی گئی ہیں۔ اب اس دور کے بعد پھر آزاد تجارت کے قانون نے جس کا آغاز سر رابرٹ پیل نے کیا تھا اس عامیانہ معاشیات کو اس کے آخری ڈنک سے بھی محروم کر کے رکھ[1] دیا۔

1948ء و1949ء میں براعظم یورپ میں جو انقلاب رونما ہوا اس کا رد عمل انگلستان میں بھی ہوا۔ ان لوگوں نے جو اس وقت تک سائنسی ساکھ کے مدعی تھے اور حکمران طبقوں کے خوشامدیوں اور محض سوفسطائیوں کے درجہ سے خود کو بلند مرتبہ پر رکھنا چاہتے تھے اس بات کی کوشش کی کہ سرمایہ کی معاشیات کو پرولتاریہ کے مطالبات سے جن کو نظر انداز نہ کیا جا سکتا تھا' ہم آہنگ کیا جائے اس کے نتیجہ میں متضاد نظریات میں اتفاق پیدا کرنے کی وہ سطحی کوشش بھی پیدا ہوئی جس کے بہترین نمائندے جان اسٹوارٹ مل ہیں۔ نظریاتی اتفاق پیدا کرنے کی یہ سعی فی الواقع بورژوا معاشیات کے دیوالیہ ہونے کا اعلان تھا۔ عظیم روسی عالم و نقاد این چرنی شے وسکی کے سے لائق دماغ نے اپنی کتاب مل کے مطابق فلسفہ معاشیات کا خاکہ میں اس مسئلہ پر بڑی اچھی روشنی ڈالی ہے۔ بہرحال اس طرح جب فرانس و انگلستان میں سرمایہ داری طرز پیداوار کا تضادی پہلو طبقات کی خونریز جنگ میں ظاہر ہو بھی چکا تھا تو جرمنی میں یہ سرمایہ داری طرز پیداوار اپنے عروج پر پہنچ سکا۔ لیکن اس دوران میں جرمن پرولتاریہ کے اندر جرمن بورژوازیوں کے برعکس واضح طبقاتی شعور بھی پیدا ہو گیا تھا اور یوں ٹھیک اس وقت جب خدا خدا کر کے وہ وقت آیا تھا کہ جرمن علم معاشیات کا وجود ممکن ہو سکتا تو وہ صحیح معنی میں

---

[1] سرمایہ داری فلسفہ معاشیات کو پہلی شکست اس وقت ہوئی جب طبقاتی جدوجہد شدید ہو گئی اور دوسری اور آخری شکست اس وقت جب آزاد تجارت کا قانون بنا۔ (مترجم)

ناممکن ہو کر رہ گیا۔

ان حالات میں علم معاشیات کے پروفیسر صاحبان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ پہلا گروہ جو بڑا زیرک اور عملی تجارتی ذہنیت کا حامل تھا' بسٹیاٹ کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا۔ یہ گروہ سطحیت پسند اور اس لئے عامیانہ معاشیات کا قطعی موزوں نمائندہ تھا۔ رہا دوسرا گروہ جو اپنے علم کی پروفیسرانہ عظمت پر نازاں تھا' سو اس نے متضاد عناصر کو ملانے کی سعی میں جان اسٹوارٹ مل کی تقلید کی۔ یوں جہاں تک جرمنوں کا تعلق ہے وہ بورژوا معاشیات کے کلاسیکی دور کی طرح اس کے عہدِ زوال میں بھی اسکول کے بچے محض نقال۔ مقلد اور غیر ملکی تھوک کاروبار کی خدمت کرنے والے خوردہ فروش اور خوانچہ بردار ہی بنتے رہے۔

تو اس طرح جرمن سماج کی مخصوص ارتقائی شکل ہی اس ملک کے اندر بورژوا معاشیات کے سلسلہ میں اختراعی کام کرنے میں حائل ہو گئی۔ البتہ اس کی تفصیلات کے سلسلہ میں وہ رکاوٹ نہ بن سکی۔ یہ نکتہ چینی جس حد تک کسی طبقہ کی نمائندگی کرسکتی ہے وہ طبقہ وہی ہو سکتا ہے جس کا تاریخی فرض یہ ہے کہ وہ سرمایہ داری طرزِ پیداوار کا تختہ الٹ دے اور تمام طبقات کو ہمیشہ کے لیے ختم کر کے رکھ دے۔ یہ طبقہ ہے پرولتاریہ کا طبقہ۔

جرمن بورژوازیوں کے عالم اور جاہل ترجمانوں نے شروع میں داس کیپٹال (سرمایہ) کو اپنی خاموشی سے ذبح کر دینے کی کوشش کی تھی جیسا وہ میری سابقہ تصنیفات کے ساتھ کر چکے تھے۔ لیکن جوں ہی انہوں نے محسوس کیا کہ وقت کے بدلے ہوئے حالات میں یہ پینترے نہ چل سکیں گے تو کیپٹال پر تنقید کے پردے میں انہوں نے بورژوا دماغوں کو مطمئن کرنے کے لیے نئے نئے نسخے تحریر کرنے شروع کر دیے۔ مگر مزدور پریس میں چنانچہ بطور مثال آپ جوزف ڈائٹزجن کے وہ مضامین ملاحظہ فرمائیے ہیں جو ووک اشٹاٹ میں چھپے ہیں۔ ایسے مدمقابل انہوں نے پالئے جو ان سے زیادہ مضبوط تھے بلکہ ان کے جوابات تو ان حضرات پر

ابھی تک قرض[1] ہیں۔

سرمایہ کا ایک بڑا اچھا روسی ترجمہ 1872ء کے موسم بہار میں اشاعت پذیر ہوا تھا۔ یہ تین ہزار چھپا تھا اور ساری کی ساری کاپیاں کبھی کی ختم ہو چکی ہیں اور یہ تو 1885ء کی بات ہے کہ خیوہ یونیورسٹی کے معاشیات کے پروفیسر مسٹر اے سائیبر نے اپنی کتاب ''ڈیوڈ رکارڈو کا نظریہ قیمت اور سرمایہ'' میں قیمت زر اور سرمایہ کے میرے نظریہ کو اپنی بنیادوں میں اسمتھ اور ریکارڈو کے نظریوں کے قدرتی نتیجہ کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔ اس بہترین تصنیف کے مطالعہ کے دوران مغربی یورپ کا قاری جس بات سے حیرت زدہ رہ جاتا ہے وہ ایک خالص نظریاتی مبحث سے مصنف کی مربوط اور جامع واقفیت ہے۔ سرمایہ میں جس اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے اس کو بہت کم سمجھا جا سکا ہے جیسا

---

[1] عامیانہ جرمن معاشیات کے چرب زبان باتونے میری اس کتاب کے اسلوب تحریر کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ اسلوب نگارش کے اعتبار سے داس کیپیٹال میں جو خامیاں ہیں ان کا احساس مجھ سے زیادہ شاید ہی کسی دوسرے کو ہو لیکن ان محترم حضرات اور ان کے قارئین کے فائدہ اور استفادہ کے لئے ایک انگریزی اور دوسرے روسی تبصرہ کا میں یہاں حوالہ دوں گا۔ اخبار سنڈے ریویو نے جو ہمیشہ میرے خیالات کا مخالف رہا ہے پہلے ایڈیشن پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے ''بحث کو جس انداز میں پیش کیا گیا ہے اس سے خشک ترین معاشی سوالات میں بھی ایک مخصوص جاذبیت پیدا ہو گئی ہے'' اور روسی اخبار سینٹ پیٹس برگ جرنل نے اپنی 20 اپریل 1872ء کی اشاعت میں لکھا کہ ''ایک یا دو بالکل مخصوص حصول کے علاوہ موضوع بحث کو پیش کرنے کا انداز یہ اختصاص رکھتا ہے کہ کتاب ہر ایک قاری کے لیے قابل فہم بن گئی ہے انداز بیان میں وضاحت ہے اور موضوع کے علمی اخلاق کے باوجود کتاب میں غیر معمولی شگفتگی نظر آتی ہے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو مصنف کسی بھی سال میں جرمن علماء کی اکثریت کے مشابہ نہیں ہے جو اپنی کتابیں ایسی خشک اور مبہم زبان میں لکھتے ہیں کہ بے چارے عام آدمیوں کے دماغ ان کے مطالعہ سے خبط ہو کر رہ جاتے ہیں'' (مارکس)

کہ ان مختلف اور متضاد خیالات سے ظاہر ہوتا ہے جو سرمایہ کے متعلق ظاہر کئے گئے ہیں۔

چنانچہ پیرس کا اخبار ریووے پازی ٹی وزٹے۔ ایک طرف تو مجھے اس بات پر ہدفِ ملامت بناتا ہے کہ میں نے معاشیات پر مابعد الطبیعاتی انداز میں کیوں بحث کی اور دوسری طرف ذرا ملاحظہ فرمایئے! یہ کہتا ہے کہ میں نے مستقبل کے بھٹیار خانوں کے لئے نئے نئے لٹکے (وہی کومٹ فلسفی والے) تحریر کرنے کے بجائے بس علمی حقائق ہی کا ناقدانہ تجزیہ کیا ہے اور کچھ نہیں کیا۔ اس مابعد الطبیعاتی الزام کے سلسلہ میں پروفیسر سائیبر نے لکھا ہے کہ: جہاں تک صرف حقیقی نظریاتی بحث کا تعلق ہے مارکس کا اسلوب استخراجی[1] ہے جو کہ پورے انگریزی مدرسہ کا طریقہ ہے۔ اس انگریزی مدرسہ کی خوبیاں اور خرابیاں اعلیٰ نظریاتی ماہرین معاشیات میں مشترک طور پر پائی جاتی ہیں لیکن ایم بلاک صاحب نے اپنے مضمون لس تھیوری سینس ڈوسوشلز ے این اپلے میگنے۔ ایکسٹریٹ ڈوجرنل ڈیس۔ اکانمیٹز جولیٹ ایٹ آوٹ 1872ء میں یہ انکشاف فرمایا ہے کہ میرا اسلوب تحلیلی و تجرباتی ہے۔ رہے جرمن تبصرہ نگار صاحبان سو وہ سرمایہ کو ہیگل کی سوقسطائیت کا مجموعہ قرار دینے سے نہیں تھکتے۔ سینٹ پیٹس برگ کے جریدہ یورپی میسنجر نے سرمایہ کے اسلوب ہی کے متعلق ایک پورا مضمون چھاپا ہے (اشاعت مئی 1872ء صفحات 427۔436) اس میں کہا گیا ہے کہ میرا طرزِ بحث ونظر تو قطعی حقیقت پسندانہ ہے مگر اسلوبِ بیان بدقسمتی سے جرمن وائیلکتی ہے۔ یورپی میسنجر لکھتا ہے۔ اگر موضوع بحث کو پیش کرنے کے اسلوب کی ظاہری شکل ہی کو سامنے رکھ کر رائے ظاہر کی جائے تو

---

[1] منطق میں اخذ نتائج کے تین طریقے ہیں (1) چند جزدیات کو دیکھ کر چند دوسری جزدیات پر رائے قائم کرنا جسے تمثیل کہتے ہیں (2) جزدیات کو دیکھ کر کلی نتیجے قائم کرنا جسے استقرائی طریقہ کہا جاتا ہے۔ یہ سائنس کا کثیر الاستعمال طریقہ ہے اور (3) کلیات سے جزئیات کا اخذ جو استخراجی یا استنباطی طریقہ ہے۔ یہ فلسفہ میں عام طور پر اور ریاضیات میں خاص طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ سید محمد تقی)

پہلی نظر میں کہا جا سکتا ہے کہ مارکس مثالی فلسفیوں میں سب سے بڑا مثالی فلسفی ہے۔ لیکن یہ مثالی جرمن زبان میں بھی اس کے برے مفہوم میں ہے۔ مگر حقیقت واقعہ یہ ہے کہ معاشی تنقید کے معاملے میں وہ اپنے تمام پیش رووں سے کہیں زیادہ حقیقت پسند ہے اور کسی بھی پہلو سے اسے مثالیت پرست نہیں کہا جا سکتا۔ اس مصنف کو جواب دینے کے بجائے یہ بہتر ہے کہ میں انہیں صاحب کی تنقید کے چند اقتباسات پیش کروں جو ممکن ہے میرے بعض ان قارئین کے لیے موجب دلچسپی بن سکیں جن کی روسی اصل تک رسائی نہیں ہے۔

میری تنقید فلسفہ معاشیات برلین 1859ء صفحات 11 و 13 کے دیباچہ کے ایک اقتباس کو پیش کرنے کے بعد، جس میں میں نے اپنے اسلوب کی مادی اساس پر بحث کی تھی، مصنف مذکور نے کہا ہے کہ "مارکس کے خیال میں جو چیز سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ وہ ان مظاہرِ فطرت کا کوئی قانون معلوم کریں جن کا تفحص ان کے پیشِ نظر ہے۔ پھر صرف اس قانون ہی سے انہیں دلچسپی نہیں ہے جو کہ مذکورہ مظاہر فطرت کے طریقہ عمل کو اس اعتبار سے کہ وہ مظاہر فطرت تاریخ کے کس متعین عہد میں کوئی مخصوص شکل اور باہمی ربط رکھتے تھے بتاتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اہمیت ان کے خیال میں اس قانون کے معلوم کرنے سے ہے جو ان مظاہر فطرت کے تغیر و تبدل۔ ان کے ارتقاء یعنی ایک شکل سے ان کے دوسری شکل میں بدلنے اور روابط کے ایک سلسلہ سے دوسرے سلسلہ میں متغیر ہونے کو بتاتا ہے انہوں نے جوں ہی اس قانون کا انکشاف کر لیا تو پھر تفصیل کے ساتھ ان اثرات کا تجسس شروع کر دیا جن کے پردہ میں یہ قانون سماجی زندگی میں بظاہر ہوتا ہے۔ اب ظاہر ہے کہ مارکس صرف ایک ہی چیز سے دلچسپی لے سکتے تھے اور وہ یہ کہ وہ کڑی تحقیقات کے ذریعے سماجی حالات کے متوالی اور متعین نظاموں کی لابدیت کو ظاہر کریں اور جس قدر بھی غیر جانبداری کے ساتھ ممکن ہو سکے ایسے حقائق کو متعین کر لیں جو ان کے لیے بنیادی نقطہ ہائے آغاز ثابت ہو سکیں۔ اس مقصد کے لیے بالکل کافی ہوگا اگر وہ ساتھ ہی یہ بھی ثابت کر ڈالیں کہ موجودہ نظام

بھی لابدی ہے اور وہ نظام بھی لابدی جس میں موجودہ نظام کو ناگزیر طور پر مبدل ہو جانا ہے اور پھر لوگ اس کا اعتقاد رکھیں یا نہ رکھیں۔ وہ اس کا شعور بھی رکھتے ہوں یا نہ رکھتے ہوں؛ تاہم یہ تبدیلی ناگزیر ہے۔ مارکس سماجی حرکت کو تاریخ طبعی کا عمل جیسا سمجھ کر زیر بحث لاتے ہیں۔ ان کے خیال میں سماجی حرکت ایسے قوانین سے متعین ہوتی ہے جو انسانی ارادہ۔ شعور اور ذہانت سے بالکل آزاد ہیں؛ بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ خود یہ قوانین ہی انسانی ارادہ شعور اور ذہانت کا تعین کرتے ہیں۔ اگر تہذیب کی تاریخ میں شعوری عنصر اسی قدر فروتر پارٹ ادا کرتا ہے تو پھر یہ ظاہر ہے کہ کوئی بھی وہ تحقیقاتی مطالعہ جس کا موضوع تہذیب ہو' قدرتاً شعور کے کسی پیدا کردہ نتیجہ یا شعور کی کسی شکل کو اپنی اساس نہیں بنا سکتا۔ یعنی وہ کسی تصور (آئیڈیا) کو نہیں بلکہ صرف مادی مظاہر ہی کو اپنی بحث کا نقطہ آغاز بنائے گا۔ اس قسم کا اندازِ بحث ونظر ایک خارجی حقیقت کا دوسری خارجی حقیقت سے مقابلہ اور توازن کرنے تک خود کو محدود کرلے گا اور حقائق کا مقابلہ افکار سے نہ کرے گا۔ اس قسم کے اندازِ بحث ونظر میں بنیادی اہمیت اس بات کو ہوتی ہے کہ مذکورہ دونوں حقائق کی جس قدر ممکن صحت سے چھان بین کی جاسکے' کی جائے۔ نیز یہ کہ یہ دونوں حقیقتیں باہم جو تعلق رکھتی ہیں وہ یہ ہے کہ وہ ایک ہی ارتقائی عمل کے دو مختلف زور حرکت رکھنے والے نقطے ہیں لیکن ان سب سے زائد اہمیت اس اندازِ بحث ونظر کے نقطہ نظر سے اس بات کی ہے کہ درجہ بدرجہ پیش آنے والے واقعات کے سلسلہ۔ علت و معلول کے سلسلہ اور ان کڑیوں کا نہایت سخت تجزیہ کیا جائے جن میں اس ارتقاء کے مختلف عام درجات ظاہر ہوتے ہیں۔ لیکن یہاں یہ کہا جائے گا کہ معاشی زندگی کے قوانین تو بہر حال ایک سے ہی ہیں وہ تو یکساں ہی ہیں خواہ ان کا اطلاق حال پر کیا جائے یا ماضی پر مگر مارکس واضح طور پر اس کا انکار کرتے ہیں۔ مارکس کے خیال میں اس قسم کے مجرد قوانین کا سرے سے وجود نہیں۔ ان کے خیال میں تو اس کے برعکس ہر تاریخی عہد کے اپنے جداگانہ قوانین ہوتے ہیں۔ جوں ہی سماج ارتقاء کے ایک مخصوص عہد پر

پہنچ کر بعد از وقت ہوا اور کسی ایک عہد ارتقاء سے کسی دوسرے عہد کی طرف منتقل ہوا، وہ ساتھ ہی دوسرے قوانین کے تحت بھی آنے لگتا ہے۔ مختصر لفظوں میں معاشی زندگی بھی ایک ایسا مظہر ہے جو حیاتیات کی دوسری شاخوں کے ارتقاء کی تاریخ سے پوری مشابہت رکھتا[1] ہے۔ پرانے ماہرین معاشیات نے معاشی قوانین کو طبیعات اور کیمیا کے قوانین سے مشابہت دے کر ان کی ماہیت سے ناآگہی کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان مظاہر کا گہرا تجزیہ کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سماجی نامی[2] اجسام بھی آپس میں اتنا ہی اساسی اختلاف رکھتے ہیں جتنا پودوں یا جانوروں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ اتنا ہی نہیں ان اجسام نامیہ کے مجموعی ڈھانچہ میں اختلاف اور ان کے انفرادی اعضاء[3] اور ان حالات کے اختلاف کی وجہ سے جن میں وہ اعضاء عمل کرتے ہیں ایک ہی (سماجی) مظہر مختلف قوانین کے ماتحت بھی ہوسکتا ہے۔ اب مثلاً مارکس اس بات سے اختلاف کرتے ہیں کہ ''قانون (اضافہ) آبادی تمام اوقات اور تمام مقامات کے لئے یکساں ہوتا ہے۔ قوت پیداوار کی ترقی میں اختلاف کی وجہ سے سماجی حالات اور ان کے قوانین بھی مختلف ہو جاتے ہیں۔ گو مارکس نے اپنے پیش نظر جو مقصد رکھا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے نقطہ نظر سے اس معاشی نظام کا جائزہ لیں اور اس کی توضیح کریں جو سرمایہ کی طاقت سے قائم ہوا ہے مگر، واقعہ یہ ہے کہ وہ خالص سائنسی انداز میں ایک ایسے مقصد کو پیش کر رہے ہیں جو معاشی زندگی کی ہر صحیح ترچھان بین میں پیش نظر ہونا چاہیے۔ اس قسم کے مطالعہ کی سائنسی قیمت اس امر میں مضمر ہے کہ اس کے ذریعہ ان مخصوص قوانین کا انکشاف کیا جاسکتا ہے جو کسی بھی سماجی جسم نامی کی ابتداء۔ وجود۔ ارتقاء اور موت کو

---

[1] اس نقاد کے خیال میں طبیعات اور کیمیا کے قوانین سے مشابہت نہیں رکھتا جیسا پرانے ماہرین معاشیات کا خیال تھا۔ مترجم

[2] نامی سماجی اجسام سے مراد مختلف سماج ہیں۔ مترجم

[3] اعضاء اجسام نامی کی نسبت سے کہا۔ اس کے بجائے سماجی اجزاء کہا جاسکتا ہے۔ مترجم

بتاتے ہیں اور اس سماجی جسم نامی کی جگہ ایک اور سماجی جسم نامی کے آ جانے کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے یہی وہ چیز ہے جو مارکس کی کتاب کی اہمیت کا باعث بنی ہوئی ہے''۔

اس مضمون کے مصنف نے اس چیز کو جسے وہ واقعی میرا اسلوب خیال کرتے ہیں بیان کرنے کے ساتھ ہی اور وہ بھی بڑے دلچسپ انداز میں (جو جہاں تک میں سمجھ سکا کشادہ دلانہ انداز ہے) جو کچھ بھی کہا ہے وہ سب کچھ ہو سکتا ہے مگر ڈائیلکتی انداز نہیں ہے۔

یہ تو بہر حال ظاہر ہے کہ کسی چیز کو پیش کرنے کا انداز اس چیز پر بحث ونظر کے اسلوب سے مختلف ہونا چاہیے۔ اسلوب بحث ونظر میں تمام مواد کو پوری تفصیل کے ساتھ سامنے رکھنا ہوتا ہے۔ اس کے ارتقاء کی مختلف اشکال کا جائزہ اور ان کے اندرونی روابط کا پتہ چلایا جاتا ہے۔ یہ سب کر چکنے کے بعد ہی حقیقی حرکت کی توضیح کی جا سکتی ہے اور اگر یہ سب کچھ کامیابی کے ساتھ کیا جا سکا اور موضوع زیر تحقیق کی صحیح زندگی اس کامیابی کے ساتھ پیش کی جا سکی جیسے آئینہ میں اس کی تصویر اُتر آئے تو پھر ایسا معلوم ہونے لگتا ہے جیسے ہمارے سامنے ایک ایسا قضیہ آ گیا ہے جو یقینی حیثیت رکھتا ہے۔

میرا ڈائیلکتی اسلوب بحث ہیگلی اسلوب سے نہ صرف یہ کہ مختلف ہے بلکہ قطعی متضاد بھی ہے۔ ہیگل کے خیال میں تو انسانی دماغ کا حیاتیاتی عمل یعنی عمل تفکر جسے وہ تصور[1] کا نام دے کر ایک خود مختار ذات بنا دیتا ہے۔ اس کائنات حقیقی وخارجی کا خالق ہے اور یہ حقیقی وخارجی دنیا اس تصور کی صرف بیرونی یا مظہری شکل[2] ہے میرے خیال میں صورتِ حال اس کے برعکس ہے اور وہ یہ کہ تصوراتی مثالی دُنیا اس مادی دنیا کے جسے

---

[1] اس کتاب میں لفظ آئیڈیا کا ترجمہ تصور سے کیا گیا ہے۔ مترجم

[2] مطلب یہ کہ ہیگل کے خیال میں اصل کائنات تصور ہے اور کائنات کے تمام خارجی مظاہر اس تصور کی بیرونی اشکال ہیں۔ مترجم)

انسانی ذہن منعکس کرتا اور تفکراتی اشکال میں بدل ڈالتا ہے ماورا کوئی چیز نہیں ہے۔

کوئی تیس سال گزرے جب ہیگل کی جدلیت کا ابہامیت پسندانہ پہلو ایک فیشن کے طور پر مقبول تھا تو میں نے اس پر تنقید کی تھی اور جب میں سرمایہ کی جلد اوّل کی تدوین میں مشغول تھا تو تنک مزاج مگر متوسط العقل مدعیان علم کا جو آج کل مہذب جرمنی میں لمبی چوڑی باتیں بنانے کے عادی ہیں، دلچسپ مشغلہ یہ تھا کہ وہ ہیگل کے ساتھ وہی سلوک کریں جو لیسنگ کے زمانہ میں بہادر موزز منڈل سوہن نے اسپنوزا کے ساتھ کیا تھا یعنی یہ کہ اسے سگِ مردہ خیال کیا تھا۔ اس وقت میں نے کھل کر اعتراف کیا تھا کہ میں اس عظیم مفکر کا شاگرد ہوں بلکہ نظریہ قیمت سے متعلقہ باب میں تو کئی جگہ اظہار خیال کے ان طریقوں کو بھی میں نے اپنالیا جو ہیگل کے ساتھ مخصوص ہیں۔ صرف اس بات سے کہ ہیگل کی وائیلکٹیک میں ابہامیت موجود ہے۔ کوئی ہیگل کے اس حق کو اس سے نہیں چھین سکتا کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے جدلیت دائیلکٹیک کے طریقہ عمل کو جامع و مانع اور مکمل طرز میں پیش کیا۔ جدلیت ہیگل کے ہاں سر کے بل کھڑی ہے۔ اب اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ابہامیت کے خول سے صحیح فکری گودہ کو نکال لیں تو جدلیت کو بالکل پلٹ کر ٹانگوں کے بل کھڑا کر دیجیے۔

جدلیت اپنی ابہامیت پسندانہ شکل میں جرمنی میں فیشن بن چکی تھی جس کا سبب یہ تھا کہ وہ اپنی اس شکل میں موجودہ تلخ حالات کو بدل کر بڑے معزز اور مقدس طرز میں پیش کر دیتی ہے جبکہ اپنی عقلیت پسندانہ شکل میں وہ بورژ وایت اور اس کے نظریہ پروفیسروں کے لیے وجہ کراہیت ہوتی دہشتناک بن جاتی ہے اس لیے کہ جدلیت کی یہ عقلیت پسندانہ شکل حالات کو اپنے پیش نظر رکھنے اور ان کی موجودگی کا اعتراف کرنے کے ساتھ ہی ان کی تنسیخ کی ضرورت کو بھی مانتی اور ان کے ناگزیر اختتام کو بھی تسلیم کرتی ہے۔ صورت یہ ہے کہ جدلیت اپنی عقلیت پسندانہ شکل میں ہر ترقی پذیر سماجی شکل کو ایک جاری حرکت خیال کرتی ہے اور اس لیے وہ اس سماجی شکل کی عبوری نوعیت کو بھی اسی قدر

اہمیت دیتی ہے جتنی اس کے وقت وجود کو اہمیت دیتی ہے۔ وہ مذکورہ سماجی شکل پر کوئی چیز تھوپتی نہیں ہے پھر وہ اپنے جوہر میں تنقید پسندانہ اور انقلابی بھی ہے۔

سرمایہ داری سماج کی حرکت میں جوہری پور پر جو تضاد پنہاں ہے وہ متوالی بحرانوں کے وقوع پذیر ہوتے رہنے کی صورت میں نمایاں ہوکر عملی بورژوا کو واضح طور پر متاثر کرتا رہتا ہے۔ جدید صنعت انہیں بحرانوں سے گزرتی ہوئی چلتی ہے اور پھر اس کا نقطہ عروج شدید معاشی جمود ہوا کرتا ہے۔ اِس قسم کا ایک معاشی جمود اب پھر ہماری طرف دوڑا چلا آ رہا ہے؛ گو یہ تا حال اپنے ابتدائی مدارج ہی میں ہے لیکن وہ اپنی کائنات گیری اور شدت اثر کی بنا پر نئی مقدس پروشیائی وجرمن شہنشاہیت کے روز افزوں نو دولتوں کے دماغوں میں بھی جدلیت کو ٹھوس دینے کا باعث بن جائے گا۔

لندن — کارل مارکس

24 جنوری 1873ء
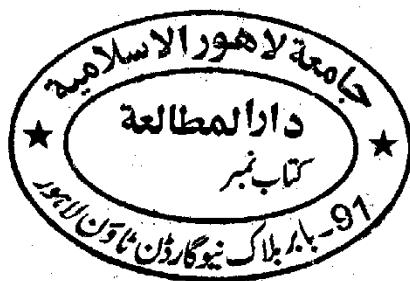
پہلے انگریزی ترجمہ کا دیباچہ

سرمایہ کے پہلے انگریزی ترجمہ کی اشاعت معذرت خواہی کی محتاج نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس قارئین تو یہ توقع قائم کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ اب تک اس ترجمہ کی اشاعت میں تاخیر ہو جانے کے بارے میں معذرت پیش کی جائے گی اس لیے کہ گذشتہ چند سالوں میں انگلستان اور امریکہ کے رسالوں' اخباروں اور کتابوں میں برابر ان نظریوں کے حوالے دیے جاتے رہے ہیں۔ ان کی مخالفت یا مخالفت کی جاتی رہی ہے اور غلط یا صحیح تشریحیں کی گئی ہیں جنہیں اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

1883ء میں مصنف (مارکس) کے انتقال کے بعد جب اس کتاب کے ترجمہ کی ضرورت پوری شدت سے محسوس ہونے لگی تو مارکس کے اور میرے پرانے دوست مسٹر سموئیل مور نے جن سے زیادہ شاید ہی کوئی اس کتاب کے محتوبیات سے آگاہ ہو' ان مفاہیم کو انگریزی میں منتقل کرنے کی ذمہ داری اٹھانے پر آمادگی ظاہر کی جنہیں مارکس کے غیر مطبوعہ مسودات کو مرتب و منظم کرنے والے عوام کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے۔ ادھر مسودوں کو اصل سے مطابق کرنے اور جو تبدیلیاں میرے خیال میں ضروری تھیں انہیں پیش کرنے کا فرض مجھے انجام دینا تھا مگر کچھ ہی عرصہ بعد جب یہ محسوس ہونے لگا کہ مسٹر مور کی پیشہ ورانہ ذمہ داریاں ترجمہ کو اس سرعت سے مکمل کرنے میں حارج ہو رہی ہیں جس سرعت کے ہم سب متمنی تھے تو ڈاکٹر ایولنگ کی اس پیش کش' کتاب کے کچھ حصہ کا ترجمہ وہ کر دیں گے' بخوشی قبول کر لیا گیا۔ ساتھ ہی مسز ایولنگ مارکس کی دختر خورد نے اقتباسات کو جانچنے اور ان کی متعدد انگریزی عبارتوں کو جو مارکس نے انگریزی مصنفین اور برطانوی پارلیمان کی رپورٹوں سے لے کر انگریزی سے جرمنی میں ترجمہ کی

تھیں ان کے اصلی متن سے ملانے کا کام اپنے ذمہ لے لیا۔ چنانچہ چند ناگزیر مستثنیات کے علاوہ تمام کتاب میں اسی پر عمل کیا گیا۔

کتاب کے حسب ذیل حصص کا ترجمہ ڈاکٹر ایولنگ نے کیا ہے (1) باب دہم (کام کا دن) اور باب یازدہم (قدر زائد کا حجم اور شرح) (2) حصہ ششم (اجرتیں جس میں انیسویں باب سے لے کر بائیسواں باب تک شامل ہے) (3) چوبیسویں باب فصل چہارم (وہ حالات کہ جو وغیرہ) سے لے کر ختم کتاب تک جس میں چوبیسویں باب کا آخری حصہ پچیسواں باب اور پورا حصہ ہشتم شامل ہے۔ (چھبیسویں باب سے لے کر تینتیسویں باب تک) (4) مصنف کے دونوں دیباچے اور باقی ساری کی ساری کتاب کا ترجمہ مسٹر مور نے کیا ہے۔ اس طرح جہاں تک ان دونوں مترجم حضرات کا تعلق ہے اپنے اپنے مترجمہ حصہ کی ذمہ داری ان میں سے ہر ایک پر عائد ہوتی ہے لیکن مشترکہ طور پر ساری کتاب کی ذمہ داری مجھ پر ہے۔

تیسرا جرمن ایڈیشن جو ہمارے اس ترجمہ کی اساس بنا 1883ء میں میں نے ان نوٹوں کی مدد سے تیار کیا تھا جو مصنف نے چھوڑے تھے۔ ان نوٹوں میں یہ بتایا گیا تھا کہ دوسرے جرمن ایڈیشن کے کون کون سے جملے ایسے ہیں جو 1873ء میں شائع ہونے والے فرانسیسی ایڈیشن کے متعلقہ جملوں سے بدلے جائیں گے۔ اس طرح دوسرے جرمن ایڈیشن کے متن میں جو تبدیلیاں یا اضافے کیے گئے ہیں وہ عام طور پر

---

[1] قدر: ہر چند میں نے ویلیو کا ترجمہ عام طور پر قیمت سے کیا ہے۔ مگر سرپلس ویلیو کا ترجمہ پوری کتاب میں قدر زائد سے کیا گیا ہے کہ یہ اصطلاح مقبول و متعارف ہے اور اس کے بجائے قیمت کی رعایت سے قیمت زائد ترجمہ کرنے سے اقتباس پیدا ہو جانے کا خطرہ تھا۔ سید محمد تقی

[2] فرانسیسی ترجمہ خاص طور پر اس کے آخری حصہ میں دوسرے جرمن ایڈیشن کے مقابل بہت سی تبدیلیاں کی گئی ہیں اور متن میں متعدد جگہ اضافے کیے گئے ہیں

وہی ہیں جن کی مارکس نے اس انگریزی ترجمہ کے مسودات میں ہدایت کی تھی جس کی اسکیم اب سے دس سال قبل امریکہ میں بنائی گئی تھی۔ مگر یہ اسکیم موزوں اور مناسب مترجم کے نہ ملنے کی وجہ سے عملی جامہ نہ پہن سکی تھی۔ میرے حبیب دیرینہ مسٹر ایف اے سورج نے (ہابوکن این۔ جے۔ کے) ازراہ کرم یہ مسودات مجھے عنایت فرما دیئے۔ ان مسودات میں فرانسیسی ایڈیشن کے اندر بھی مزید اضافوں کی ہدایات کی گئی ہیں۔ مگر چونکہ تیسرے جرمن ایڈیشن کے لیے مارکس نے جو ہدایات دی تھیں مذکورہ ہدایات ان کے مقابل کافی پرانی تھیں اس لیے میں نے ان سے بہت ہی کم فائدہ اٹھایا اور صرف انہیں مقامات پر ان سے کام لیا جہاں یہ مشکلات کے حل میں مدد دے سکتی تھیں اس طرح فرانسیسی متن کی طرف بھی عام طور پر مشکل جملوں کے ترجمہ میں رجوع کیا گیا کہ ایسے جملوں کے ترجمے کے وقت دونوں فرانسیسی ترجموں کو دیکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ خود مصنف نے جرمنی سے فرانسیسی میں ترجمہ کے وقت اصل کے کس قدر مفہوم کو قربان کر دینا گوارا کر لیا تھا۔

تاہم ایک دشواری ایسی رہ گئی جس سے میں اپنے قارئین کو بچانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ چند اصطلاحات کو ایسے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے جو ان کے متداول مفہوم ہی سے نہیں اس مفہوم سے بھی مختلف ہیں جو فلسفہ معاشیات میں عام طور پر ان کا سمجھا جاتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی بھی علم کے ایک نئے پہلو کو پیش کرنے کے دوران اس علم کی اصطلاحات میں بھی انقلاب برپا ہو جاتا ہے جس کی بہترین مثال علم کیمیا کی تمام کی تمام اصطلاحات ہر بیس سال بعد قطعی طور پر بدل جاتی ہیں۔ کیمیا کے کسی ایک بھی ایسے نامیاتی مرکب کو آپ نہیں بتا سکتے جو ناموں کے ایک طویل سلسلہ سے ہو کر نہ گزرا ہو۔ فلسفہ معاشیات اب تک عام طور پر اس بات پر قانع رہا کہ وہ ان اصطلاحات کو جوں کا توں لے لے جو تجارتی و صنعتی زندگی میں مروج ہیں اور اس نے قطعی طور پر یہ بات محسوس نہ کی کہ اس طرح اس نے خود کو خیالات کے اس محدود دائرہ میں اسیر کر لیا ہے جو یہ

اصطلاحات ظاہر کرتی ہیں۔ اب مثلاً کلاسیکی فلسفہ معاشیات اس بات سے پوری طرح واقف ہونے کے باوجود کہ منافع اور کرایہ محض ذیلی تقسیمیں ہیں وہ پیداوار کے اس غیر ادا شدہ حصہ کے ٹکڑے ہیں جو مزدور اپنے آجر کو (جو سب سے پہلے اسے تصرف میں لاتا ہے گو اس کا واحد حقیقی مالک نہیں ہوتا) مہیا کرتا ہے۔ ان اصطلاحات کے مروجہ مفاہیم سے آگے نہیں بڑھتا۔ وہ پیداوار کے اس غیر ادا شدہ حصہ کا (جسے مارکس زائد پیداوار کے نام سے یاد کرتا ہے) کبھی اس کی مجموعی وکلی حالت میں جائزہ نہیں لیتا اور اس لیے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس کی ابتداء ماہیت اور ان قوانین کو بھی پوری طرح سمجھنے میں ناکام رہتا ہے جو مآل کار اس غیر ادا شدہ حصہ کی قیمت کی تقسیم کا تعین کرتے ہیں۔ اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ زراعت و دستکاری کے علاوہ ساری کی ساری صنعت کو بلا امتیاز کاریگری[1] (مینوفیکچرنگ) کی اصطلاح میں شامل کرلیا گیا ہے۔ اور یوں وہ جوہری اور زبردست اختلاف یکسر محو ہو گیا ہے جو معاشی تاریخ کے دو جدا جدا عہدوں میں پایا جاتا ہے۔ کاریگری کا خاص عہد جسمانی محنت کی تقسیم کے ذریعہ پیداوار حاصل کرنے کا عہد تھا جبکہ جدید عہد صنعت مشینی پیداوار کا عہد ہے۔ تو بہر حال یہ بات واضح ہے کہ وہ نظریہ جو جدید سرمایہ داری پیداوار کے عہد کو انسان کی معاشی تاریخ کی محض عبوری منزل خیال کرتا ہو قدرتاً ان اصطلاحات سے مختلف اصطلاحات پسند کرے گا جو وہ اہل قلم استعمال کرتے ہیں جو جدید سرمایہ داری پیداوار کے دور کو ناقابل فناء پذیر اور آخری عہد خیال کیے ہوئے ہیں۔

---

[1] مینوفیکچرنگ اور انڈسٹری میں اساسی فرق ہے اور وہ یہ کہ مینوفیکچرنگ خام پیداوار کو قابل استعمال چیز میں بدلنے کا نام ہے جبکہ انڈسٹری خام پیداوار کو مشین کے ذریعہ سے قابل استعمال اشیاء میں بدلنے کو کہتے ہیں۔ اس طرح پہلا مفہوم عام اور دوسرا خاص ہے۔ اردو میں یہ فرق کاریگری اور صنعت کے لفظوں سے ظاہر کیا جاسکتا ہے اور اگر اردو کے ادبا مفہوم کے اس اختلاف کے ساتھ ان دونوں اصطلاحات کو قبول کرلیں تو ہمیں دو اچھی اصطلاحات بآسانی مل جائیں گی۔ اردو مترجم

اقتباسات پیش کرنے میں مصنف کا جو اپنا نہج ہے اس کے متعلق بھی کچھ عرض کرنا مناسب ہوگا۔ اکثر مواقع پر تو یہ اقتباسات وہی عام مقصد پورا کرتے ہیں یعنی یہ کہ متن میں جو دعاوی کیے گئے ہیں یہ ان کی دستاویزی شہادت بنتے ہیں لیکن ایسے بھی متعدد مواقع ہیں جہاں معاشیاتی مصنفین کی عبارتوں کے اقتباسات صرف یہ بتانے کے لیے دیے گئے ہیں کہ کس مسئلہ کو پہلی بار کب۔ کہاں اور کس مصنف نے پوری تفصیل و وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ایسا ان مواقع پر ہوا ہے جہاں اقتباس کردہ حصہ مثلاً اس اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے کہ وہ کسی خاص وقت سماجی پیداوار اور مبادلہ کے جو حالات تھے ان کی کم و بیش صحیح توضیح کر دیتا ہے قطع نظر اس امر کے کہ مارکس اقتباس کردہ عبارت میں جن خیالات کا ذکر کیا گیا ہے ان کی صحت کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔ اس نوع کے اقتباسات تاریخ معاشیات سے اخذ کردہ ایک مسلسل تبصرہ ہونے کی وجہ سے کتاب کے متن کا مفید ضمیمہ بن گئے ہیں۔

زیر نظر ترجمہ کتاب کی صرف پہلی جلد کا ترجمہ ہے لیکن یہ جلد بھی بڑی حد تک اپنی جگہ ایک مکمل مجموعہ کی حیثیت رکھتی ہے اور بیس سال تک اسے مستقل یا بالذات کتاب کی حیثیت بھی دی جاتی رہی۔ کتاب ثانی جسے میں نے جرمن زبان میں 1885ء میں مرتب کیا تھا' کتاب ثالث کے بغیر جو 1887ء کے اختتام سے پہلے اشاعت پذیر نہ ہو پائی طے شدہ طور پر نامکمل ہے۔ چنانچہ جب کتاب ثالث جرمنی میں اشاعت پذیر ہوگئی تو پھر دونوں کے انگریزی ترجمہ کی اشاعت کی طرف فوراً توجہ مبذول کی گئی۔

براعظم یورپ میں سرمایہ کو اکثر مزدور طبقہ کی بائبل کہا جاتا ہے۔ جو لوگ مزدور تحریک سے واقف ہیں وہ اس حقیقت سے بلاشبہ انکار نہیں کریں گے کہ سرمایہ میں جن نتائج کو نکالا گیا ہے وہ بڑی تیزی سے عظیم مزدور تحریک کے بنیادی اصول بنتے جا رہے ہیں اور یہ نہ صرف جرمنی اور سوئٹزرلینڈ ہی میں بلکہ بلجیم اور امریکہ اطالیہ اور فرانس میں بھی ہو رہا ہے اور یوں مزدور طبقہ ہر جگہ پر اور زیادہ سے زیادہ ان خیالات کو جو سرمایہ میں ظاہر کیے گئے ہیں

اپنے حالات اور خواہشوں کا بہترین ذریعہ اظہار خیال کرتا جا رہا ہے۔ خود انگلستان میں بھی آج کل مارکس کے نظریہ اشتراکی تحریک پر گہرا اثر ڈال رہے ہیں جو مہذب طبقوں میں اسی تیزی سے پھیل رہی ہے جس تیزی سے مزدور طبقہ میں پھیل رہی ہے۔ پھر بات اسی نقطہ پر آ کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اب تو وہ وقت بھی تیزی سے قریب آ رہا ہے جب انگلستان کے معاشی مقام کا تفصیلی اور ہمہ گیر جائزہ لینا ناگزیر قومی ضرورت بن جانے والا ہے۔ انگلستان کا صنعتی نظام جو نہیں باقی رہ سکتا پیداوار میں تیز اور مسلسل توسیع بغیر جس کا قدرتی نتیجہ بازار میں توسیع کا ہوتا ہے ایک ایسے نقطہ پر آ کر رکنے والا ہے جس سے آگے بڑھنا ممکن نہ ہوگا۔ آزاد تجارت کے اصول کے سارے سوتے اب خشک ہو چکے ہیں۔ خود مانچسٹر بھی اب آزاد تجارت کی افادیت سے مشکوک ہو گیا ہے۔ حالانکہ اب تک آزاد تجارت اس کا معاشی مذہب[1] بنی ہوئی تھی۔ غیر ملکی صنعت جو تیزی سے ترقی کر رہی ہے، صرف تحفہ شدہ علاقوں ہی میں نہیں آزاد بازاروں میں بھی بلکہ براعظم کے اس حصہ میں بھی برطانوی پیداوار کا دوٹوک مقابلہ کر رہی ہے پیداواری قوت سلسلہ ہندسیہ[2] سے بڑھتی ہے۔ جبکہ بازار زیادہ سے

---

[1] مانچسٹر کے ایوان تجارت کے سہ ماہی جلسہ میں جو آج شام منعقد ہوا آزاد تجارت کے عنوان پر گرماگرم بحث ہوئی۔ جلسہ میں ایک قرارداد پیش کی گئی تھی جس میں کہا گیا تھا کہ چالیس سال تک اس بات کا انتظار کرنے کے باوجود کہ دوسری قومیں بھی آزاد تجارت کے معاملہ میں انگلستان کی تقلید کریں گی کوئی نتیجہ نہ نکل سکا اور اس لئے اب اس ایوان کے خیال میں وہ وقت آ گیا ہے کہ آزاد تجارت کے باب میں انگلستان کے موقف پر نظر ثانی کی جائے۔ یہ قرارداد مسترد ہوئی مگر صرف ایک ووٹ سے 21 اس کے حق میں اور 22 اس کے مخالف تھے۔ ایوننگ اسٹینڈرڈ یکم نومبر 1886ء)

[2] سلسلہ ہندسیہ اور سلسلہ حسابیہ میں اعداد کے درمیان اضافہ کا جو فرق ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ سلسلہ ہندسیہ میں اعداد حسب ذیل اوسط سے بڑھتے ہیں۔ 2،4،16،64 جبکہ سلسلہ حسابیہ میں اضافہ کا وہی معمولی طریقہ ہے یعنی 1،2،3،4 اینگلز کہتے ہیں کہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زیادہ سلسلہ حساب [3] سے بڑھتے ہیں۔ یہ جمود خوشحالی زائد از ضرورت پیداوار اور بحران کا وہ دہ سالہ چکر ہے جو 1825ء سے لے کر 1867ء تک برابر ہوتا رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے دن پورے کر چکا ہے لیکن اس کا اختتام ہمیں مستقل اور دائمی کساد بازاری کی دلدل میں پھنسا دے گا۔ پھر وہ خوشحالی کا دور جس کی یاد میں ٹھنڈی سانسیں بھری جاتی ہیں واپس نہ آئے گا۔ ہر بار اس دور خوشحالی کے آنے کی علامتیں نظر آئیں گی اور ہر بار ہوا میں غائب ہو جائیں گی اور ہر نئے موسم سرما میں یہ سوال پوری شدت سے سامنے آئے گا کہ بے روزگار افراد کا کیا بندوبست کیا جائے۔ لیکن بے روزگاروں کی تعداد میں ہر سال اضافہ ہوتا رہے گا اور کوئی بھی شخص اس سوال کا جواب نہ دے سکے گا۔ یوں ہم تقریباً اس وقت کا بہ آسانی حساب لگا سکتے ہیں جب یہ بے روزگار لوگ بے قابو ہو کر اپنے مقدر کو اپنے ہاتھ میں لے لیں گے۔ ظاہر ہے ایک ایسے وقت میں اس شخص کی بات لازماً سنی چاہیے جس نے انگلستان کی معاشی تاریخ اور اقتصادی حالات کے مطالعہ ہی میں عمر گزار کر اپنا نظریہ تیار کیا ہے اور جس نے اس طویل مطالعہ کے بعد یہ نتیجہ نکالا ہے کہ کم سے کم یورپ میں تو انگلستان ہی وہ واحد ملک ہے جہاں ناگزیر سماجی انقلاب پرامن اور قانونی ذرائع سے وجود میں آئے گا۔ لیکن اسی کے ساتھ مارکس نے اس بات کے تذکرہ کو نظر انداز نہیں کیا کہ اسے یہ توقع بمشکل ہی ہے کہ انگلستان کے حکمران طبقے غلامی کی حمایت کا سا انقلاب برپا کئے بغیر اس پرامن اور قانونی انقلاب کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے۔

15 نومبر 1888ء　　　　فریڈرک اینگلز

(بقیہ حاشیہ) پیداوار پہلے اوسط سے بڑھتی ہے جبکہ بازار میں صرف دوسرے اوسط سے اضافہ ہوتا ہے۔ اردو مترجم)

چوتھے جرمن ایڈیشن کا دیباچہ

چوتھے جرمن ایڈیشن کی اشاعت کی وجہ سے مجھے پھر پوری کتاب پر نظر ثانی کرنا پڑی۔ اب اس نظر ثانی کے بعد متن کتاب اور حاشیہ کے نوٹوں نے وہ آخری شکل حاصل کر لی ہے جو انہیں دینا ممکن تھی۔ یہ نظر ثانی میں نے کس انداز پر کی اس کی وضاحت ذیل کے چند مختصر اشارات کریں گے۔ فرانسیسی ایڈیشن پر دوبارہ نظر ڈالنے اور مسودات میں مارکس کے جو نوٹ موجود تھے ان کو دیکھنے کے بعد میں نے فرانسیسی ایڈیشن کے چند جملے جرمن ایڈیشن کے متن میں بڑھا دیے ہیں۔[1]

فرانسیسی اور جرمن ایڈیشنوں کی طرح زیر نظر ایڈیشن میں بھی 461 سے لے کر 467 تک کے صفحات کے حاشیہ کے طویل نوٹوں کو جو کانوں کے مزدوروں سے تعلق رکھتے ہیں، میں نے متن میں شامل کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ جو دوسری چھوٹی موٹی تبدیلیاں کی گئیں وہ محض فنی اہمیت کی حامل ہیں۔

علاوہ بریں بعض مقامات پر تشریحی نوٹوں کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ بالخصوص ان مقامات پر جہاں بدلے ہوئے تاریخی حالات کے پیش نظر ایسا کرنا ضروری تھا۔ یہ اضافہ شدہ نوٹ بریکٹوں کے درمیان رکھے گئے ہیں۔ جن کے ساتھ ہی میں نے اپنے دستخطوں کے ابتدائی حروف بھی لکھ دیے ہیں۔[2]

---

[1] یہ اضافہ سوان سانشائن کے انگریزی ایڈیشن میں کیے گئے ہیں اور اس امریکی ایڈیشن کے صفحات 539، 640، 644، 687، 689 اور 692 پر موجود ہیں۔ ارنسٹ انٹرمان

[2] یہ دس نوٹ تھے جو بالکل نئے تھے جنہیں میں نے سوان سانشائن کے ایڈیشن کے مناسب مقامات پر بڑھا دیا ہے۔ ارنسٹ انٹرمان

ان مختلف ومتعدد و اقتباسات پر بھی جو کتاب میں تھے نظرثانی کرنا ضروری ہوگیا اس لیے کہ اس دوران میں انگریزی ایڈیشن اشاعت پذیر ہو چکا تھا۔ اس انگریزی ایڈیشن کے لیے مارکس کی دختر خورد الینز نے اقتباسات کو اصل کتابوں سے ملانے کا جانگسل کام کیا تھا اس شدید محنت کا یہ مفید نتیجہ نکلا کہ کتاب میں انگریزی مصنفین کے جو اقتباسات دیے گئے تھے اور جنکی بہت بڑی اکثریت تھی وہ جرمنی سے ترجمہ نہ کیے گئے بلکہ خود اصل مصنفین کی عبارتیں لکھ دی گئیں۔ نہ اس چوتھے جرمن ایڈیشن کے لیے مجھے مذکورہ انگریزی ترجمہ کو دیکھنا پڑا جس سے بہت سی فروگزاشتوں کا پتہ چل گیا۔ کئی جگہ صفحات کے غلط نمبر دیئے گئے تھے جو یا تو اقتباسات کے نقل کرتے وقت غلط لکھے گئے یا تین ایڈیشنوں کے مسودات کے ٹائپ کے دوران بدل گئے۔ بعض جگہ اقتباس ظاہر کرنے کی علامتیں غلط مقامات پر لگادی گئی تھیں اور بعض دوسری جگہ محذوف عبارت کے اظہار کے لیے بے موقع نقطے لگا دیے گئے تھے۔ یہ فروگزاشتیں ایسی ہی تھیں جو نوٹوں سے لمبے چوڑے اقتباسات نقل کرتے وقت عام طور پر ہو جایا کرتی ہیں۔ کئی جگہ میں نے یہ بھی دیکھا کہ ترجمہ کے دوران بعض ناموزوں اصطلاحات کا انتخاب کیا گیا ہے جس کا سبب یہ تھا کہ بعض عبارتیں مارکس کے ان مسودات سے لی گئی تھیں جو اس نے 1843ء اور 1845ء میں پیرس میں لکھے تھے اور یہ وہ وقت تھا جب مارکس انگریزی سے واقف نہ تھا اور اس نے انگریزی ماہرین معاشیات کی کتابوں کو فرانسیسی ترجموں میں پڑھا تھا اس دوہرے[1] ترجمہ نے اظہار مدعا میں تھوڑی بہت تبدیلی پیدا کردی۔ چنانچہ اسٹیوارٹ اور دوسرے چند مصنفین کے ترجموں میں یہی ہوا۔ اب میں نے انگریزی متن کو سامنے رکھ کر ان فروگزاشتوں اور خامیوں کو جو باقی رہ گئی تھیں، دور کردیا ہے۔ اس چوتھے ایڈیشن سے اگر سابقہ ایڈیشنوں کا موازنہ کیا جائے تو یہ بات بہ آسانی محسوس کرلی

---

[1] یعنی انگریزی سے فرانسیسی میں اور پھر فرانسیسی سے جرمنی میں ترجمہ خود مارکس نے کیا تھا۔ سید محمد تقی)

جائے گی کہ مختلف ایڈیشنوں کے ملانے اور جانچنے کے اس جانکسل کام سے اس کتاب کے اصل مباحث میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ اقتباسات کے جانچنے کے دوران ایک اقتباس ایسا ملا جس کا پتہ نہ چل سکا۔ یہ اقتباس جورچرڈ جونس سے لیا گیا ہے چوبیسویں باب کی تیسری فصل میں ہے۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مارکس نے اس کتاب کا نام لکھنے میں غلطی کی ہے جس سے یہ اقتباس لیا گیا ہے باقی دوسرے تمام اقتباسات مصنف کے مدعا کی پوری تصدیق کرتے ہیں بلکہ اب اپنی صحیح اور حقیقی شکل میں آ جانے کے بعد تو یہ اور بھی زیادہ مؤثر انداز میں تصدیق کا فرض انجام دے رہے ہیں۔

اس سلسلہ میں نامناسب نہ ہوگا اگر میں یہاں ایک پرانے قضیہ کا ذکر کردوں۔ میرے سامنے صرف ایک ہی مثال ایسی آئی ہے جبکہ مارکس کے ایک اقتباس کی واقعیت پر اعتراض کیا گیا ہے چونکہ یہ جھگڑا مارکس کی موت کے بعد بھی جاری رہا اس لیے اس کا نظرانداز کرنا مناسب نہ ہوگا۔

جرمن کارخانہ داروں کی ایسوسی ایشن کے ترجمان اخبار برلین کون کارڈیا نے 7 مارچ 1872ء کی اپنی اشاعت میں ایک گمنام مضمون چھاپا جس کا عنوان تھا مارکس کس طرح اقتباسات دیتے ہیں۔ اس مضمون کے مصنف نے اخلاقی نفرت وحقارت اور غیر پارلیمانی انداز بیان کے اندھا دھند استعمال کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ گلیڈ اسٹون کی بجٹ کی تقریر مورخہ 16 اپریل 1863ء سے جو اقتباس لیا گیا (جس کا حوالہ بین الاقوامی مزدور ایسوسی ایشن 1864ء کے خطبہ افتتاحیہ میں دیا گیا تھا اور جسے سرمایہ کی جلد اول باب 25 فصل 5 الف میں نقل کیا گیا ہے) محض اختراع ہے۔ مضمون نگار نے کہا ہے کہ یہ جملہ کی طاقت اور دولت کی یہ بے خود کر دینے والی فراوانی صرف خوشحال طبقات تک محدود ہے"۔ ہنسرڈ[1] کی اس رپورٹ میں جو مختصر نویس نے حاصل کی ہے اور

---

[1] انیوگ ہنسرڈ انگلستان کا ایک باشندہ تھا جو ۱۷۵۲ء سے ۱۸۲۰ء (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اسی قدر قابل اعتبار ہے جتنی سرکاری رپورٹ سرے سے موجود نہیں ہے۔'' یہ فقرہ تو گلیڈ
اسٹون کی تقریر میں کہیں بھی موجود نہیں۔ تقریر میں تو اس کے خلاف بات کہی گئی ہے۔
مارکس نے یہ جملہ بڑھا کر کھل کر اور واضح طور پر جھوٹ بولا ہے''۔

کون کارڈیا۔ کا یہ پرچہ مارکس کو اس سال ماہ مئی میں مل گیا تھا اور اس نے اس
گمنام مضمون نگار کا جواب ووک اسٹاٹ کی یکم جون کی اشاعت میں دیا تھا چونکہ مارکس کو
وہ خاص اخبار یاد نہ رہا تھا جس سے اس نے اس بیان کو لیا تھا اس لئے اس نے یہ کہنے پر
اکتفاء کی کہ مذکورہ اقتباس دو اور انگریزی اخباروں میں بھی موجود ہے۔ مارکس نے
اخبار ٹائمز کا حوالہ دیا جس کے مطابق گلیڈ اسٹون نے کہا تھا ''جہاں تک اس ملک کی
دولت کا تعلق ہے تو صورت حال تو یہ ہے اگر میرا یقین یہ ہو کہ دولت کا اجتماع پر اطمینان
حالات میں زندگی گذارنے والوں تک محدود ہو گیا ہے تو پھر مجھے کہنا چاہیے کہ دولت اور
طاقت کی اس بے خود بنا دینے والی فراوانی سے ہمارے دلوں میں خوف و پریشانی کے
احساسات پیدا ہو جانے چاہئیں۔ دولت کی یہ فراوانی اس بات کو نہیں دیکھتی کہ محنت
کرنے والی آبادی کی حالت کیا ہے۔ میں نے جس فراوانی دولت کی ابھی وضاحت کی
ہے اور جہاں تک میں سمجھتا ہوں وہ جائز حقوق پر قائم ہے ایک ایسی فراوانی ہے جو محض
خوشحال طبقات تک محدود ہے''۔

بالفاظ دیگر گلیڈ اسٹون یہ کہتے ہیں کہ مجھے بڑا افسوس ہوگا اگر حالات یہ ہوں
مگر حالات واقعی یہی ہیں کہ دولت و طاقت کی بے خود کن فراوانی صرف خوشحالی طبقات

(بقیہ حاشیہ) تک زندہ رہا۔ اس نے برطانوی پارلیمنٹ کے مباحثات و مناظرات کو کتابی
شکل میں چھاپنے کا رواج نکالا تھا اس کی اولاد ۱۸۸۹ء تک یہ روداد چھاپتی رہی اسی روداد کا یہاں ذکر

تک محدود ہے۔ جہاں تک نیم سرکاری ایجنسی ہنسرڈ کا تعلق ہے مارکس نے کہا تھا کہ اپنی تقریر کو اشاعت کے لئے جانچتے وقت مسٹر گلیڈ اسٹون نے ہوشیاری کا ثبوت دیتے ہوئے یہ جملہ نکال دیا تھا جو کہ انگریزی وزیر خزانہ کے منہ سے ادا ہوتے وقت اس قدر اعتدال پسندانہ معلوم ہوتا تھا۔ یہاں یہ ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا کہ ایسا کرنا انگریزی پارلیمان کے مقررہ رواجوں کے خلاف نہیں ہے اور اس طرح مسٹر گلیڈ اسٹون نے کسی کو دھوکا نہیں دیا۔

گم نام مضمون نگار یہ جواب پڑھ کر اور زیادہ آپے سے باہر ہوگیا۔ اس نے 4 جولائی کے کون کارڈیا میں مارکس کو ایک اور جواب دیا اور اس جواب میں اپنے محض سماعی ذرائع معلومات کو نظر انداز کر کے بڑے منکسرانہ انداز میں اشارۃً کہا ''آج یہی ہے کہ سرکاری رپورٹوں ہی سے پارلیمانی تقریروں کا اقتباس لیا جاتا ہے'' اور ٹائمز کی شائع کردہ خبر (جس میں اضافہ شدہ جھوٹ موجود تھا ''اساسی طور پر'' وہی کچھ تھی جیسی ہنسرڈ کی اطلاع تھی (جس میں یہ جھوٹ موجود نہ تھا) اور یہ کہ ٹائمز کی اطلاع میں تو اس کے بالکل خلاف بات موجود ہے جو کہ مذکورہ بدنام جملہ کا خطبہ افتتاحیہ میں لیا گیا ہے۔ ہمارے گمنام دوست اس بات کو بالکل چبا گئے کہ ٹائمز کی اطلاع میں نہ صرف یہ کہ بالکل خلاف بات ہی موجود ہے بلکہ وہ بدنام جملہ بھی موجود ہے؛ تاہم انہوں نے محسوس کر لیا کہ وار خالی گیا ہے اس لئے انہوں نے پینترا بدلا اور اپنے مضمون کو جو مجموعہ ہے ''گستاخانہ غلط گوئی'' کا گالیوں سے بھر دیا تا آنکہ پورا کا پورا مضمون سب و شتم کا ایک سلسلہ بن گیا۔ نئے نئے القاب دیے گئے جیسے بدنیتی۔ بے ایمانی۔ کذب بیانی۔ جھوٹ۔ محض شرمناک۔ وغیرہ وغیرہ مگر بحث کا میدان پھر بھی بدلنا پڑا اور قارئین سے وہ یہ وعدہ فرمانے لگے کہ ایک دوسرے مضمون میں یہ بتایا جائے گا کہ ہم (یعنی گمنام صاحب) گلیڈ اسٹون کے الفاظ کا کیا مطلب لیتے ہیں۔ گویا ان صاحب کی انفرادی رائے بھی متعلقہ بحث میں کوئی اہمیت رکھتی ہے!

مارکس نے 17 اگست کے ووک اسٹاٹ میں پھر جواب لکھا جس میں 7 اپریل 1878ء کے مارننگ اسٹار اور مارننگ ایڈورٹائزر کا حوالہ دیا گیا تھا جنہوں نے ٹائمز کی طرح مذکورہ فقرہ چھاپا تھا۔ یہ دونوں اخبار اس امر پر متفق ہیں کہ گلیڈ اسٹون نے یہ جملہ کہا تھا ''اگر دولت پر سکون زندگی گزارنے والوں تک محدود رہ جائے تو میں دولت و طاقت کی اس بے خودکن فراوانی کو خوف وغیرہ کی نظر سے دیکھوں گا۔ لیکن یہ فراوانی اب قطعی طور پر جائیداد رکھنے والے طبقات تک محدود ہو کر رہ گئی ہے''۔ اس طرح ان دونوں اخباروں میں ''اضافہ کردہ جھوٹ'' کا ایک ایک لفظ موجود ہے۔ اخبارات کی ان تین۔ آزاد مگر یکساں اطلاعات کا جن میں گلیڈ اسٹون کے وہ تمام الفاظ موجود ہیں جو واقعی انہوں نے اپنی زبان سے ادا کئے تھے۔ ہنسرڈ کی رپورٹ سے توازن کر کے مارکس نے بتایا کہ مقررہ رواج کے مطابق گلیڈ اسٹون نے بعد کو اس فقرہ کو حذف کر دیا تھا جیسا کہ مارکس پہلے کہہ چکا تھا۔ آخر میں مارکس نے لکھا کہ اب اس گمنام مضمون نگار سے مزید بحث و تکرار میں وقت ضائع کرنے کے لیے میں تیار نہیں ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان بزرگ کا وہ مقصد حاصل ہو گیا جو وہ حاصل کرنا چاہتے تھے اس لیے کہ اس کے بعد مارکس کو اخبار کون کارڈیا کا کوئی پرچہ نہ ملا۔

بہر حال اس طرح یہ جھگڑا ختم ہوتا معلوم ہوا گو ان حضرات نے جو کیمبرج یونیورسٹی سے ارتباط رکھتے تھے ایک یا دو بار اشارۃً یہ بتایا کہ مارکس کے کسی ناقابلِ بیان ادبی جرم کے سلسلہ میں جو یہ فرض کیا گیا تھا کہ سرمایہ میں مارکس سے سرزد ہوا ہے پراسرار افواہیں پھیل رہی ہیں لیکن ان افواہوں کے متعلق کافی تحقیقات کے باوجود کوئی یقینی بات معلوم نہ ہو سکی کہ یکا یک 29 نومبر 1883ء کو مارکس کے انتقال سے 8 ماہ بعد ٹائمز میں ایک مراسلہ چھپا جو ٹرنٹی کالج کیمرج سے بھیجا گیا تھا اور سڈلی ٹیلر کے دستخطوں سے تھا۔ مراسلہ میں اس عقلی بونے نے جو مشترکہ مساعی سے لکھے ہوئے مضامین کو

چھپوانے کا شوقین ہے آخر کار وہ موقعہ مہیا کر ہی دیا جس سے کیمبرج کی افواہ ہی نہیں بلکہ کون کارڈیا کے گمنام شخص کے متعلق بھی کچھ روشنی پڑ گئی۔

ٹرینٹی کالج کے اس بونے نے مراسلہ میں لکھا کہ یہ چیز عجیب ہے کہ یہ کام پروفیسر برنٹانو (جو پہلے برسلاؤ میں تھے اور اب اسٹراسبرگ میں ہیں) کے انجام دینے کے لیے رہ گیا کہ وہ اس بدنیتی کو واضح کریں جو ظاہر ہے خطبۂ افتتاحیہ میں مسٹر گلیڈ اسٹون کی تقریر سے اقتباس لینے کا سبب بنی تھی۔ مسٹر کارل مارکس جنہوں نے اس اقتباس کی صحت کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے پروفیسر برنٹانو کی ماہرانہ چوٹوں سے گھبرا کر مہلک پینترے بدلتے ہوئے یہ کہنے کی جسارت کرتے ہیں کہ مسٹر گلیڈ اسٹون نے 17 اپریل 1862ء کے لندن ٹائمز میں چھپ جانے والی اپنی تقریر میں ہنسرڈ کی اشاعت سے پہلے ترمیم کر دی تھی اور وہ جملہ خارج کر دیا تھا جو برطانوی وزیر خزانے کے خیال میں مفاہمت پسندانہ نہ تھا۔ جب برنٹانو نے ان اطلاعات کے متنوں کا تفصیلی توازن کرنے کے بعد یہ بتایا کہ ٹائمز اور ہنسرڈ میں شائع شدہ اطلاعات اس امر میں متفق ہیں کہ وہ مفہوم ان میں سرے سے موجود نہیں جو چالاکی کے ساتھ علیحدہ کئے ہوئے ایک اقتباس کے ذریعہ گلیڈ اسٹون کے الفاظ کا پہنایا گیا ہے تو مارکس نے میرے پاس وقت نہیں ہے' کہہ کر راہ فرار اختیار کر لی۔

تو جناب یہ تھا وہ راز ـ کز وسازند محفلہا۔ اور یہ تھا وہ شاندار موقع برنٹانو صاحب کی اس گمنام مہم کا جو انہوں نے کون کارڈیا میں کیمبرج کی مشترکہ تخیل آفرینی کی مدد سے چلائی تھی۔ اور یہ تھا طریقہ اپنی ''ماہرانہ چوٹوں کے دوران برنٹانو صاحب جرمن کارخانہ داروں کی انجمن کے سینٹ[1] جارج کے تلوار چلانے کا جس سے آتش بار مہلک

---

[1] انگلستان کے نگہبان ولی ان کی بابت یہ باور کیا جاتا ہے کہ وہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اژدہا مارکس ''پینترے'' بدلتے بدلتے دم توڑ گیا۔

لیکن مقابلہ کی ایک رخی تصویر کشی صرف ہمارے سینٹ جارج صاحب کے پینترے بدلنے کو چھپانے ہی کے لیے ہے اس لئے کہ اس میں نہ تو ''اضافہ کردہ جھوٹ'' کا ذکر ہے نہ کسی کذب بیانی کا بلکہ چالاکی سے علیحدہ کئے ہوئے ایک اقتباس کا ذکر ہے لیکن یوں تو مسئلہ کا سارا رُخ ہی بدل جاتا ہے اور اس رُخ بدلنے کی وجہ سینٹ جارج اور ان کے کیمبرج کے رستم دستاں پوری طرح جانتے بھی ہیں۔

ایلینر مارکس نے بھی ٹوڈے فروری 1884ء میں جوابی مضمون لکھا۔ ان کا مضمون چھاپنے سے ٹائمز نے انکار کر دیا تھا۔ ایلز نے بحث کو صرف و محض ایک نقطہ تک محدود کر دیا۔ وہ نقطہ یہ تھا۔ کیا مذکورہ جملہ محض ایک اختراع تھا جس کا اضافہ مارکس نے کیا تھا۔ یا فی الواقع یہ جملہ موجود تھا؟ اس سوال کا جواب مسٹر سڈلی ٹیلر نے یہ دیا کہ ''میرے خیال میں یہ سوال کہ کوئی خاص جملہ مسٹر گلیڈ اسٹون کی تقریر میں شامل تھا یا نہیں اس بحث میں جو مارکس اور برنٹانو کے درمیان ہو رہی ہے اس سوال کے مقابل بہت کم اہمیت کا حامل ہے کہ اقتباس مسٹر گلیڈ اسٹون کا واقعی مفہوم پیش کرنے کے لیے لیا گیا تھا یا مفہوم کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کے لیے''۔ ساتھ ہی مسٹر سڈنی ٹیلر نے یہ بھی تسلیم کر لیا کہ ''یہ واقعہ ہے کہ ٹائمز کی اطلاع متضاد الفاظ پر مشتمل ہے''۔ تاہم اگر اطلاع کے متن کی صحیح تشریح کی جائے۔ یعنی یہ پیش نظر رکھا جائے کہ اعتدال پسند گلیڈ اسٹون کا کیا مطلب

(بقیہ حاشیہ) علاقہ کپاڈوسیا کے رہنے والے تھے۔ بادشاہ ڈیوکلیشین کے عہد میں عیسائیت کے بہت بڑے مبلغ تھے کہا جاتا ہے انہوں نے 303 مسیحی میں نکومیڈیا میں شہادت پائی۔ اعتقاد یہ ہے کہ انہوں نے ایک اژدہے کو قتل کر دیا تھا۔ یہ اژدہا برائیوں کی علامت تھا جسے قتل کر کے انہوں نے برائیوں کو ختم کر ڈالا۔ (مترجم)

ہوسکتا ہے تو پھر بہ آسانی معلوم ہوجائے گا کہ مقرر کیا کہنا چاہتا ہے۔ (ٹوڈے مارچ 1884ء) لیکن اس جواب کا ایک مزاحیہ پہلو یہ ہے کہ کیمبرج کے ہمارے بونے صاحب اس بات پر مصر ہیں کہ اس تقریر کا اقتباس ہنسرڈ سے نہ لیا جائے جیسا کہ گمنام مسٹر برنٹانو کا رواج تھا۔ بلکہ ٹائمنر کی اطلاع سے اقتباس لیا جائے جسے پہلے برنٹانو لازمی طور پر خطا کارانہ بتا چکے ہیں حالانکہ ظاہر ہے کہ ہنسرڈ میں یہ مہلک جملہ موجود نہیں ہے۔

الیز مارکس کو ٹوڈے کی اس اشاعت میں اس استدلال بازی کا بھانڈا پھوڑ دینے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔ الیز نے لکھا کہ یا تو مسٹر ٹیلر نے وہ بحث پڑھی ہے جو 1872ء میں ہوئی تھی۔ یا نہیں۔ اگر پڑھی ہے تو اب وہ نہ صرف کچھ اضافہ کر کے بلکہ جھوٹ بول رہے ہیں اور اگر نہیں پڑھی ہے تو پھر انہیں اپنی زبان بند ہی رکھنی چاہیے تھی۔ کچھ بھی ہو یہ بات تو ظاہر ہے کہ اب ٹیلر صاحب ایک لمحہ کے لیے بھی اپنے دوست برنٹانو کے اس الزام کو باقی نہیں رکھ سکتے کہ مارکس نے کسی ''جھوٹ کا اضافہ'' کر دیا ہے۔ اس کے برعکس اب تو یہ دعویٰ کیا جا رہا ہے کہ مارکس نے کسی جھوٹ کو بڑھا دینے کے بجائے ایک اہم جملہ کو حذف کر دیا لیکن یہ جملہ خطبہ افتتاحیہ کے صفحہ 5 پر ''اضافہ کردہ جھوٹ'' سے چند سطر پہلے موجود ہے۔ اب رہا گلیڈ اسٹون کی تقریر میں تضاد کا معاملہ سو کیا یہ صرف مارکس ہی نہیں تھا جس نے سرمایہ کے اس باب کے ایک اور فٹ نوٹ میں صاف الفاظ میں لکھ دیا تھا کہ ''گلیڈ اسٹون کی 1863ء اور 1864ء کی بجٹ کی تقریروں میں واضح تضاد موجود ہے''۔ البتہ یہ تو صحیح ہے کہ مارکس نے سڈلی ٹیلر کی طرح ان تضادوں میں اعتدال پسندوں کی لاف زنیوں کے ذریعہ توفیق پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ آخر میں الیز مارکس نے اپنی بحث کا خلاصہ ان الفاظ میں کیا تھا ''ان تمام چیزوں کے برعکس مارکس نے نہ کسی ضروری حصہ کو حذف کیا اور نہ کسی جھوٹ کا اضافہ کیا بلکہ مارکس نے تو گلیڈ اسٹون کے ایک جملہ کو غفلت و اہمال کی نذر ہونے سے بچا لیا جو کہ بلاشبہ کہا ضرور گیا

تھا اور ہنسر ڈ میں نہ چھپنے کے باوجود کسی نہ کسی طرح اشاعت پذیر ہو گیا۔

مسٹر سڈلی ٹیلر کے لیے اتنا کچھ کافی تھا اس پیشہ ورانہ بحث کا جو دس سال تک دو عظیم ملکوں میں ہوتی رہی یہ نتیجہ نکلا کہ اس کے بعد کسی نے مارکس کی ادبی لیاقت پر اعتراض کرنے کی جسارت نہ کی۔ اب مستقبل میں مسٹر سڈلی ٹیلر مسٹر برنٹانو کی ادبی جنگ کے بلیٹنوں میں بہت کم بھروسہ رکھ سکیں گے اور خود مسٹر برنٹانو بھی ہنسر ڈ کی پاپائی عصمت پر اعتقاد نہ لائیں گے۔

لندن فریڈرک اینگلز

25 جون 1890ء

(جرمنی سے انگریزی میں ترجمہ۔ از ارنسٹ انٹرمان)

دیباچہ کے ترجمہ کا اختتام۔ 13 اگست 1956ء مطابق 5 محرم 1372ھ کراچی

(از سید محمد تقی)

سرمایہ داری طرز پیداوار وں میں دولت جمع ہونے کے اسباب
① اجناس کا بہت بڑے پیمانے پر جمع ہوجانا۔

کتاب اول

سرمایہ داری طرزِ پیداوار

حصہ اوّل

اجناس اور زر

باب اوّل

اجناس

فصل اوّل:

جنس کے دو اجزا

استعمالی قیمت اور قیمت (قیمت کا جوہر اور مقدار) جن سماجوں میں سرمایہ داری طرز پیداوار رائج ہے ان کی دولت اجناس کے بہت بڑے پیمانے پر جمع ہو جانے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ اس اجناسی مجموعہ کی اکائی جنس ہے اس لیے سرمایہ داری طرز پیداوار کا تنقیدی مطالعہ کرنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ پہلے جنس کا تجزیہ کیا جائے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو یہ امر واضح ہے کہ ''جنس'' اس چیز کا نام ہے جو ہم تیں سے ہر ایک کے باہر پائی جاتی ہے دراصل

”جنس“ نام ہے اس چیز کا جو انسان کی کسی نہ کسی حاجت کو پورا کرتی ہے۔ رہا یہ امر کہ حاجتیں کس قسم کی ہیں۔ آیا یہ وہ حاجتیں ہیں جو انسانی شکم سے تعلق رکھتی ہیں یا وہ جو وہم و خیال سے۔ سو یہ فرق موجودہ بحث پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔[1] نہ یہاں اس امر ہی سے کوئی بحث ہے کہ کوئی چیز کس طرح حاجتوں کو پورا کرتی ہے آیا براہ راست ذریعہ معاش بن کر یا بالواسطہ ذریعہ پیداوار بن کر۔

ہر کارآمد چیز جیسے لوہا اور کاغذ وغیرہ پر دو حیثیتوں سے غور کیا جاسکتا ہے ایک کیفی۔ دوسرے کمی۔ ایک کارآمد چیز مجموعہ ہوتی ہے بہت سی خصوصیات کا اور اس لیے وہ کئی پہلوؤں سے قابل استعمال ہوتی ہے۔ چیزوں کے مختلف طریقہ ہائے استعمال کے انکشاف کا کام[2] تاریخ سرانجام دیتی ہے۔ اسی طرح ان کارآمد چیزوں کی مقداروں کے ناپنے کے رواجی طور پر طے شدہ پیمانوں کا تعین بھی تاریخ ہی کرتی ہے۔ ان پیمانوں کا مختلف حصوں میں انقسام کچھ تو اس لیے ہوا کہ مختلف چیزوں کے اوزان مختلف تھے اور کچھ اس لیے کہ مختلف معاشروں کے رواج مختلف تھے۔ کسی چیز کی افادیت اسے استعمالی

---

[1] خواہش حاجت کی موجودگی کا پتہ دیتی ہے۔ خواہش دماغی بھوک کا نام ہے اور یہ بھی اسی قدر فطری چیز ہے جیسے بھوک پیٹ کا فطری تقاضہ ہے۔ بہت سی چیزوں کی قیمت اس لئے پیدا ہوتی ہے کہ وہ دماغی حاجتوں کو پورا کرتی ہیں ”نکولس باربن“ مسٹر لاک کے ملاحظات کے جواب میں ایک مذاکرہ کی نئی اصطلاحات وضع کرنے سے متعلق وغیرہ لندن 1696ء صفحہ 2-3)۔

[2] چیزیں ایک ذاتی خوبی رکھتی ہیں۔ (ذاتی خوبی کی اصطلاح باربن کی خاص اصطلاح ہے جسے وہ استعمال میں آنے والی قیمت کی جگہ استعمال کرتا ہے) یہ ذاتی خوبی وہ خصوصیت ہے جو ایک چیز ہر حال میں برقرار رکھتی ہے جیسے مقناطیس ہمیشہ لوہے کو جذب کرتا ہے (مذکورہ کتاب کا پہلا باب صفحہ 96) لوہے کو کشش کرنے کی یہ خصوصیت جو مقناطیس میں پائی جاتی ہے اس وقت قابل استعمال ہوگی جب اس خصوصیت کے مقناطیس میں ہونے کی وجہ سے اس کی قطب نمائی کی صلاحیت کا پہلے انکشاف ہوسکا)

قیمت[1] بنا دیتی ہے۔ لیکن اس کی افادیت کوئی خیالی چیز نہیں ہے۔ افادیت بہر حال چیز کی طبعی خصوصیات سے پیدا ہوتی ہے اور اس لیے افادیت ''جنس'' سے جداگانہ کوئی وجود نہیں رکھتی اور جب صورت یہ ہے تو ''ایک جنس'' جیسے لوہا۔ اناج یا ہیرا اس حیثیت سے کہ وہ ایک مادی چیز ہے استعمالی قیمت یعنی ایک کارآمد چیز ہوتی ہے۔ کسی چیز کی یہ خصوصیت کہ وہ استعمالی قیمت ہے محنت کی اس مقدار سے آزادانہ اور جدا ایک حقیقت ہوتی ہے جو اس چیز کی خصوصیات سے فائدہ اٹھانے کے لیے صرف کی جاتی[2] ہے۔ ''استعمالی قیمت پر ہم جب بھی بحث کرتے ہیں تو یہ فرض کیے رہتے ہیں کہ بحث متعین مقداروں سے ہو رہی ہے۔ مثلاً ماچسوں کے درجن' کپڑے کے گز اور لوہے کے بہت سے ٹن ''اجناس'' کی استعمالی قیمتوں کی بحث (ایک خاص مباحثہ) یعنی اجناس کی تجارتی معلومات کی بحث کا بھی بڑا اچھا مواد[3] مہیا کرتی ہے۔

تمام ''استعمالی قیمتیں'' اجناس کے استعمال یا صرف سے پیدا ہوتی ہیں ویسے نہیں۔ اور یہ ''استعمالی قیمتیں'' ہی ہر قسم کی دولت کا نچوڑ یا خلاصہ بھی ہوتی ہیں خواہ اس دولت کی سماجی شکل کوئی بھی کیوں نہ ہو۔ البتہ سماج کی اس شکل میں جس پر ہم بحث کرنے والے ہیں استعمالی قیمتیں مذکورہ خصوصیت کے علاوہ ایک یہ خصوصیت بھی رکھتی ہیں کہ وہ

---

1 کسی چیز کی قیمت عبارت ہے اس کی اس صلاحیت سے کہ وہ انسانی حاجتوں کو پورا کر سکتی یا حیات انسانی میں آسانیاں پیدا کر دیتی ہے (جان لاک 1661ء میں سود کے گرانے کے نتائج پر چند بحثیں۔ ورکس ایڈیشن۔ لندن 1777ء جلد دوم صفحہ 28)

2 اس لیے کہ یہ امر کہ کسی استعمالی قیمت کو پیدا کرنے کے لیے محنت کی کتنی مقدار صرف کرنی ضروری ہے مختلف حالات میں مختلف عناصر پر منحصر ہوتا ہے۔ مترجم

3 بورژوا معاشروں میں یہ عجیب غلط فہمی پائی جاتی ہے کہ ہر شخص بہ حیثیت [illegible] کے اجناس سے متعلق ہمہ گیر معلومات رکھتا ہے۔

مبادلاتی قیمت'' کی مادّی امین بھی بنتی ہیں۔

رہا مبادلاتی قیمت کا معاملہ سو جہاں تک اس کا تعلق ہے پہلی نظر میں وہ کمی رشتہ ظاہر کرتی ہے۔ کمّی رشتہ سے مطلب[1] یہ ہے کہ وہ اس نسبت کو ظاہر کرتی ہے جس نسبت سے ایک قسم کی اشیاء کا دوسری قسم کی اشیاء سے تبادلہ کیا جاتا ہے۔ یہ رشتہ وقت اور جگہ کے بدلنے کے ساتھ برابر بدلتا رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مبادلاتی قیمت بعض اوقات بالکل اتفاقی، محض اضافی معلوم ہوتی ہے اور اس لیے ذاتی قیمت[2] یعنی وہ مبادلاتی قیمت جو غیر منفک طور پر اور قطعی فطری انداز میں اجناس سے وابستہ ہوتی ہے ایک متضادسی بات معلوم ہوتی ہے۔

کوئی ایک جنس مثلاً ایک من گیہوں لے لیجئے۔ اس ایک من گیہوں سے یا تو الف مقدار میں جوتوں کا پالش یا ب مقدار میں ریشم یا ج مقدار میں سونا وغیرہ خریدا جاسکتا ہے۔ مختصراً اس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک من گیہوں مختلف نسبتوں میں دوسری اجناس سے بدلا جاسکتا ہے جس کا صاف نتیجہ یہ نکلا کہ گیہوں کی ''مبادلاتی قیمت'' ایک نہیں ہے بلکہ بہت سی ہیں۔ اب ''جوتوں کا پالش بقدر الف ریشم بقدر ب اور سونا بقدر ج وغیرہ میں سے ہر ایک ایک من گیہوں کی مبادلاتی قیمت بنتا ہے۔ گویا ان تینوں میں سے کسی ایک کو دوسرے کی جگہ رکھا جاسکتا ہے یا یوں کہیئے کہ ہر ایک دوسرے کے برابر ہے۔ اور جب صورت یہ ہے تو اس کا پہلا نتیجہ تو یہ ہوگا کہ کسی جنس کی صحیح ''مبادلاتی قیمت'' ایک ایسی چیز کی موجودگی کو ظاہر کرے گی جو یکساں رہتی ہے بدلتی نہیں اور دوسرا

---

[1] کمّی رشتہ کا یہ مطلب ذہن نشین کر لینے کی ضرورت ہے اس لیے کہ مبادلاتی قیمت پر آئندہ فصلوں میں بڑی طویل اور اہم بحث آرہی ہے جس میں کمّی رشتہ یا کمیّت کا بار بار ذکر آئے گا۔ مترجم)

[2] کوئی چیز ذاتی قیمت نہیں رکھتی'' (این بارین باب اول صفحہ 6) یا جیسے ٹیلر کہتا ہے کہ کسی چیز کی قیمت اسی قدر رہوتی ہے جس قدر وہ کوئی دوسری چیز خرید سکتی ہے)۔

نتیجہ یہ کہ عام طور پر ''مبادلاتی قیمت'' نام ہوگا ایک اس چیز کے طریقہ اظہار یا مظاہراتی شکل کا جو ''جنس'' میں پائی جاتی ہے گو اس سے ممتاز بھی ہے۔

اس مطلب کی وضاحت کے لیے دو جنسوں اناج یا لوہے کو لے لیجئے۔ یہ دونوں جن نسبتوں سے ایک دوسرے سے بدلی جاسکتی ہیں، خواہ وہ نسبتیں کچھ بھی کیوں نہ ہوں انہیں ایک ایسی مساوات کے ذریعہ ظاہر کیا جاسکتا ہے جس میں اناج کی ایک مقررہ مقدار لوہے کی کسی مقررہ مقدار کے مساوی ہو۔ مثلاً ایک من اناج ایک ٹن لوہے کے اس مساوات سے ہمیں کس بات کا علم ہوتا ہے؟ یہ مساوات ہمیں بتاتی ہے کہ دو مختلف چیزوں یعنی ایک من اناج اور ایک ٹن لوہے میں کوئی ایسی چیز مساوی مقدار میں پائی جاتی ہے جو دونوں میں جزو مشترک ہے اور جب صورت یہ ہے تو پھر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں کسی ایک تیسری چیز کے مساوی ہوں۔ کسی ایسی تیسری چیز کے جو بذاتہ ان دونوں میں سے کوئی بھی نہ ہو۔ اس طرح ان دونوں میں سے ہر ایک اس حیثیت سے کہ وہ مبادلاتی قیمت ہے۔ اس تیسری چیز میں تحلیل[1] پذیر ہوسکتی ہے۔

ایک آسان سی ہندسیاتی مثال اس مطلب کو واضح کردے گی۔ ہم مستطیل اشکال کے رقبوں کا موازنہ کرنے اور ناپنے کے لیے جو کچھ کرتے ہیں وہ یہی کچھ تو ہوتا ہے کہ اشکال کو مثلثوں میں بانٹ دیتے ہیں۔ مگر خود مثلث کا رقبہ ایک ایسی چیز سے ظاہر کیا جاتا ہے جو اس مثلث کی ظاہری شکل سے قطعی مختلف ہوتی ہے۔ یہ چیز جو مثلث کا رقبہ ظاہر کرتی ہے اس مقدار کا نصف حصہ ہوتا ہے جو مثلث کے قاعدہ کو اس کے خط عمودی

---

[1] مارکس کہنا یہ چاہتے ہیں کہ مبادلاتی قیمت ہونے کی حیثیت میں دو مساوی چیزوں میں مساوات کا ہونا یہ بتاتا ہے کہ یہ ایسی قدر ہے جس کی یہ دونوں چیزیں برابر ہیں یہی وہ قدر ہے جسے وہ تیسری چیز کہتے ہیں اور یہی وہ قدر ہے جس پر دونوں چیزیں تحلیل پذیر ہوسکتی ہیں۔ یعنی یہ پیمانہ ہے جن پر ان کو ناپا جاسکتا ہے۔ اردو مترجم)

میں ضرب دینے سے حاصل [1] ہوتی ہے۔ اس طرح اجناس کی مبادلاتی قیمتوں کا بھی ایسا ہونا بالکل ضروری ہے کہ انہیں ایک ایسی چیز کی نسبت سے ظاہر کیا جا سکے جو تمام اجناس میں مشترک بھی ہو اور الگ بھی اور جس کی کم یا زیادہ مقدار کی نمائندگی اجناس کی یہ مبادلاتی قیمتیں کریں۔[2]

لیکن یہ مشترک چیز جو تمام اجناس میں پائی جاتی ہے ان اجناس کی ہندسیاتی کیمیائی یا کوئی بھی دوسری طبعی خصوصیت نہیں ہو سکتی اس لیے کہ اجناس کی اس نوع کی خصوصیات تو صرف اس وقت ہماری توجہات اپنی طرف منعطف کراتی ہیں جب یہ ان اجناس کی افادیت پر اثر انداز ہوتی ہیں یعنی یہ جب انہیں استعمالی قیمتیں بناتی ہیں اور ظاہر ہے اجناس کا مبادلہ ایک ایسا عمل ہے جو اس وقت ہوتا ہے جب جنس کی استعمالی قیمت سے مکمل صرف نظر کر لی [3] جائے ایک استعمالی قیمت تو اتنی ہی اچھی یا بری ہوتی

---

[1] یعنی مطلب یہ کہ جس طرح کسی مثلث کا رقبہ جس کے ذریعہ مستطیل اشکال کو ناپا جاتا ہے ایک ایسی چیز سے ظاہر کیا جاتا ہے جو خود مثلث سے مختلف اور مشترک دونوں ہوتی ہے۔ اسی طرح اجناس کی مبادلاتی قیمتیں ایک ایسی قدر سے ظاہر کی جا سکتی ہیں جو ان میں مشترک ہونے کے ساتھ ہی الگ بھی ہوتی ہے۔ اردو مترجم) [2] مارکس یہاں تمام اجناس کی مبادلاتی قیمتوں کا ذکر کر رہے ہیں۔ ان کے خیال میں تمام مبادلاتی قیمتیں ایک بیرونی یا خارجی قدر رکھتی ہیں جو ثابت اور مسلسل قدر ہے بعض اجناس کی مبادلاتی قیمت اس قدر کے کم حصہ اور بعض کی زیادہ حصہ کی نمائندگی کرتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مارکس کے ذہن میں مبادلاتی قیمت کا بھی کچھ ایسا ہی آئیڈیل یا مثالیہ تھا جیسے مثالیہ افلاطون نے پیش کئے تھے صرف اتنے فرق کے ساتھ کہ افلاطون مثالیوں کو عالم امثال میں رکھتے ہیں اور مارکس عالم خارج میں مبادلاتی قیمت کی مذکورہ بیرونی قدر بھی ایک مثالیہ جیسی ہے جو غیر مبدل اور یکساں ہے۔ مترجم) [3] یعنی توجہ اس طرف نہ ہو کہ کوئی خاص جنس کیا استعمالی قیمت رکھتی ہے اس خاص استعمالی قیمت یا خصوصیت سے صرف نظر کر لی جائے اور پیش نظر (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے جتنی دوسری استعمالی قیمت۔ بس شرط یہ ہے کہ استعمالی قیمت قابلِ ذکر مقدار میں موجود ہو یا جیسا بوڑھے باربن نے کہا ہے کہ اگر قیمتیں یکساں ہوں تو ایک قسم کا سامان اسی قدر اچھا ہوتا ہے جتنا دوسری قسم کا۔ یکساں قیمتوں کی چیزوں میں کوئی فرق نہیں۔ کوئی امتیاز نہیں ہوا کرتا۔ سو روپیہ کا سیسہ یا لوہا اسی قدر قیمت رکھتا ہے جو سو روپیہ کی چاندی اور سونے کی قیمت ہے''۔

اس سے جو بات معلوم ہوئی وہ یہ کہ استعمالی قیمتیں ہونے کی حیثیت سے اجناس کی مختلف کیفیتیں اہمیت حاصل کر جاتی ہیں جبکہ مبادلاتی قیمتیں ہونے کی حیثیت میں ان کی مختلف کمیتوں کی اہمیت ہوتی ہے اور اس لیے ان میں استعمالی قیمت کا کوئی جزو بھی موجود نہیں ہوتا۔[1]

اگر آپ اجناس کی استعمالی قیمت سے قطعی صرف نظر کر لیں تو پھر کیا باقی رہ جائے گا۔ ظاہر ہے پھر ایک ہی مشترک خصوصیت باقی رہ جائے گی اور وہ یہ کہ یہ تمام اجناس محنت کی پیداوار ہیں لیکن یہ محنت کی پیداوار بھی ہم انسانوں کے ہاتھوں کافی بدل گئی ہے۔ اگر ہم جنس کی استعمالی قیمت سے قطعی صرف نظر کر لیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم ان مادی عناصر اور اشکال سے بھی صرف نظر کر رہے ہیں جن کی وجہ سے یہ محنت کی پیداوار استعمالی قیمت بنی ہے پھر تو مثلاً ایک میز۔ میز۔ ایک مکان۔ مکان اور سوت۔ سوت ہی نہ رہے گا۔ اور ان کا مادی وجود نظروں سے اوجھل ہو جائے گا۔ اتنا ہی نہیں اس تجزیہ کے بعد تو یہ چیزیں نہ بڑھئی کی محنت کا نتیجہ خیال کی جائیں گی نہ معمار و تارکش کی اور نہ ہی کسی بھی معینہ محنت کی قسم کی پیداوار خیال کی جائیں گی۔ اس لیے کہ کسی چیز کی مفید

(بقیہ حاشیہ) صرف یہ ہو کہ وہ دوسری جنس سے تبادلہ کی اہمیت کی حامل ہے۔ اردو مترجم)

[1] اس لیے کہ استعمالی قیمت میں کیفیت کی اہمیت ہوتی ہے کمیت کی نہیں۔ یاد رہے کمیت سے مراد زیادتی اور کمی کا وہ رشتہ ہے جو دو جنسوں میں مبادلاتی نسبت قائم کرتا ہے۔ مترجم)

خصوصیات سے صرف نظر کرنے کی صورت میں ہم دونوں پہلوؤں سے صرف نظر کر لیتے ہیں۔یعنی اجناس کے بنانے میں جو انفرادی محنت کی گئی ہے اس کے افادی پہلو سے بھی اور اس محنت کی جو محسوس و خارجی اشکال ہیں ان سے بھی۔ پھر تو کچھ بھی باقی نہیں رہ جاتا۔سوائے ایک اس چیز کے جو ان سب میں مشترک ہے پھر جو کچھ باقی رہ جاتا ہے وہ یہ ہے کہ ساری کی ساری اجناس صرف ایک وسیع محنت کی پیداوار رہ جاتی ہیں۔وہ ہے انسانی محنت۔ محنت محضہ۔ بشریہ۔ (انسانی محنت من حیث العموم۔مترجم) آیئے یہ سوچیں کہ واقعی ان[1] دونوں پہلوؤں سے صرف نظر کرنے کے بعد آخر بچتا کیا ہے۔پھر جو کچھ باقی بچتا ہے وہ ان دونوں میں یہی غیر محسوس حقیقت و محنت محضہ بشریہ۔مترجم) ہوتی ہے۔گویا یوں سمجھئے کہ متجانس انسانی محنت منجمد ہوگئی ہے وہ انسانی محنت منجمد ہوگئی ہے جس کے طریقہ سے صرف سے قطع نظر کر لی جائے۔ان تمام باتوں سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسانی قوت ان اشیاء کی پیداوار میں صرف کی گئی ہے۔انسانی محنت ان میں مجسم ہوگئی ہے۔جب اشیاء کو اس سماجی جوہر (محنت مترجم) کا مظہر خیال کیا جائے جو ان سب میں مشترک جزو کی حیثیت رکھتا ہے تو یہ اشیا قیمتیں[2] ہوتی ہیں۔

---

[1] یعنی ایک تو وہ پہلو ہے جو اجناس کے بنانے میں جو انفرادی محنت کی گئی ہے سے تعلق رکھتا ہے اور دوسرا وہ پہلو جو اس محنت کی محسوس اور خارجی اشکال سے تعلق رکھتا ہے۔مترجم)

[2] (استعمالی قیمت نہیں۔صرف۔ قیمت۔ قیمت کا یہ مفہوم ذہن نشین کر لینا ضروری ہے اس لیے کہ مارکس کے نظریہ کا یہ وہ مرکزی نقطہ ہے جسے پوری طرح سمجھے بغیر مارکسی معاشی نظریہ کو سمجھنا کسی طرح ممکن نہیں۔ یہاں سب سے پہلے جو چیز وضاحت طلب ہے وہ محنت کے دو مختلف پہلو ہیں۔سب سے پہلے فرد کی محنت ہے جیسے تارکش۔ معمار یا مزدور کی محنت دوسرے مجموعی انسانی محنت ہے جس کا مفہوم محنت محضہ بشریہ کی قدرے ادق اصطلاحات ادا کیا گیا ہے۔اس دوسرے پہلو میں توجہ فرد کی محنت کی طرف مبذول نہیں ہوتی بلکہ مجموعی انسانی محنت پیش نظر ہوتی ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بہرحال نتیجہ اس بحث کا یہ نکلا کہ جب اشیاء کا مبادلہ ہوتا ہے تو ان کی مبادلاتی قیمت ان کی استعمالی قیمت سے قطعی جدا ہو کر ظاہر ہوتی ہے اور یہ کہ اگر ہم اجناس کی استعمالی قیمت سے یکسر صرف نظر کر لیں، تو پھر ان کی جو قیمت باقی رہ جاتی ہے وہ صرف اس مفہوم میں باقی رہ جاتی ہے جس کی اوپر وضاحت کی گئی ہے اور جب بات یہ ہے کہ تو اشیاء کے تبادلہ کے دوران وہ مشترک جوہر جو مبادلاتی قیمت میں ظاہر ہوتا ہے وہ ان اشیاء کی یہی قیمت ہوتی ہے۔ آگے چل کر ہماری اس بحث کے دوران یہ بات واضح ہو جائے گی کہ مبادلاتی قیمت ہی وہ صرف واحد شکل ہے جس میں اجناس کی قیمت ظاہر ہوتی یا جس سے ان کی قیمت واضح ہوا کرتی ہے۔ لیکن فی الحال ہمیں جس چیز پر غور کرنا ہے وہ قیمت کی ماہیت کا سوال ہے نہ اس کی اس شکل کا سوال جس میں وہ ظاہر ہوتی ہے۔

(بقیہ حاشیہ) محنت اس حیثیت سے کہ وہ صرف محنت ہے نہ اس حیثیت سے کہ وہ کسی فرد کی محنت ہے یہ محنت اس حیثیت سے کہ وہ صرف محنت ہے انفرادی حقیقت نہیں ہوتی بلکہ سماجی حقیقت ہوتی ہے اس لیے کہ یہ تمام انسانوں کی مجموعی محنت ہوتی ہے۔ یہی محنت جب سماجی حقیقت کے طور پر سامنے آتی ہے تو اس سے اجناس کی قیمتیں پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن یاد رہے کہ صرف قیمتیں پیدا ہوتی ہیں استعمالی قیمتیں نہیں۔ جو یہاں زیر بحث نہیں ہیں۔ مطلب مختصر یہ کہ فرد کی حقیقی قیمت اس کے سماجی رشتوں اس کے سماجی حقیقت ہونے سے پیدا ہوتی ہے۔ انفرادی طور پر نہیں (قیمت کے اس جوہر کو مبادلاتی قیمت کا رشتہ ظاہر کرتا ہے قیمت کا دو حصوں یعنی استعمالی اور مبادلاتی قیمتوں میں منقسم ہونا معاشیات کا پرانا انکشاف ہے لیکن یہ امر کہ محنت بھی کمی اور کیفی طور پر منقسم ہوتی ہے مارکس کا انکشاف ہے۔ مارکس کا کہنا یہ ہے کہ محنت کیفی حالت میں استعمالی قیمت میں ظاہر ہوتی ہے اور کمی حالات میں مبادلاتی قیمت میں اور یہ مبادلاتی قیمت طریقہ اظہار ہے اجناس کی حقیقی قیمت کا جو مجموعی انسانی محنت سے پیدا ہوتی ہے۔ مترجم)

یعنی قیمت اجناس اس مفہوم میں کہ محنت محض بشریہ اجناس میں مجسم ہوگئی ہے۔ اردو مترجم)

استعمالی قیمت یا محسوس انداز میں یوں کہئے کہ کوئی کارآمد چیز صرف اس لیے قیمت رکھتی ہے کہ محنت محضہ بشریہ اس میں مجسم ہوگئی ہے مگر سوال یہ ہے کہ اس قیمت کے تعین کا طریقہ کیا ہوگا۔ جواب ظاہر ہے کہ مذکورہ شے میں قیمت آفرین جو ہرِ محنت کی مقدار کی کمی بیشی سے اس کا تعین ہوگا۔ اب رہا محنت کا تعین، سو وہ مدت سے ہوگا اور محنت کی مدت کا تعین ہفتوں، دنوں اور گھنٹوں سے۔

اس نقطہ پر بعض لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر کسی جنس کی قیمت کا تعین اس محنت کی مقدار سے ہو جو اس پر صرف کی گئی ہے تو جو مزدور جتنا زیادہ کاہل اور ناتربیت یافتہ ہوگا اسی قدر زیادہ اس کی بنائی ہوئی جنس کی قیمت زیادہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس جنس کے بنانے پر زیادہ وقت صرف ہوگا لیکن یہ اعتراض صحیح نہیں ہے اس لیے کہ جس محنت سے قیمت پیدا ہوتی ہے وہ سماج سے الگ کر کے کسی فرد کی انفرادی محنت نہیں ہوتی بلکہ وہ متجانس انسانی محنت ہوتی ہے وہ صرف ہے یکساں انسانی قوت کا۔ یہاں سماج کی وہ مجموعی قوت جو مجسم ہوتی ہے ان اجناس کی قیمتوں کے مجموعہ میں جنہیں سماج بناتی ہے وہ انسانی وقت کار کے ایک متجانس ذخیرہ کے طور پر شمار کی جارہی[1] ہے۔ گو یہ متجانس ذخیرہ ان گنت انفرادی اکائیوں (محنتوں) ہی سے مرکب کیوں نہ ہوا ہو۔ ان انفرادی اکائیوں میں سے ہر ایک اس وقت تک جب تک کہ وہ سماج کی قوت کار (لیبر پاور) کے اوسط کی نمائندگی کرتی ہے اور اس حیثیت سے عمل میں بھی آتی ہے۔ یعنی جب تک ہر ایک انفرادی اکائی کسی جنس کے پیدا کرنے میں اس سے زیادہ وقت نہیں لیتی جتنا اوسطاً ضروری اور سماجی طور پر درکار ہو تو ہر ایک اکائی ایک دوسرے کے مشابہ ہے اور ان میں

---

[1] مطلب یہ کہ یہاں گفتگو کسی سماج کی اس مجموعی محنت سے ہے جو متعلقہ سماج کی ساری مصنوعات میں مجسم یا سموئی ہوئی ہوتی ہے گو یہ محنت انفرادی محنتوں کا مجموعہ ہوتی ہے اور جب صورت یہ ہے تو بحث کسی ایک فرد کی محنت کی نہ ہوگی بلکہ مجموعی محنت کی ہوگی۔ اردو مترجم)

کوئی فرق نہیں[1]۔ رہی وہ مدت کار جو سماجی طور پر ضروری کہی جاتی ہے سو وہ ایسی مدت کار کو کہتے ہیں جو پیداوار کے معمولی حالات کے تحت اور اس وقت کی مروجہ اوسط درجہ کی مہارت اور دلجمعی کے ساتھ کسی چیز کو پیدا کرنے میں صرف کی جاتی ہے۔ انگلستان میں پارچہ بافی کی میکانکی مشینوں کے اجراء نے کپڑے بننے کی محنت کو غالباً پہلے کے مقابل آدھا کر دیا تھا مگر دستی پارچہ باف اسی قدر وقت صرف کرتے رہے۔ جتنا پہلے صرف کرتے تھے۔ لیکن وہ کچھ بھی کرتے رہے ہوں اس تبدیلی کے بعد ان کی ایک گھنٹہ کی محنت سماجی اعتبار سے صرف نصف گھنٹہ کی رہ گئی اور اس لیے اس کی قیمت بھی پہلے کے مقابل آدھی ہو گی۔

اس طرح جس بات کا پتہ چلا وہ یہ ہے کہ کسی چیز کی قیمت کی کمی بیشی کا تعین جس چیز سے ہوتا ہے وہ محنت کی وہ مقدار یا وہ وقت ہے جو سماجی طور پر اس چیز کو بنانے کے لیے مطلوب ہوتا ہے۔[2] اس سلسلہ میں ہر ایک منفرد جنس اس نوع کی تمام اجناس کے ایک اوسط نمونہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لیے وہ تمام اجناس جن پر یکساں محنت کی یکساں مقدار لگائی یا یکساں وقت صرف کیا گیا ہے یکساں قیمت رکھتی ہے"۔ ایک جنس

---

[1] اور جب صورت یہ ہے تو مزدور کی کاہلی کو اساس بنا کر جو اعتراض کیا گیا ہے وہ مارکس کے خیال میں مضبوط بنیاد نہیں رکھتا۔ اردو مترجم)

[2] جب اشیاء ضروریہ میں سے ایک کا دوسرے سے مبادلہ ہوتا ہے تو ان کی قیمتوں کا تعین اس محنت کی مقدار سے ہوتا ہے جو ان کے پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے اور عام طور پر ضروری خیال کی جاتی ہے۔

چند مذاکرات من حیث المجموع سود اور پبلک فنڈوں وغیرہ میں لگائے ہوئے۔ روپیہ کے سود کے متعلق لانڈ صفحہ 36 یہ اہم کتاب جس کے مصنف کا نام معلوم نہیں گزشتہ صدی میں لکھی گئی تھی اس پر کوئی تاریخ بھی مرقوم نہیں ہے لیکن کتاب کی اندرونی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ 1739ء یا 1740ء میں لکھی گئی تھی۔ مارکس

کی قیمت کو دوسری جنس کی قیمت سے وہی نسبت ہے جو ایک جنس کے پیدا کرنے میں صرف ہونے والے ضروری وقت کی دوسری جنس کے پیدا کرنے میں ضروری وقت سے نسبت ہے''۔ قیمتیں ہونے کی حیثیت سے تمام اجناس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں کہ وہ منجمد مدت محنت کے متعین ذخیرے ہیں''۔

اگر کسی جنس کو پیدا کرنے کا وقت ایک سا ہے تو اس جنس کی قیمت بھی ایک ہی باقی رہے گی لیکن یاد رہے کہ وقت پیداوار (محنت کی پیداواری صلاحیت میں تبدیلی سے بدلتا رہتا ہے) رہی یہ پیداواری صلاحیت سو وہ متعدد حالات سے متعین ہوتی ہے جن میں سے چند یہ ہیں۔ مزدوروں کی اوسط مہارت کار[1] سائنس کی حالت[2] سائنس کے عملی اطلاقات کا درجہ پیداوار کی سماجی تنظیم[3] ذرائع پیداوار کی وسعت اور صلاحیتیں[4] اور طبعی حالات۔ اب مثلاً موسم اچھا ہو تو محنت کی ایک مقدار آٹھ من اناج پیدا کر سکتی ہے لیکن موسم خراب ہو تو یہی محنت صرف چار من اناج پیدا کر سکے گی۔ اسی طرح محنت کی مقررہ مقدار اچھی کانوں سے زیادہ دھات اور بری سے کم دھات نکال سکے گی۔ سطح ارض پر ہیرے کی مقدار بہت ہی کم ہے اس لیے ان کے نکالنے میں زیادہ وقت صرف ہوتا ہے جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ ہیرے کی اجناس کی کم مقدار بہت زیادہ محنت کی نمائندگی کرتی ہے۔ بلکہ جیکب کو تو اس امر ہی میں شبہ ہے کہ سونے کی واقعی قیمت کبھی بھی ادا کی جاتی ہے اور جب سونے کا معاملہ یہ ہے تو ہیرے کے باب میں تو یہ چیز بدرجہ اولیٰ صحیح ہوگی۔ ایشوئیگ کا بیان ہے کہ 1823ء تک گذرنے والے اسی سال کے اندر برازیل کی ہیرے کی کانوں کی کل پیداوار سے اتنی بھی آمدنی نہ ہوئی جتنی برازیل ہی کے شکر اور کافی کے کھیتوں کی ڈیڑھ سال کی کل پیداوار سے حاصل ہوئی تھی جب کہ یہ ظاہر ہے کہ ہیرے کے نکالنے میں بہت زیادہ محنت صرف ہوئی اور وہ زیادہ محنت کی نمائندگی بھی کرتا ہے پھر ہیرے کی زیادہ اچھی کانوں میں محنت کی مقررہ مقدار ہیروں کی زیادہ مقدار نکالنے میں کامیاب ہوگی جس سے ہیرے کے دام گر جائیں گے۔ بلکہ اگر کسی طرح یہ

ممکن ہو جائے کہ کم سے کم محنت صرف کر کے کاربن سے ہیرے بنا لئے جائیں تو ہیرے کوڑیوں کے مول بکنے لگیں گے۔ بہرحال من حیث العموم واقعہ یہ ہے کہ محنت کی پیداواری صلاحیت جتنی زیادہ ہوگی اسی قدر کسی چیز کی پیداوار میں کم وقت صرف ہوگا اسی قدر اس چیز میں محنت کی پیداوار کی کم نمائندگی ہوگی اور اسی قدر اس چیز کی قیمت بھی کم ہوگی۔ اس کے برعکس محنت کی پیداواری صلاحیت جتنی کم ہوگی چیز کے پیدا کرنے میں وقت بھی بہت زیادہ صرف ہوگا اور اسی اوسط سے اس کی قیمت بھی بڑھ جائے گی۔ نتیجہ ظاہر ہے اور وہ یہ کہ جنس کی قیمت محنت پر منحصر ہے) پیداواری صلاحیت یعنی محنت کا کسی جنس میں زیادہ ہونا اس کی قیمت میں اضافہ اور کمی اس کی قیمت میں کمی کا سبب بنتی ہے۔

(یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی چیز استعمالی قیمت تو ہو مگر اس کی اپنی کوئی قیمت نہ ہو۔ ایسا ان صورتوں میں ہوتا ہے جب کسی چیز کی افادیت انسانی محنت کی پیدا کردہ نہیں ہوتی۔ جیسے مثلاً ہوا، مٹی اور خودرو سبزہ زار وغیرہ[1] اس کے برعکس ایک یہ صورت بھی ممکن ہے کہ ایک چیز کارآمد بھی ہو انسانی محنت کی پیداوار بھی ہو مگر جنس نہ ہو۔ مثلاً وہ اشیاء جو ایک شخص اپنی ذاتی محنت سے پیدا کرتا ہے مگر خود ہی استعمال کر لیتا ہے۔ یہ شخص استعمالی قیمتیں تو پیدا کرتا ہے مگر اجناس پیدا نہیں کرتا۔ اس لیے کہ اجناس پیدا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ فرد نہ صرف یہ کہ استعمالی قیمتیں ہی پیدا کرے بلکہ ایسی اشیاء پیدا کرے جو دوسروں کے استعمال میں بھی آئیں یعنی وہ سماجی استعمالی قیمتیں پیدا کرے اور آخری اہم بات یہ کہ کوئی چیز اس وقت تک قیمت حاصل نہیں کرتی جب تک کہ وہ ایک ایسی چیز نہ ہو جو کچھ افادیت بھی رکھتی ہو۔ اگر کوئی چیز کارآمد ہی نہ ہوگی تو اس میں جو محنت صرف کی گئی ہے وہ بھی محض بیکار رہے گی بلکہ اس محنت کو تو محنت کہنا ہی بے معنی ہے کہ ایسی محنت کوئی بھی قیمت پیدا نہیں کرتی۔

---

[1] ان چیزوں کی قیمت مارکس کے خیال میں اس لیے نہیں ہے کہ یہ محنت کی پیداوار نہیں ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ چیزیں استعمالی قیمتیں تو ہیں مگر قیمت نہیں ہیں۔ اردو مترجم

فصل دوم

اجناس میں مجسّم ہونے والی محنت کی دو اہم خصوصیتیں

پہلی ہی نظر میں ایک جنس دو چیزوں استعمالی قیمت اور مبادلاتی قیمت کے مجموعہ کی حیثیت سے ہمارے سامنے آئی تھی پھر اس کے بعد ہم نے یہ محسوس کیا کہ محنت بھی انہیں دوگونہ خصوصیات کی حامل ہوا کرتی ہے۔ اس لیے کہ جب محنت محض قیمت[1] کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے تو اس میں وہ خصوصیات موجود نہیں ہوتیں جو اس وقت موجود ہوتی ہیں جب وہ استعمالی قیمتیں پیدا کرتی ہے۔ میں وہ پہلا شخص ہوں جس نے اس نکتہ کو واضح کیا تھا اور اجناس جس محنت پر مشتمل ہوتی ہیں اس محنت کی دوگونہ خصوصیات کا تنقیدی جائزہ لیا تھا۔ مسئلہ بہت اہم اور مرکزی اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے سمجھنے پر فلسفہ معاشیات کے صحیح فہم کا انحصار ہے اس لیے ضروری ہے کہ اس کو ذرا تفصیل سے بیان کیا جائے۔

آیئے ایک مثال سے اس مسئلہ کو سمجھیں۔ دو اجناس لے لیجئے۔ ایک کوٹ اور دوسرے دس گز کپڑا۔ فرض کیجیے کوٹ کی قیمت دس گز کپڑے کی قیمت سے دوگنی ہے یعنی صورت یہ ہے کہ اگر دس گز کپڑے کی قیمت برابر ہے ''ق'' کے تو کوٹ کی قیمت برابر ہے ''۲ق'' کے۔

کوٹ ایک استعمالی قیمت ہے جو ایک مخصوص حاجت کو پورا کرتی ہے۔ ایک

---

[1] اس باب میں مارکس نے یہ ظاہر کیا ہے کہ محض قیمت محنت کی کمی حیثیت کو ظاہر کرتی ہے اور استعمالی قیمت محنت کی کیفی حیثیت کو۔ اور اس طرح اشیاء میں جو محنت صرف کی جاتی ہے اس میں یہ دونوں خصوصیتیں موجود ہوتی ہیں۔ اس نکتہ کو خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اسی فرق کو اس تمام باب میں زیر بحث لایا گیا ہے۔ (ا۔ ر۔ مترجم)

مخصوص پیداواری عمل کے نتیجہ میں یہ کوٹ وجود میں آ سکا۔ اس پیداواری عمل کی ماہیت کا تعین محنت کی افادیت۔ اور ذرائع اور نتائج سے ہوتا ہے وہ محنت جس کی افادیت کی نمائندگی اس محنت کی پیداوار کی وہ قیمت کرتی ہے جو استعمال میں ہے یا یوں کہئے کہ جو محنت اپنی پیداوار کو استعمالی قیمت بن کر خود کو ظاہر کرتی ہے۔ کارآمد محنت کہلاتی ہے۔ اس ضمن میں ہم صرف محنت کے کارآمد اثرات سے بحث کریں گے۔

کوٹ اور کپڑا اکمی اعتبار سے دو مختلف استعمالی قیمتیں ہیں۔ اسی طرح محنت کی دونوں اشکال خیاطی اور پارچہ بافی بھی محنت کی دو مختلف شکلیں ہیں۔ اگر یہ دونوں چیزیں کمی طور پر مختلف نہ ہوتیں اور مختلف قسم کی محنتوں سے بھی پیدا نہ ہوتیں تو ان دونوں میں اجناس کا وہ رشتہ بھی موجود نہ ہوتا جو ہوا کرتا ہے۔ کوٹوں کا کوٹوں سے تجارتی تبادلہ نہیں ہوا کرتا۔ بالکل ایک ہی قسم کی استعمالی قیمتوں کا آپس میں تبادلہ نہیں ہوتا۔ استعمال میں جو قیمتیں ہیں ان کی جتنی بھی قسمیں ہیں اتنی ہی قسمیں مفید محنت کی بھی ہیں۔ سماجوں میں محنت کی جس طرح تقسیم ہوتی ہے اس کے درجے جنس[1]۔ نوع اور قسم کے مطابق محنت کی ان اقسام کی بھی تقسیم ہوتی ہے۔ محنت کی یہ تقسیم اجناس کی پیداوار کے لیے ایک ضروری شرط کی حیثیت رکھتی ہے مگر اس کے برعکس یہ نہیں کہہ سکتے کہ اجناس کی پیداوار تقسیم محنت کے لیے ضروری شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔ پراچینی ہندوستانی بستیوں میں محنت کی سماجی تقسیم تو تھی مگر اجناس کی پیداوار نہ تھی۔ یا بالکل قریب مثال لے لیجئے۔ ہر کارخانہ میں محنت کی تقسیم کسی نہ کسی نظام کے مطابق ضرور ہوتی ہے۔ مگر اس تقسیم محنت کا یہ سبب تو نہیں ہوتا کہ مزدور جو چیزیں بناتے ہیں ان کا باہمی تبادلہ کر لیتے ہوں اور اس کی وجہ سے محنت

---

[1] یہاں لفظ جنس کا موڈٹی کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ جینس کا ترجمہ ہے۔ بالفاظِ دیگر اس جگہ لفظ جنس کا استعمال منطقی معنی میں ہوا ہے۔ منطقی اعتبار سے جنس و نوع میں وہی فرق ہے جو حیوان یا انسان میں فرق ہوتا ہے۔

کی تقسیم پیدا ہو جاتی ہو[1]۔ محنت کی صرف وہی پیداواریں ایک دوسرے کے لیے تجارتی جنس بن سکتی ہیں جو محنت کی مختلف اقسام سے پیدا ہوئی ہوں اور ان میں سے ہر ایک قسم آزادانہ طور پر اور افراد کے نجی مقاصد کے ماتحت بنی ہو۔

تو بہر حال کہنا یہ تھا کہ ہر جنس کی استعمالی قیمت میں ایک کارآمد محنت۔ یعنی ایک متعین قسم کا پیداواری عمل جو ایک متعین مقصد سے کیا گیا ہو شامل ہوا کرتا ہے لیکن یہ استعمالی قیمتیں اجناس کی حیثیت میں اس وقت تک ایک دوسرے سے تجارتی رشتہ پیدا نہیں کرسکتیں جب تک وہ کارآمد محنت جو ان اجناس میں مجسم ہوتی ہے ہر جنس میں دوسری جنس سے کیفی طور پر مختلف نہ ہو۔ مگر یہ کیفی فرق جو کارآمد محنت کی ان اقسام میں پایا جاتا ہے جو انفرادی پیدا کنندگان (پروڈیوسر) آزادانہ طور پر اور صرف اپنے لئے کرتے ہیں۔ ایک ایسے فرقہ میں جس کی پیداوار من حیث العموم اجناس کی شکل میں ہوتی ہو (بالفاظ دیگر اجناس آفرین فرقہ میں) ترقی کر کے ایک پیچیدہ نظام میں بدل جاتا ہے اور یوں محنت کی سماجی تقسیم پیدا ہو جاتی ہے۔

لیکن صورت کوئی بھی ہو وہ کوٹ خود خیاط پہنے یا اُس کا گاہک بہر حال وہ ایک استعمالی قیمت باقی رہتا ہے۔ کوٹ اور اس محنت کے درمیان جو اس کو پیدا کرتی ہے جو رشتہ پایا جاتا ہے وہ خیاطی کے ایک خاص اور متعین پیشہ یعنی محنت کی سماجی تقسیم کی ایک آزادانہ شاخ بن جانے کی وجہ سے بدلے گا نہیں۔ نسلِ انسانی ہزار ہا سال میں جب بھی لباس کی ضرورت پیش آئی برابر لباس بناتی رہی لیکن اس تمام مدت میں کوئی شخص خیاط نہیں بنا۔ کوٹ اور کپڑا اور اسی طرح مادی دولت کے وہ تمام عناصر جو فطرت کی خود رو

---

[1] لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اجناس کی پیداوار محنت کی تقسیم کی شرط اولین ہے۔ پہلی مثال میں تقسیم محنت اجناس کی پیداوار کا نتیجہ نہیں ہے اور دوسری میں بھی تقسیم محنت تو موجود ہے مگر اجناس کی پیداوار کا نتیجہ نہیں ہے۔ اردو مترجم)

پیداوار نہیں ہیں ہمیشہ ایک ایسے مخصوص پیداواری عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں جو ایک متعین مقصد سے کیا گیا ہو۔ یہ پیداواری عمل فطرت کے عطا کردہ مواد کو کسی مخصوص انسانی حاجت کے پورا کرنے کے لیے ڈھال لینے کو کہتے ہیں۔تو محنت اس حیثیت سے کہ وہ استعمالی قیمت کی آفریندہ ہے یعنی کارآمد محنت ہے نسلِ انسانی کے بقا کے لیے ایک بنیادی شرط کی حیثیت رکھتی ہے۔قطع نظر اس امر کے کہ سماج کی شکل کون سی ہے یا کون سی نہیں ہے۔محنت کا اس حیثیت میں ہونا تو فطرت کی لگائی ہوئی ایک ایسی شرط ہے جس کے بغیر انسان اور فطرت میں مادی مبادلہ کا کوئی رشتہ ہی قائم نہیں ہوسکتا اور انسانی حیات کا بقا ہی ممکن نہیں ہوسکتا۔

استعمالی قیمتیں۔کوٹ اور کپڑا وغیرہ یا بالفاظ دیگر اجناس کے اجسام دو چیزوں کا مجموعہ ہوا کرتے ہیں۔ مادہ اور محنت اب اگر ان دونوں چیزوں میں سے ایک چیز یعنی محنت کو جو اِن اجسام پر صرف کی جاتی ہے آپ ہٹالیں تو تہ میں ایک مادی عنصر باقی رہے گا جسے فطرت انسانی مدد بغیر مہیا کیا کرتی ہے۔ یہ مادی عنصر فطرت کے عمل کے مطابق عمل کرتا ہے یعنی یہ کہ فطرت مادہ کی صورتوں کو بدلتی رہتی ہے۔اپنے اس عمل میں فطرت کو برابر فطری قوتوں سے مدد ملتی رہتی ہے اس کا نتیجہ ظاہر ہے یہی نکلا کہ صرف محنت ہی مادی دولت ان استعمالی قیمتوں کو پیدا کرنے کا جو محنت سے پیدا ہوتی ہیں واحد سبب نہیں ہوتی۔ولیم پیٹس نے بڑی عمدہ بات کہی کہ جنس کا باپ محنت اور ماں زمین ہوتی ہے۔

آیئے اب جنس کی استعمالی قیمت کی بحث سے گذر کر جنس کی قیمت کے موضوع پر کچھ گفتگو کریں۔

کوٹ اور کپڑے کی مثال میں ہم نے یہ فرض کرلیا تھا کہ کوٹ کی قیمت کپڑے کی قیمت سے دوگنی ہے لیکن یہ فرق محض کمی فرق ہے جس پر فی الحال غور کرنا نہیں ہے اس ضمن میں ہمیں جس چیز پر غور کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوٹ کی قیمت دس گز کپڑے کی قیمت سے دوگنی ہو تو اس کا مطلب لازماً یہ ہوگا کہ بیس گز کپڑے کے دام وہی ہوں گے

جو کوٹ کے ہیں۔ اب جہاں تک ان دونوں کے قیمت ہونے کا تعلق ہے کوٹ اور کپڑے دونوں ہی یکساں مادہ رکھتے ہیں۔ دونوں ہی جوہری طور پر یکساں محنت کے خارجی ظہور کی حیثیت رکھتے ہیں (اور اس لیے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہونا چاہیے لیکن ان دونوں میں فرق موجود ہے۔ یہ فرق اس لیے ہے کہ) خیاطی اور پارچہ بانی کیفی طور پر محنت کی دو مختلف قسمیں ہیں[1]۔ البتہ اس نوع کی سماجیں بھی ہوتی ہیں جن میں ایک ہی شخص یہ دونوں کام کرتا ہو۔ محنت کی یہ دونوں قسمیں ایک ہی فرد کی محنت کی بدلی ہوئی صورتیں ہوں گی جدا جدا اشخاص کے مخصوص اور متعین فرائض منصبی نہ ہوں گے۔ ٹھیک اسی طرح سے جیسے ہمارا درزی ایک دن تو کوٹ سیتا ہے اور دوسرے دن پتلون۔ گویا محنت تو ایک ہی شخص کی ہے لیکن اس میں کیفی تبدیلی ہوگئی ہے۔ (علاوہ بریں اگر آپ سرمایہ داری سماج پر سرسری نظر ڈالیں تو آپ یہ دیکھیں گے کہ محنت کی ایک معین مقدار بدلتی ہوئی مانگ کے ساتھ ایک وقت خیاطی کی شکل میں کام آتی ہے اور دوسرے وقت پارچہ بانی کی شکل میں۔ یہ ممکن ہے کہ یہ تبدیلی تھوڑی بہت گڑبڑ پیدا کئے بغیر وقوع پذیر نہ ہوتی ہو مگر اس کا وقوع پذیر ہونا ہے بالکل لازمی۔)

پیداواری عمل اپنی مخصوص شکل یعنی محنت کی کارآمد نوعیت کے پہلو سے قطع نظر کر لینے کے بعد جو کچھ باقی رہ جاتا ہے وہ محض انسانی قوت کار کا صرف ہے خیاطی اور پارچہ بانی میں سے ہر ایک (کیفی اعتبار سے مختلف پیداواری عمل ہونے کے باوجود) انسانی دماغ اعصاب اور عضلات کے تخلیقی صرف کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اس مفہوم میں وہ دونوں ہی محض انسانی قوت کار کے صرف کے دو مختلف طریقے ہیں۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ یہ انسانی قوت کار جو اپنی مختلف پہلوؤں میں ایک ہی رہتی ہے۔ بہت سے طریقوں

---

[1] یعنی مطلب یہ کہ ان دونوں اجناس میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ محنت کی کیفی نوعیت سے پیدا ہوا ہے۔ اردو مترجم)

میں صرف اسی وقت صرف میں آ سکتی ہے جب اس نے ایک مخصوص درجہ تک ترقی کر لی ہو لیکن جنس کی قیمت بہر حال محنت محضہ بشریہ کے صرف ہی کی نمائندگی کرتی ہے۔ یعنی وہ عبارت ہوتی ہے من حیث العموم انسانی محنت کے صرف سے جس طرح سماج میں ایک جرنیل یا بینکر نمایاں کردار ادا کرتا ہے اور ان کے برخلاف محض انسان[1] بہت ہی غیر واضح کردار ادا کرتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح یہاں انسانی محنت من حیث العموم کا معاملہ ہے۔ یہ تو صرف و محض قوتِ کار کا صرف ہے۔ اس قوتِ کار کا صرف جو کسی خاص ارتقائی شکل سے قطع نظر اوسطاً عام انسانی جسم میں پائی جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ معمولی[2] محنت محضہ کی نوعیت مختلف ملکوں اور مختلف اوقات میں مختلف ہوا کرتی ہے لیکن کسی بھی مخصوص سماج میں اس کی مقدار بہر حال متعین[3] ہوتی ہے۔ تربیت شدہ محنت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ سادہ محنت کی شدت یافتہ شکل ہے۔ بلکہ غالباً یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ وہ کئی گنا بڑھائی ہوئی سادہ محنت سے عبارت ہے۔ یوں آپ تربیت یافتہ محنت کو سادہ محنت کی بہت بڑی مقدار کے مساوی[4] کہہ سکتے ہیں۔ تجربہ نے یہ بات واضح کر دی ہے کہ تربیت یافتہ محنت کو نا تربیت یافتہ محنت میں برابر بدلا جاتا رہتا ہے۔ کوئی جنس کتنی ہی زیادہ تربیت

---

[1] یہاں محض انسان سے مارکس کی مراد انسان من حیث الانسان سے ہے۔ مترجم)

[2] یعنی وہ من حیث العموم محنت یا محنت محضہ جو اوسطاً کسی سماج میں پائی جاتی ہو۔ مترجم)

[3] یعنی ہر سماج میں محنت من حیث الکل جس کا ترجمہ محنت محضہ بشریہ سے کیا گیا ہے متعین ہوتی ہے۔ خواہ وہ زیادہ ہو یا کم مگر بہر حال متعین ضرور رہتی ہے۔ مترجم)

[4] مارکس نے سادہ اور تربیت یافتہ محنت میں جو فرق کیا ہے وہ یہ ہے کہ سادہ محنت سے تربیت یافتہ محنت کئی گنا زیادہ ہوتی ہے گویا اگر سادہ محنت الف ہو تو تربیت یافتہ محنت دو الف۔ تین الف وغیرہ ہوگی۔ یعنی زیادہ ہوتی چلی جائے گی۔ قدرتاً اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تربیت یافتہ محنت سادہ محنت کی بہت بڑی مقدار برابر ہوگی۔ مترجم۔)

یافتہ محنت کی پیداوار کیوں نہ ہو لیکن اس کی قیمت کو سادہ ناتربیت یافتہ محنت کی پیداوار کے مقابل رکھ کر دیکھا جائے تو وہ ناتربیت یافتہ محنت ہی کی ایک مقررہ مقدار کے برابر ہوتی ہے ☆ وہ مختلف نسبتیں ۱ جن نسبتوں سے مختلف محنتوں کو ناتربیت یافتہ محنت کے معیار پر ناپا جاتا ہے ایک ایسے سماجی عمل سے متعین ہوتی ہیں جس میں پیدا کنندگان (پروڈیوسر) کا کوئی دخل نہیں ہوتا جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ رواج سے متعین ہوتی ہیں ہم آسانی کے لیے آئندہ ہر قسم کی محنت کو ناتربیت اور سادہ محنت ہی شمار کریں گے تاکہ ہر بار تربیت یافتہ محنت کو ناتربیت یافتہ محنت میں بدلنے کی زحمت سے بچا جا سکے۔

تو بہرحال ٹھیک اسی طرح جیسے کوٹ اور کپڑے کو بہ حیثیت قیمتوں کے سمجھنے میں ہم نے ان کی استعمالی قیمتوں سے صرف نظر کر لیا تھا۔ اسی طرح اس محنت کا معاملہ ہے جس کی موجودگی کا اظہار کوٹ اور کپڑے کی یہ قیمتیں کرتی ہیں۔ اس محنت پر غور کرتے وقت ہم اس کی کارآمد قسموں خیاطی و پارچہ بافی کے درمیان جو فرق ہوتا ہے اسے بھی نظرانداز کر دیتے ہیں۔ استعمالی قیمتیں ہونے کی حیثیت سے کوٹ اور کپڑا مجموعہ ہیں ان

☆ مصنف کا نوٹ۔ قارئین یہ بات پیش نظر رکھیں کہ یہاں اجرتوں یا اس قیمت سے بحث نہیں ہے جو مزدور ایک مقررہ مدت محنت کے بدلہ میں حاصل کرتا ہے۔ یہاں تو جنس کی اس قیمت سے بحث ہے جس میں مذکورہ مدت محنت مجسم ہو گئی ہے۔ اجرتیں بحث کا وہ حصہ ہے جو اس نقطہ پر جہاں ہمارا مطالعہ اب تک پہنچا ہے وجود میں نہیں آتا۔)

۱ یہ امر کہ سادہ ناترتیب یافتہ محنت سے کوئی تربیت یافتہ محنت کئی گنا زیادہ ہے رواج سے متعین ہوتا ہے۔ یہاں منطقی ضرورت کا تقاضا یہ تھا کہ مارکس یہ بھی ذکر کر دیتے کہ خود ناتربیت یافتہ محنت کی قیمت اور نوعیت کا تعین بھی رواج ہی سے ہوتا ہے۔ پیدا کنندہ کی جسمانی محنت سے نہیں ہوتا۔ مارکس کا یہ خیال بالکل صحیح ہے کہ سادہ محنت اور تربیت یافتہ محنت کے درمیان نسبت کا تعین رواج سے ہوتا ہے اس لیے کہ مختلف سماجوں میں یہ نسبتیں مختلف ہوتی ہیں۔ مترجم)

مخصوص پیداواری عملوں کا جو کپڑے کو کوٹ اور سوت کو کپڑا بنانے کے لیے کیے گئے تھے۔ لیکن دوسری طرف قیمتیں ہونے کی حیثیت سے یہ کوٹ اور کپڑا غیر متمیز محنت کے محض متجانس انجمادات[1] ہیں اور اس طرح کپڑے اور کوٹ کی قیمتوں میں جو محنت مجسم ہوتی ہے اس میں اس رشتہ کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا جو محنت کی پیداواریت اور کپڑے وسوت کے درمیان پایا جاتا ہے بلکہ ان قیمتوں میں صرف یہ پہلو پیش نظر رہتا ہے کہ وہ انسانی قوت کار کا صرف[2] ہیں۔ استعمالی قیمتوں۔ کوٹ اور کپڑے کی آفرینش میں خیاطی اور پارچہ بافی ضروری عوامل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ صرف اس لیے کہ محنت کی یہ دونوں قسمیں مختلف خصوصیات کی حامل ہیں لیکن اگر یہ خیاطی و پارچہ بافی کوٹ اور کپڑے کی قیمت محضہ[3] کا مواد بنیں گی تو وہ صرف اسی وقت ایسا بن سکتی ہیں جب ان مختلف کیفیتوں کو نظر انداز کر دیا جائے اور جب ان کو اس طرح سمجھا جائے کہ وہ صرف ایک ہی کیفیت رکھتی ہیں یعنی یہ کہ وہ دونوں محض انسانی محنت[4] ہیں اور کچھ نہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ کوٹ اور کپڑا قیمت محضہ ہی نہیں ہیں بلکہ مقررہ مقداریں رکھنے والی قیمتیں ہیں اور جہاں تک ہمارے فرض کا تعلق ہے ہم نے یہ طے کر لیا تھا کہ دس گز کپڑے سے کوٹ کی قیمت دوگنی ہے تو اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ ان کی قیمتوں میں یہ فرق کہاں سے پیدا

---

[1] یعنی مطلب یہ ہے کہ محنت کی ایک مقررہ مقدار ان اشیاء میں سموئی ہوئی ہے اور یہ امر کہ وہ محنت کس قسم کی ہے سو اس پہلو کو پیش نظر نہیں رکھا جاتا اسی لیے غیر متمیز محنت کہا گیا۔ مترجم)

[2] استعمالی قیمت میں محنت کا طریقہ صرف بھی پیش نظر ہوتا ہے مگر محض قیمت میں یہ طریقہ صرف پیش نظر نہیں ہوتا بلکہ محنت محضہ کا صرف پیش نظر ہوتا ہے خواہ اس کا طریقہ صرف کوئی بھی ہو۔ مترجم) [3] استعمالی یا مبادلاتی قیمت نہیں بلکہ صرف قیمت جسے آپ قیمت محضہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مترجم) [4] خیاطی و پارچہ بافی کی استعمالی قیمتوں اور محض قیمتوں میں کیا فرق ہے اسے سابقہ جملہ میں واضح کیا گیا ہے۔ مترجم)

ہوا۔ اس کا جواب ظاہر ہے یہ ہے کہ مذکورہ فرق اس بات سے پیدا ہوا ہے کہ کپڑے میں جو محنت شامل ہے وہ کوٹ میں صرف کی جانے والی محنت کے مقابل آدھی ہے۔ اور یوں کپڑے کے پیدا کرنے میں جو قوت کار صرف ہوئی وہ اس وقت سے آدھے وقت میں صرف ہوئی۔ جو وقت کوٹ کے پیدا کرنے میں صرف کیا گیا۔

تو نتیجہ اس بحث کا یہ نکلا کہ جنس میں جو محنت شامل ہوتی ہے وہ استعمالی قیمت ہونے کے اعتبار سے صرف کیفی حیثیت سے دیکھی جاتی ہے جبکہ محض قیمت ہونے کے اعتبار سے اس کی کمی حیثیت پر نظر رکھی جاتی ہے اور اس لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے اسے سادہ (ناتربیت یافتہ) انسانی محنت میں منتقل کرلیا جائے۔ استعمالی قیمت ہونے کی حیثیت میں تو کیا اور کیونکر کا پہلو اہمیت رکھتا ہے جبکہ محض قیمت ہونے کی حیثیت میں کس قدر کی اہمیت ہوتی ہے۔ اب چونکہ جنس کی قیمت کی ضخامت اس محنت کی مقدار کو بتاتی ہے جو اس جنس میں مجسم ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگر اجناس کو خاص اوسطوں کے ساتھ لیا جائے تو ان سب کی قیمت بھی یکساں (الف) ہوگی۔

کوٹ کے پیدا کرنے میں جو کارآمد محنت صرف ہوتی ہے اگر اس کی تمام قسموں (ب) کی پیداواری قوت غیر متبدل ہے تو کوٹوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی قیمتوں کا مجموعہ بھی بڑھتا چلا جائے گا۔ گویا اگر ایک کوٹ الف ایام کی محنت کے نتیجہ میں پیدا ہوگا تو دو کوٹ دو الف ایام کی محنتوں کے نتیجہ میں پیدا ہوں گے۔ وقس علیٰ ہذا لیکن فرض کیجئے کہ کوٹ کے پیدا کرنے میں محنت کی جو مدت صرف ہوتی ہے وہ دوگنی یا آدھی ہو جائے تو دوگنی ہونے کی صورت میں ایک کوٹ کی اتنی قیمت ہو جائے گی جتنی

(الف) یعنی سادہ الفاظ میں مطلب یہ کہ اگر اجناس میں محنت کی مقدار یکساں ہوگی تو جہاں تک ان کی قیمت محض کا تعلق ہے وہ بھی یکساں ہوگی۔ مترجم)

(ب) یاد رہے ایک کوٹ کے پیدا کرنے میں مختلف قسم کی کارآمد محنت صرف ہوتی ہے۔ مترجم

پہلے دوکوٹوں کی قیمت تھی اور آدھی ہونے کی صورت میں دوکوٹوں کی وہ قیمت ہو جائے گی جو پہلے ایک کوٹ کی قیمت تھی۔ حالانکہ جہاں تک اس کی افادیت کا تعلق ہے دونوں ہی صورتوں میں کوٹ وہی خدمت انجام دے رہا ہے جو پہلے انجام دیتا تھا اور اس طرح جہاں تک کارآمد محنت کا تعلق ہے وہ اسی قسم اور اسی خصوصیت کی ہے جو پہلے تھی۔ بس فرق ہے تو یہ کہ کوٹ کے پیدا کرنے پر محنت کی جو مقدار صرف کی گئی ہے وہ بدل گئی (ج) ہے۔

استعمالی قیمتوں کی مقدار میں اضافہ سے مادی دولت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ دوکوٹ دو آدمیوں کو پہنائے جاسکتے ہیں جب کہ ایک کوٹ صرف ایک ہی آدمی کو پہنایا جاسکتا ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مادی دولت کی زیادہ مقدار ہو جانے کے باوجود اس دولت کی قیمت میں کمی ہو جائے۔ یہ متضاد[1] قسم کا رجحان محنت کی دوگنا خصوصیات [2] سے پیدا ہوتا ہے۔

قوتِ پیداوار کا تعلق محنت کی کسی کارآمد اور محسوس شکل سے ہوتا ہے کسی مقررہ وقت میں کسی خاص پیداواری عمل کی اثریت کا انحصار اس کی پیداواری صلاحیت پر ہوتا ہے اور جب صورت یہ ہے تو ظاہر ہے کہ کارآمد محنت اپنی پیداواری صلاحیت کی زیادتی یا کمی کی نسبت سے ہی اشیاء کی زیادہ یا کم پیداوار کا ذریعہ بن سکتی ہے لیکن اس کے

(ج) یہاں یہ کہنا زیادہ صحیح ہوتا کہ مدت کی مخصوص مقدار میں محنت کی جو مخصوص مقدار صرف کی گئی وہ بدل گئی ہے۔ نہ یہ کہ محنت کی مقدار من حیث المجموع بدل گئی ہے۔ مترجم)

[1] اس متضاد رجحان کی اگلے پیرے میں وضاحت کی گئی ہے۔ مترجم

[2] یعنی ایک خصوصیت تو وہ جو محنت میں من حیث المحنت یا انسان کی جسمانی طاقت صرف ہونے کی حیثیت سے پائی جاتی ہے۔ یعنی ایک تو محنت کا یہ اعتبار کہ ہم اسے صرف انسانی قوتِ کار کا صرف خیال کریں اور دوسرا پہلو یہ کہ اسے ایک محسوس اور متعین اور کارآمد عمل خیال کیا جائے۔ اردو مترجم)

برخلاف وہ محنت جس کی نمائندگی قیمت[1] کرتی ہے پیداواری صلاحیت کی زیادتی یا کمی سے قطعی متاثر نہ[2] ہوگی۔ چونکہ قوت پیداوار محنت کی کارآمد اور محسوس اشکال کی خصوصیت ہوتی ہے اس لیے اگر ہم محنت سے ان تمام اشکال کی تجرید کرلیں تو پھر اس محنت پر پیداواری صلاحیت کی کمی بیشی کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ گویا پھر قوت پیداوار کسی قدر ہی کیوں نہ بدلے مگر یکساں محنت یکساں وقت میں قیمت کی یکساں مقداریں پیدا کرے گی۔ البتہ یکساں وقت میں اس قیمت کی مختلف مقداریں پیدا کرے گی جو قابل استعمال ہوں۔ زیادہ قابل استعمال قیمت پیدا کرے گی اگر پیداواری قوت زیادہ ہو اور کم اگر پیداواری قوت کم ہو جائے پیداواری قوت میں وہ تبدیلی ہی جو محنت کی بارآوری میں اضافہ کرکے ان استعمالی قیمتوں کو بڑھا دیتی ہے جو وہ محنت پیدا کرتی ہے۔ ان استعمالی قیمتوں کو بڑھتی ہوئی مقدار کی کل قیمت کو کم بھی کردے گی اگر اس تبدیلی کی وجہ سے اس مدت محنت کی کل مقدار میں کمی ہو جائے جو ان استعمالی قیمتوں کی پیداوار کے لیے ضروری[3] ہوتا ہے اور اگر صورت اس کے برعکس[4] ہو تو پھر استعمالی قیمتوں کی بڑھی ہوئی مقدار کی کل قیمت بڑھ جائے گی۔[5]

---

[1] استعمالی قیمت نہیں صرف قیمت (مترجم) [2] اس لیے کہ وقت پیداوار یا پیداواری صلاحیت کا تعلق محنت کی کارآمد شکل سے ہوتا ہے محنت من حیث المحنت سے نہیں جس کی نمائندگی قیمت کرتی ہے جبکہ کارآمد محنت کی نمائندگی استعمالی قیمت کرتی ہے۔ (مترجم) [3] یہ ظاہر ہے کہ مدت محنت میں کمی سے قیمت کم ہو جائے گی اس لیے اگر قوت پیداوار کی زیادتی مدت محنت میں کمی کردے تو گو محنت زیادہ استعمالی قیمتیں پیدا کرے گی۔ مگر مدت محنت میں کمی کی وجہ سے سب کی مجموعی قیمت کم ہو جائے گی۔ مترجم [4] یعنی قوت پیداوار کم ہو جائے تو۔ مترجم [5] مشینوں کے استعمال سے انسان کی قوت پیداوار اور مدت کار میں کمی ہوگئی جس سے مصنوعات کی قیمت میں بھی کمی ہوئی جب کہ مشینوں سے پہلے قوت کار اور مدت کار دونوں کم تھیں جن کی وجہ سے اشیاء کی قیمت بھی زیادہ تھی۔ مترجم)

اس طرح ایک طرف تو صورت یہ ہے کہ ہر قسم کی محنت۔ عضویاتی انداز میں غور کرتے ہوئے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ وہ انسان کی قوت کار کا صرف ہے اور اپنی اس نوعیت میں کہ وہ یکساں محنت محضہ بشریہ ہے۔ اجناس کی قیمتوں کو پیدا کرتی ہے۔ تشکیل دیتی ہے اور دوسری طرف صورت یہ ہے کہ ہر قسم کی محنت عبارت ہے انسانی قوت کار کے ایک ایسے صرف سے جو مخصوص شکل میں اور متعین مقصد کے پیش نظر کیا جائے اور اس حیثیت میں یعنی محنت کی کارآمد محسوس نوعیت میں وہ استعمالی قیمتیں پیدا کرتی ہے[1]۔

---

[1] یہ ثابت کرنے کے لیے کہ محنت ہی وہ مستقل بالذات اور حقیقی پیمانہ ہے جس سے وقت کے کسی بھی حصہ میں تمام اجناس کی قیمتوں کو جانچا۔ ان کا موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ آدم اسمتھ کہتا ہے کہ ''مزدور کے لیے محنت کی یکساں مقداریں ہر وقت اور ہر مقام پر لازماً یکساں رہیں گی۔ اپنی معمولی صحت' طاقت اور سرگرمی کار کی حالت میں اور اوسط درجہ کی مہارت کے ساتھ جو اس میں پائی جاتی ہے۔ یہ ضروری ہے کہ مزدور ہمیشہ اپنے آرام آزادی اور مسرت کی یکساں مقدار سے دست بردار ہوتا ہے (اقوام کی دولت کتاب اول باب 5) ایک طرف تو آدم اسمتھ نے یہاں (مگر ہر جگہ نہیں) قیمت کے متعین ہونے کے جدا جدا طریقوں کو خلط ملط کر دیا ہے قیمت کا تعین ایک تو محنت کی اس مقدار سے ہوتا ہے جو اجناس کی پیداوار پر صرف ہوتی ہے اور دوسرا طریقہ اس کے تعین کا یہ ہے کہ اجناس کی قیمتیں محنت کی قیمت سے متعین ہوتی ہیں۔ ان دونوں طریقوں کو اس نے یہاں خلط ملط کر دیا ہے۔ ان دونوں کو خلط ملط کرنے کے بعد ایک طرف تو وہ ثابت کرنا چاہتا ہے کہ محنت کی یکساں مقداریں ہمیشہ یکساں قیمت رکھتی ہیں اور دوسری طرف اس میں اس حقیقت کو سمجھنے کی پیش بینی بھی پائی جاتی ہے کہ محنت اس حیثیت سے کہ وہ اجناس کی قیمتوں میں خود کو ظاہر کرتی ہے۔ صرف قوت کار کے صرف کی حیثیت سے نمایاں ہوتی ہے اور بس یا لیکن وہ قوت کار کے اس صرف کو محض آرام۔ آزادی اور مسرت کی قربانی خیال کرتا ہے۔ اسے انسانوں کا معمولی عمل خیال نہیں کرتا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آدم اسمتھ کے ذہن میں جدید عہد کا اُجرت کش مزدور ہے۔ اس کتاب کے صفحہ 46 کے نوٹ نمبر ایک میں

اسمتھ کے پیش رو جس گمنام مصنف کا ذکر کیا گیا ہے اس نے زیادہ صحیح طور پر اس بات کو کہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ''ایک آدمی نے پورے ایک ہفتہ کی مدت اپنی ضروریات زندگی مہیا کرنے پر صرف کی''۔ اب اگر کوئی شخص اس آدمی کو اس کے بدلہ میں کچھ دینا چاہتا ہے تو اس کا صحیح معاوضہ معلوم کرنے کا طریقہ اس سے بہتر کوئی دوسرا نہ ہوگا کہ وہ یہ دیکھے کہ وہ کون سا کام ہے جس میں شخص اول کی سی محنت اور اس کی برابر وقت صرف ہوتا ہے۔ گویا صحیح طریقہ یہ ہے کہ کسی ایک چیز میں ایک شخص نے ایک مقررہ وقت میں جو محنت کی وہ کسی دوسرے شخص کی کسی دوسری چیز میں اتنے ہی وقت کی محنت سے بدل لی جائے (باب اول صفحہ 39) (امریکی ترجمہ کے ایڈیٹر کا نوٹ۔ انگریزی زبان میں یہ آسانی ہے کہ اس میں محنت کے مذکورہ دونوں پہلوؤں کے لیے جداگانہ الفاظ ہیں (وہ محنت جو استعمالی قیمت پیدا کرتی ہے اور کیفی اعتبار سے شمار کی جاتی ہے اس کے لیے ورک (کام) کا لفظ ہے جو کہ لیبر سے ذرا ممتاز ہے۔ جبکہ وہ محنت جو قیمت پیدا کرتی ہے اور کمی طور پر شمار کی جاتی ہے۔ لیبر کہلاتی ہے جو ''ورک'' سے ممتاز ہے)

(اردو مترجم کا نوٹ) مارکس نے اس باب کے شروع میں دعویٰ کیا تھا کہ محنت دو جداگانہ خصوصیات رکھتی ہے اور یہ کہ ان خصوصیات کی طرف سب سے پہلے توجہ مبذول کرنے والا میں ہوں۔ پورے باب میں مارکس نے اس دعوے کو ثابت کیا ہے۔ مارکس نے محنت کی جن دو جدا خاصیتوں کا ذکر کیا ہے امریکی مترجم کا کہنا ہے کہ وہ انگریزی لفظ ورک اور لیبر سے بہتر طور پر ظاہر کی جا سکتی ہیں۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ مارکس نے محنت کی جن دو خصوصیات کو ظاہر کیا ہے۔ ان میں سے ایک خصوصیت محنت من حیث المحنت والی ہے اور دوسری محنت کی یہ حیثیت کہ وہ ایک مخصوص کام یعنی استعمالی قیمت میں ظاہر ہوتی ہے۔ ظاہر ہے محنت کی یہ دو جداگانہ نوعیتیں لفظ ورک اور لیبر سے ظاہر نہیں کی جا سکتیں انہیں محنت محض اور محنت مخصوصہ جیسی اصطلاحات سے زیادہ بہتر طور پر ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ یاد رہے یہاں محنت مخصوصہ سے مراد استعمالی محنت ہے)۔

کسی شے کے خواص اُن کے دوسری اشیاء سے تعلق کا نتیجہ نہیں ہوتے بلکہ وہ صرف دوسری اشیاء سے تعلق کے ذریعے ہی ان کا اظہار کر سکتے ہیں۔ منعکسہ مقولات ہیگل

فصل سوم

قیمت کی شکل یا مبادلاتی قیمت

اجناس: استعمالی قیمتوں۔اشیاء یا سامان (جیسے لوہا۔کپڑا یا اناج) کی ہیئت اختیار کر کے وجود پذیر ہوا کرتی ہیں[1]۔ یہ اجناس صرف اس لیے اجناس ہوتی ہیں کہ ان میں دو گونہ خصوصیات پائی جاتی ہیں یعنی وہ بیک وقت قابل استعمال چیزیں بھی ہوتی ہیں اور قیمت کی امین بھی۔ یہی وجہ ہے کہ اشیاء اسی وقت اجناس بنتی یا اجناس کی شکل اختیار کرتی ہیں جب وہ یہ دونوں شکلیں رکھتی ہوں یعنی ایک تو طبعی یا فطری شکل اور دوسرے استعمالی شکل۔

اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اجناس کی قیمت ان کی مادی ماہیت سے مختلف ہوتی ہے کہ ہم یہ نہیں جانتے کہ اس قیمت اجناس کو اشیاء میں کہاں ڈھونڈیں۔اجناس کی معمولی مادی حقیقت سے ان کی قیمت بالکل مختلف ہوتی ہے اور قیمت کی تشکیل میں مادہ کا کوئی بھی جز و شرکت نہیں کرتا۔آپ کسی بھی جنس کو کسی قدر بھی گھما پھرا کر کیوں نہ دیکھ لیں، مگر اشیاء کی وہ حیثیت جس کا نام قیمت ہے لاکھ ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے گی البتہ اگر آپ یہ بات پیش نظر رکھیں کہ اشیاء کی قیمت ایک خالص سماجی حقیقت ہے اور یہ کہ اشیاء صرف اس حیثیت میں قیمت بنتی ہیں کہ وہ ایک یکساں سماجی جوہر یعنی انسانی محنت کا مظہر یا مجسمہ ہیں تو منطقی طور پر یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قیمت صرف اس رشتہ ہی میں

---

[1] یعنی مطلب یہ کہ اشیاء یا سامان وغیرہ کے بغیر اجناس کا وجود نہیں ہو سکتا۔ مترجم)

ظاہر ہوتی ہے جو ایک جنس دوسری جنس سے رکھتی ہے۔ ہم نے بحث کا آغاز ہی مبادلاتی قیمت یعنی مبادلاتی رشتہ کے مباحثہ سے کیا تھا تا کہ اس قیمت کو پالیں جو اس مبادلاتی رشتہ کے پیچھے چھپی رہتی ہے۔ آیئے اب اس قیمت کی اسی شکل کی طرف لوٹیں جس میں قیمت پہلی بار ہمیں نظر آئی تھی۔

کوئی کچھ بھی نہ جانتا ہو مگر اتنا تو سب ہی جانتے ہیں کہ اجناس ایک ایسی قیمتی[1] شکل رکھتی ہیں جو سب میں مشترک ہوتی ہے اور جو واضح طور پر ممتاز ہوتی ہے ان اجناس کی استعمالی قیمتوں کی متبدل جسمانی اشکال سے یہاں میری مراد ہے اجناس کی شکل زر سے' اس سلسلہ میں ہمیں جس فرض کو انجام دینا ہے بورژوا معاشیات نے اس کو انجام دینے کی ابھی تک کوشش بھی نہیں کی۔ وہ فرض ہے اس شکل زر کی ابتداء کا معلوم کرنا۔ اجناس کے مابین قیمتی[2] رشتہ میں جو قیمت موجود ہوتی ہے اس کے اظہار کو بالکل سادہ تقریباً ناقابل مرئی حد سے اجاگر کرتے کرتے خود زر کی خیرہ کن شکل تک پہنچنے تک کے مراحل کو واضح کرنا۔ ظاہر ہے اس فرض کی انجام دہی کے دوران ہم ساتھ ہی اس گتھی کو بھی سلجھالیں گے جو زر کے مفہوم کی پیچیدہ نوعیت پیش کرتی ہے۔

ظاہر ہے قیمت کا زیادہ سے زیادہ سادہ رشتہ وہ رشتہ ہے جو کسی ایک جنس اور کسی دوسری مختلف قسم کی جنس کے درمیان ہوتا ہے اور جب صورت یہ ہے تو یہ بات صاف ہے کہ دو اجناس کی قیمتوں کے درمیان جو رشتہ پایا جاتا ہے وہ ہمارے لیے کسی بھی ایک جنس کی قیمت کے سادہ تر ذریعہ اظہار کی حیثیت رکھتا ہے۔

---

[1] یہاں بھی لفظ قیمت صرف قیمت کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے مبادلاتی یا استعمالی قیمت کے مفہوم میں نہیں۔ مترجم)

[2] دو اجناس کی قیمت کے درمیان جو نسبت پائی جاتی ہے وہ دراصل وہ رشتہ ہے جو قیمت دو اجناس کے درمیان پیدا کرتی ہے اس کو مارکس نے قیمتی رشتہ سے تعبیر کیا ہے۔ مترجم)

(الف) قیمت کی ابتدائی یا عارضی شکل

الف قسم کی کوئی **د** جنس = **ب** قسم کی **ی** جنس کے

یا یوں کہئے کہ

الف قسم کی **د** جنس کی وہی قیمت ہے جو **ب** قسم کی **ی** جنس کی قیمت ہے

جیسے

20 گز کپڑا = ایک کوٹ کے

یعنی

20 گز کپڑے کی وہی قیمت ہے جو ایک کوٹ کی قیمت ہے

(1) قیمت کے اظہار کی دو نہایتیں۔ نسبتی شکل اور مساواتی شکل

قیمت کی شکل کا سارے کا سارا راز ہی دراصل اس ابتدائی شکل میں پنہاں ہے اس لیے ہمارے سامنے جو سب سے زیادہ مشکل کام ہے وہ یہی ہے کہ اس ابتدائی شکل کا تحلیل و تجزیہ کریں۔

یہاں اجناس کی دو مختلف قسمیں (جیسے ہماری مذکورہ مثال میں کپڑا اور کوٹ) دو مختلف فرض انجام دیتی ہیں۔ کپڑا اپنی قیمت کوٹ کی شکل میں ظاہر کرتا ہے اور کوٹ اس مواد کی حیثیت رکھتا ہے جس میں قیمت ظاہر ہوتی ہے۔ کپڑا فعلی اور کوٹ انفعالی فرض انجام دیتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ کپڑے کی نسبتی قیمت یعنی وہ قیمت ہے جو نسبتی شکل میں ظاہر ہوتی ہے اور کوٹ قیمت کی مساوات پیدا کرنے کا کام دیتا ہے یعنی مساواتی شکل میں ظاہر ہوتا[1] ہے۔

---

[1] اس اجمال کی تفصیل بعد کی عبارت میں آ رہی ہے اس لیے اگر اس میں ابہام نظر آئے تو آئندہ عبارت کا مطالعہ کرنے کے بعد اسے بار دگر ملاحظہ فرما لیجئے۔ (مترجم)

قیمت کی نسبتی اور مساواتی شکلیں قیمت کے ذریعہ اظہار کے دو ایسے عنصر ہیں جو ایک دوسرے سے قریبی طور پر مربوط۔ ایک دوسرے پر منحصر اور قطعی لاینفک اجزاء کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن اسی کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ یہ دونوں عنصر آپس میں ایک دوسرے سے جدا اور متضاد نہایتیں بھی ہیں۔ یعنی یہ ایک ہی ذریعہ اظہار (قیمت) کی دو جدا نہایتیں ہیں۔ یہ دونوں جدا عنصر (یعنی نسبتی شکل اور مساواتی شکل) علی الترتیب دو ایسی اجناس کے حصہ میں آئے ہیں جن کے درمیان قیمت کے ذریعہ اظہار نے رشتہ پیدا کر دیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے ممکن نہیں کہ کپڑے کی قیمت کپڑے سے ظاہر کی جائے۔ 20 گز کپڑا برابر ہے 20 گز کپڑے کے کہہ کر آپ قیمت ظاہر نہیں کرتے۔ یہ مساوات تو بس اتنا ہی بتاتی ہے کہ 20 گز کپڑا 20 گز کپڑے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے یعنی وہ کپڑے کی استعمالی قیمت کی ایک مقررہ مقدار ہے اور بس۔ رہی کپڑے کی قیمت سو وہ صرف نسبتی شکل میں یعنی کسی دوسری جنس کی نسبت ہی سے ظاہر کی جا سکتی ہے۔ اسی طرح کپڑے کی نسبتی قیمت میں کسی دوسری جنس کے وجود کا جو مساواتی عنصر کی شکل رکھتی ہو۔ جیسے ہماری مثال میں کوٹ ہے پہلے سے فرض موجود رہتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ وہ جنس جو مساواتی عنصر کی حیثیت سے سامنے آتی ہے مساواتی عنصر ہونے کے ساتھ ہی نسبتی شکل میں ظاہر نہیں ہو سکتی۔ یہ دوسری جنس (ہماری مثال میں کوٹ۔ مترجم) وہ جنس نہیں ہے جس کی قیمت ظاہر کی جا رہی ہے یہاں اس کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ایک ایسے مواد کی حیثیت رکھتی ہے جس کے ذریعہ پہلی جنس کی قیمت ظاہر کی جاتی ہے۔

کوئی شبہ نہیں یہ کہنا کہ 20 گز کپڑا برابر ہے ایک کوٹ کے یا 20 گز کپڑے کی وہی قیمت ہے جو ایک کوٹ کی ہے۔ اس مساوات کا مخالف رشتہ بھی ساتھ ہی بتاتا ہے یعنی آپ یہ بھی تو کہہ سکتے ہیں کہ ایک کوٹ برابر ہے 20 گز کپڑے کے یا ایک کوٹ کی وہی قیمت ہے جو 20 گز کپڑے کی ہے۔ لیکن اس صورت میں کوٹ کی نسبتی قیمت ظاہر کرنے کے لیے پوری مساوات ہی کو الٹ دینا پڑے گا مگر مساوات کے الٹ

جانے کی حالت میں کوٹ مساواتی عنصر کے طور پر باقی نہ رہے گا بلکہ کپڑا مساواتی عنصر بن جائے گا۔ بہر حال نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ کوئی بھی ایک جنس قیمت ظاہر کرنے کی کسی ایک مساوات میں بیک وقت دونوں عنصر (مساواتی و نسبتی) نہیں بن سکتی۔ اس مساوات کی دونوں نہایتیں ہی ان دونوں کو جدا جدا رکھنے کا باعث ہیں۔

اب رہا یہ امر کہ کوئی جنس کب نسبتی شکل میں ظاہر ہوتی ہے یا اس کے برعکس کب مساواتی شکل میں سو اس کا انحصار قیمتی مساوات میں اس جنس کے اتفاقاً کسی جگہ آنے پر ہے۔ یعنی یہ بات منحصر ہے اس امر پر کہ متعلقہ جنس آیا وہ جنس ہے جس کی قیمت ظاہر کی جارہی ہے یا وہ جنس جس کے ذریعہ قیمت ظاہر کی جارہی ہے۔

(2) قیمت کی نسبتی[1] شکل

الف۔ اس شکل کی ماہیت اور اہمیت

دو اجناس میں قیمت کا جو رشتہ پایا جاتا ہے اسی رشتہ میں قیمت جنس کی ابتدائی

---

[1] جب دو چیزوں کپڑے اور کوٹ کو ایک دوسرے سے مساوی قرار دیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ کپڑے کی وہی قیمت ہے جو کوٹ کی۔ تو ان دونوں میں جو رشتہ قائم ہوتا ہے وہ یہ رشتہ ہے کہ کوٹ وہ اکائی ہے جس سے کپڑے کو مساوی قرار دیا گیا ہے اور کپڑا وہ اکائی جس کو مساوی کیا گیا ہے۔ کپڑے اور کوٹ کے اس رشتہ میں کپڑے کی جو قیمت ہے وہ کوٹ کی نسبت سے ظاہر ہوئی اس لیے اسے نسبتی قیمت کہا جاتا ہے۔ نسبتی قیمت کا یہ مفہوم خاص طور پر پیش نظر رکھنے اور اپنے ذہن میں بٹھانے کی ضرورت ہے۔ ذہن میں یہ چیز بٹھانے کی ہے کہ نسبتی قیمت دو چیزوں کے رشتہ سے پیدا ہوتی ہے اس لیے جہاں بھی نسبتی قیمت کی اصطلاح استعمال ہوگی وہاں رشتہ کا مفہوم ساتھ رہے گا۔ آئندہ صفحات کی بحث میں نسبتی قیمت کی اصطلاح بار بار استعمال ہوئی ہے اس لیے اس کو پوری طرح ذہن نشین کر لینا اس تمام بحث کو سمجھنے کے لیے از بس ضروری ہے۔ مترجم)

نمود کیونکر چھپی ہوتی ہے اس کو معلوم کرنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے جو کام کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ ہم ان دونوں اجناس کے قیمتی رشتہ کو ان اجناس کے کمی پہلو سے الگ رکھ کر دیکھیں لیکن عام طور پر جو طریقہ کار ہے وہ اس سے بالکل برعکس ہے۔ قیمت کے رشتہ میں جو کچھ بھی دیکھا جاتا ہے وہ اوسط ہوتا ہے جو دو اقسام کی اجناس (جن کو ایک دوسرے کے مساوی خیال کرلیا گیا ہے) کی مقررہ مقداروں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ جبکہ یہ بات بہ آسانی بھلا دی جاتی ہے کہ مختلف اشیاء کی مقداریں کمی[1] طور پر صرف اسی وقت ایک دوسرے کے متوازی لائی جاسکتی ہیں جب وہ مقداریں کسی ایک ہی یونٹ میں بیان کی جائیں۔ اس ایک یونٹ کی نمود ہونے کی وجہ ہی سے یہ اجناس ایک نوع کی ہوتی ہیں اور اس لیے آپس میں قابل مبادلہ بھی ہوتی ہیں۔

اب 20 گز کپڑا ایک کوٹ کے برابر ہو یا 20 کوٹ کے برابر یا الف کوٹ کے برابر۔ یعنی مطلب یہ کہ کپڑے کی ایک مقررہ مقدار چند کوٹوں کے برابر ہو یا بہت سے کوٹوں کے برابر۔ لیکن اس قسم کا ہر مقولہ جو کچھ بتاتا ہے وہ بس یہی ہے کہ کپڑا اور کوٹ قیمت کی مقداریں ہونے کی حیثیت میں اس نوع کے ذریعہ اظہار ہیں جو ایک ہی یونٹ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس قسم کے تمام بیانوں کی جو اساس ہے وہ یہ مساوات ہے کہ کپڑا برابر ہے کوٹ کے۔ لیکن اس نوع کی دونوں اجناس جن کی خصوصیات میں اس یکسانیت کو فرض کیا جاتا ہے یکساں پارٹ ادا نہیں کرتیں۔ اس لیے کہ یہاں جو کچھ ظاہر کیا گیا ہے وہ کپڑے کی قیمت ہے۔ کپڑے کی یہ قیمت کس طرح ظاہر کی گئی ہے؟ یہ قیمت اس طرح ظاہر کی گئی کہ کپڑے کی قیمت کو کوٹ کی قیمت سے جو اس کے مساوی ہے نسبت دی گئی ہے یعنی ایک ایسی چیز سمجھا گیا ہے جس کا کپڑے سے تبادلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس نسبت میں کوٹ ایک طریقہ ہے قیمت کے موجود ہونے کا۔ وہ عبارت ہے اس قیمت

---

[1] کمی کے مفہوم کی وضاحت اب سے پہلے آچکی ہے۔ (مترجم)

سے جو کوٹ میں مجسم ہوگئی ہے۔ اس لیے کہ یہی تو وہ حیثیت ہے جس کی وجہ سے کوٹ کپڑے جیسا فرض کیا گیا ہے۔ پھر ایک اور بات یہ کہ یہاں کپڑے کی اپنی قیمت پہلے سامنے آتی ہے وہ آزادانہ طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ کپڑا ایک قیمت ہونے کی حیثیت سے کوٹ کے مساوی قرار دیا گیا ہے جو یکساں قیمت رکھتا ہے۔ یا یوں کہئے کہ وہ کوٹ سے مبادلہ کے قابل ہے۔ آیئے اس چیز کو علم کیمیا کی ایک مثال سے سمجھیں۔ کیمیائی مرکب۔ بیوٹرک ایسڈ ایک اور کیمیائی مرکب پرایل سے مختلف مرکب ہے۔ لیکن دونوں یکساں کیمیائی جوہروں کا مجموعہ ہیں یعنی دونوں کاربن (ک) ہائیڈروجن (ہ) اور آکسیجن (آ) سے مرکب ہیں اور ان تینوں عناصر کا اوسط بھی دونوں میں یکساں ہے یعنی ک۴۔ ہ۸۔ آ۲۔ اب اگر ہم بیوٹرک ایسڈ کی پرایل کے مرکب سے مساوات قائم کریں تو ان دونوں مرکبوں کی مساوات کے اس رشتہ میں پہلی بات جو دیکھنے کی ہے وہ یہ کہ یہاں پرایل مرکب اس فارمولا ک۴۔ ہ۸۔ آ۲۔ کے وجود کی ایک شکل[1] ہے۔ اور دوسری بات قابل توجہ یہ ہے کہ ہم یہ مساوات بیان کرکے یہ کہتے ہیں کہ بیوٹرک ایسڈ بھی اسی فارمولا پر مشتمل ہے۔ بہرحال اس طرح ان دونوں مرکبوں کی مساوات بیان کرکے جو کچھ کیا گیا وہ یہ تھا کہ ان دونوں کی صرف کیمیائی تشکیل کو ظاہر کیا گیا۔ رہی ان کی طبعی تشکیل سو اس کی تمام شکلوں کو نظرانداز کردیا گیا۔

اب اگر ہم یہ کہیں کہ اجناس قیمت ہونے کی حیثیت سے محض انسانی محنت کے منجمد ٹکڑے ہیں تو یہ ظاہر ہے ہم اپنے اس تجزیہ و تحلیل کے ذریعہ ان کی مکمل تجرید کرتے ہیں۔ یعنی بالفاظِ دیگر ہم ان کو صرف قیمت کہتے ہیں اور اس قیمت کے ساتھ ہم کسی اور شکل کو سوائے ان کی جسمانی شکل کے ان سے منسوب نہیں کرتے لیکن جب ایک جنس کی قیمت کا رشتہ دوسری جنس کی قیمت سے وابستہ کیا جاتا ہے تو صورتِ حال مختلف ہوتی ہے

---

[1] یعنی یہ کہ یہ فارمولا پرایل مرکب کی شکل میں وجود رکھتا ہے۔ (مترجم)

کہ اس صورت میں پہلی جنس قیمت کی حیثیت اس رشتہ کی وجہ سے حاصل کرتی ہے جو رشتہ دوسری جنس کے ساتھ قائم کیا جاتا ہے۔

کوٹ کو کپڑے کے مساوی قرار دینے کی صورت میں ہم جو کچھ کرتے ہیں وہ صرف یہ ہوتا ہے کہ کوٹ میں جو محنت صرف کی گئی ہے اس کو ہم کپڑے میں جو محنت صرف کی گئی ہے اس کے مساوی قرار دیتے ہیں۔ اب یہ تو بلاشبہ یقیناً صحیح ہے کہ وہ خیاطی جس سے کوٹ بنا ہے اس پارچہ بافی سے جس کے نتیجہ میں کپڑے کا وجود ہوا ہے ایک مختلف قسم کی محنت ہے لیکن جب ان دونوں قسموں کی محنتوں یعنی خیاطی و پارچہ بافی کو ایک دوسرے سے مساوی قرار دیا جاتا ہے تو ان دونوں کو ایک ایسی تیسری چیز کے مساوی قرار دیا جاتا ہے جو محنت کی ان دونوں قسموں میں یکساں رہتی ہے وہ تیسری چیز ہے انسانی محنت جو ان دونوں میں مشترک حیثیت رکھتی ہے۔ مذکورہ پیچیدہ طریقہ سے جس حقیقت کو ظاہر کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ خیاطی اس حیثیت سے کہ وہ ایک قیمت کو پیدا کرتی ہے پارچہ بافی سے مختلف نہیں ہے اور یوں اس حیثیت میں وہ محض مجرد انسانی محنت ہے۔ دو مختلف قسم کی اجناس میں مساوات کا یہ قیام ہی وہ چیز ہے جو قیمت آفرین محنت کی مخصوص نوعیت کو نمایاں کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔ مساوات کا یہ قیام قیمت آفریں محنت کی مخصوص نوعیت کو اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ مساوات اجناس کی مختلف قسموں میں محنت کی جو مختلف قسمیں مجسم ہوتی ہیں ان کو ایک ہی مابہ الاشتراک یعنی مجرد انسانی محنت میں تحلیل[1] کر دیتی ہے۔☆

☆ یعنی مساوات صرف مجرد انسانی محنت کے توازن کو ظاہر کرتی ہے۔ محنت کی نوعیت اور قسم کے پہلو کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ (مترجم)

[1] ممتاز مصنف فرانکلن۔ ڈبلیو۔ ایم۔ پٹی کے بعد وہ پہلا ماہر معاشیات ہے جس نے قیمت کی صحیح ماہیت کو سمجھا اور یہ لکھا کہ "من حیث العموم تجارت اس کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن یاد رہے کہ کپڑے کی قیمت جس محنت پر مشتمل ہے صرف اس کی مخصوص نوعیت کا اظہار ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ کچھ اور بھی ضروری ہے۔ متحرک انسانی قوتِ کار یا انسانی محنت قیمت کو تو پیدا کرتی ہے مگر خود قیمت نہیں ہوتی وہ قیمت تو اسی وقت بنتی ہے جب وہ منجمد حالت میں ہو۔ جب وہ کسی چیز میں مجسم ہوگئی ہو۔ کپڑا اس حیثیت سے کہ وہ انسانی محنت کے منجمد ٹکڑے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی قیمت ظاہر کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ قیمت کو اس طرح ظاہر کیا جائے کہ وہ خارجی وجود رکھتی ہے۔ وہ ایک ایسی چیز ہے جو مادی طور پر خود کپڑے سے مختلف مگر اس کے باوجود کپڑے اور دوسری تمام اجناس میں موجود اور ان میں جاری وساری ہے۔ بہر حال اب اس بحث سے یہ مسئلہ واضح ہو چکا ہے۔

کوٹ اور کپڑا جب قیمت کی مساوات میں مساوی حیثیت کے مالک ہوں تو کوٹ کیفی طور پر کپڑے سے یکساں ہوتا ہے یعنی ایسا جیسے وہ دونوں ایک ہی قسم سے تعلق رکھتے ہوں جس کا سبب یہ ہے کہ وہ دونوں بھی قیمتیں ہیں۔ اس حیثیت میں کوٹ ایک

(بقیہ حاشیہ) علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ محنت کا مبادلہ محنت سے کیا جاتا ہے۔ تمام اشیاء کی قیمت صحیح طور پر محنت ہی سے جانچی جاتی ہے''۔ (بی فرانکلن وغیرہ کے مصنفات مرتبہ اسپارکس بوسٹن 1836 جلد دوسری صفحہ 267) یہاں فرانکلن کو اس بات کا احساس نہیں ہے کہ ہر چیز کی قیمت کا پیمانہ محنت کو قرار دے کر اس نے جو کچھ کیا ہے وہ یہ ہے کہ مبادلہ کی جانے والی محنت کی مختلف اقسام کے درمیان جو فرق پایا جاتا ہے اس کو نظر انداز کر کے اس نے تجرید کی ہے اور یہ تجرید کر کے اس نے محنت کی مختلف قسموں میں سب اختلافات کو نظر انداز کر کے جس چیز کو پیش نظر رکھا ہے وہ یکساں انسانی محنت ہے لیکن اس پہلو سے ناواقف ہونے کے باوجود وہ یہ بات کہتا ہے۔ فرانکلن پہلے تو ''ایک محنت'' کا ذکر کرتا ہے پھر وہ ''دوسری محنت'' کا ذکر کرتا ہے اور آخر میں ''محنت'' کا ذکر کرتا ہے۔ مگر اسی کے ساتھ یہ بھی نہیں کہتا کہ یہ محنت ہر چیز کی قیمت کے جوہر کی حیثیت رکھتی ہے)۔

ایسی چیز ہے جس کی صرف اور محض قیمت کو ہم پیش نظر رکھتے ہیں۔ یا یوں کہئے کہ جن کی ظاہری جسمانی شکل قیمت کی نمائندگی کرتی ہے۔ لیکن رہا خود کوٹ یعنی اس کوٹ نامی جنس کے جسم کا جہاں تک تعلق ہے۔ سو یہ محض استعمالی قیمت ہے۔ کوٹ صرف کوٹ ہونے کی حیثیت سے قیمت کو نہیں بتاتا جس طرح کپڑے کا کوئی وہ ٹکڑا جو آپ کے سامنے رکھا ہے قیمت کو نہیں بتاتا۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب کوٹ اور کپڑے میں قیمتی رشتہ قائم ہوتا ہے تو کوٹ اس سے کچھ زیادہ بتاتا ہے جتنا اس رشتہ کے قائم نہ ہونے کی صورت میں بتاتا۔ ٹھیک اسی طرح جیسے بہت سے آدمی جو شاندار یونیفارم میں گھوم رہے ہوں اس سے کچھ زیادہ اہمیت رکھتے ہیں جتنی سادہ لباس میں گھومتے ہوئے ان کی اہمیت ہوتی ہے۔

یہ لازمی ہے کہ انسانی قوتِ کار خیاطی کی شکل میں کوٹ کی پیداوار میں عملاً صرف ہوئی ہوگی۔ گویا انسانی محنت اس کوٹ میں جمع ہوگئی ہے۔ اس حیثیت کے اعتبار سے کوٹ قیمت کا امین ہے لیکن گو یہ کوٹ اس وقت تک کیوں نہ پہنا جائے جب تک اس کی دھجیاں ہی الگ الگ کیوں نہ ہو جائیں لیکن کوٹ کا یہ آخر وقت تک استعمال بھی یہ ظاہر نہیں کرتا کہ یہ کوٹ قیمت کا امین ہے۔ جبکہ قیمتی رشتہ میں کپڑے کے مساوی ہونے کی حالت میں کوٹ صرف اس حیثیت میں (کہ وہ قیمت کا امین ہے مترجم) وجود رکھتا ہے۔ اس کی اہمیت یہ ہوتی ہے کہ وہ مجسم قیمت ہوتا ہے ایک ایسا جسم ہوتا ہے جو صرف قیمت ہے۔ اب مثلاً الف۔ ب کے لیے اس وقت تک یور میجسٹی (جلالت مآب) نہیں بن سکتا جب تک میجسٹی (جلالت مآبی) الف کی جسمانی شکل میں ب کے سامنے نہ آئے بلکہ اس سے بھی کچھ آگے بڑھ کر یوں کہئے کہ ہر نئے بادشاہ کے بدلنے پر جس طرح نئے بادشاہ کے خدوخال۔ بال اور دوسری بہت سی چیزیں بدلتی ہیں جلالت مآبی کی خصوصیات بھی بدل جاتی ہیں۔

تو بہر حال نتیجہ یہ نکلا کہ قیمتی رشتہ میں جس میں کوٹ کپڑے کے مساوی ہے

کوٹ قیمت کی شکل کی حیثیت سے کام کرتا ہے اور کپڑے نامی جنس کی قیمت۔ کوٹ نامی جنس کے جسم سے ظاہر ہوتی ہے۔ گویا ایک کی قیمت دوسرے کی استعمالی قیمت سے ظاہر ہوتی[1] ہے۔ ایک استعمالی قیمت ہونے کی حیثیت میں کپڑا کوٹ سے واضح طور پر مختلف[2] ہے۔ لیکن صرف قیمت ہونے کی حیثیت میں کپڑا وہی کچھ ہے جو کوٹ ہے۔ بس بات ہے تو یہ کہ یہاں قیمت کوٹ کی شکل میں نمایاں ہوئی۔ اس کے معنی ظاہر ہیں کہ کپڑے کی قیمت کی شکل۔ اس کی طبعی شکل سے ایک مختلف چیز ہے۔ یہ حقیقت کہ کپڑا قیمت ہے اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ کوٹ سے مساوی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے ایک عیسائی کی یہ حیثیت کہ وہ بکری کی حیثیت رکھتا ہے۔ خدائی دنبہ۔ سے اس کی مشابہت سے واضح ہوتی ہے۔

اجناس کی قیمتوں کا تجزیہ کرنے کے بعد ہمیں جو بات معلوم ہوئی تھی وہی بات کپڑے نے بھی ایک دوسری جنس کوٹ سے رابطہ قائم ہونے کے بعد بتائی۔ فرق ہے تو صرف یہ کہ کپڑا اپنی بات ایک ایسی زبان میں بتاتا ہے جس سے وہ واقف ہے یعنی وہ زبان جو اجناس کی زبان ہے۔ چنانچہ یہ بتانے کے لیے کہ اس کی اپنی قیمت صرف اس محنت سے پیدا ہوتی ہے جو اپنی تجریدی حیثیت میں محض انسانی محنت[3] ہے۔ کپڑا یہ ظاہر کرتا ہے کہ کوٹ بھی جو کہ اتنی ہی قیمت رکھتا ہے جتنی کپڑا اور اس لیے ایک قیمت ہے۔ اسی قدر محنت پر مشتمل ہے جتنی کپڑے میں صرف کی گئی ہے اور یہ واضح کرنے کے لیے کہ وہ لطیف تر حقیقت جو قیمت ہونے کی حیثیت سے اس کی ہے اس کی کھردری جسمانی حقیقت سے

---

[1] کسی چیز کی استعمالی قیمت کا تعلق اس چیز کے جسم سے ہوتا ہے اور صرف قیمت کا تعلق اس جنس کے جسم سے نہیں ہوتا اس لیے جنس کوٹ کا استعمالی قیمت ہے جس سے جنس کپڑے کی قیمت ظاہر ہوتی ہے۔ (مترجم)

[2] اس لیے کہ استعمالی قیمت کا تعلق جسم سے ہوتا ہے۔ مترجم)

[3] گو انسانی محنت کسی اس قسم کے تعین بغیر کہ وہ کس قسم کی اور کس شکل کی انسانی محنت ہے بس محض محنت۔ محنت محضہ بشریہ۔ (مترجم)

مختلف ہے۔ وہ یہ بھی بتا رہا ہے کہ زیرنظر بحث میں قیمت کوٹ کی شکل میں نمایاں ہو رہی ہے اور اس لیے اس حیثیت سے کہ کپڑا ایک قیمت ہے وہ اور کوٹ اسی طرح یکساں ہیں جس طرح مٹر کے دو دانے۔ یہاں ہم یہ بھی بتاتے چلیں کہ اجناس کی زبان عبرانی کے علاوہ بہت سی دوسری بولیاں بھی رکھتی ہے جس میں سے بعض زیادہ صحیح اور بعض کم صحیح ہیں مثلاً جرمنی کا لفظ ''ورتھ سائن'' جس کے معنی ہیں قیمت ہونا۔ رومانسی لفظ۔ ویلیر۔ ویلر۔ ویلائر کے مقابل اس حقیقت کو کم صحت سے ادا کرتا ہے کہ ب۔جنس کی الف۔جنس کے ساتھ مساوات قائم کرنا دراصل اپنی حقیقت ظاہر کرنے کے لیے الف جنس کا طریقہ اظہار ہے۔

تو بہرحال نتیجہ یہ نکلا کہ مساوات میں قیمت کا جو رشتہ ظاہر کیا جاتا ہے اس کے ذریعہ۔ ب جنس۔ کی جسمانی شکل۔ الف جنس۔ کی قیمت کی شکل بن جاتی ہے۔ یا یوں کہئے کہ ب جنس۔ کا جسم۔ الف جنس کی قیمت کے لیے آئینہ کا کام[1] دیتا ہے۔ الف جنس۔ ب جنس کے ساتھ اس حیثیت سے کہ ب جنس بنفسہٖ ایک قیمت ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ ایک ایسا مواد ہے جس سے انسانی قیمت بنی ہے۔ رشتہ قائم کرکے ب کی قیمت استعمال کو ایک ایسے جوہر میں بدل دیتی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنی (الف کی) قیمت ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح الف کی قیمت جو ب کی استعمالی قیمت میں ظاہر ہوتی ہے نسبتی قیمت کی شکل حاصل کر جاتی ہے۔

---

[1] ایک طرح اجناس کی مذکورہ حیثیت وہی کچھ ہے جو انسان کی ہے۔ اس لیے کہ جب انسان اس دنیا میں آتا ہے تو وہ عینکیں تو ساتھ لے کر پیدا ہوتا نہیں نہ وہ فشتے فلسفی کی طرح ہوتا ہے جس کے خیال میں۔ میں میں ہوں۔ ہی کافی ہے انسان تو پیدا ہو کر اپنے وجود کا احساس دوسروں کو دیکھ کر اور نہ پہچان کر کرتا ہے۔ زید اپنے انسان ہونے کی حیثیت کا تعین عمر کے ساتھ اپنی شخصیت کا توازن اور عمر کو اپنا جیسا خیال کر کے کرتا ہے۔ اس طرح عمر اپنے وجود اور شخصیت میں زید کے لیے نوع انسانی کا ایک نمونہ بن جاتا ہے۔

ب۔ نسبتی قیمت کا کمّی تعین

ہر جنس جس کی قیمت ظاہر کرنی ہو ایک مقررہ مقدار رکھنے والی کار آمد چیز ہوتی ہے جیسے 15 من اناج یا سو من چائے اور ہر جنس کی مقررہ مقدار انسانی محنت کی ایک متعین مقدار پر مشتمل ہوتی ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ جنس کی قیمتی شکل نہ صرف یہی کہ من حیث العموم قیمت کو ظاہر کرتی ہے بلکہ قیمت کو ایک مقررہ مقدار میں بھی ظاہر کرتی ہے اور اس طرح الف جنس کے ب جنس سے رشتہ میں یعنی کپڑے سے کوٹ کے رشتہ میں آخر الذکر یعنی کوٹ یہی نہیں ہے کہ من حیث العموم ایک قیمت ہے جو کہ کپڑے سے کیفی طور پر مساوی قرار دی گئی ہے بلکہ کوٹ کی مقررہ مقدار (ایک کوٹ) ہوتی ہے جو کپڑے کی ایک مقررہ مقدار (20 گز) سے مساوی کی جاتی ہے۔

یہ مساوات کہ 20 گز کپڑا برابر ہے ایک کوٹ کے یا 20 گز کپڑے کی وہی قیمت ہے جو ایک کوٹ کی' یہ بتاتی ہے کہ قیمتی جوہر (منجمد محنت) کی ایک ہی مقدار دونوں میں موجود ہے۔ یعنی یہ کہ دونوں اجناس میں سے ہر ایک کے بنانے میں محنت یا مدت محنت کی ایک ہی مقدار صرف ہوئی ہے۔ لیکن 20 گز کپڑے یا ایک کوٹ کے بنانے میں جس مدت محنت کا صرف ہونا ضروری ہے وہ خیاطی اور پارچہ بانی کی پیداواری صلاحیت میں تبدیلی سے برابر بدلتی رہتی ہے۔ پیداواری صلاحیت میں ان تبدیلیوں کا قیمت کے نسبتی اظہار کے اس پہلو پر جس کا تعلق کمیت سے ہے کیا اثر پڑتا ہے۔ آیئے اب اس پر غور کریں☆

(ا) فرض کر لیجئے کہ کپڑے کی قیمت [1] بدلتی ہے مگر کوٹ کی قیمت اپنی جگہ

☆ سیدھے سادے الفاظ میں مطلب یہ ہے کہ کپڑے اور کوٹ کی نسبت کے ذریعہ قیمت کا جو نسبتی اظہار ہوتا ہے اس کے کمی یا مقداری پہلو پر پیداواری صلاحیت میں تبدیلیوں کا کیا اثر پڑتا ہے۔ مترجم)

[1] قیمت یہاں اور سابقہ صفحات میں بھی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

رہتی ہے۔ اب اگر مثلاً روئی پیدا کرنے والی زمین کی صلاحیت پیداوار ختم ہوگئی ہوتو کپڑا بنانے میں جو مدت محنت صرف ہوگی وہ بھی دوگنی ہوگی اور یوں کپڑے کی قیمت بھی دوگنی ہو جائے گی اور پھر ہماری مساوات یہ نہ رہے گی کہ 20 گز کپڑا=ایک کوٹ کے بلکہ یہ ہو جائے گی کہ 20 گز کپڑا = دوکوٹ کے اس لیے کہ اب 20 گز کپڑے میں جو محنت صرف ہوئی ہے اس کا صرف آدھا ایک کوٹ میں صرف ہوا ہے۔ لیکن اس کے برعکس اگر پارچہ باف مشین میں بہتری پیدا ہو جانے کی وجہ سے کپڑا بننے کا وقت آدھا ہو جائے تو کپڑے کے دام بھی آدھے ہو جائیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ 20 گز کپڑا برابر ہوگا 1/2 کوٹ کے۔ معلوم اس بحث سے یہ ہوا کہ الف جنس کی نسبتی قیمت یعنی اس کی وہ قیمت جو (ب) جنس کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے اسی اوسط سے بڑھتی یا گھٹتی ہے جس اوسط سے الف کی قیمت گھٹتی یا بڑھتی ہے جبکہ (ب) جنس کی قیمت اپنی جگہ برقرار فرض کی گئی ہے۔

(۲) اب فرض کیجئے کہ کپڑے کی قیمت اپنی جگہ برقرار رہتی ہے اور کوٹ کی قیمت بدلتی ہے۔ اگر مثلاً اون کی فصل خراب ہو جانے کی وجہ سے کوٹ کے تیار کرنے

(بقیہ حاشیہ) بعض جگہ اسی مفہوم میں استعمال ہوئی ہے کہ وہ قیمت جو مقدار کے مطابق متعین ہو یا دوسرے الفاظ میں صرف قیمت کی مقدار)

[1] یہاں مارکس نے اپنی عادت کے برعکس فلسفیانہ صحت کا خیال نہیں رکھا اور نہ روئی پیدا کرنے والی زمین کی صلاحیت پیداوار اور کپڑے کی پیداوار کی مدت محنت میں لازم وملزوم کی نسبت ہے یعنی جتنی صلاحیت پیداوار کم ہوگی اسی نسبت سے کپڑا پیدا کرنے کی مدت محنت بھی بدلے گی۔ یہ نہیں کہ صلاحیت پیداوار ختم ہونے سے مدت محنت صرف دوگنی ہو جائے اس سے کم اور بہت زیادہ بھی ہوسکتی ہے۔ علاوہ بریں مدت کار میں کمی یا اضافہ کا انحصار دوسرے معاشی عوامل پر بھی ہوتا ہے مارکس نے غالباً مفہوم کی وضاحت کے لیے اپنی عادت کے برخلاف فلسفیانہ صحت کا اس مثال میں خیال نہیں رکھا۔ مترجم)

میں جو مدت محنت صرف ہوتی ہے وہ دوگنی ہو جائے تو 20 گز کپڑا ایک کوٹ کے برابر ہونے کے بجائے صرف 1/2 کوٹ کے برابر ہو جائے گا۔ لیکن اس کے برعکس اگر کوٹ کی قیمت آدھی رہ جائے تو 20 گز کپڑا دو کوٹ کے برابر ہو جائے گا۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ اگر الف جنس کی قیمت برقرار رہے تو اس کی وہ قیمت جو (ب) جنس کی نسبت سے ظاہر کی جاتی ہے (ب) جنس کی قیمت کے گھٹنے سے زیادہ اور بڑھنے سے کم ہو جائے گی۔

اب ہم مذکورہ (۱) اور (۲) شقوں کی مختلف حالتوں کا توازن کریں تو یہ محسوس کریں گے کہ نسبتی قیمت کی مقدار میں ایک ہی تبدیلی، دو قطعی مخالف اسباب سے پیدا ہوسکتی ہے۔ 20 گز کپڑا ایک کوٹ کے برابر ہونے کے بجائے دو کوٹ کے برابر یا تو اس لئے ہوسکتا ہے کہ کپڑے کی قیمت آدھی رہ گئی اور یا اس لیے کہ کوٹ کی قیمت دوگنی ہوگئی۔

(۳) اب یہ فرض کیجئے کہ کپڑے اور کوٹ دونوں کے تیار کرنے میں جو وقت لگتا ہے وہ ساتھ ساتھ ایک ہی سمت[1] اور ایک ہی اوسط سے بدلے۔ ایسی حالت میں 20 گز کپڑا ہمیشہ ایک کوٹ کے برابر رہے گا خواہ اس کی قیمتیں کسی قدر بھی کیوں نہ بدل جائیں۔ اس حالت میں ان دونوں کی قیمتوں میں تبدیلی اس وقت معلوم ہوسکتی ہے جب ان دونوں اجناس کی قیمتوں کا کسی تیسری جنس کی قیمت سے موازنہ کیا جائے جس کی قیمت برقرار ہے لیکن اگر مساوی اجناس کی قیمت ایک ساتھ اور ایک ہی اوسط سے گھٹے یا بڑھے تو ان اجناس کی نسبتی قیمتیں غیر مبدل رہیں گی ان کی قیمتوں میں حقیقی تبدیلی اس بات سے معلوم ہوگی کہ ایک مقررہ وقت میں ان اجناس کی زیادہ مقدار پیدا ہوئی یا کم۔

(۴) کپڑا اور کوٹ میں سے ہر ایک میں جو مدت محنت صرف ہوتی ہے ہوسکتا ہے کہ وہ بدلے تو ایک ہی سمت میں مگر تبدیلی کا اوسط مختلف ہو یا پھر یہ ہوسکتا ہے کہ اوسط تو یکساں ہو مگر تبدیلی مختلف سمتوں میں ہو۔ فرق کی ان مختلف قسموں کے ساتھ دونوں کی

---

[1] یعنی زیادتی یا کمی کی سمت میں۔ (مترجم)

قیمتوں میں بھی فرق ہوتا رہے گا۔ ان تمام ممکن تبدیلیوں کا کسی جنس کی نسبتی قیمت پر کیا اثر پڑے گا۔ اسکو مذکورہ پہلی، دوسری اور تیسری حالتوں کے نتائج سامنے رکھ کر دیکھا جا سکتا ہے۔

تو اس طرح قیمتوں کی مقداروں میں حقیقی تبدیلیوں کا جہاں تک تعلق ہے وہ ان قیمتوں کے نسبتی اظہار یعنی اس مساوات میں جو نسبتی قیمت کی مقدار بتاتی ہے نہ واضح طور پر سامنے آتی ہیں اور نہ جامع و مانع طور پر یہ ہو سکتا ہے کہ کسی جنس کی نسبتی قیمت بدل جائے مگر اس کی قیمت اپنی جگہ برقرار رہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی نسبتی قیمت اپنی جگہ برقرار ہے جبکہ اس کی قیمت بدل جائے اور آخری بات یہ کہ قیمت کی مقدار اور اس کے نسبتی اظہار میں ساتھ ساتھ تبدیلی ہونے کے باوجود یہ ہرگز ضروری نہیں کہ ان دونوں کی مقررہ مقدار بھی یکساں رہے[1]

---

[1] قیمت کی مقدار اور اس کے نسبتی اظہار کے درمیان جو یہ ناآہنگی پائی جاتی ہے اس کو عالمی ماہرین معاشیات نے بڑے بڑے معنی پہنانے کی کوشش کی ہے۔ اب اگر مثلاً براڈھرسٹ نے کہا ہے کہ ''جوں ہی آپ یہ مان لیں کہ الف کی قیمت اس لیے گرتی ہے کہ ب کی قیمت جس سے اس کا مبادلہ ہوتا ہے بڑھ گئی ہے جبکہ اس دوران الف پر کم محنت صرف نہیں کی گئی تو آپ کا عام اصول دھڑام سے زمین پر آ گرے گا۔ اس لیے کہ اگر رکارڈو اس بات کو مانے لیتا ہے کہ جب الف کی قیمت ب کی نسبت سے بڑھتی ہے اور ب کی قیمت الف کی نسبت سے گرتی ہے تو وہ اپنے پرشکوہ نظریہ کی جڑیں اکھاڑ دیتا ہے جس کی رو سے کسی جنس کی قیمت ہمیشہ اس محنت سے متعین ہوتی ہے جو اس میں صرف کی جاتی ہے۔ اس لیے کہ اگر یہ صحیح ہے کہ الف کی قیمت میں کوئی تبدیلی نہ صرف یہ کہ ب کی نسبت سے جس سے اس کا تبادلہ ہوتا ہے الف کی جو قیمت ہے اس کو ہی بدل دیتی ہے بلکہ خود ب کی اس قیمت کو بھی بدل دیتی ہے جو الف کی نسبت سے اس کی ہوتی ہے تو نہ صرف یہ کہ یہ نظریہ ہی کہ کسی چیز پر محنت کی جو مقدار صرف کی گئی ہے اس سے اس چیز کی محنت کا تعین ہو جاتا ہے ٹوٹ جائے گا بلکہ یہ نظریہ بھی ٹوٹ جائے گا کہ کسی چیز کے بنانے میں جو صرفہ اٹھتا ہے اسی سے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(3) قیمت کی مساوی شکل

ہم نے سابقہ بحث میں یہ بات نوٹ کی کہ الف جنس (کپڑا) ایک ایسی جنس (کوٹ) کی استعمالی قیمت میں جو اس سے مختلف ہے اپنی قیمت ظاہر کرنے کے ساتھ ہی اس مختلف القسم جنس (کوٹ) میں ایک خاص قسم کی قیمت بھی پیدا کر دیتی ہے۔ یہ خاص قسم کی قیمت ہے۔ مساوات ظاہر کرنے والی قیمت۔ کپڑا۔ جنس۔ اپنی یہ خصوصیت کہ وہ قیمت رکھتی ہے جس حقیقت کے ذریعہ ظاہر کرتی ہے وہ یہ حقیقت ہے کہ اسے کوٹ کے مساوی قرار دیا گیا ہے لیکن یاد رہے کہ اس مساوات کے دوران دو کوٹ کی کوئی ایسی قیمت جو اس کی جسمانی شکل سے الگ ہو پیدا نہیں ہوتی۔ یہ حقیقت کہ کپڑا ایک قیمت رکھتا ہے وہ اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ کوٹ کپڑے سے براہِ راست قابلِ مبادلہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کوئی جنس مساویانہ شکل[1] رکھتی ہے تو ہم اس حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں کہ وہ جنس دوسری اجناس سے براہ راست قابل مبادلہ ہے۔ جب ایک جنس۔ جیسے کوٹ۔ کسی دوسری جنس جیسے کپڑے کے لیے مساوات ظاہر

(بقیہ حاشیہ) اس چیز کی محنت متعین ہوتی ہے (جے برڈھرسٹ۔ فلسفہ معاشیات۔ لندن 1842 صفحات 11 و 14) مسٹر براڈھرٹ اگر یہ بات کہہ سکتے ہیں تو وہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ۔ اس مثال میں چونکہ ان کسروں 10/20، 10/50، 10/100 وغیرہ میں دس کا عدد اپنی جگہ علیٰ حالہ برقرار رہتا ہے جب کہ اس کی متناسب مقدار یعنی وہ مقدار جو کہ 10-20 اور 100 وغیرہ اعداد کی نسبت سے اس دس کے عدد کی ہے برابر کم ہوتی رہتی ہے اس لیے یہ عظیم اصول بھی کہ ایک پورے عدد جیسے دس ہے کہ مقدار اس تعداد سے متعین ہوتی ہے جس تعداد میں اکائی (ا) اس عدد میں شامل ہوتی ہے ٹوٹ گیا۔ مارکس نے اس باب کی چوتھی فصل کے پہلے نوٹ میں یہ بتایا کہ عالمی معاشیات سے اس کی کیا مراد ہے۔ (انگریزی مرتب)۔

[1] یعنی یہ کہ وہ کسی دوسری جنس کے مساوی ہو سکتی ہے

کرنے والی اکائی کا کام کرتی ہے اور اس طرح تمام کوٹ یہ خصوصیت حاصل کر جاتے ہیں کہ وہ براہ راست کپڑے سے قابلِ مبادلہ ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں ہم یہ بات نہیں جان پاتے کہ یہ دونوں کس اوسط سے آپس میں قابل مبادلہ ہوتے ہیں اگر کپڑے کی قیمت مقدار[1] میں دی گئی ہوتو قابل مبادلہ ہونے کا اوسط کوٹ کی قیمت پر منحصر ہوگا۔ اب رہا کوٹ کی قیمت کا سوال تو گو کوٹ کو مساوات ظاہر کرنے والی[2] اکائی قرار دیا جائے اور کپڑے کو نسبتی قیمت ظاہر کرنے والی اکائی یا پھر کپڑے کو مساوات ظاہر کرنے والی اکائی قرار دیا جائے اور کوٹ کو نسبتی قیمت ظاہر کرنے والی اکائی مگر کوٹ کی قیمت کی مقدار قطع نظر اس امر کے کہ اس کی قیمتی شکل کیا ہے۔ اس محنت سے متعین ہوگی جو کوٹ کو تیار کرنے میں صرف ہوتی ہے۔ البتہ جب کوٹ۔ قیمت کی اس مساوات میں مساوات ظاہر کرنے والی اکائی بن جاتا ہے تو اس کی قیمت مقداری شکل میں ظاہر نہیں ہوتی بلکہ اس کے برعکس کوٹ جنس ایک چیز کی ایک متعین مقدار ہوتی ہے۔

بطور مثال چالیس گز کپڑے کو لیجئے۔ اس کی قیمت کتنی ہے؟ دو کوٹ کے برابر! اب چونکہ یہاں کوٹ جنس ایک ایسی اکائی ہے جس سے مساوات ظاہر کی جارہی[3] ہے یعنی یہ کہ کوٹ کی استعمالی قیمت۔ کپڑے کی قیمت کے مقابلہ کی وجہ سے ایک ایسی چیز بنی ہوئی ہے جس میں قیمت سموئی ہوئی ہے تو یہ ممکن ہے کہ کوٹ کی متعین مقداریں[4] کپڑے

---

[1] یعنی وزن میں دی گئی ہو۔ مترجم)

[2] کپڑے اور کوٹ کی قیمتی مساوات میں دو اکائیاں ہوتی ہیں۔ ایک وہ اکائی جس سے مساوات ظاہر کی جاتی ہے اور دوسری وہ جنس کو پہلی کے مساوی قرار دیا جاتا ہے انہیں دنوں کا یہاں ذکر ہے۔ مترجم)

[3] یعنی جنس سے کپڑے کو مساوی قرار دیا گیا ہے۔ مترجم)

[4] یعنی دو کوٹ۔ مترجم)

میں قیمت متعین مقدار کو بتانے کے لیے کافی ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ دوکوٹ چالیس گز کپڑے کی قیمت کی جو مقدار ہے اسے بتاتے ہیں لیکن یہ دوکوٹ اس مساوات کے دوران خود اپنی قیمت کو کبھی ظاہر نہیں کرتے[1] ۔لیکن اس حقیقت یعنی یہ حقیقت کہ قیمت کی مساوات میں صرف وہی اکائیاں جو مساوات ظاہر کرنے کا کام کرتی ہیں کسی چیز کی استعمالی قیمت کی سادہ سی مقداروں کی حیثیت سے سامنے آتی ہیں اور وہ اکائیاں جن کی قیمت ظاہر کی جاتی ہے سامنے نہیں آتیں) کے سطحی مطالعہ نے بیلی ۔اور اس سے قبل و بعد دوسروں کو بھی اس غلط فہمی میں ڈال دیا کہ قیمت کے اس مساواتی اظہار میں محض مقداری رشتہ پایا جاتا ہے حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جب کوئی جنس مساوات ظاہر کرنے والی اکائی کا کام کر رہی ہوتی ہے تو اس حالت میں خود اس کی اپنی قیمت کے مقداری تعین کا اظہار نہیں ہوتا۔اس قیمت ظاہر کرنے والی اکائی کی شکل پر غور کرتے ہوئے اس کی سب سے پہلی خصوصیت جو ہمارے سامنے آتی ہے یہ ہے کہ۔استعمالی قیمت مخالف اکائی کی قیمت کے اظہار کا ذریعہ اس اظہار کی محسوس شکل بن جاتی ہے۔

اس طرح جنس کی جسمانی ہیئت اس کی قیمتی شکل بن جاتی[2] ہے لیکن یہ بات خاص طور پر پیش نظر رکھئے کہ کسی بھی ب[3]جنس کی یہ مذکورہ خصوصیت صرف اس وقت پیدا

---

[1] یعنی جب ہم یہ کہتے ہیں کہ چالیس گز کپڑا دوکوٹ کے برابر ہے تو مساوات ظاہر کرنے والی اکائی یعنی دوکوٹ ۔صرف کپڑے کی قیمت کو بتاتی ہے خود اپنی قیمت کو نہیں بتاتی جس کے معنی یہ ہوئے کہ مساوات ظاہر کرنے والی اکائی صرف متقابل اکائی کی قیمت بتاتی ہے خود اپنی قیمت نہیں بتاتی۔(مترجم)

[2] اس کی وضاحت آئندہ بحث میں ہو جائے گی۔(مترجم)

[3] وہ جنس جو مساوات ظاہر کرنے والی اکائی ہو جیسے کپڑے کو کوٹ سے مساوی کرنے میں کوٹ مساوات ظاہر کرنے والی اکائی ہے۔مترجم)

ہوتی ہے جب کوئی بھی الف جنس قیمتی مساوات کے رشتہ میں اس سے وابستہ کیا جائے اس لیے کہ یہ تو ہونے سے رہا کہ کوئی جنس خود اپنی ذات کے ساتھ مساوات کے رشتہ میں وابستہ ہو جائے اور اپنی جسمانی ہیئت کو خود اپنی قیمت کے ذریعہ اظہار کے طور پر بنائے بہر حال ہر جنس مجبور ہے کہ کسی دوسری جنس کو مساوات ظاہر کرنے والی اکائی کے طور پر چنے اور الف دوسری جنس کی استعمالی قیمت یعنی اس کی جسمانی ہیئت کو اپنی قیمت کے اظہار کی شکل کے طور پر قبول کرے۔

اجناس کے لیے مادی اشیاء ہونے کی حیثیت سے ان کے استعمالی قیمتیں ہونے کی حیثیت سے ہم جو پیمانے استعمال کرتے ہیں ان میں سے صرف ایک پیمانے کو لے لیجئے جس سے یہ نکتہ واضح ہو جائے گا۔ شکر کا ڈلا ایک جسم ہے۔ بھاری ہے اور اس لیے وزن رکھتا ہے لیکن ہم اس کے وزن کو نہ دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں[1] اب لوہے کے ان مختلف ٹکڑوں کو لیجئے جن کے اوزان پہلے سے متعین کر دیے گئے ہیں۔ لوہے کے ان ٹکڑوں میں سے کوئی بھی ٹکڑا اس حیثیت سے کہ وہ لوہا ہے وزن کے اظہار کی شکل۔ وزن کے اظہار کا ذریعہ نہیں ہے جس طرح شکر کا ڈلا بھی وزن کے اظہار کی کوئی شکل نہیں ہے لیکن اس کے باوجود ہم شکر کے ڈلے کا وزن ظاہر کرنے کے لیے اس ڈلے کو لوہے کے کسی ٹکڑے کے ساتھ وزن کے رشتہ میں وابستہ کر دیتے ہیں' وزن کے اس رشتہ میں لوہے کا یہ ٹکڑا ایک ایسے جسم کی حیثیت سے کام کرتا ہے جو سوائے وزن کے اور کچھ ظاہر نہیں کرتا۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ لوہے کی ایک متعین مقدار شکر کے پیمانے کے طور پر کام کرتی ہے اور اس شکر کے ڈلے سے جو رشتہ قائم ہوتا ہے اس میں مجسم وزن یعنی وزن کے اظہار کی شکل بن جاتی ہے۔ لوہے کے یہ ٹکڑے مذکورہ کام صرف اس وقت انجام دیتے ہیں جب وہ وزن کے اس رشتہ میں وابستہ ہوں جس میں شکر یا کوئی بھی وہ جسم جس کا

---

[1] یاد رہے ہم جس چیز کو دیکھتے یا چھوتے ہیں وہ جسم ہے وزن نہیں۔ مترجم)

وزن معلوم کرنا ہواس رشتہ کی دوسری اکائی بنے۔ اگر شکر اور لوہے کے ٹکڑے بھاری نہ ہوتے تو ان دونوں میں یہ رشتہ بھی قائم نہ ہوسکتا اور اس لیے ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے وزن کا ذریعہ اظہار بھی نہ بن سکتا۔ جب ہم ان دونوں کو ترازو میں رکھتے ہیں تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جہاں تک صرف وزن کا تعلق ہے یہ دونوں فی الحقیقت یکساں ہیں اور یوں اگر دونوں متعین مقداروں میں لیے جائیں تو دونوں کا وزن یکساں ہوتا ہے تو ٹھیک اسی طرح جیسے لوہا وزن کے پیمانے کی حیثیت سے شکر کے ڈلے کے ساتھ رشتہ میں وابستہ ہوجانے کے بعد صرف اور محض وزن ہوتا ہے اسی طرح قیمت کے اظہار کی صورت میں ایک مادّی چیز کوٹ کپڑے سے رشتہ قائم ہونے کی صورت میں صرف قیمت ہی کو ظاہر کرتا ہے۔

لیکن یاد رکھیے کہ مذکورہ تشبیہ صرف اسی نقطہ پر آ کر ختم ہوجاتی ہے اس لیے کہ یہ لوہا شکر کے وزن کو ظاہر کرنے کی صورت میں ایک ایسی فطری خصوصیت کو بتاتا ہے جو شکر اور لوہے دونوں میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے یعنی ان دونوں کا وزن لیکن اس کے برخلاف کوٹ کپڑے کی قیمت ظاہر کرنے کی صورت میں اپنی اور کپڑے کی ایک غیر فطری خصوصیت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ ایک ایسی خصوصیت کو جو محض سماجی حیثیت رکھتی ہے یعنی ان دونوں کی قیمت۔

چونکہ کسی جنس۔ جیسے کپڑے کی قیمت کی نسبتی شکل[1] اس جنس (کپڑے) کی قیمت کو اس حیثیت سے ظاہر کرتی ہے کہ یہ قیمت خود کپڑے کے اپنے جوہر اور خصوصیات سے ایک قطعی مختلف چیز ہے گویا وہ بطور مثال کوٹ جیسی ہے۔ تو اس اندازِ بیان ہی سے یہ صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ تہہ میں کوئی سماجی رشتہ ضرور موجود ہے لیکن[2] مساویاتی شکل

---

[1] قیمت کی وہ شکل جو دو چیزوں میں قیمت کی مساوات قائم کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ مترجم)

[2] کپڑے اور کوٹ کے قیمتی رشتہ میں جب ہم یہ کہتے ہیں کہ کپڑا کوٹ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں صورتِ حال اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ اس شکل کی جوہری خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ خود مادی جنس۔ کوٹ۔ اپنی مادی حیثیت میں قیمت کو ظاہر کرتی ہے اور فطری طور پر قیمت کی اس شکل کو اپنے میں سموئے ہوئے ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ یہ صورت صرف اس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک یہ قیمتی رشتہ باقی رہتا ہے جس میں کوٹ کپڑے کی مساواتی اکائی[1] ہونے کا کام[2] کرتا ہے

اب چونکہ کسی چیز کی خصوصیات دوسری چیزوں سے اس کے جو رشتے ہوتے ہیں ان سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ صرف ان رشتوں کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہیں۔ اس لیے کچھ ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ کوٹ مساواتی قیمت کی شکل یعنی اپنی یہ خصوصیت کہ وہ براہ راست قابلِ مبادلہ ہے اسی قدر فطری طور پر رکھتا ہے جس قدر وہ بھاری ہونے یا ہمیں گرمی پہنچانے کی خصوصیات کا فطری طور پر مالک ہوتا ہے۔ یہی وہ غلط فہمی ہے جو یہ بتاتی ہے کہ کیوں قیمت کی مساواتی شکل ایک معمہ بن کر رہ گئی ہے اور کیوں اس وقت تک بورژوا معاشی اس کو نہیں پہچان پاتا جب تک وہ پوری طرح ترقی پا کر زر کی صورت میں سامنے نہیں آ جاتی۔ زر کی صورت میں آ جانے پر بورژوا معاشی سونے اور چاندی کی

(بقیہ حاشیہ) کے مساوی ہے تو کپڑے کی قیمت نسبتی قیمت ہوتی ہے اور کوٹ کی قیمت مساواتی قیمت۔ بالفاظ دیگر مذکورہ قیمتی رشتہ میں اس اکائی کی قیمت مساواتی قیمت ہوتی ہے جو کسی کی مساوات ظاہر کرتی ہے اور اس اکائی کی قیمت نسبتی قیمت ہوتی ہے جس کی مساوات ظاہر کی گئی ہے۔ مترجم)

[1] یعنی وہ اکائی جس سے دوسری جنس کی قیمت ظاہر کی جاتی ہے۔ مترجم)

[2] رشتہ کا یہ انداز بھی عام طور پر ایک بڑی دلچسپ چیز ہے۔ ہیگل اس رشتہ کو انعکاسی حقیقت سے تعبیر کرتا ہے۔ اب مثلاً ایک شخص صرف اس لیے بادشاہ ہے کہ دوسرے اشخاص اس سے محکوم ہونے کا رشتہ رکھتے ہیں جبکہ اس کے برعکس محکوم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس لیے محکوم ہیں کہ ایک شخص ان کا بادشاہ ہے۔ (مارکس کا نوٹ)۔

پراسرار نوعیت کو واضح کرنے کے لیے ان دونوں کی جگہ کم چمکیلی اجناس کو رکھ لیتا ہے اور روز افروں اطمینان کے ساتھ ان تمام ناممکن اجناس کی فہرست کو دہراتا رہتا ہے جو کسی نہ کسی وقت مساواتی اکائی بننے کا فرض انجام دیتی رہتی [1]ہیں۔ اس بے چارے بورژوا معاش کو اس بات کا ذرا سا بھی اندازہ نہیں کہ قیمت کے اس بالکل سادہ اور سہل تر ذریعہ اظہار یعنی 20 گز کپڑا یا ایک کوٹ کے ہی میں مساوی قیمت کی اس گتھی کا صاف ساحل موجود ہے۔

وہ جنس جو مساوات ظاہر کرنے والی اکائی کے طور پر کام کرتی ہے اس کا جسم محنت محضہ بشریہ کے محسوس مادّی شکل اختیار کر لینے کی حیثیت رکھتا ہے اور ساتھ ہی وہ ایک مخصوص اور محسوس کارآمد محنت کی پیداوار بھی ہوتا ہے اور اس طرح یہ محسوس کارآمد محنت۔ محنت محضہ بشریہ کے اظہار کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اب اگر ایک طرف کوٹ۔ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ محنت محضہ بشریہ کے جسمانی شکل میں آ جانے سے عبارت ہے تو دوسری طرف خیاطی بھی فی الواقع جو اس کوٹ میں مجسم ہوگئی ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ صرف ایک ایسی شکل ہے جس کے ذریعہ محنت محضہ بشریہ نے جسمانی ہیئت اختیار کر لی ہے۔ کپڑے کی قیمت کے اظہار کی حالت میں خیاطی کی افادیت اس بات میں مضمر نہیں ہے کہ وہ ملبوسات بنانے کا کام کرتی ہے بلکہ اس کی افادیت اس بات میں مضمر ہوتی ہے کہ وہ ایک ایسی چیز بناتی ہے جس کو ہم پہلی فرصت میں پہچان لیتے ہیں کہ وہ ایک قیمت ہے اور قیمت ہونے کی وجہ سے ایک ایسا جسم ہے جس میں محنت جذب ہوگئی ہے۔ لیکن یہ وہ محنت ہے جو اس محنت سے جو کپڑے کی قیمت میں موجود ہے کوئی امتیاز نہیں رکھتی۔ خیاطی کی محنت قیمت کا اس حیثیت سے آئینہ ہونے کی صورت میں اپنی اس تجریدی خصوصیت کے علاوہ کہ وہ عمومی انسانی محنت ہے اور کچھ بھی نہیں بتاتی۔

خیاطی اور اسی طرح پارچہ بافی میں انسانی محنت صرف کی جاتی ہے اس لیے

---

[1] جس طرح آج سونا اور چاندی مساواتی اکائی بننے کا فرض انجام دیتے ہیں۔ مترجم)

دونوں ہی اس عام خصوصیت کی حامل ہیں کہ وہ انسانی محنت ہیں اور اس لیے بعض حالتوں میں جیسے قیمت پیدا کرنے کی حالت میں ان پر صرف اسی پہلو کے پیش نظر غور کیا جاسکتا ہے ظاہر ہے اس معاملہ میں کوئی بات پراسرار نہیں ہے لیکن قیمت کا ذریعہ اظہار ہونے کی صورت میں حالت بالکل اُلٹ کر رہ جاتی ہے۔ اس لیے کہ مثلاً یہ حقیقت کس طرح ظاہر کی جائے کہ پارچہ بافی صرف پارچہ بافی ہونے کی حیثیت سے کپڑے کی قیمت پیدا نہیں کرتی بلکہ اپنی اس عام خصوصیت کی وجہ سے کہ وہ انسانی محنت ہے قیمت پیدا کرتی ہے یہ حقیقت صرف اسی طرح تو ظاہر کی جاسکتی ہے کہ پارچہ بافی کے مقابلہ میں محسوس انسانی محنت کی دوسری مخصوص شکل (مثلاً زیرنظر بحث میں خیاطی ہے) کو لایا جائے جوکہ پارچہ بافی کی پیدا کردہ چیز کے بالکل مساوی چیز پیدا کرتی ہے اور ایسا کرنے کی وجہ سے جس طرح کوٹ اپنی جسمانی شکل میں براہِ راست قیمت کا ذریعہ اظہار بن جاتا ہے اس طرح اب خیاطی۔ جو محنت کی محسوس شکل ہے عمومی انسانی محنت کے واضح اور براہ راست جسمانی مظہر کی حیثیت سے ظاہر ہوتی ہے۔

تو اس بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ مساواتی شکل کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ محسوس[1] انسانی محنت وہ شکل بن جاتی ہے جس کے ذریعہ اس کی مقابل اکائی یعنی مجرد انسانی محنت (محنت محضہ بشریہ) اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔

لیکن چونکہ یہ محسوس محنت (ہماری بحث میں خیاطی) غیر متمیز انسانی محنت سے براہ راست یکسانیت رکھتی اور اس کے برابر ہے اس لیے وہ محنت کی کسی بھی قسم کے برابر ہے اور اس سے یکسانیت رکھتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اس محنت سے ہی یکسانیت رکھتی ہے جو کپڑے میں مجسم ہے۔ نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ گو یہ محسوس محنت دوسری تمام جنس آفرین محنتوں کی طرح صرف ایک فرد ہی کی محنت ہے تاہم ساتھ ہی وہ اس

---

[1] مجرد انسانی محنت نہیں بلکہ وہ محنت جو محسوس شکل میں آجائے۔ مترجم)

محنت کے بھی برابر ہے جو براہ راست سماجی حیثیت رکھتی ہے اور دراصل یہی وجہ ہے اس بات کی کہ یہ محسوس محنت کیوں کر ایک ایسی چیز پیدا کر پاتی ہے جو براہ راست دوسری اجناس سے قابل مبادلہ ہوتی ہے۔

اس طرح ہمیں مساواتی شکل کی تیسری خصوصیت کا بھی پتہ چل گیا۔ یعنی یہ خصوصیت کہ ایک فرد کی نجی محنت اپنی مقابل اکائی یعنی اس محنت کی جو براہ راست سماجی حیثیت رکھتی ہے شکل اختیار کر جاتی ہے۔

مساواتی شکل کی یہ دو آخر الذکر خصوصیات اور زیادہ قابلِ فہم بن جائیں گی اگر ہم اس عظیم مفکر کی طرف رجوع کریں جو وہ پہلا شخص تھا جس نے اتنے بہت سے مباحث کا خواہ وہ فکر سے تعلق رکھتے ہوں' سماج سے یا فطرت سے تجزیہ کیا ہے۔ انہیں مباحث میں اس نے قیمت کی شکل کا بھی تجزیہ کیا ہے۔ یہاں میری مراد ارسطو سے ہے۔

ارسطو نے سب سے پہلے تو یہ بتایا ہے کہ اجناس کی شکل زر[1] قیمت کی سیدھی مساواتی شکل کے صرف مزید ارتقاء کا نام ہے۔ یعنی یوں کہیئے کہ وہ کسی ایک جنس کی قیمت کے اس اظہار کے مزید ارتقاء کا نام ہے جو کسی بھی دوسری جنس کے ذریعہ ہوتا ہے چنانچہ اس نے کہا ہے کہ یہ مساوات کہ 5 بستر = ایک گھر کے

کوئی فرق نہیں رکھتی اس مساوات سے کہ 5 بستر = اس قدر روپیہ کے۔

ارسطو نے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی محسوس کر لی تھی کہ یہ قیمتی رشتہ ہی جس سے یہ اظہار (قیمت) ہوتا ہے اس بات کو ضروری کر دیتا ہے کہ مکان کیفی طور پر بستر کے مساوی قرار دیا جائے اور یہ کہ اس نوع کی مساوات بغیر ان دونوں چیزوں کا جو واضح طور پر مختلف ہیں ہم مقدار اشیاء کی حیثیت سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔

''مبادلہ''۔ ارسطو نے کہا ہے۔ ''مساوات کے وجود بغیر کبھی نہیں ہوسکتا اور

---

[1] یعنی اجناس کے زر سے تبادلہ کی منزل۔ مترجم)

مساوات ہم مقداریت بغیر ممکن نہیں''۔ لیکن اس نقطہ پر ارسطو نے بحث کو ختم کر کے قیمت کی شکل کا مزید تجزیہ نہیں کیا۔ اس نے کہا کہ ''لیکن جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے یہ بالکل ناممکن ہے کہ اس قسم کی غیر یکساں چیزیں[1] ہم مقدار یعنی کیفی طور پر مساوی ہوں اس قسم کا مساوی ہونا ان کی اپنی طبیعت کے خلاف ہے اور اس لیے یہ مساوات تو صرف عملی مقاصد کے لیے ایک عارضی انتظام کی حیثیت رکھتی ہے''۔

اور اس طرح ارسطو نے خود ہی یہ بھی بتا دیا کہ قیمت کی شکل کا مزید تجزیہ کرنے میں کیا چیز اس کے لیے مانع ہوئی۔ بات اصل یہ ہے کہ قیمت کے کسی تصور کا موجود نہ ہونا ارسطو کی راہ میں رُکاوٹ بنا۔ سوال یہ ہے وہ چیز جو مادی ہے وہ مشترک جوہر جو بستروں کی قیمت مکان کے ذریعہ ظاہر کرنے کا سبب بنتا ہے کیا ہے؟ ارسطو کا جواب یہ ہے کہ اس قسم کی کسی چیز کا فی الواقع کوئی وجود نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیوں اس قسم کی کسی چیز کا وجود نہیں ہے۔ بستروں سے متوازن ہونے کی صورت میں مکان جہاں تک وہ کسی چیز کی نمائندگی کرتا ہے جو فی الواقع بستروں اور مکان دونوں ہی میں برابر طور پر پائی جاتی ہے تو وہ ایک ایسی چیز کی نمائندگی کرتا ہے جو بستروں اور مکان دونوں کے مساوی ہے اور یہ چیز جو ان دونوں ہی سے مساوی ہے انسانی محنت[2] ہے۔

یہ امر کہ کیوں ارسطو اس حقیقت کو محسوس نہ کر سکا یعنی وہ نہ محسوس کر سکا اس

---

[1] جیسے بستر اور مکان ہیں۔ (مترجم)

[2] اور یوں وہ مشترک جوہر جو بستروں کی قیمت مکان کے ذریعہ ظاہر کرتا ہے انسانی محنت ہے۔ لہٰذا مارکس کے خیال میں ارسطو کا یہ کہنا غلط ہے کہ اس قسم کا جوہر پایا ہی نہیں جاتا۔ ارسطو نے اس موقع پر ٹھوکر کھائی۔ اگر وہ یہ کہتے کہ وہ مشترک جوہر جو بستروں کی قیمت مکان کے ذریعہ ظاہر کرنے کا سبب بنتا ہے۔ انسانی حاجت ہے۔ تو مارکس کا یہ کہنا زیادہ مضبوط نہ رہتا کہ مذکورہ مشترک جوہر انسانی محنت ہے لیکن ارسطو نے اس مشترک جوہر سے انکار کر کے مارکس (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

حقیقت کو کہ اجناس کے ساتھ قیمت کا وابستہ کرنا صرف و محض اس بات کو ظاہر کرنے کا ایک طریقہ ہے کہ تمام محنت یکساں انسانی محنت اور اس لیے یکساں کیفیت رکھنے والی محنت کی حیثیت رکھتی ہے۔ دراصل یہ تو یونانی سماج کی مخصوص ساخت کا نتیجہ تھا۔ یونانی سماج غلامی پر مبنی تھی اور اس لیے انسانوں اور ان کی قوت کار کے نابرابر ہونے کا اصول اس کی فطری اساس کی حیثیت رکھتا تھا۔ قیمت کے ظہور کا معمہ یعنی یہ حقیقت کہ تمام انسانی محنت یکساں اور آپس میں برابر ہے اس لیے کہ وہ عمومی انسانی محنت ہے (اور اس حیثیت سے کہ وہ عمومی انسانی محنت ہے) اس وقت تک واضح نہ ہوسکتا تھا جب تک مساوات انسانی کا اصول اتنا پختہ طور پر نہ جم جاتا کہ وہ عصبیت آمیز عوامی عقیدہ کی حیثیت حاصل کر لیتا۔ لیکن انسانی مساوات کے اصول کا اتنے پختہ طور پر جم جانا اس سماج میں ممکن ہے جس میں محنت کی پیداوار کا عظیم حصہ اجناس کی شکل حاصل کر جاتا ہے جس کی وجہ سے اس سماج میں انسان اور انسان کے درمیان سب سے بڑا حکمران رشتہ صرف ایک ہوتا ہے وہ ہے اجناس کے مالک ہونے کا رشتہ ارسطو کی غیر معمولی ذہانت کا کمال اس بات سے ظاہر ہے کہ اس نے اجناس کی قیمت کے ظہور کے دوران مساوات کے رشتہ کو پالینے میں کامیابی حاصل کر لی۔ رہی اس حقیقت کو دریافت کرنے میں اس کی ناکامی جو فی الواقع اس مساوات کی اساس بنتی ہے[1] سو وہ نتیجہ ہے ان مخصوص حالات کا جن میں وہ زندگی گذارتا رہا۔

(بقیہ حاشیہ) کا اعتراض مضبوط بنا دیا یہ کہنا مشکل ہے کہ اگر ارسطو کی طرف سے مارکس کو یہ جواب دیا جاتا ہے کہ مذکورہ مشترک جوہر انسانی حاجت ہے۔ انسانی محنت نہیں تو مارکس کا کیا جواب دیتے۔ مترجم)

[1] یعنی مشترک انسانی محنت۔ مترجم)۔

(4) قیمت کی ابتدائی شکل

(من حیث المجموع زیرِ غور آنے کی حالت میں)

کسی جنس کی ابتدائی شکل اس مساوات میں سموئی ہوتی ہے جو اس جنس کی قیمت کا رشتہ کسی دوسری قسم کی جنس سے ظاہر کرتی ہے یا یوں کہیئے کہ وہ سموئی ہوتی ہے۔ اس کے دوسری جنس سے مبادلہ کے رشتہ میں۔ الف جنس کی قیمت کیفی طور پر اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے کہ ب جس کی ایک مقررہ کمیت یا مقدار الف جنس کی مقررہ کمیت یا مقدار سے قابلِ مبادلہ ہے۔ بالفاظ دیگر کسی جنس کی قیمت آزادانہ اور متعین نمود اس وقت حاصل کرتی ہے جب وہ مبادلاتی قیمت کی شکل حاصل کر لے۔ اس باب کے شروع میں ہم نے عوامی زبان میں کہا تھا کہ ایک جنس استعمالی قیمت بھی ہوتی ہے اور مبادلاتی قیمت بھی لیکن بالکل ٹھیک ٹھیک طور پر دیکھا جائے تو یہ کہنا صحیح نہ تھا۔ ٹھیک ٹھیک بات یہ ہے کہ ایک جنس استعمالی قیمت یعنی ایک کارآمد شے ہوتی ہے اور قیمت ہوتی ہے جنس ان دونوں پہلوؤں کے ساتھ اسی وقت نمایاں ہوتی ہے جب اس کی قیمت آزاد شکل حاصل کرتی یعنی مبادلاتی قیمت بنتی ہے۔ لیکن جنس الگ اور جدا[1] رہ کر یہ شکل حاصل نہیں کرتی۔ یہ شکل تو صرف اسی وقت حاصل کرتی ہے جب وہ قیمت۔ نسبتی یا یوں کہیئے کہ کسی دوسری قسم کی جنس کے ساتھ مبادلاتی رشتہ میں وابستہ ہوتی ہے۔ یہ حقیقت پیش نظر رکھنے کے بعد ہی یہ اندازِ بیان کہ جنس استعمالی قیمت اور مبادلاتی قیمت ہوتی ہے گمراہ کن باقی نہیں رہتا۔ یہ اندازِ بیان تو فی الواقع ایک اختصار پسندانہ اسلوب ہے اظہارِ خیال کا۔

بہر حال ہمارے اس تجزیہ سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ کسی جنس کی قیمت کی شکل یا نمود قیمت کی اپنی ماہیت سے پیدا ہوتا ہے نہ یہ کہ قیمت اور اس کی مقدار مبادلاتی قیمت کی حیثیت سے ان کا جو طریقہ اظہار ہے اس میں پیدا ہوتی ہو۔ لیکن یہی جگہ ہے جہاں

---

[1] یعنی مبادلاتی قیمت کے رشتہ میں آئے بغیر۔ (مترجم)

تجارتی نظریہ زر کے حامی (مرکنٹائسٹ)[1] اور اس نظریہ کا حال میں احیاء کرنے والے جیسے فرائر۔ گینلھ۔ وغیرہ نیز ان کے یکسر مخالف یعنی عہد جدید میں آزاد تجارت کے پروپیگنڈہ باز جیسے بستیارٹ دونوں ہی غچہ کھا جاتے ہیں۔[2] مرکنٹائلی قیمت کے اظہار کی کیفی حیثیت پر خاص طور سے زور دیتے ہیں اور اس لیے ان کا سارا زور ہی اجناس کی مساواتی شکل پر رہتا ہے جو کہ زر کی صورت میں حالتِ کمال پر پہنچ جاتی ہے۔ رہے عہد جدید کے آزاد تجارت کے پھیری والے جنہیں بہر حال اپنے مال کو کسی نہ کسی طرح نکالنا ہے، سوان کی توجہ قیمت کی نسبتی شکل کے پہلو پر مرکوز رہتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے نقطہ نظر میں قیمت اور اس کی مقدار اجناس کے مبادلاتی رشتہ کے توسط سے قیمت کا جو اظہار ہوتا ہے اس کے علاوہ یعنی یوں کہئے کہ مروجہ نرخوں کی روزمرہ فہرست کے علاوہ اور کہیں نہیں پائی جاتی۔ میک لیڈ جس نے اپنی یہ ذمہ داری قرار دے لی ہے کہ وہ لومبارڈ اسٹریٹ یعنی لندن کے بازار صرافہ کے پراگندہ خیالات کو عالمانہ رنگ میں پیش کیا کرے مرکنٹائلیوں اور آزاد تجارت کے روشن خیال سوداگروں کے درمیان ایک پیوند کی حیثیت رکھتا ہے۔

الف کی قیمت کے اِس اظہار کا جو (ب) کے ذریعہ ہوتا ہے اور جو اس مساوات کے اندر پنہاں ہے جو کہ الف و ب کے قیمتی رشتہ کو ظاہر کرتا ہے۔ قریبی جائزہ لینے سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ اس رشتہ میں الف کی جسمانی ہیئت صرف استعمالی قیمت کی حیثیت سے نمایاں ہوتی ہے اور (ب) کی جسمانی ہیئت صرف قیمت کی شکل یا

---

[1] مرکنٹائلزم (تجارتی نظریہ زر) عبارت ہے اس معاشی نظریہ سے کہ زر اور صرف زر ہی دولت ہے۔ مترجم)۔ [2] مرکنٹائلی اور مرکنٹائلسٹ کو اگر اردو میں مرکنٹائلسٹ اور مرکنٹائلزم کے ترجمہ کے طور پر استعمال کیا جائے تو میرے خیال میں اس سے اَدائے مفہوم میں آسانی ہونے کے ساتھ اردو کے اپنے مخصوص لطفی ڈھانچہ پر کوئی برا اثر نہ پڑے گا۔ مترجم)

رخ کی حیثیت سے۔ ہر ایک جنس میں اندرونی طور پر استعمالی قیمت اور قیمت کے درمیان جو تخالف یا تمایز پایا جاتا ہے وہ بیرونی طور پر اس طرح واضح کیا جاسکتا ہے کہ دو اجناس کو اس طرح کے باہمی رشتہ کے ساتھ رکھا جائے کہ جس جنس کی قیمت ظاہر کرنا مقصود ہو وہ براہِ راست محض استعمالی قیمت کے طور پر سامنے آئے۔ جب کہ وہ جنس جس کے ذریعہ قیمت ظاہر کی جارہی ہو براہ راست محض مبادلاتی قیمت کے طور پر نمایاں ہو۔ اس طرح قیمت جنس کی ابتدائی شکل اس تمایز کے اظہار کی بھی ابتدائی شکل ہے جو اس جنس کے اندر استعمالی قیمت اور قیمت کے درمیان پایا جاتا ہے۔ محنت کی ہر پیداوار سماج کے ہر ہر درجہ میں استعمالی قیمت ہوا کرتی ہے مگر سماجی ارتقا کے متعین تاریخی عہد ہی میں یہ پیداوار جنس بن جاتی ہے یعنی وہ اس وقت جنس بنتی ہے جب ایک کارآمد چیز کے پیدا کرنے میں جو محنت صرف کی گئی ہے وہ اس چیز کی خارجی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت کے طور پر یعنی اس کی قیمت کی حیثیت سے ظاہر کی جائے۔ اسی سے یہ نتیجہ نکلا کہ قیمت کی ابتدائی شکل وہ قدیم شکل بھی ہے جس میں محنت کی پیداوار تاریخی طور پر ایک جنس کی حیثیت میں ظاہر ہوتی ہے اور محنت کی ان پیداواروں کا رفتہ رفتہ اجناس کی شکل میں منتقل ہوتے رہنا قیمتی شکل کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ جاری رہتا ہے۔

سب سے پہلی نظر میں جو چیز ہم محسوس کرتے ہیں وہ نقائص ہیں جو قیمت کی ابتدائی شکل میں پائے جاتے ہیں۔ یہ ابتدائی شکل تو محض ایک جرثومہ کی طرح ہوتی ہے جو بہت سے چولے بدلنے کے بعد نرخ کی شکل حاصل کرتی ہے۔ کسی بھی (ب) جنس کے ذریعہ کسی بھی الف جنس کا اظہار جو کچھ کام کرتا ہے وہ یہی ہے کہ وہ الف کی قیمت کو اس کی استعمالی قیمت سے ممتاز کر دیتا ہے اور اس طرح وہ الف کا اس ایک مختلف جنس (ب) سے مبادلاتی رشتہ قائم کر دیتا ہے لیکن الف کی قیمت کا یہ طریقہ اظہار دوسری تمام اجناس کے ساتھ اس الف کی کیفی مساوات یا کمی حیثیت سے اس کا ان اجناس سے جو اوسط ہے اس کو ظاہر کرنے میں کامیاب نہیں ہوتا کسی ایک جنس کی جو ابتدائی نسبتی قیمتی شکل ہوتی ہے۔ اس

کے مقابلہ میں ایک دوسری جنس کی واحد مساواتی شکل ہوتی[1] ہے اور اس طرح کپڑے کی نسبتی اظہار قیمت کی صورت میں کوٹ مساواتی شکل یا براہ راست قابل مبادلہ چیز بن جاتا ہے لیکن وہ صرف ایک ہی جنس کپڑے کی مساواتی شکل بنتا ہے کسی اور جنس کی نہیں۔

لیکن باوجود اس کے قیمت کی ابتدائی شکل بآسانی مبدل ہو کر ایک زیادہ مکمل شکل بن جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس ابتدائی شکل کے ذریعہ الف جنس کی قیمت کسی ایک مگر صرف ایک ہی دوسری جنس کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے اور یہ دوسری جنس کوئی بھی ہو سکتی ہے۔ کوٹ۔ لوہا۔ اناج یا کوئی بھی اور جنس تو یوں الف کا رشتہ کسی ایک جنس کے ساتھ قائم کیا جائے یا کسی دوسری جنس کے ساتھ ہم اس رشتہ کے مطابق ایک اور صرف ایک جنس کے لیے قیمت[2] کے مختلف ابتدائی اظہار حاصل کرتے رہیں گے۔ ان ممکن اظہاروں کی تعداد اتنی ہی ہوگی جتنی مختلف مگر ممتاز اجناس کی تعداد[3] ہوگی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ الف کی قیمت کے جداگانہ اور تن تنہا اظہار کو اس قیمت کے مختلف ابتدائی اظہاروں کے ایک پورے سلسلے میں بدلا جا سکتا ہے اور اس سد کو کسی بھی حد تک طویل کیا جا سکتا ہے[4]

ب۔ قیمت کی مجموعی یا توسیع شدہ شکل

الف[5] جنس کی مقدار۔ز۔=ب۔جنس کی مقداری کے یا=ج جنس کی

---

[1] جنس کے مقابلہ میں ہونے کی وجہ سے پہلی جنس کی نسبتی قیمت پیدا ہوتی ہے۔مترجم)
[2] مثلاً ہومر کے یہاں کسی ایک چیز کی قیمت مختلف اشیاء کے ایک سلسلہ سے ظاہر کی گئی ہے۔[3] جن اجناس کی نسبت سے ہم الف جنس کا رشتہ یا نسبت قائم کریں گے۔مترجم)[4] اس لیے کہ الف جنس کے نسبتی اظہار قیمت کا رشتہ کسی بھی جنس کے ساتھ وابستہ کیا جا سکتا ہے اور یوں مختلف اجناس کے رشتوں کے ساتھ قیمت کا ابتدائی اظہار بھی لاانتہاء حد تک بدلتا رہتا اور بدل سکتا ہے۔مترجم)۔[5] اس مساوات کی تشریح نیچے بریکٹ کے درمیان کی عبارت میں دی گئی ہے۔ ان دونوں مساواتوں کے آخر میں وغیرہ وغیرہ سے مراد یہ ہے کہ اس مساوات کو آپ جتنا چاہیں بڑھا سکتے ہیں

مقدار۔و۔ کے یا= وجنس کی مقدار۔ص۔کے یا=جنس کی مقدار
س کے یا= وغیرہ وغیرہ

(کپڑے[1] کے 20 گز = ایک کوٹ کے یا= چائے کے 10 سیر کے یا=
20 سیر قہوہ کے یا= دو دھڑی اناج کے یا= 4 ماشہ سونے کے یا= آدھے ٹن لوہے کے
یا= وغیرہ وغیرہ)۔

(1) قیمت کی توسیع شدہ نسبتی شکل

کسی بھی ایک جنس جیسے مثلاً کپڑے کی قیمت دنیا بھر کی ان گنت اجناس کے ذریعہ ظاہر کی جاسکتی ہے۔اور یوں اب ہر نئی جنس کپڑے کی قیمت کا آئینہ بن جاتی[2] ہے

---

[1] جیسا اوپر کی مساوات سے ظاہر ہے۔مترجم)

[2] یہی وجہ ہے کہ جب کپڑے کی قیمت کوٹوں کے ذریعہ ظاہر کی جائے تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ کپڑے کی کوٹ والی قیمت۔یا۔کپڑے کی اناجی قیمت۔جب قیمت اناج کے ذریعہ ظاہر کی جائے وغیرہ اس طرح کے ہر اظہار بیان سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو چیز استعمالی قیمتوں۔کوٹ اور اناج وغیرہ میں ظاہر ہوتی ہے وہ کپڑے کی قیمت ہوتی ہے۔ہر جنس کی اس قیمت کے متعلق جو اس جنس کے مبادلاتی رشتہ کو بتاتی ہے ہم اس طرح کہہ سکتے ہیں......اناجی قیمت۔پارچہ جاتی قیمت۔یعنی ان تمام اجناس کی نسبت سے جس سے اس جنس کا توازن کیا جائے۔اس سے معلوم ہوا کہ قیمت کی ہزار ہا مختلف قسمیں ہیں یعنی قیمت کی اتنی ہی مختلف قسمیں ہیں جتنی قسموں کی اجناس کا وجود پایا جاتا ہے اور قیمت کی یہ مختلف قسمیں ایک ہی ساتھ حقیقی بھی ہیں اور نام کی بھی (قیمت کے اسباب پیمانوں اور ماہیت سے متعلق ایک تنقیدی مقالہ جو مسٹر کارڈ وادران کے مقلدوں کی تحریروں سے خاص طور پر تعلق رکھتا ہے۔یہ مقالہ ''آراء کی تشکیل وغیرہ سے متعلق مضامین'' کے مصنف نے لکھا ہے لندن 1825ء صفحہ 39۔ایس بیلی جو اس گمنام تصنیف کے مصنف ہیں ایک ایسی تصنیف کے مصنف جنہوں نے اپنے زمانہ میں انگلستان میں بڑی ہلچل مچادی تھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اوراس طرح یہ قیمت پہلی باراپنے صحیح رنگ یعنی اس حیثیت میں سامنے آتی ہے کہ وہغیر متمیز انسانی محنت کی مجسم شکل ہے اس لیے کہ جومحنت اس قیمت کو پیدا کرتی ہے وہ اب واضح طور پر منکشف ہو جاتی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ ایک ایسی محنت ہے جوانسانی محنت کی ہر دوسری قسم جیسی ہے خواہ اس دوسری قسم کی شکل کوئی بھی کیوں نہ ہوخیاطی ہو یا فلاحی یا کان کندنی وغیرہ اور خواہ محنت کی یہ اقسام کوٹوں کی صورت میں ظاہر ہوں۔ اناج کی لوہے یا سونے کی۔ کپڑا اب اپنی قیمت کی شکل کی وجہ سے سماجی بندھن میں سامنے آتا ہے اور یہ سماجی بندھن کسی بھی ایک جنس کے ساتھ وابستہ نہیں ہوتا بلکہ اجناس کی وسیع دنیا کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور یوں جنس ہونے کی وجہ سے یہ کپڑا اجناس کی اس بڑی دنیا کا شہری بن جاتا ہے پھراسی کے ساتھ مساواتوں کا یہ نہ ختم ہونے والا سلسلہ یہ بھی بتاتا ہے کہ جہاں تک جنس کی قیمت کا تعلق ہے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی کہ یہ قیمت استعمالی قیمت کی کسی مخصوص قسم یا شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

پہلی شکل میں یعنی کپڑے کے 20 گز = ایک کوٹ کے۔ دونوں اجناس کا مقررہ مقداروں میں قابل مبادلہ ہونا اور کچھ بھی کیوں نہ نظر آئے مگر محض ایک اتفاقی حادثہ ہوسکتا ہے جبکہ اس کے برعکس دوسری شکل[1] میں ہم اس پس منظر کو فوراً محسوس کر سکتے ہیں جو قیمت کی اس اتفاقی نمود کو متعین کرتا اور اس سے جوہری طور پر مختلف ہوتا

(بقیہ حاشیہ) کہ اس طرح ایک اور صرف ایک ہی قیمت کے مختلف نسبتی اظہاروں کو بتا کر انہوں نے قیمت کے اپنے تصور کا تعین ہی ناممکن ثابت کر دکھایا ہے لیکن ان کا نقطہ نظر کسی قدر بھی تنگ و محدود کیوں نہ ہو مگر یہ بات کہ بیلی نے رکارڈو کے نظریہ میں بڑی اہم اغلاط کی نشان دہی کر دی ہے۔ اس حقیقت سے بھی ثابت ہے کہ بیلی پر رکارڈو کے مقلدوں نے اتنے جوش وخروش سے حملے کئے تھے چنانچہ بطور مثال ویسٹ منسٹر ریویو ملاحظہ کیجئے (مارکس) [1] یعنی جب کپڑا کوٹوں' قہوہ اور لوہے وغیرہ بہت سی اجناس کی قیمتوں کے رشتہ میں رکھا جائے۔ مترجم)

ہے۔ کپڑے کی قیمت خواہ کوٹوں میں ظاہر کی جائے۔ قہوہ میں۔ لوہے میں یا دوسری ان گنت اجناس میں جو ان گنت مالکوں کی ملکیت میں ہوں مگر اس کی مقدار غیر متبدل رہتی ہے۔ اور مبادلہ میں دو اجناس کے مالکوں کے درمیان جو اتفاقی رشتہ ہوتا ہے وہ بھی غائب ہو جاتا ہے اور یوں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اجناس کا مبادلہ اجناس کی قیمتوں کا تعین نہیں کرتا بلکہ اس کے برعکس ان اجناس کی قیمتیں ہی ان اوسطوں کا تعین کرتی ہیں جن اوسطوں سے مبادلہ ہوتا ہے۔

(2) مخصوص مساواتی شکل

کپڑے کی قیمت کا اظہار کرنے میں ہر جنس جیسے کوٹ۔ چائے۔ اناج اور لوہا وغیرہ مساواتی شکل میں سامنے آتی ہے اور اس لیے وہ ایک ایسی چیز کی حیثیت رکھتی ہے جو قیمت ہے ان اجناس میں سے ہر ایک کی جسمانی ہیئت اب ایک مخصوص مساواتی شکل[1] کی حیثیت سے سامنے آتی ہے جو بہت سی مخصوص مساواتی اشکال میں سے ایک ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح محنت کی وہ متعدد محسوس و کارآمد قسمیں جو ان مختلف اجناس میں سموئی ہوئی ہیں غیر متمیز انسانی محنت کے ظہور یا وجود کی اتنی ہی مختلف قسموں کی حیثیت رکھتی ہیں جتنی یہ اجناس ہیں۔

(3) قیمت کی مجموعی یا توسیع شدہ شکل کے نقائص

ان نقائص کے سلسلہ میں سب سے پہلی چیز تو یہ کہ قیمت کا نسبتی اظہار حاصل بالکل نامکمل ہوتا ہے اس لیے کہ اجناس کا وہ سلسلہ جس سے یہ اظہار کیا جاتا ہے نہ ختم ہونے والا ہے۔ اجناس کا یہ سلسلہ جس میں ہر ایک جنس سے مساوات ظاہر کی جا سکتی ہے کبھی بھی طویل ہو سکتا ہے بایں وجہ کہ کسی وقت بھی ایک نئی قسم کی جنس وجود میں آ سکتی

---

[1] وہ شکل جس سے مساوات ظاہر کی جائے۔ مترجم)

اور ایک نئی مساواتی اکائی بن سکتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ نسبتی اظہار قیمت کے متفاوت اور آزاد اظہاروں کے چوں چوں مجموعہ کی حیثیت رکھتا ہے اور آخر میں اگر ایسا ہو جیسا کہ لازماً ہوگا کہ ہر ایک جنس کی نسبتی قیمت بار بار اس توسیع شدہ شکل میں ظاہر کی جائے تو ہر ایک جنس کی ایک نسبتی قیمتی شکل حاصل ہوگی جو ہر جنس کے ساتھ مختلف ہوگی اور قیمت کے اظہاروں کے نہ ختم ہونے والے سلسلوں پر مشتمل ہوگی۔ اس توسیع شدہ نسبتی قیمت کے نقائص ان کے مقابل جو مساواتی شکل ہے اس میں بھی ظاہر ہوں گے اب چونکہ ہر ایک جنس کی جسمانی ہیئت لاتعداد مساواتی اشکال میں سے ایک مخصوص مساواتی شکل ہے اس لیے من حیث المجموع جزوی مساواتی اشکال کے علاوہ جس میں سے ہر ایک دوسرے سے الگ ہوگی اور کوئی چیز ہمیں حاصل نہ ہوگی اور ٹھیک اسی طرح محسوس و مخصوص کارآمد محنت جو ہر ایک مخصوص مساواتی اکائی میں سموئی ہوئی ہے ایک مخصوص قسم کی محنت کی حیثیت سے سامنے آتی ہے۔ ساری انسانی محنت کے جامع و مانع نمائندہ کی حیثیت سے سامنے نہیں آتی۔ اس مجموعی انسانی محنت کا توضیح ظہور فی الحقیقت انسانی محنت کے مختلف النوع محسوس و مخصوص اشکال کے مجموعہ ہی کے ذریعہ ہوتا ہے اور اس حالت میں اس مجموعی انسانی محنت کا لاانتہا سلسلوں میں اظہار ہمیشہ نامکمل اور اپنی وحدت میں بالکل ناقص رہتا ہے۔

لیکن توسیع شدہ نسبتی قیمتی شکل۔ قیمت کے ابتدائی نسبتی اظہاروں یا پہلی قسم کی مساواتوں کے مجموعہ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتی وہ مجموعہ ہوتی ہے۔ اس قسم کی مساواتوں کا جیسے۔

کپڑے کے بیس گز = ایک کوٹ کے

کپڑے کے بیس گز = دس سیر چائے کے وغیرہ

ان میں سے ہر ایک مساوات اس کے عکس مساوات پر بھی دلالت کرتی ہے جیسے:

ایک کوٹ = بیس گز کپڑے کے

دس سیر چائے = بیس گز کپڑے کے وغیرہ

واقعہ یہ ہے جب کوئی شخص بہت سی دوسری اجناس کے بدلے میں اپنے کپڑے کا مبادلہ کرتا ہے اور اس طرح اس کپڑے کی قیمت دوسری اجناس کے ایک سلسلہ سے ظاہر کرتا ہے تو اس سے لازمی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آخر الذکر اشیاء کے مختلف مالک اپنی اشیاء کو کپڑے سے بدلتے ہیں اور یوں اپنی مختلف اجناس کی قیمت ایک اور صرف ایک تیسری جنس یعنی کپڑے کے ذریعہ ظاہر کرتے ہیں۔ اب اگر ہم اس سلسلہ کو بدل دیں یعنی 20 گز کپڑا = ایک کوٹ کے۔ یا = دس سیر چائے کے وغیرہ کو بدل دیں۔ بالفاظ دیگر ہم اس معکوس رشتہ کو بیان کریں جس پر یہ سلسلہ دلالت کرتا ہے تو ہمیں ذیل کی مساوات حاصل ہوگی۔

ج۔ قیمت کی عام شکل

ایک کوٹ دس سیر چائے دو دھڑی اناج چار ماشہ سونا آدھا ٹن لوہا	=	20 گز کپڑے کے

(ا) قیمت کی شکل کا مُبدّل کردار

تو یوں تمام اجناس اپنی قیمت ایک تو ابتدائی شکل میں ظاہر کرتی ہیں اس لیے کہ وہ ایک ہی جنس میں اپنی قیمت ظاہر کرتی ہیں اور دوسرے وحدانی طرز میں اپنی قیمت ظاہر کرتی ہیں اس لیے کہ وہ ایک اور یکساں جنس کے ذریعہ اپنی قیمت ظاہر کر رہی ہیں قیمت کی یہ شکل ابتدائی اور سب کے لیے یکساں ہے اور اس لیے یہ عام شکل ہے۔
الف[1] اور ب کی شکلیں کسی جنس کی قیمت کو صرف اس حیثیت سے ظاہر کرنے کے

---

[1] صفحات گذشتہ میں الف و ب شکلوں پر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ مترجم

لیے کافی ہوتی ہیں کہ وہ قیمت متعلقہ جنس کی استعمالی قیمت اور مادی شکل سے الگ ہے۔

پہلی شکل[1] یعنی الف۔ اس قسم کی مساواتیں پیدا کرتی ہے۔ ایک کوٹ = 20 گز کپڑے کے، دس پونڈ چائے، آدھے ٹن لوہے کے۔ کوٹ کی قیمت کپڑے کی قیمت کے اور چائے کی لوہے کے مساوی کی گئی ہے لیکن کپڑے اور لوہے سے مساوی ہونے کے درمیان اسی قدر فرق ہے جتنا خود کپڑے اور لوہے میں فرق ہے تو اس طرح ظاہر ہے یہ شکل یعنی الف عملاً صرف ابتداء اور بالکل آغاز کی حالت ہی میں آتی ہے۔ جب محنت کی پیداوار یں گاہے ماہے یا اتفاقی مبادلوں کی وجہ سے اجناس میں مبدل ہو جائیں۔

دوسری شکل[2] یعنی ب۔ پہلی شکل کی بہ نسبت جنس کی قیمت کو اس کی استعمالی قیمت سے پہلی شکل کے مقابل زیادہ وضاحت سے ممتاز کرتی ہے اس لیے کہ یہ شکل ب کوٹ کی قیمت کا اس کی جسمانی شکل کے ساتھ تمام ممکن صورتوں کے ساتھ تقابل قائم کرتی ہے۔ وہ کوٹ کی اس قیمت کی کپڑے۔ لوہے۔ چائے مختصراً ہر ایک چیز سے سوائے خود کوٹ کے مساوات قائم کر دیتی ہے۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ قیمت کی کوئی بھی موجود سب اکائیوں پر حاوی ہو مذکورہ مساواتوں سے براہ راست خارج رہتی ہے۔ اس لیے کہ ہر ایک جنس کی قیمت کی مساوات میں جو دوسری تمام اجناس آتی ہیں وہ صرف مساوات ظاہر کرنے والی اکائی کی حیثیت سے ظاہر ہوتی ہیں[3] قیمت کی توسیعی شکل پہلی بار ٹھیک اس وقت وجود میں آتی ہے جب محنت کی کسی مخصوص پیداوار سے مثلاً مویشی کا کبھی کبھی اور اتفاقی طریقہ پر نہیں بلکہ عادتاً دوسری بہت سی اجناس سے مبادلہ کیا جایا کرے۔

---

[1] دیکھیے صفحات گذشتہ میں قیمت کی ابتدائی یا اتفاقی شکل کے عنوان کی فصل

[2] گذشتہ فصل متعلق قیمت کی توسیعی شکل کی طرف اشارہ ہے۔ مترجم

[3] ان تمام اجناس کی اپنی قیمتیں ان مساوات میں ظاہر نہیں ہوتیں۔ اور اس لیے قیمت کی عام نمود اس سے مختلف چیز ہوتی ہے۔ مترجم

اب تیسری[1] اور بالکل آخری ترقی یافتہ شکل کا جہاں تک تعلق ہے۔ سودہ دنیا بھر کی تمام اجناس کی قیمتوں کو کسی بھی ایک اس جنس کے ذریعہ ظاہر کرتی ہے جو اس مقصد کے لیے مخصوص کر دی گئی ہو۔ جیسے مثلاً کپڑے کے ذریعہ اور اس طرح یہ آخری شکل ان اجناس کی قیمتوں کو کپڑے کے ساتھ ان کی مساوات قائم کر کے ظاہر کرتی ہے یوں کپڑے سے مساوی کیے جانے کی وجہ سے ہر جنس کی قیمت نہ صرف یہ کہ خود اپنی استعمالی قیمت سے ممتاز ہو جاتی ہے بلکہ عام طور پر تمام استعمالی قیمتوں سے بھی ممتاز ہو جاتی ہے اور اسی حقیقت کی وجہ سے یہ قیمت اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ یہ تمام اجناس کے لیے مشترک حیثیت حاصل کر جاتی ہے۔ اس آخر الذکر شکل ہی کے باعث تمام اجناس پہلی بار قیمتوں کی حیثیت سے ایک دوسرے کے ساتھ مؤثر رشتہ قائم کر لیتی ہیں یا یوں کہیے کہ مبادلاتی قیمتوں کی حیثیت سے ظاہر ہوتی ہیں۔

اول الذکر دونوں شکلیں[2] یا تو ہر جنس کی قیمت کو کسی دوسری قسم کی ایک ہی جنس کے ذریعہ ظاہر کرتی ہیں یا بہت سی اجناس کے ایک سلسلہ کے ذریعہ لیکن ان دونوں ہی صورتوں میں ہر ایک جنس کا۔ یوں کہیے۔ کہ فرض یہ ہے کہ وہ اپنی قیمت کے لیے کوئی ذریعہ اظہار ڈھونڈ لے۔ اور یہ فرض بھی دوسری اجناس کی امداد بغیر سرانجام دے یہ دوسری اجناس اس جنس کی نسبت سے محض مجہول و جامد مساواتی اکائیوں کا کردار انجام دیں گی۔ قیمت کی عمومی شکل ج[3] تمام کی تمام اجناس کے مشترکہ عمل اور صرف اسی مشترکہ عمل سے پیدا ہوتی ہے کوئی بھی جنس اپنی قیمت کا عمومی اظہار صرف ان دوسری اجناس کے ذریعہ اور ان کے ساتھ ہی حاصل کر سکتی ہے جو ایک ہی مساواتی اکائی کے ذریعہ اپنی قیمت ظاہر کریں اور پھر ہر نئی جنس انہیں اجناس کا اتباع کرتی جائے بہرحال

---

[1] قیمت کی عام شکل ج کا ذکر ہے جس کا کچھ ہی پہلے ذکر کیا گیا ہے۔ مترجم) [2] تیسری اور ترقی یافتہ شکل نہیں جس کا ابھی ذکر گذرا ہے۔ مترجم) [3] عام شکل ج دیکھئے۔ مترجم)

اس بحث سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ چونکہ قیمتیں ہونے کی حیثیت سے اجناس کا وجود ایک محض سماجی حقیقت ہے اس لیے اس سماجی وجود کا ان اجناس کے تمام سماجی رشتوں ہی کے ذریعہ اظہار ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان اجناس کی شکل بھی سماجی طور پر ایک طے شدہ شکل ہونی ضروری ہے۔

یہ تمام اجناس جو کپڑے کے مساوی کی گئی ہیں اس مساوات کی وجہ سے اب نہ صرف یہ کہ عام طور پر قیمتیں ہونے کی حیثیت سے کیفی طور پر مساوی ہیں بلکہ اس حیثیت سے بھی مساوی ہیں کہ وہ ایسی قیمتیں ہیں جن کی مقداریں ایک دوسرے کے متوازن ہونے کی اہلیت رکھتی ہیں۔ اب چونکہ وہ اجناس اپنی قیمتوں کی مقداریں ایک اور صرف ایک ہی چیز یعنی کپڑے کے ذریعہ ظاہر کرتی ہیں اس لیے وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے متوازن ہیں۔ مثلاً دس پونڈ چائے = 20 گز کپڑے کے اور چالیس پونڈ قہوہ سے 20 گز کپڑے کے۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ دس پونڈ چائے = 40 پونڈ قہوہ کے بالفاظ دیگر ایک پونڈ قہوہ میں قیمت کا جوہر۔ محنت۔ ایک پونڈ چائے کے مقابل صرف ایک چوتھائی ہے۔

نسبتی قیمت[1] کی عام شکل جو تمام کی تمام اجناس پر حاوی ہوتی ہے ایک جنس کو جو دوسری تمام اجناس سے الگ کر دی جاتی ہے اور مساوات ظاہر کرنے والی اکائی کا فرض انجام دیتی ہے۔ جیسے ہماری بحث میں کپڑا۔ ایک عمومی اور عالمگیر مساواتی اکائی بنا دیتی ہے اور اس صورت میں کپڑے کی جسمانی شکل ہی وہ شکل ہوتی ہے جسے تمام اجناس کی قیمت مشترک طور پر اختیار کر لیتی ہے[2] اور اس لیے یہ کپڑا ان اجناس میں سے ہر

---

[1] وہ قیمت جو دو چیزوں کی باہمی نسبت یا مساوات سے پیدا ہوتی ہے۔ مترجم)

[2] یعنی کپڑے کی جسمانی شکل تمام اجناس میں سے ہر ایک کی قیمت کی شکل یا ظہور کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ مترجم)

ایک کے ساتھ قابل مبادلہ بن جاتا ہے اور کپڑے کا مواد ہر قسم کی انسانی محنت کی مرئی و محسوس تجسیمی حالت اس کا پہلا سماجی تکوینی[1] درجہ بن جاتا ہے اور یوں پارچہ بافی جو چند نجی افراد کی ایسی محنت سے عبارت ہے جو کہ ایک مخصوص چیز۔ کپڑا۔ پیدا کرنے میں صرف ہوتی ہے سماجی نوعیت اور ہر دوسری قسم کی محنت سے مساوی ہونے کا کردار پیدا کرلیتی ہے وہ لاتعداد مساواتیں جن سے قیمت کی عام شکل مرکب ہوتی ہے۔ فی الاصل اس محنت کو جو کپڑے میں مجسم ہوتی ہے بار بار اس محنت کی مساوات میں لاتی ہیں جو ہر دوسری جنس میں متجسم[2] ہوتی ہے اور یوں یہ مساواتیں پارچہ بافی کو غیر متمیز انسانی محنت کے اظہار و نمود کی عام شکل بنا دیتی ہیں۔ اس طریقہ سے جو محنت اجناس کی قیمتوں میں وجودی شکل حاصل کرتی ہے وہ صرف اپنے منفی رخ ہی میں سامنے نہیں آتی یعنی اس حالت میں ہی سامنے نہیں آتی کہ ہر محسوس شکل اور عملی کام کی ہر مفید خصوصیت سے صرف نظر کرلیا جائے بلکہ اس کی اثباتی ماہیت بھی خود کو پوری طرح ظاہر کر دیتی ہے۔ عام قیمتی شکل ہر قسم کی عملی محنتوں کی تحلیل کر کے ان محنتوں کے مشترک کردار یعنی عمومی انسانی محنت ہونے اور انسانی قوت کار کے صرف ہونے کو کہتے ہیں[3] عام قیمتی شکل جو کہ محنت کی تمام پیداواروں کو غیر ممیز انسانی محنت کے محض منجمد ٹکڑوں کی حیثیت سے پیش کرتی ہے خود

---

[1] یعنی مطلب یہ کہ مذکورہ حالت میں کپڑے کا مواد (جس سے کپڑا بنتا ہے) محنت کے مجسم شکل میں آنے اور اس کی سماجی اہمیت اختیار کرنے کے پہلے درجہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ مترجم)

[2] یعنی کپڑے کے ساتھ مختلف اجناس کی جو مساوات قائم کی جاتی ہے اس مساوات میں جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کپڑے میں جو محنت سموئی گئی ہے وہ دوسری ہر جنس میں سموئی جانے والی محنت کے مساوی لائی جاتی ہے۔ مترجم)

[3] صاف الفاظ میں یوں کہئے کہ عام قیمتی شکل۔ عمومی انسانی محنت محض انسانی قوت کار کے صرف سے عبارت ہوتی ہے۔ مترجم)

اپنے مخصوص ڈھانچہ کی وجہ سے ہی یہ بتاتی ہے کہ وہ دنیا بھر کی اجناس کا لب لباب ہے اور اس لیے یہ شکل اس بات کو بھی ناقابل تردید طور پر واضح کر دیتی ہے کہ اجناس کی دنیا میں ہر قسم کی محنت کی یہ حیثیت کہ وہ انسانی محنت جو کچھ بتاتی ہے وہ یہ ہے کہ ساری محنت سماجی حیثیت رکھتی ہے۔

(2) قیمت کی نسبتی شکل اور مساواتی شکل کا ارتقا جو ایک دوسرے پر منحصر ہوتا ہے

قیمت کی نسبتی شکل میں جتنا ارتقا ہوتا ہے وہ اسی قدر ہوتا ہے جتنا مساواتی شکل میں ارتقاء ہوتا ہے۔ لیکن یہ حقیقت ہمیں ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہیے کہ مساواتی شکل میں ارتقاء نسبتی شکل کے ارتقاء کا نتیجہ اس کے ارتقاء کا اظہار ہوتا ہے۔

کسی ایک جنس کی قیمت کی ابتدائی یا منفصل[1] نسبتی قیمت کسی دوسری جنس کو منفصل مساواتی اکائی میں منتقل کر دیتی ہے۔ جبکہ قیمت کی توسیع شدہ شکل جس کا مطلب کسی ایک جنس کی قیمت کا دوسری تمام اجناس کے توسط سے اظہار ہے' ان آخر الذکر اجناس میں ایسی مخصوص مساواتی اکائیوں کا کردار پیدا کر دیتی ہے جو مختلف اقسام سے تعلق رکھتی ہوں۔ اور آخر میں ایک خاص قسم کی جنس ہمہ گیر مساواتی اکائی ہونے کا کردار

---

[1] کسی جنس الف کی قیمت کی نسبت یا تو کسی ایک دوسری ب جنس سے قائم کی جاسکتی ہے یا ایک کے بجائے بہت سی اجناس سے قائم کی جاسکتی ہے۔ پہلی صورت میں منفصل یعنی جدا کی ہوئی الف جنس دوسری جنس کو منفصل مساواتی اکائی بنا دیتی ہے جبکہ دوسری صورت میں پہلی جنس دوسری تمام اجناس میں سے ہر ایک کو مخصوص مساواتی اکائی بنا ڈالتی ہے۔ جن کی اقسام تو مختلف ہوتی ہیں اس لیے کہ وہ مختلف وزن اور حجم سے تعلق رکھتی ہیں مگر مخصوص مساواتی اکائیاں ہوتی ہیں اس لیے کہ ان سے اس الف جنس کی مساوات ظاہر کی گئی ہے۔ مترجم)

پیدا کر لیتی ہے جبکہ تمام دوسری اکائیاں اس مخصوص جنس کو ایک ایسے مواد کے طور پر استعمال کرتی ہیں جس کے ذریعہ وہ اپنی سب کی یکساں قیمت ظاہر کرتی ہیں۔

قیمت کی نسبتی شکل اور مساواتی شکل جو قیمتی شکل کے دوستون ہیں کے درمیان تخالف خود قیمتی شکل میں ارتقاء کے ساتھ ساتھ ترقی پذیر ہوتا رہتا ہے۔

پہلی شکل 20 گز کپڑا = ایک کوٹ کے۔ ہی میں یہ تخالف موجود ہے گو اس منزل تک اس کا تعین نہیں ہو سکا۔ اس شکل کو اس انداز یا اس کے مختلف انداز میں پڑھنے کی صورت میں کپڑا اور کوٹ مختلف پارٹ ادا کرنے لگیں گے[1]۔ پہلی صورت میں کپڑے کی نسبتی قیمت کوٹ کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے جبکہ دوسری صورت میں کوٹ کی نسبتی قیمت کپڑے کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرح قیمت کی اس پہلی شکل میں مذکورہ تخالف کو معلوم کر لینا بہت مشکل ہے۔

شکل[2] ب۔ یہ ظاہر کرتی ہے کہ کسی ایک وقت صرف ایک ہی جنس پوری طرح اپنی نسبتی قیمت کو توسیع دے سکتی ہے۔ اور یہ کہ یہ جنس اپنی توسیع شدہ شکل صرف اس لیے حاصل کرتی ہے کہ دوسری اجناس اس پہلی جنس سے مساوی ہیں اور صرف اس حد تک جس حد تک یہ دوسری اجناس اس سے مساوی ہیں۔ پہلی شکل 20 گز کپڑا = ایک کوٹ کے۔ کی طرح اس مساوات کو الٹا نہیں جا سکتا اور اگر اس کو الٹا گیا تو اس شکل کی پوری نوعیت ہی بدل جائے گی اور تبدیلی کی وجہ سے یہ توسیع شدہ شکل قیمت کی عام شکل بن جائے گی اور آخر میں[3] شکل ج۔ تمام کی تمام اجناس کی ایک عام سماجی نسبتی قیمتی شکل

---

[1] اس مساوات 20 گز کپڑا = ہے ایک کوٹ کے میں کپڑا اور کوٹ جو پارٹ ادا کرتے ہیں وہ اس سے مختلف ہے جو ایک کوٹ = ہے۔ 20 گز کپڑے کے میں یہ دونوں ادا کر رہے ہیں۔ مترجم)

[2] قیمت کی توسیعی شکل۔ مترجم) [3] پچھلے صفحات میں شکل ج کو ایک واضح مثال کے طور پر بتایا گیا ہے جس کو پیش نظر رکھ کر یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صرف ایک جنس کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پیدا کردیتی ہے۔ اس لیے کہ اس شکل کے ذریعہ ایک کے علاوہ تمام اجناس مساواتی شکل سے خارج کردی جاتی ہیں ☆ اس طرح اس شکل۔ ج۔ میں ایک جنس کپڑا اس طور پر سامنے آتا ہے کہ اس نے دوسری تمام اجناس کے ساتھ براہ راست قابل مبادلہ ہونے کی حیثیت پیدا کرلی ہے۔ وہ یہ کردار اس حد تک اور اتنا پیدا کرتا ہے جتنی اور جس حد تک یہ خصوصیت دوسری اجناس سے چھین لی جاتی ہے۔

اس کے برعکس وہ جنس جو ہمہ گیر مساواتی[1] اکائی کے طور پر کام کرتی ہے نسبتی

(بقیہ حاشیہ) علاوہ جسے مساواتی اکائی قرار دیا گیا ہے۔ باقی تمام اجناس مساواتی اکائیاں نہیں ہیں۔ اور ان باقی تمام اجناس میں عام سماجی نسبتی قیمتی شکل پیدا ہوگئی ہے۔ مترجم) ☆ جس حد تک خارج کردی جاتی ہیں اس حد تک نسبتی قیمتی شکل پیدا کردیتی ہیں۔ مترجم) [1] یہ چیز خود بخود تو کسی طرح بھی واضح نہیں کہ براہ راست اور ہمہ گیر طور پر قابل مبادلہ ہونے کی یہ خصوصیت (یوں کہئے کہ) ایک مخالف ستون ہے اور یہ مخالف ستون اپنے مخالف ستون یعنی براہ راست قابل مبادلہ ہونے کی خصوصیت کے عدم سے اس قریبی طور پر وابستہ ہے جیسے مقناطیس کا مثبت نقطہ منفی نقطہ سے قریبی ربط رکھتا ہے اور یوں یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ تمام ہی اجناس ایک ساتھ مذکورہ خصوصیت حاصل کرلیتی ہیں ٹھیک اسی طرح جس طرح یہ تصور کیا جاسکتا ہے کہ تمام کیتھولک مجموعاً پوپ بن سکتے ہیں۔ البتہ چھوٹے بورژوا کی نظر میں جس کے لیے انسانی آزادی اور انفرادی حریت کا منتہائے کمال ہی اجناس کی پیداوار ہے یہ چیز سب سے زیادہ پسندیدہ ہے کہ اشیاء کے براہ راست قابل مبادلہ نہ ہونے کی خصوصیت سے جو زحمتیں اٹھانا پڑتی ہیں وہ قطعی دور ہوجائیں۔ پرادھن کی اشتراکیت اس تھی مغزانہ خیالی جنت کی تفصیلات تیار کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔ اشتراکیت کی یہ شکل جیسا کہ میں نے کہیں اور واضح کیا ہے اختراعی ہونے کی خصوصیت کی حامل بھی نہیں ہے۔ پرادھن سے بہت پہلے اور بڑی کامیابی کے ساتھ گرے اور برے وغیرہ نے اسی کی کوشش کی تھی لیکن ان تمام ناکام مساعی کے باوجود اس قسم کی ذہانت اب بھی بعض حلقوں میں سائنس کے نام سے نشوونما پاتی رہتی ہے۔ حالانکہ آج تک لفظ سائنس کے ساتھ کسی نے اتنی پینترے بازی نہیں کی جتنی پرادھن نے کی ہے۔

قیمتی شکل سے الگ ہوتی ہے اس لیے کہ اگر کپڑا یا کوئی بھی وہ جنس جو ہمہ گیر مساواتی اکائی کے طور پر کام کرتی ہے۔ اس فرض کو انجام دینے کے ساتھ ہی قیمت کی نسبتی شکل، بھی حصہ دار ہو تو پھر وہ خود اپنی ہی مساواتی اکائی ہونے کا فرض انجام دے گی اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہماری مساوات یہ بن جائے گی کہ 20 گز کپڑا = 20 گز کپڑے کے۔ لیکن یہ تو محض الفاظ کی تکرار ہے اور اس سے نہ تو قیمت ظاہر ہوتی ہے اور نہ قیمت کی مقدار۔ اس ہمہ گیر مساواتی اکائی کی قیمت ظاہر کرنے کے لیے تو ہمیں شکل۔ ج۔ کو بالکل الٹ دینا پڑے گا۔ یہ ہمہ گیر مساواتی اکائی دوسری تمام اجناس کے ساتھ کوئی مشترک نسبتی قیمتی شکل نہیں رکھتی اس کی قیمت تو اجناس کے نہ ختم ہونے والے سلسلہ سے نسبتی طور پر ظاہر ہوتی ہے اور اس طرح نسبتی قیمت کی توسیع شدہ شکل یا یوں کہیے کہ شکل۔ ب۔ ہی یہ ظاہر کرتی ہے کہ مساواتی اکائی والی جنس کے لیے نسبتی قیمت کی مخصوص شکل کی حیثیت صرف وہی رکھتی ہے۔

(3) قیمت کی عام شکل سے شکل زر کی طرف انتقال

ہمہ گیر مساواتی شکل۔ قیمت من حیث المجموع۔ کی ایک شکل ہے اور اس لیے ہر جنس یہ شکل اختیار کر سکتی ہے جبکہ اس کے برعکس اگر کسی جنس نے ہمہ گیر مساواتی شکل (شکل۔ب) اختیار کر لی ہے تو یہ اس لیے اور اس حد تک ہے جس حد تک یہ جنس تمام دوسری اجناس سے ان کی مساواتی اکائی ہونے کی وجہ سے الگ کر دی گئی ہے اور اس کا الگ کیا جانا بھی ان باقی دوسری اجناس کے اپنے عمل کی وجہ سے ہے۔ کسی خاص جنس کا باقی دوسری اجناس سے الگ کیے جانے کا عمل جس لحہ مکمل شکل اختیار کرتا ہے تو اس لحہ اور صرف اسی لحہ سے دنیا بھر کی اجناس کی نسبتی قیمت کی عام شکل حقیقی جوہریت اور عمومی سماجی استحکام حاصل کر لیتی[1] ہے۔

[1] مطلب یہ ہے کہ جب کسی ایک جنس کو ایک ایسی مساواتی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس طرح یہ مخصوص جنس جس کی جسمانی شکل سے مساواتی اکائی ہونے کی شکل جسمانی طور پر مماثل بن جاتی ہے، جنس زر بن جاتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ۔ زر۔ کا کام دیتی ہے۔ اس جسم کا خاص سماجی فرض اور نتیجہ میں اس کی یہ سماجی اجارہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ اجناس کی دنیا میں ہمہ گیر مساواتی اکائی کا کام کیا کرے۔ وہ اجناس جو۔ شکل ب۔ میں کپڑے کی مخصوص مساواتی اکائیوں کے طور پر آتی ہے اور۔ شکل ج۔ میں مشترک طور پر اجناس کی نسبتی قیمتوں کو کپڑے کے ذریعے ظاہر کرتی ہیں، ان میں مذکورہ اہم رتبہ خاص طور پر صرف ایک ہی جنس حاصل کر پاتی ہے۔ یہ جنس ہے۔ سونا۔ اب اگر ہم۔ شکل ج۔ میں کپڑے کی جگہ سونا لے آئیں تو اس شکل کی نوعیت یہ ہو جائے گی۔

(د) زر کی شکل

=20 گز کپڑے کے	ایک تولہ سونا
= ایک کوٹ کے	
= دس سیر چائے کے	
=20 سیر قہوہ کے	
= ایک من اناج کے	
= آدھے من لوہے کے	
= الف جنس بمقدار ص۔ کے	

شکل الف۔ سے۔ شکل ب۔ اور شکل ب سے شکل۔ ج۔ تک جو تبدیلیاں ہوئی ہیں وہ اساسی اہمیت کی حامل ہیں۔ جبکہ اس کے برعکس۔ شکل ج۔ سے۔ شکل د۔

(بقیہ حاشیہ) اکائی کے طور پر متعین کر دیا جاتا ہے جس سے دوسری تمام اجناس کی قیمت متعین ہوتی ہے تو اس لحہ سے تمام اجناس کی قیمت بھی متعین سماجی اہمیت اور حقیقی جوہریت پیدا کر لیتی ہے۔ مترجم)

میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی سوائے اس کے آخر الذکر شکل میں کپڑے کی جگہ۔ سونا مساواتی اکائی بن گیا۔ یوں۔ شکل د۔ میں سونا وہی کام کر رہا ہے جو۔ شکل ج۔ میں کپڑا انجام دے رہا تھا۔ یعنی ہمہ گیر مساواتی اکائی ہونے کا کام ان دونوں شکلوں میں سے ایک سے دوسری شکل میں جو ارتقا ہوا وہ صرف اس قدر ہے کہ براہ راست اور قابل مبادلہ ہونے کی حیثیت۔ بالفاظ دیگر ہمہ گیر مساواتی شکل۔ اب سماجی رواج کی بناء پر ایک خاص جوہر یعنی سونے سے مماثل ہوگئی۔

اس نقطہ پر پہنچ کر سونا صرف اس لیے تمام دوسری اجناس کی نسبت سے۔ زر۔ بن گیا کہ وہ پہلے انہیں اجناس کی نسبت سے صرف ایک معمولی سی جنس تھا۔ دوسری تمام اجناس کی طرح وہ بھی مساواتی اکائی۔ خواہ ایک ایک مبادلوں میں معمولی مساواتی اکائی یا کئی اجناس کے مقابل میں ایک خاص مساواتی اکائی۔ بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ مگر رفتہ رفتہ یہ سونا بدلتی ہوئی حدود میں ہمہ گیر مساواتی اکائی کے طور پر کام کرنے لگا۔ سونا تمام دنیا کی اجناس کی قیمت ظاہر کرنے کے سلسلہ میں جونہی اس مقام کو اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہے وہ جنس زر بن جاتا ہے۔ اور اس وقت اور اسی وقت تک۔ شکل د۔ شکل ج۔ سے ممتاز ہو جاتی ہے اور قیمت کی عمومی شکل بدل کر۔ شکل زر۔ بن جاتی ہے۔

کسی ایک جنس جیسے کپڑے کی نسبتی قیمت کا اس جنس کے ذریعہ ابتدائی اظہار جو کہ زر کا پارٹ ادا کرتی ہے جیسے سونا اول الذکر جنس کی نرخ کی شکل ہوتا ہے۔ اس طرح کپڑے کی۔ شکل نرخ۔ یہ ہوگی 20 گز کپڑا = ایک تولہ سونے کے یا اگر ایک تولہ سونا 30 روپے کے برابر ہوتا ہو تو

20 گز کپڑا = 30 روپے کے

شکل زر کا تصور قائم کرنے میں جو دشواری پیش آتی ہے اس کی وجہ ہمہ گیر مساواتی اکائی کا واضح تصور قائم نہ کرنا ہوتا ہے جس کا لازمی نتیجہ قیمت کی عام شکل ج۔ کا تصور قائم نہ ہونا ہے۔ یہ۔ شکل ج۔ شکل ب۔ یعنی قیمت کی توسیع شدہ شکل سے پیدا

ہوتی ہے۔ اور قیمت کی توسیع شدہ شکل کا سب سے اہم عنصر جیسا کہ ہم نے سابقہ بحث میں نوٹ کیا۔ شکل الف ۔ ہے۔ یعنی یہ شکل کہ 20 گز کپڑا = ایک کوٹ کے یا الف جنس بمقدار س = ب جنس بمقدار ۔ ی۔ کے گویا جنس کی سیدھی سادی شکل۔ شکل زر کے لیے ابتدائی جرثومہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

فصل 4۔ اجناس کی فیٹیشیت[1] اور اس کا صحیح راز

پہلی ہی نظر میں ایک جنس بڑی ہی معمولی چیز کی حیثیت سے سامنے آتی ہے اور آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے لیکن اس کے تجزیہ و تحلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ فی الواقع وہ ایک بہت ہی عجیب چیز ہے جو بہت سی مابعدالطبعیاتی باریکیوں اور دینیاتی پیچیدگیوں پر مشتمل ہوا کرتی ہے۔ جہاں تک یہ چیز ایک ایسی قیمت ہے جو استعمال میں آتی ہے سو اس حد تک اس سے کوئی پراسرار بات وابستہ نہیں ہوتی۔ خواہ اس چیز پر اس حیثیت سے غور کیا جائے کہ یہ اپنی خصوصیات کی وجہ سے انسانی حاجات کو مطمئن کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے یا اس اعتبار سے غور کیا جائے کہ اس کی خصوصیات انسانی محنت کی پیداوار ہیں۔ اب یہ حقیقت تو چمکتے ہوئے سورج کی طرح واضح ہے کہ انسان اپنی محنت سے فطرت کے مہیا کردہ موادوں کو اس انداز میں متبدل کر دیتا ہے کہ وہ انسانی استعمال

---

[1] فیٹیشیت (Fetishism) پوجان شئے۔ یعنی وہ شے جسے وحشی قبائل اس لیے پوجا کرتے ہیں کہ اس میں کوئی روح چھپی ہوئی ہے۔ میرا خیال ہے کہ فیٹش یا فیٹیشیت۔ کو اگر جوں کا توں اردو میں لے لیا جائے تو اس سے اردو کے مزاج پر کوئی اثر بھی نہ پڑے گا۔ اور اس لفظ کو جو مخصوص تاریخ اور علم الانسان کے مباحث میں جو اہمیت ہے وہ بھی باقی رہے گی جبکہ پوجان شے یا دوسری کسی ایسی ہی اصطلاح سے ترجمہ کرنے کی صورت میں لفظ کا صحیح تاریخی یا انسانیاتی پس منظر اور معنوی لواحق ختم ہو جائیں گے اور یوں اصل مفہوم اور اس کے متعلقات پوری طرح واضح نہ ہو سکیں گے۔ مترجم)

کے لیے مفید بن جاتے ہیں۔ اب مثلاً لکڑی ہی کو لے لیجئے جسے میز کی شکل میں بدل دیا جاتا ہے تاہم اس تبدیلی کے باوجود یہ میز وہی روز مرہ کی عام چیز لکڑی ہی رہتی ہے لیکن جونہی یہ میز ایک قدم بڑھا کر ۔جنس۔ بنتی ہے تو پھر یہ ایک ایسی چیز میں بدل جاتی ہے جو ورائے ادراک ہو۔ پھر یہ میز صرف اپنی ٹانگوں سے زمین پر ہی کھڑی نہیں ہوتی بلکہ دوسری تمام اجناس کے رشتہ میں وابستہ ہوکر سر کے بل کھڑی ہو جاتی ہے اور اپنے خشبی دماغ سے عجوبہ خیز خیالات پیدا کر دیتی ہے جو اس سے کہیں زیادہ تعجب خیز ہوتے ہیں جیسے میز کا الٹنا کبھی بھی ہونا ممکن[1] ہے۔

تو نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ اجناس کی پراسرار نوعیت ان کی استعمالی قیمت سے پیدا نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہ پراسرار نوعیت قیمت کے متعین کرنے والے عناصر کی ماہیت سے بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ سب سے پہلی بات تو یہ کہ کارآمد محنت اور پیداواری اعمال کس قدر بھی متنوع کیوں نہ ہوں تاہم وہ ایک جسمانی حقیقت ہیں۔ وہ محض ایک انسانی جسم کے اعمال ہیں اور ان اعمال میں سے ہر ایک عمل خواہ اس کی ماہیت یا شکل کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ جوہری طور پر محض انسانی دماغ۔ اعصاب اور عضلات وغیرہ کا صرف ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے جو کہ قیمت کے کمی تعین کا جزوِ اعظم بنتی ہے۔ یعنی محنت کے صرف کی مدت یا محنت کی مقدار سو یہ بالکل واضح ہے کہ اس کی کمیت و کیفیت میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ وہ مدت محنت جو وسائل خورونوش پیدا کرنے میں صرف ہوتی ہے۔ سماج کی تمام حالتوں میں بنی نوع انسان کے لیے دلچسپی کا لازماً باعث بنتی ہے۔ گو ارتقاء کے مختلف مدارج میں یکساں دلچسپی کا باعث نہ بنتی ہو[2]۔ اور آخری بات یہ کہ جونہی آدمی ایک دوسرے کے لیے کام شروع کرتے ہیں

---

[1] یہ جملہ استعاراتی ہے جس میں ان مفاہیم کی پیچیدگی کا اظہار کیا گیا ہے جو ایک عام چیز میز کے جنس بننے کے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مترجم)

[2] قدیم جرمنوں میں زمین کو ناپنے کا پیمانہ فصل کا وہ حصہ ہوتا تھا جو (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ان کی محنت سماجی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

اندریں صورت سوال پیدا ہوتا ہے کہ محنت کی پیداوار اجناس کی شکل اختیار کرتے ہی یہ پراسرار نوعیت کہاں سے حاصل کر لیتی ہے۔ جواب ظاہر ہے کہ خود اس شکل ہی سے اس کی پراسرار نوعیت پیدا ہو جاتی ہے۔ انسانی محنت کی تمام کی تمام اقسام کا باہم مساوی ہونا جس چیز سے خارجی طور پر ظاہر کیا جاتا ہے وہ ان محنتوں کی پیداواریں ہیں جو تمام کی تمام مساوی طور پر قیمتیں ہیں۔ قوتِ کار (لیبر پاور) کے صرف کا اس صرف کی مدت کے ذریعہ تعین محنت کی پیداواروں کی (جو قیمت کی مقدار ہوتی ہے) شکل اختیار کر جاتا ہے اور آخر میں یہ کہ پیدا کنندگان کے باہمی رشتے جن میں ان کی محنت کا سماجی کردار نمایاں ہوتا ہے پیداواروں کے درمیان کے سماجی رشتہ کی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔

بہرحال وجہ یہ ہے جنس کے ایک پراسرار چیز ہونے کی۔ وہ صرف اس لیے پراسرار چیز ہوتی ہے کہ اس میں انسانوں کو اپنی محنت کا سماجی کردار ایک ایسے خارجی کردار کی طرح نظر آتا ہے جو اس محنت کی پیداوار پر چھاپ دیا گیا ہے وہ پراسرار ہوتی ہے اس لیے کہ پیدا کنندگان اور ان کی اپنی محنت کے مجموعہ کے درمیان جو رشتہ ہوتا ہے وہ ان کے سامنے ایک سماجی رشتہ کے طور پر آتا ہے ایک ایسے رشتہ کے طور پر جو ان کے اپنے درمیان موجود نہیں ہوتا بلکہ ان کی پیداواروں کے درمیان ہوتا ہے یہ اور یہی سبب ہے اس بات کا کہ کیوں محنت کی پیداواریں اجناس بن جاتی ہیں یعنی ایسی سماجی چیزیں بن جاتی ہیں جن کی صفات بیک وقت حواس سے محسوس بھی ہوتی ہیں اور غیر محسوس بھی رہتی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کسی شئے مدرک[1] سے آنے والے نور کو ہم یہ محسوس نہیں

(بقیہ حاشیہ) ایک دن میں کاٹ جا سکتا تھا اس کو تاگ وواک۔ تاگ دان اور منس ماد وغیرہ کہا جاتا تھا۔ (حوالے کے لیے ملاحظہ ہو جی۔ ایل این مارانلائنگ زر جشٹے ڈرمارک وغیرہ منچن 1859ء صفحہ 129-159)

[1] شئے مدرک یا زیادہ صحیح الفاظ میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرتے کہ وہ ہمارے عصبہ چشم میں ایک داخلی انتقال کی حیثیت رکھتا ہے۔ بلکہ بصارت میں بہر حال جو کچھ ہوتا ہے وہ یہی تو ہے کہ نور ایک چیز سے دوسری چیز کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ وہ ایک خارجی مدرک سے آنکھ تک پہنچتا ہے۔ گویا وہ طبعی اشیاء کے درمیان ایک طبعی رشتہ ہوتا ہے لیکن اجناس کے ساتھ صورت حال مختلف ہے۔ یہاں اشیاء کا من حیث الاجناس وجود اور محنت کی پیداواروں کے درمیان قیمتی رشتہ جو ان اشیاء کو اجناس بنا دیتا ہے ان اشیاء کی طبعی خصوصیات اور صفات اور ان مساوی رشتوں سے جو ان صفات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کوئی بھی تعلق نہیں رکھتا۔ یہاں تو یہ رشتہ انسانوں کے درمیان ایک قطعی طور پر سماجی رشتہ ہوتا ہے جو ان کی نظروں میں یہ عجوبہ شکل اختیار کر لیتا ہے کہ وہ اشیاء کے درمیان کا رشتہ ہے۔ اس کی ایک بہترین مماثلت مذہبی دنیا کے کہر آلود ماحول میں ملتی ہے۔ مذہبی دنیا میں انسانی دماغ کی پیداواریں خود مختار ہستیوں کی طرح سامنے آتی ہیں اور ذی حیات ہوتی ہیں۔ وہ آپس میں بھی رشتہ رکھتی ہیں اور عام نسل انسانی سے بھی رشتہ رکھتی ہیں۔ یہی صورت اجناس کی دنیا میں انسانی ہاتھوں کی پیداواروں کی ہوتی ہے۔ اس کو میں فیٹیشیت[1] کہتا ہوں جو کہ انسانی محنت کی پیداواروں سے اجناس بنتے ہی ان سے وابستہ ہو جاتی ہے اور اس لیے وہ اجناس کے بنتے رہنے کی حالت سے کبھی جدا نہیں ہو سکتی۔

تو جیسا کہ سابقہ بحث و نظر سے واضح ہوا اجناس کی فیٹیشیت کی جڑ اس محنت کے سماجی کردار میں ملتی ہے جو اجناس کو پیدا کرتی ہے۔

(باقی حاشیہ) یوں کہیے شے مبصر۔ یعنی وہ چیز جسے فرد خارج میں دیکھتا ہے۔ کسی چیز کے دیکھنے کا عمل جس حقیقت پر مشتمل ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ خارج کی کسی چیز سے نور کی شعاعیں پردہ چشم پر پڑتی ہیں یہ نہیں کہ انسانی نظر کوئی حقیقت ہو جو خارج کی اشیاء سے متعلق ہوتی ہو جو چیز دیکھی جاتی ہے اسے شے مدرک یا شے مبصر کہہ سکتے ہیں۔ مترجم)

[1] اس لفظ کی تشریح پہلے آ چکی ہے۔ مترجم)

ایک عام اصول کی حیثیت سے کارآمد چیزیں صرف اس لیے اجناس بنتی ہیں کہ وہ نجی افراد یا افراد کے ان گروہوں کی محنت کی پیداواریں ہوتی ہیں جو ایک دوسرے سے آزادانہ رہ کر اپنا کام کرتے ہیں۔ ان تمام نجی افراد کی ساری محنت پورے کے پورے سماج کی محنت کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اب چونکہ پیداکنندگان اس وقت تک ایک دوسرے سے سماجی ارتباط قائم نہیں کرتے جب تک وہ اپنی پیداواروں کا مبادلہ نہ کریں تو اس لیے ہر پیداکنندہ کی محنت کا ممتاز سماجی کردار مبادلہ کے عمل کے علاوہ اور کسی طرح ظاہر نہیں ہوسکتا۔ بالفاظ دیگر فرد کی محنت سماج کی محنت کے ایک جزو کی حیثیت سے اپنا وجود صرف انہیں رشتوں کے ذریعہ منواتی ہے جن کو مبادلہ کا عمل پیداواروں کے درمیان بلاواسطہ اور ان پیداواروں کے ذریعہ پیداکنندگان کے درمیان بالواسطہ قائم کرتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ رشتے جو ایک فرد کی محنت کو باقی افراد کی محنت سے مربوط کرتے ہیں پیداکنندگان کو ایسے بلاواسطہ سماجی رشتوں کی طرح نظر نہیں آتے جو افراد کے درمیان جبکہ وہ پیداواری عمل کر رہے ہوں موجود ہوں بلکہ ایسے مادی رشتوں کی طرح نظر آتے ہیں جو اشخاص کے درمیان ہوں اور ایسے سماجی رشتوں کی طرح جو اشیاء کے درمیان ہوں اور واقعی وہ رشتے ہیں بھی ایسے ہی۔ یہ تو صرف مبادلہ کی صورت میں آنے کے بعد ہی ہوتا ہے کہ محنت کی پیداواریں قیمتیں ہونے کی حیثیت سے یکساں سماجی درجہ حاصل کرلیتی ہیں۔ یہ یکساں سماجی درجہ ان پیداواروں کے کارآمد اشیاء ہونے کی حیثیت میں ان کے جو مختلف اور متنوع وجود ہوتے ہیں ان سے ایک ممتاز چیز ہوتا ہے۔ پیداوار کا کارآمد شے اور قیمت کی دو جدا جدا خصوصیات میں نبٹ جانا عملاً صرف اسی وقت اہمیت حاصل کرتا ہے جب مبادلہ کا دائرہ اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ کارآمد اشیاء مبادلہ ہی کی غرض سے پیدا کی جانے لگتی ہیں جس کی وجہ سے پیداواری عمل کے دوران ہی ان کی قیمت ہونے کی حیثیت کو پیش نظر رکھا جانے لگتا ہے۔ اس نقطہ پر پہنچتے ہی انفرادی پیداکنندہ کی محنت سماجی طور پر دو رویہ کردار حاصل کرلیتی ہے۔ ایک طرف تو یہ محنت محنت کی ایک متعین کارآمد تقسیم کی

حیثیت سے ایک متعین سماجی حاجت کو پورا کرتی ہے اور اس طرح سب کی مجموعی محنت کے ایک اہم جزو کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اور محنت کی اس سماجی تقسیم میں جو کہ خود بخود پیدا ہو گئی ہے ایک شاخ کے بطور اپنی جگہ قائم کر لیتی ہے اور دوسری طرف وہ خود پیدا کنندہ کی متعدد حاجات کو پورا کر سکتی ہے لیکن صرف اس حد تک یہ ان حاجات کو پورا کرتی ہے جس حد تک کارآمد نجی محنت کی تمام اقسام کی قابل مبادلہ ہونے کی صلاحیت ایک طے شدہ سماجی حقیقت بن جاتی ہے اور یوں ہر پیدا کنندہ کی انفرادی نجی محنت دوسرے تمام پیدا کنندگان کی محنت کے ساتھ مساوی درجہ پر آ جاتی ہے۔ محنت کی بہت زیادہ مختلف قسموں کی یہ مساوی نوعیت صرف نتیجہ ہو سکتی ہے اس تجرید کا جو اُن کے غیر مساوی پہلوؤں کو نظر انداز کر کے کی جاتی ہے یا پھر یہ مساوی نوعیت پیدا ہوتی ہے اس طرح کہ محنت کی ان مختلف قسموں کی تحلیل کر کے ان کے پس منظر میں جو مشترک عنصر ہوتا ہے جو کہ انسانی قوتِ کار کے صرف یا محنت محضہ البشریہ[1] یہ ہوتی ہے اسے پیش نظر رکھا جاتا ہے فرد اپنی محنت کے اس دو رویہ سماجی کردار پر جب غور کرتا ہے تو وہ اسے صرف انہیں اشکال میں دیکھ سکتا ہے جن اشکال کو پیداواروں کے مسلولہ نے روزمرہ کی زندگی میں اس کی محنت پر تھوپ رکھا ہے۔ اِس طرح اس کی اپنی محنت کی یہ خصوصیت کہ وہ سماجی طور پر ایک کارآمد چیز ہے اس نئی شرط کی تابع ہو جاتی ہے کہ یہ پیداوار نہ صرف یہ کہ کارآمد ہو بلکہ دوسروں کے لیے بھی کارآمد ہو۔ اور پھر اس کی انفرادی محنت کی یہ سماجی خصوصیت کہ وہ تمام مخصوص اقسام کی (انفرادی) محنتوں کے مساوی ہوتی ہے یہ شکل اختیار کر لیتی ہے کہ طبعی طور پر تمام مختلف اشیاء جو محنت کی پیداواریں ہوتی ہیں ایک ہی مشترک خصوصیت کی حامل ہوتی ہیں۔ یعنی یہ مشترک خصوصیت کہ وہ قیمت رکھنے والی ہوتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ جب اپنی محنت کی پیداواروں کو ہم قیمتیں ہونے کی حیثیت سے

---

[1] محنت محضہ بشریہ کی اصطلاح کو کتاب کی پہلی فصل میں واضح کیا گیا ہے۔ مترجم)

ایک دوسرے کے رشتہ میں لاتے ہیں تو یہ سب کچھ اس لیے نہیں کرتے کہ ان اشیاء کو ہم متجانس انسانی محنت کا مادی ظرف خیال کرتے ہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس جب بھی مبادلہ کے ذریعہ ہم اپنی مختلف پیداواروں کو قیمتوں کی حیثیت سے ایک دوسرے کے مساوی کرتے ہیں تو اس عمل کے ذریعہ مختلف قسم کی ان محنتوں کو بھی جو ان پر صرف کی گئی ہیں انسانی محنت ہونے کی حیثیت سے ایک دوسرے کے مساوی لاتے ہیں[1]۔ گو ہم بھی جو کچھ کرتے ہیں اس کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے تاہم کرتے ایسا ہی ہیں[2]۔ قیمت کوئی ٹھپہ (لگا کر تو) جو اس کی صحیح حیثیت بتائے ادھر ادھر گھومی پھرتی نہیں۔ یہ قیمت ہی تو ہوتی ہے جو ہر پیداوار کو سماجی ہیروغلیفی[3] میں بدل دیتی ہے۔ پھر بعد کو ہم اس ہیروغلیفی (اَن جانے رسم الخط) کو پڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم اپنی سماجی پیداواروں کے راز کو کریدتے ہیں اس لیے کہ کسی کارآمد چیز پر قیمت کا ٹھپہ لگانا اسی قدر سماجی پیداوار ہوتا ہے جیسی سماجی پیداوار۔ انسانوں کی بولیاں۔ یا زبانیں ہوتی ہیں۔ یہ حالیہ سائنسی دریافت کہ محنت کی پیداواریں اس حد تک کہ وہ قیمتیں ہیں اس انسانی محنت کی مادی نمود ہیں جو ان پیداواروں پر صرف کی گئی ہے نسل انسانی کے ارتقاء کی تاریخ میں

---

[1] یعنی مطلب یہ کہ مبادلہ میں اشیاء کو انسانی محنت کا مادی ظرف خیال نہیں کیا جاتا بلکہ مبادلہ کی دونوں اشیاء میں سے ہر ایک پر جو انسانی محنت صرف کی گئی ہے دراصل ان دونوں کا آپس میں مساوی ہونا ہی مبادلہ کا سبب بنتا ہے۔ مترجم)

[2] اس لیے جہاں گیلیانی نے یہ کہا ہے کہ ''قیمت اس رشتہ کا نام ہے جو افراد کے درمیان ہوتا ہے''۔ وہاں دراصل اسے یہ بھی بڑھا دینا چاہیے تھا کہ ''یہ رشتہ افراد کے درمیان کا وہ رشتہ ہے جو اشیا کے درمیان رشتہ کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے (گیلیانی ڈیلا مونٹا۔ صفحہ 221 جلد 3۔ از مجموعہ کسٹوڈی مسمی'' اسکری ٹوری کلاسیسی (تیلیانی ذی) کا نمیا پولیٹیا پارتے موڈرنا۔ میلانو 1803)

[3] ہیروغلیفی سے یہاں اَن جانے رسم الخط سے استعارہ ہے۔ مترجم)

فی الواقع ایک نئے عہد کے آغاز کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن یہ دریافت بھی اس گہرے غبار کو صاف نہیں کر سکتی جس میں لپٹ کر محنت کا سماجی کردار ہمارے سامنے آتا ہے کہ وہ محنت کا نہیں بلکہ خود پیداواروں کا خارجی واثباتی کردار نظر آتا ہے[1]۔

یہ حقیقت کہ پیداوار کی اس مخصوص شکل میں جس پر ہم یہاں بحث کر رہے ہیں یعنی اجناس کی پیداوار اس نجی محنت کا ممتاز سماجی کردار جو آزادانہ[2] کی گئی ہو مشتمل ہوتا ہے اس بات پر کہ اس قسم کی ہر محنت انسانی محنت ہونے کی وجہ سے مساوی حیثیت رکھتی ہے اور اس لیے یہ سماجی کردار پیداوار میں قیمت کی شکل اختیار کر جاتا ہے۔ مذکورہ سائنسی دریافت کے باوصف پیدا کنندگان کے لیے اس قدر واقعاتی اور طے شدہ معلوم ہوتا ہے جس قدر فضا ہوا کے گیسی عناصر کے سائنسی انکشاف کے باوجود ایک غیر متغیر حقیقت ہی رہتی ہے۔

پیدا کنندگان جب مبادلہ کرتے ہیں تو سب سے پہلی چیز جو ان کے خیال میں عملی اہمیت رکھتی ہے یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ اپنی چیز کے مقابل کوئی دوسری پیداوار کس قدر حاصل کر سکتے ہیں اور کس اوسط سے ان پیداواروں کا مبادلہ ہوتا ہے۔ جب رواج کے ذریعہ ان اوسطوں میں ایک حد تک استحکام پیدا ہو جاتا ہے تو معلوم ایسا ہونے لگتا ہے کہ یہ اوسط خود پیداوارں کی اپنی ماہیت سے پیدا ہوتے ہیں اور یوں بطور مثال ایک ٹن لوہا اور ایک تولہ سونا اسی طرح فطری طور پر مساوی القیمت معلوم ہوتے ہیں جس طرح آدھ سیر لوہا اور آدھ سیر سونا طبعی اور کیمیائی اختلافات کے باوجود مساوی الوزن ہوتے ہیں۔ پیداواروں پر جب ایک بار صاحب القیمت ہونے کا کردار مرتسم کر دیا جاتا ہے تو پھر مقداریں ہونے کی حیثیت سے ایک دوسرے پر ان کے عمل اور رد عمل کی وجہ سے یہ

---

[1] جبکہ وہ فی الواقع محنت کا سماجی کردار ہوتا ہے پیداواروں کا خارجی کردار نہیں ہوتا۔ مترجم)

[2] یعنی وہ محنت جو کسی ایک مزدور نے مشترکہ نہ کی ہو آزادانہ کی ہو۔ مترجم)

کردار استحکام حاصل کر لیتا ہے۔ قیمت کی یہ مقداریں محض آزادانہ اور مسلسل طور پر بدلتی رہتی ہیں اور ان کی اس تبدیلی پر پیدا کنندگان کے ارادہ عمل اور دوراندیشی کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان پیدا کنندگان کے لیے ان کا سماجی عمل اشیاء کے عمل کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اشیاء کا یہ عمل ہی پیدا کنندگان پر اقتدار رکھتا ہے۔ پیدا کنندگان کا عمل اشیاء پر اقتدار نہیں رکھتا۔ اجناس کی پیداوار کے پوری طرح ارتقاء پذیر ہونے کے بعد مسلسل تجربات کے جمع ہونے سے یہ سائنسی یقین پیدا ہوتا ہے کہ نجی محنت کی وہ تمام مختلف اقسام جو ایک دوسرے سے جدا کی جاتی ہیں اور جدا جدا ہونے کے باوجود خود بخود محنت کی سماجی تقسیم کی ترقی یافتہ شاخیں ہوتی ہیں مسلسل انہیں کی اوسطوں پر آتی رہتی ہیں جن اوسطوں پر سماج کو ان اشیاء کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ پیداواروں کے درمیان جو اتفاقی اور ہمیشہ بدلنے والے مبادلاتی رشتے ہوتے ہیں ان رشتوں کے ہجوم میں رہنے کے باوجود وہ مدت محنت جو ان اشیاء کے پیدا کرنے کے لیے سماجی طور پر ضروری ہوتی ہے۔ فطرت کے سب سے بڑے حکمران قانون کی حیثیت سے اپنا وجود منوانے کے لیے سامنے آتی رہتی ہے۔ اسی طرح جیسے کسی مکان کے گرنے کے وقت قانون تجاذب اپنا وجود منوانے کے لیے سامنے آجاتا ہے[1]۔ تو بہر حال نتیجہ یہ نکلا کہ قیمت کی مقدار کا مدت محنت سے تعین ہی ایک ایسا راز ہے جو اجناس کے نسبتی قیمتوں کے ظاہر تغیرات کے پیچھے چھپا رہتا ہے۔ لیکن پیداواروں کی قیمتوں کی مقدار کے تعین پر اتفاقیت کے جو خول چڑھے ہوتے ہیں ان کو الگ کرنے کے بعد بھی اس راز کی دریافت

---

[1] اس قانون کے متعلق ہم کیا خیال کریں گے جو صرف دوری انقلابوں کے ذریعہ ہی اپنا وجود منواتا ہے؟ ظاہر ہے یہ قانون فطرت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جو ان لوگوں کے عدم علم پر مبنی ہوتا ہے جن کے اقدامات سے یہ بحث کرتا ہے۔ فریڈرک اینگلز۔ ڈیوش۔ فرانزوسشے جاہر بوچ۔ مِن۔ امریسے زو آئمز کریٹیک ڈر نیشیالوکونوی۔ مرتبہ آرنالڈ روژ و کارل مارکس۔ پیرس 1844ء)

اس طرز عمل کوئی تبدیلی پیدا نہیں کرتی جس میں قیمتوں کا یہ تعین ہوا کرتا ہے۔

سماجی زندگی کی اشکال پر انسان جو غور وفکر کرتا ہے اور اس کے نتیجہ میں ان اشکال کا جو سائنسی تجزیہ کرتا ہے وہ اس سمت سے قطعی مختلف سمت میں ہوتا ہے جسے ان اشکال کا تاریخی ارتقاء اختیار کرتا ہے۔ اس لیے کہ انسان تو اس مکمل حالت سے فکر شروع کرتا ہے جب ارتقائی عمل کے نتائج تکمیلی شکل میں اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ وہ کردار جو پیداواروں پر اپنی چھاپ لگا کر ان کو اجناس بناتے ہیں اور جن کی یہ چھاپ اجناس کی گردش کی ضروری شرط ہوتی ہے سماجی زندگی کی قدرتی اور خود بخود سمجھ میں آجانے والی اشکال کی حیثیت سے مستحکم بھی ہو چکے ہوتے ہیں۔ جب انسان ان کے رازوں کا انکشاف شروع کرتا ہے اور پھر وہ ان کے تاریخی کردار کا پتہ نہیں چلاتا کہ یہ تاریخی کردار تو اس کے خیال میں ناتغیر پذیر ہوتا ہے وہ صرف ان کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔۔ نتیجۃً اس صورت حال کا یہ ہوتا ہے کہ اجناس کے نرخوں کا تجزیہ ہی وہ طریقہ ہوتا ہے جو قیمتوں کی مقدار کے تعین تک رہنمائی کرتا ہے اور ان تمام اجناس کی زر کی شکل میں مشترک نمود ہی وہ حقیقت ہوتی ہے جو ان اجناس کے قیمتی ہونے کی حیثیت کے کردار کو قائم کرتی ہے لیکن دنیائے اجناس کی یہ آخری شکل زر۔ نجی محنت اور انفرادی پیدا کنندگان کے درمیان کے سماجی رشتوں کو ظاہر کرنے کے بجائے فی الواقع چھپا لیتی ہے۔ اب جب میں یہ کہتا ہوں کہ کوٹ اور جوتے۔ کپڑے سے رشتہ رکھتے ہیں اس لیے کہ یہ رشتہ مجرد انسانی محنت (یا محنت محض بشریہ۔ مترجم) کا ہمہ گیر جسمانی ظہور ہے تو میرے اس مقولہ کی لغویت صاف واضح ہو جاتی ہے۔ حالانکہ جب کوٹ اور جوتوں کے پیدا کنندگان ان اشیاء کا کپڑے سے موازنہ کرتے ہیں یا اسے یوں کہہ لیجیے کہ وہ ان کا سونے اور چاندی سے۔ ہمہ گیر مساواتی اکائی ہونے کی حیثیت سے موازنہ کرتے ہیں تو وہ اپنی نجی محنت کا سماج کی مجموعی محنت سے جو رشتہ ظاہر کرتے ہیں وہ بھی ٹھیک ایسی ہی لغو شکل میں ظاہر کیا جاتا ہے۔

بورژوا معاشیات کے فکری مقولات اسی قسم کی اشکال پر مشتمل ہوتے ہیں وہ ایسے فکری اشکال کا نام ہے جو ایک مقرر اور تاریخی طور پر متعین طرز پیداوار۔ (یعنی پیداوار اجناس) کے رشتوں اور حالتوں کے سماجی تحقق کو ظاہر کرتے ہیں۔ حالانکہ اجناس میں جو پراسراریت ہے اور محنت کی پیداواریں اجناس کی شکل میں رہنے تک جس ابہام اور ساحرانہ غلاف میں لپٹی رہتی ہیں وہ سب کا سب اس وقت غائب ہو جاتا ہے جب ہم پیداوار کی دوسری اشکال پر پہنچتے ہیں۔

چونکہ فلسفہ معاشیات کے ماہرین[1] رابنسن کروسو کے تجربات کو بار بار بیان کرنے کے عادی ہیں۔ اس لیے نامناسب نہ ہوگا اگر ہم رابنسن کروسو کو اس کے اپنے جزیرہ میں دیکھیں۔ کروسو گو معتدل مصارف کا شخص تھا تاہم چند حاجات اسے بھی پورا کرنا ہوتی تھیں اور اس لیے اسے بھی تھوڑے بہت مختلف قسم کے مفید و کارآمد کام کرتے ہوں گے۔ مثلاً فرنیچر اور اوزار کا بنانا۔ بھیڑوں کا سدھانا۔ مچھلیاں پکڑنا اور شکار کرنا۔ جہاں تک کروسو کی عبادات وغیرہ کا تعلق ہے سو ان سے ہمیں کچھ بحث نہیں اس

---

[1] خود رکارڈو نے بھی رابنسن سے متعلق کہانی تیار کی ہے۔ رکارڈو قدیم دور کے شکاری اور مچھلی مار کو فوراً اجناس کے مالک کی حیثیت سے شکار اور مچھلی کا اس اوسط سے تبادلہ کرتا دکھاتا ہے جس اوسط سے ان دونوں اشیاء میں انسانی محنت صرف ہوئی ہے۔ اس مقام پر رکارڈو نے یہ ٹھوکر کھائی کہ اس نے اتنے قدیم دور کے ان باشندوں کو وہ سالانہ حسابی جدولیں اپنے حساب کے دوران۔ جہاں تک ان کے حسابی آلات کا تعلق ہے استعمال کرتے دکھایا ہے جو کہ لندن کے بازار صرافہ میں 1817ء میں استعمال ہوتی تھیں۔ رکارڈو کے خیال میں سماج کی بورژوا شکل کے علاوہ جس سے وہ واقف تھا اور دوسری سماجی شکل صرف رابرٹ اوون کی خیالیت پسندی تھی۔ (رابرٹ اوون 1717ء۔ 1858ء مشہور برطانی سوشلسٹ مالک کارخانہ جس نے لانرک شائر۔ ہیمپشائر اور امریکہ میں سوشلسٹ برادریاں قائم کیں۔ مترجم۔ کارل مارکس۔ تنقید وغیرہ صفحات 69-70)

لیے کہ یہ تو کروسو کے لیے ذرائع مسرت کی حیثیت رکھتے ہیں اور وہ انہیں محض اپنی تفریح کی حیثیت سے سمجھتا بھی ہے۔ اپنے متنوع کاموں کے باوصف کروسو یہ جانتا ہے کہ اس کی محنت خواہ اس کی شکل کچھ بھی کیوں نہ ہو بہرحال صرف اس کے اپنے حرکت وعمل کا نام ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس کی محنت کچھ نہیں ہے مگر انسانی محنت کے مختلف طریقے صرف حاجت نے اسے مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنے وقت کو مختلف اقسام کی محنتوں میں بانٹ دے۔ اب رہا یہ امر کہ ان مختلف اقسام کی محنتوں میں سے کس قسم کی محنت اس کے حرکت وعمل کے زائد حصہ پر حاوی ہوگی۔ سو اس کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ جس مفید مقصد کا حصول چاہتا ہے اس کی راہ میں حائل ہونے والی وہ مشکلات جن پر اسے قابو حاصل کرنا ضروری ہے زیادہ ہیں یا کم[1] ہمارا دوست رابنسن تجربہ سے جلد ہی نئے نئے سبق سیکھ لے گا۔ اور انبار میں پڑی ہوئی اپنی گھڑی بھی کھاتہ۔ قلم اور دوات کو نکال کر ایک سچے برطانوی کی طرح اپنے مال کا رجسٹر تیار کرے گا۔ اس رجسٹر میں اس کی اپنی ساری کارآمد اشیاء کا نام ہوگا۔ ان اقدامات کا ذکر ہوگا جو ان اشیاء کے پیدا کرنے کے لیے کرنا ضروری ہیں۔ اور آخر میں اس مدت محنت کا ذکر ہوگا جو ان اشیاء کی کسی مقررہ مقدار کو اوسطاً پیدا کرنے میں رابنسن کو صرف کرنا ہوتی ہے۔ رابنسن اور اس کی اس دولت کے درمیان جو اس کی اپنی تخلیق ہے جو رشتے قائم ہوتے ہیں وہ یہاں اتنے سیدھے سادے اور اس قدر واضح ہیں کہ انہیں بغیر کسی محنت کے سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ تو مسٹر سیڈلی ٹیلر کے لیے بھی بہ آسانی قابل فہم ہیں لیکن یہی رشتے ان تمام عناصر پر مشتمل ہوتے ہیں جو قیمت کا تعین کرنے کے لیے بنیادی ضرورت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن آیئے اب ہم رابنسن کے اس جزیرہ سے جو سورج کی روشنی سے دھلا ہوا ہے یورپ کے اس طبقہ وسطیٰ میں چلیں جو اندھیاروں میں لپٹا ہوا ہے۔ یہاں پہنچ کر ہم ایک آزاد شخص

---

[1] زیادہ مشکلات کی صورت میں زائد محنت اور کم کی صورت میں کم محنت کرنا پڑے گی۔ مترجم)

کے بجائے ہر ایسے شخص سے ملتے ہیں جو دوسرے کا سہارا لیتا ہے۔ رعیت اور مالک محکوم راجے اور حکمران بادشاہ۔ دنیادار اور پادری یہاں ایک کا دوسرے پر سہارا ہی پیداوار کے سماجی رشتوں کی خصوصیت متعین کرتا ہے۔ ٹھیک اسی قدر جس قدر وہ حیات کے دوسرے ان شعبوں کی خصوصیات متعین کرتا ہے جو اس پیداوار کی اساس پر منظم ہوئے ہیں۔ لیکن یہ ہرگز ضروری نہیں کہ صرف اس لیے کہ سماج ایک دوسرے پر انحصار کی اساس پر قائم ہے تو محنت اور اس کی پیداواریں اپنی اصلیت سے مختلف ایک عجوبہ شکل اختیار کرلیں۔ محنت اور اس کی یہ پیداواریں سماج کی باہمی معاملت میں بالجنس خدمتوں اور بالجنس ادائیگیوں کی شکل اختیار کر لیتی[1] ہیں۔ اس درجہ میں محنت کی ممتاز اور فطری شکل ہی محنت کو فوری سماجی شکل ہوتی ہے۔ اس کی عام تجریدی شکل جیسا کہ ان سماجوں میں ہوتا ہے جو اجناس کی پیداوار پر مبنی ہوتی ہے۔ محنت کی فوری سماجی شکل نہیں ہوتی۔ جہاں تک جبری محنت کا تعلق ہے سو وہ بھی ٹھیک طور پر اسی طرح مدت سے ناپی جاتی ہے جیسے جنس آفرین۔ محنت مدت کے پیمانہ سے ناپی جاتی ہے۔ چنانچہ رعیت کا ہر فرد یہ بات جانتا ہے کہ وہ اپنے مالک کی خدمت میں جو محنت صرف کرتا ہے وہ اس کی ذاتی قوت کار کی ایک متعین مقدار ہوتی ہے۔ زمین دار کا وہ دسواں حصہ جو پادری کو بھینٹ چڑھایا جاتا ہے زیادہ خارجی اور عملی حقیقت رکھتا ہے بمقابلہ اس دعائے برکت کے جو پادری کی طرف سے دی جاتی ہے۔ تو بہرحال اس سماج میں قوم کے مختلف طبقے جو پارٹ ادا کرتے ہیں ہم اس کے متعلق کوئی بھی خیال کیوں نہ قائم کریں لیکن محنت کے دوران افراد کے درمیان جو سماجی رشتے قائم ہوتے ہیں وہ ہر حالت میں ان کے باہمی ذاتی رشتوں کی حیثیت سے نمایاں ہوا کرتے ہیں اور محنت کی پیداواروں کے درمیان سماجی رشتوں کی

---

[1] بالجنس خدمت سے مراد وہ خدمت ہے جو نقد کی صورت میں نہ ہو۔ اس طرح بالجنس ادائیگی نقدی ادائیگی کو نہیں اجناس کی شکل میں ادائیگی کو کہتے ہیں۔ مترجم)

جو نوعیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے پیچھے نہیں جا چھپتے۔

مشترک محنت یا فوری طور پر متحدہ محنت کی مثال ڈھونڈنے کے لیے ہمیں ماضی میں اس خود بخود ابھر آنے والی (سماجی) شکل تک لوٹنے کی ضرورت نہیں ہے جسے ہم تمام مہذب نسلوں کی تاریخ کے ابتدائی درجہ پر[1] پاتے ہیں۔ اس کے لیے ایک بالکل قریب کی مثال ایک اس کسان خاندان کی سرقبیلی[2] صنعتوں میں ملتی ہے جو گھریلو استعمال کے لیے اناج۔ مویشی۔ سوت اور کتان پیدا کرتا ہے۔ مذکورہ مختلف اشیاء جہاں تک خاندان کا تعلق ہے اس کی محنت کی مختلف پیداواریں ہیں لیکن یہ آپس میں اجناس نہیں ہیں۔ محنت کی مختلف اقسام جیسے کاشت۔ گاربانی۔ کتائی۔ بنائی جو مذکورہ مختلف پیداواروں کی شکل میں نمایاں ہوتی ہیں۔ بذاتہا اور اسی حالت میں جیسی کہ وہ ہیں براہ راست سماجی فرائض ہیں اس لیے کہ وہ ایک خاندان کے فرائض ہیں جو ایک اس سماج کی طرح جو اجناس کی پیداوار پر مبنی ہوتی ہے تقسیم محنت کے ایک خود بخود ترقی یافتہ نظام پر مشتمل ہوتا ہے۔ خاندان کے درمیان تقسیم کار اور ارکانِ خاندان کے درمیان مدت کار کا

---

[1] یہ مفروضہ اب حال میں کافی پھیلا ہے کہ مشترکہ ملکیت اپنی قدیم ترین شکل میں محض سلامی یا صرف روسی شکل ہے۔ حالانکہ یہی وہ قدیم ترین سماجی شکل ہے جس کے متعلق ہم یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ رومیوں یونانیوں اور کلیٹوں میں پائی جاتی تھی بلکہ اب تک ہم اس کی متعدد مثالیں۔ گو یہ تباہ حالت ہی میں کیوں نہ ہوں ہندوستان میں بھی پا سکتے ہیں۔ اگر مشترکہ ملکیت کی ایشیائی اور خاص طور پر ہندوستانی شکلوں کا زیادہ جامع و مانع مطالعہ کیا جائے تو اس سے یہ معلوم ہوگا کہ قدیمی مشترکہ ملکیت کی مختلف شکلوں سے ان کے انحطاط کی مختلف شکلیں کیونکر پیدا ہوئیں۔ اب مثلاً رومی اور تیوتانی نجی ملکیت کے مختلف ابتدائی نمونے ہی ہیں جو کہ ہندوستانی مشترکہ ملکیت کی مختلف شکلوں سے ماخوذ کیے جا سکتے ہیں۔ (کارل مارکس۔ تنقید وغیرہ صفحہ 29)

[2] (Patriarchal Industries) کا ترجمہ سرقبیلی نظام وہ نظام ہے جس میں سرقبیلہ سیاسی حکمران بھی ہوتا تھا۔ مترجم)

تعین ان ارکان خاندان کی عمر اور صنف کے تفاوت پر اور موسموں کے بدلتے ہوئے فطری حالات کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہر رکن خاندان کی قوت کار کی اپنی ماہیت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ پورے خاندان کی قوت کار کے ایک متعین جزو کی طرح عمل کرے اور جب صورت یہ ہے تو پھر انفرادی قوت کار کے صرف کا وہ پیمانہ جو مدت کار کی کمی بیشی سے بنتا ہے اپنی ماہیت کی رو سے ارکان خاندان کی محنتوں کے سماجی کردار کی حیثیت سے ظاہر ہوتا[1] ہے۔

آیئے ذرا توجہ کو دوسری طرف مبذول کرنے کے لیے آزاد افراد کے ایک ایسے معاشرہ کا تصور کریں جو مشترک ذرائع پیداوار کے ذریعہ اپنا کام چلاتا ہو اس قسم کے معاشرہ میں تمام مختلف افراد کی قوت کار شعوری طور پر معاشرہ کی متحدہ قوت کار کے طور پر عمل میں لائی جاتی ہے۔ رابنسن کی محنت میں جو خصوصیات پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب ہی یہاں دہرادی جاتی ہیں۔ البتہ ان دونوں میں ایک فرق ضرور ہے۔ فرق یہ ہے کہ ثانی الذکر محنت سماجی ہے انفرادی نہیں ہے۔ رابنسن جو چیز پیدا کرتا ہے وہ صرف اس کی ذاتی محنت کی پیداوار ہے اور اس لیے محض اسی کے اپنے استعمال کے لیے ہوتی ہے جبکہ ہمارے اس کل معاشرہ کی پیداوار سماجی پیداوار ہے جس کا ایک حصہ ذریعہ پیداوار کا کام دیتا ہے اور باقی دوسرا حصہ افراد معاشرہ کے مصارف حیات کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور اس لیے اس حصہ کی افراد معاشرہ میں تقسیم ضروری ہے۔ اس تقسیم کار کا طریقہ معاشرہ میں پیداوار کی تنظیم کی جو نوعیت ہے اس کی تبدیلی کے ساتھ اور پیدا کنندگان تاریخی ارتقاء کے جس درجہ پر پہنچے ہوئے ہیں اس کے مطابق بدلتا رہتا ہے۔ ہم فرض کیے لیتے ہیں۔ گو محض اجناس کی پیداوار سے توازن کے لیے کہ (معاشرہ) کے ذرائع

---

[1] اس مفہوم کی زیادہ وضاحت اس کے ٹھیک بعد کے حصہ سے ہوگی جہاں ایک مثال سے کام لے کر اسی مفہوم کو نمایاں کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ مترجم)

معاش میں ہر انفرادی پیدا کنندہ کا حصہ اس کی مدت محنت سے متعین ہوتا ہے لیکن اس صورت میں مدت محنت دوہرا کام کرے گی۔ ایک طرف تو اس مدت محنت کا ایک متعین سماجی خاکہ کے مطابق (معاشرہ کے ارکان کے درمیان) انقسام اس کام کی جو کیا جاتا ہے مختلف اقسام کے درمیان اور معاشرہ کی متعدد حاجات کے درمیان تناسب برقرار رکھتا ہے اور دوسری طرف یہ مدت محنت مشترکہ محنت کے اس جزو کا جو ہر رکن معاشرہ سرانجام دیتا ہے۔ نیز انفرادی صرف کے لیے جو مجموعی پیداوار ہوتی ہے اس کے ٹکڑے میں رکن معاشرہ کا جو حصہ ہوتا ہے اس کا پیمانہ بھی بن جاتی ہے۔ تو یوں اس جیسی مثال میں انفرادی پیدا کنندگان کے سماجی رشتے ان کی محنتوں اور ان محنتوں کی پیداواروں دونوں کے اعتبار سے بالکل سادہ اور قطعی قریب الفہم ہیں اور یہ قریب الفہمی نہ صرف پیداوار بلکہ اس کی تقسیم کے بارے میں بھی صادق آتی ہیں۔

مذہبی دنیا حقیقی دنیا کے ایک پرتو کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ ایک ایسے معاشرہ کے لیے جس کی اساس اجناس کی پیداوار پر قائم ہو جس میں پیدا کنندگان۔ من حیث العموم اپنی پیداواروں کو اجناس اور قیمتیں بنا کر جس کے ذریعہ وہ اپنی انفرادی نجی محنتوں کو متجانس انسانی محنت کے درجہ پر لے آتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ سماجی رشتے قائم کرتے ہوں مسیحیت[1] اپنے مجرد انسان کے عقیدہ کے ساتھ مذہب کی سب سے زیادہ موزوں شکل کی حیثیت رکھتی ہے۔ خاص طور پر اپنی بورژوا ارتقائی شکلوں میں آ کر یعنی پروٹسٹنٹ اور عقیدۂ الوہیت[2] مطلقہ (Deism) میں بدل کر تو مذہب کی سب

---

[1] سماج کی وہ شکل جس میں اشیاء صرف اجناس اور قیمتوں کی حیثیت حاصل کر گئی ہوں مسیحیت اور اس کی ترقی یافتہ شاخیں موزوں ترین مذہب ہیں۔ مارکس نے یہاں اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مذہب مختلف عہد کے معاشی تقاضوں کی لازمی پیداوار اور ہر عہد کے معاشی تقاضوں سے موزوں ہوا کرتا ہے۔ مترجم) [2] یہ عقیدہ کہ کائنات کے عقب میں خدا کا وجود تو ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے زیادہ موزوں شکل بن جاتی ہے۔ قدیم ایشیائی اور دوسرے پرانے طریقہائے پیداوار میں ہم یہ بات پاتے ہیں کہ اشیاء کا اجناس میں انتقال اور یوں انسانوں کا اجناس کے پیدا کنندگان میں متبدل ہو جانا محض تحتی درجہ پر آتا ہے۔ گوجوں جوں یہ قدیم تر معاشرے اپنے زوال کی طرف بڑھتے ہیں اس تحتی درجہ کی اہمیت بڑھتی چلی جاتی ہے۔ تجارتی قومیں جو بالکل جائز طور پر تجارتی قوموں کے نام سے پکاری جاتی ہیں قدیم دنیا کے صرف شگافوں میں زندہ رہتی تھیں۔ جیسے ایپیقورس فلسفی کے دیوتا۔ انٹرمنڈیا۔ مین یا یہودی پولینڈ کی معاشرہ کی درزوں میں رہتے ہیں۔ پیداوار کی یہ قدیم سماجی اجتماعی ہیئتیں بورژوا معاشرہ کی نسبت سے بے حد سادہ اور سیدھی سادی ہوتی تھیں لیکن یہ اجتماعی ہیئتیں یا تو اس انسان کے انفرادی طور پر نابالغ ارتقا کی اساس پر مبنی تھیں جو اس نال[2] کو جو فرد کو اس کے قبیلہ کے افراد سے جوڑے ہوئے ہے تاحال کاٹنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا اور یا یہ مبنی تھیں غلامی و محکومی کے براہ راست رشتوں پر۔ یہ اجتماعی ہیکلیں صرف اسی وقت پیدا اور زندہ رہ سکتی ہیں جب محنت کی پیداواری قوت بالکل نچلے درجہ سے اُوپر نہ اٹھ سکی ہو اور جب اس کے نہ ابھر سکنے کی وجہ سے حیاتِ مادی کے دائرہ میں جو سماجی رشتے انسان اور انسانی فطرت کے درمیان ہوا کرتے ہیں وہ اس پستی کی نسبت سے تنگ ہی ہوں۔ یہ تنگی قدیم عہد میں فطرت کی پرستش اور عوامی مذاہب کے دوسرے عناصر میں منعکس ہوتی ہے لیکن حقیقی خارجی دنیا کا مذکورہ مذہبی پرتو آخری طور پر صرف اس وقت ناپید ہوتا ہے جب روزمرہ زندگی کے عملی روابط انسان کو اس کے بنی نوع اور فطرت کے ساتھ قطعی قابل فہم اور معقول رشتے مہیا کر دیتے ہیں۔

معاشرہ کی حیات اور زندگی جو کہ مادی پیداوار کے عمل پر مبنی ہوتی ہے اپنی یہ

(بقیہ حاشیہ) مگر وہ انسانوں سے الہام کے ذریعہ کوئی تعلق قائم نہیں کرتا۔ مترجم)

[2] نال جسے بچے کے پیدا ہوتے وقت دائی کاٹ دیتی ہے۔ مترجم)

اسرار بدوش نقاب اس وقت تک اتار کر نہیں پھینکتی جب تک یہ نہ سمجھا جائے کہ معاشرہ کی حیات آزادانہ طور پر متحد ہو جانے والے انسانوں کی پیداوار ہوتی ہے۔ جسے انسان شعوری طور پر ایک طے شدہ منصوبہ کے مطابق چلاتے ہیں لیکن یہ چیز اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ معاشرہ کی کوئی مادی اساس پیدا ہوگئی ہو یا اس کی حیات اور زندگی کے لیے کچھ ایسے حالات پیدا ہو گئے ہوں جو خود بھی ایک طویل اور تکلیف دہ مگر خود رو ارتقائی عمل کے نتیجہ میں پیدا ہوئے ہوں۔

یہ ٹھیک ہے کہ فلسفہ معاشیات نے گو کسی قدر بھی نامکمل طور پر[1] کیوں نہ سہی

---

[1] قیمت کی مقدار کا رکارڈو نے جو تجزیہ کیا ہے جو کہ سب سے اچھا تجزیہ کہا جا سکتا ہے وہ کس قدر ادھورا ہے۔ اس کا اندازہ زیرِ نظر تصنیف کی تیسری اور چوتھی جلد سے ہو جائے گا جہاں تک عمومی طور پر قیمت کا تعلق ہے فلسفہ معاشیات کے کلاسیکی مدرسہ کا کمزور ترین نقطہ یہ ہے کہ وہ کہیں بھی واضح طور پر اور پورے شعور کے ساتھ امتیاز نہیں کرتا۔ محنت کی اس حیثیت میں جبکہ وہ پیداوار کی قیمت میں ظاہر ہوتی ہے اور اس محنت کی اس حیثیت میں جبکہ وہ پیداوار کی استعمالی قیمت میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ جب یہ کلاسیکی مدرسہ ایک بار محنت پر کمی اور دوسری بار کیفی پہلو سے بحث کرتا ہے تو عملاً یہ امتیاز قائم ہو ہی جاتا ہے لیکن اس کلاسیکی مدرسہ والوں کے ذہن میں دور دور تک یہ تصور موجود نہیں ہوتا کہ متعدد اقسام محنت کے باہمی فرق کو جب خالص کمی طور پر زیر بحث لایا جاتا ہے تو ان کی کیفی وحدت یا مساوات کی طرف بھی اشارہ ہو جاتا ہے اور کیفی مساوات کی طرف اشارہ ہو جانے کی وجہ سے ان کی مجرد انسانی محنت میں تحلیل پر بھی دلالت ہو جاتی ہے (اور مجرد انسانی محنت کی موجودگی مارکس کے نقطہ نظر کو ثابت کرتی ہے۔ مترجم) اب مثلاً رکارڈو کا یہ کہنا کہ وہ ڈسٹٹ ڈی ٹریسی کے اس قضیہ سے اتفاق کرتے ہیں کہ ''چونکہ یہ بات بالکل واضح ہے کہ ہماری صرف طبعی اور اخلاقی صلاحیتیں ہی ابتدائی دولتیں ہیں اس لیے ان صلاحیتوں کا استعمال ہی جو کسی نہ کسی قسم کی محنت ہی ہے۔ ہمارا ابتدائی خزینہ ہے اور ہمیشہ ان صلاحیتوں کے استعمال ہی سے وہ تمام چیزیں پیدا ہوتی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

مگر قیمت اور اس کی ضخامت کا تجزیہ کیا ہے اور قیمت وضخامت کے عقب میں جو کچھ چھپا ہوا ہے اس کو دریافت کیا ہے مگر فلسفہ معاشیات نے یہ سوال کبھی نہیں پوچھا کہ محنت کی نمائندگی محنت جو کچھ پیدا کرتی ہے اس کی قیمت اور مدت محنت کی نمائندگی اس قیمت کی ضخامت کیوں کرتی ہے۔ یہ فارمولے (یعنی یہ کہ محنت کی نمائندگی اس کی پیداوار کی

(بقیہ حاشیہ) ہیں جن کو ہم دولتیں کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ تمام چیزیں صرف اس محنت کی نمائندگی کرتی ہیں جس نے انہیں پیدا کیا ہے اور یہ کہ اگر یہ اشیاء قیمت رکھتی ہیں یا دو ممتاز قیمتیں رکھتی ہیں تو یہ ان قیمتوں کو اس محنت (کی قیمت) سے حاصل کرتی ہیں جس سے یہ ظہور میں آتی ہیں (رکارڈو۔ اصول فلسفہ معاشیات تیسرا ایڈیشن لندن 1821ء صفحہ 334) ہمیں اس جگہ صرف اس چیز کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ رکارڈو نے یہاں ڈسٹٹ کے الفاظ پر اپنی متحیرانہ تشریح کو تھوپا ہے لیکن ڈسٹٹ فی الواقع جو کچھ کہنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ ایک طرف تو صورت یہ ہے کہ تمام وہ چیزیں جو دولت بنتی ہیں اس محنت کی نمائندگی کرتی ہیں جو انہیں پیدا کرتی ہے جبکہ دوسری طرف یہ چیزیں اپنی ''دو ممتاز قیمتیں'' (استعمالی قیمت اور مبادلاتی قیمت) حاصل کرتی ہیں۔ محنت کی قیمت سے اس طرح ڈسٹٹ بھی عامی معاشئین کی اس عام غلطی میں پھنس جاتا ہے جو ایک جنس (زیرِ نظر بحث میں محنت) کی قیمت ایک دوسری جنس کی قیمت کو متعین کرنے کے لئے فرض کر لیتے ہیں لیکن رکارڈو ڈسٹٹ۔ کی عبارت کو کچھ اس طرح سمجھتا ہے جیسے ڈسٹٹ نے یہ کہا ہو کہ محنت (محنت کی قیمت نہیں) استعمالی قیمت اور مبادلاتی قیمت دونوں میں مجسم ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود خود رکارڈو بھی محنت کے اس دوہرے کردار پر جو دوہرا مجسم رکھتی ہے اتنی کم توجہ کرتا ہے کہ اس نے اپنے باب ''قیمت ودولت۔ ان کی ممتاز خصوصیات'' کے سارے حصہ کو جے۔ بی۔ سے۔ کی حقیر بحثوں کے طول طویل جائزہ کی نذر کر دیا۔ اور اس جائزہ کے اختتام پر وہ یہ معلوم کر کے حیرت زدہ رہ گیا کہ ڈسٹٹ۔ ایک طرف تو اس سے اس باب میں متفق ہے کہ محنت ہی قیمت کا ماخذ ہوتی ہے اور دوسری طرف وہ جے۔ بی۔ سے سے اس بات میں کہ قیمت کا مفہوم کیا ہو اتفاق کرتا ہے۔

قیمت اور مدت محنت کی نمائندگی اس قیمت کی ضخامت کرتی ہے (مترجم) جو کہ نہایت واضح الفاظ میں اپنے اوپر اس بات کا چھاپ رکھتے ہیں کہ وہ معاشرہ کی ایک ایسی حالت سے تعلق رکھتے ہیں جس میں عمل پیداوار انسان پر اقتدار رکھتا ہے بجائے اس کے کہ انسان عمل پیداوار پر اقتدار رکھتا ہو۔ بورژوا ذہن کے لیے ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے

لے کلاسیکی معاشیات کے اہم نقائص میں سے ایک نمایاں نقص یہ ہے کہ وہ اجناس کے اپنے تجزیہ اور خاص طور پر ان کی قیمتوں کے تجزیہ کے ذریعہ بھی اس بات میں کامیاب نہیں ہوتی کہ اس شکل کو دریافت کرے جس میں قیمت مبادلاتی قیمت بنتی ہے۔ خود رکارڈو اور آدم اسمتھ بھی جو اس مدرسہ کے بہترین نمائندے ہیں قیمت کی شکل پر اس طرح بحث کرتے ہیں جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ اور وہ اجناس کی ذاتی ماہیت سے کوئی ربط بھی نہ رکھتی ہو۔ اس کا سبب صرف یہی نہیں ہے کہ ان کی پوری توجہ قیمت کی ضخامت کے تجزیہ میں جذب ہو کر رہ گئی ہے سبب بہت گہرا ہے۔ سبب یہ ہے کہ محنت کی پیداوار کی وہ قیمتی شکل جسے پیداوار بورژوا نظام میں پہنچ کر حاصل کر لیتی ہے اور اس پیداوار پر سماجی پیداوار کی ایک خاصہ نوع کی چھاپ لگا دیتی ہے اور اس طرح اسے اس کا خاص تاریخی کردار عطا کر دیتی ہے صرف بے حد مجرد ہی نہیں ہوتی بلکہ عالمگیر شکل بھی ہوتی ہے۔ اب اگر ہم اس بورژوا طرز پیداوار کو اس طرح سمجھیں کہ اسے فطرت نے سماج کے ہر ہر درجہ کے لیے ہمیشہ کے واسطے مقرر کر کے رکھ دیا ہے تو لازمی طور پر ہم اس چیز کو نظر انداز کر دیں گے جو قیمتی شکل کے لیے فصل ممیز کی حیثیت رکھتی ہے اور پھر جنسی شکل اور اس کی مزید ارتقائی صورتوں شکل زر۔ اور شکل سرمایہ وغیرہ کے لیے بھی فصل ممیز کی حیثیت رکھتی ہے۔ قدرتاً نتیجہ اس کا یہ ہے کہ ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ وہ معاشیین جو اس بات پر پوری طرح متفق ہیں کہ مدت محنت۔ مقدار قیمت کا پیمانہ ہوتی ہے وہ زر۔ یعنی مساوات ظاہر کرنے والی اکائی کی سب سے مکمل شکل کے متعلق عجیب عجیب اور متضاد خیالات رکھتے ہیں۔ یہ چیز پوری وضاحت سے اس وقت نظر آتی ہے جب یہ ماہرین معاشیات بنکاری پر بحث کرتے ہیں جہاں۔ زر۔ کی عام تعریفیں نہیں چل سکتیں۔ یہی چیز بحال شدہ مرکنٹائل نظام (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)۔

وہ خود پیداواری محنت کی طرح ایک بدیہی حقیقت ہوں جو فطرت کی طرف سے تھوپ دی گئی ہو اور اس لیے سماجی پیداوار کی وہ شکلیں جو (سماج کی) بورژوا شکل سے پہلے آتی ہیں ان پر بورژوازی اس طرح بحث کرتے ہیں جیسے آبائے کلیسا ماقبل مسیحیت مذاہب پر بحث کرنے کے عادی تھے۔ بعض معاشیین اس فیٹیشیت سے جو اجناس میں ذاتی طور

(بقیہ حاشیہ) (کے علم وغیرہ) کے ارتقاء کا سبب ہیں۔ یہ نظام مرکنٹائلی قیمت کو ایک سماجی شکل کے علاوہ اور کچھ خیال نہیں کرتا بلکہ اس شکل کا بھی غیر مرئی سا یہ خیال کرتا ہے۔ لیکن آئندہ کسی غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے میں یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ کلاسیکی فلسفہ معاشیات سے میری مراد اس فلسفہ معاشیات سے ہے جو ڈبلیو پٹی کے وقت سے لے کر بورژوا سماج میں پیداوار کے حقیقی رشتوں کی تفتیش کرتا رہا ہے۔ بمقابلہ اس عامیانہ معاشیات کے جو صرف ظواہر سے بحث کرتی ہے اسی کا لوٹ پھیر کرتی رہتی ہے اور اس مواد کو کبھی نہیں چھوتی جو کافی عرصہ پہلے سائنسی معاشیات مہیا کر چکی ہے۔ یہ عامیانہ معاشیات اپنے ہی دائرہ میں بے حد غامض مظاہر کی بظاہر قابل قبول تشریحیں بورژوازیوں کے روزانہ استعمال کے لیے ڈھونڈتی رہتی ہے۔ رہے بورژوازیوں کے علاوہ عام لوگ سو مذکورہ عامیانہ معاشیات ان کے لیے ادعائے علمیت کے انداز میں محض ترتیب و تنسیق کا کام کرتی ہے اور انہیں یہ بتاتی رہتی ہے کہ وہ فرسودہ خیالات دائمی حقیقتوں کی حیثیت رکھتے ہیں جو کہ افکار بورژوازی اپنی دنیا کے متعلق جو ان کے لئے ممکن الوجود دنیاؤں میں سب سے اچھی دنیا ہے قائم کئے بیٹھے ہیں۔

[1] معاشیین اپنے انداز بحث کا ایک عجیب طریقہ رکھتے ہیں ان کے خیال میں صرف دو ہی قسم کے ادارے ہیں۔ ایک تو وہ ادارے جو آرٹ سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے وہ جو فطرت سے تعلق رکھتے ہیں۔ جاگیرداری ادارے مصنوعی ادارے ہیں۔ اور بورژوازیوں کے ادارے فطری ادارے ہیں۔ یہ حضرات اس معاملہ میں علماء دینیات سے مشابہ ہیں جو انہیں کی طرح دو قسم کے مذاہب بتاتے ہیں۔ ان کے خیال میں ہر وہ مذہب جو ان کا اپنا مذہب نہیں ہے انسان کی اختراع ہے۔ جبکہ ان کا اپنا مذہب الہام باری کی حیثیت رکھتا ہے۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

موجود ہوتی ہے کتنا دھوکہ کھا سکتے ہیں۔ یا محنت کی سماجی اختصاصات کہ معروضی ظواہر سے

(بقیہ حاشیہ) تاریخ ہمیشہ سے اسی طرح رہی ہے مگر اب مستقبل میں تاریخ کا کوئی وجود نہیں ہے'۔ کارل مارکس۔ فلسفہ کا افلاس۔ جو کہ پراودھن کی کتاب۔ افلاس کا فلسفہ۔ کا جواب ہے 1847ء صفحہ 100 مسٹر بیسٹیاٹ کی صورت حال واقعی مضحکہ خیز ہے۔ وہ یہ باور کرتے ہیں کہ قدیم یونانی و رومی صرف لوٹ مار کے سہارے زندہ رہتے تھے لیکن جب لوگ صدیوں تک لوٹ مار کرتے رہیں تو یہ ضروری ہے کہ ان کی لوٹ کے لیے کوئی چیز ہمیشہ رہنی چاہیے یعنی یہ کہ وہ چیز جسے وہ لوٹا کریں بار بار پیدا ہوتی رہنی چاہیے۔ اس سے یہ بات بالکل ظاہر ہو جاتی ہے کہ خود یونانی اور رومی کوئی نہ کوئی عمل پیداوار رکھتے تھے جس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ معاشی نظام ضرور رکھتے تھے جو کہ اسی طرح ان کی دنیا کی مادی اساس تھی۔ جس طرح بورژوا معاشیات موجودہ دنیا کی ماڈی اساس ہے (یعنی مطلب یہ کہ یونانی و رومی جس دنیا میں لوٹ مار کرتے تھے اس میں بار بار پیدا ہونے کا عمل جاری تھا ورنہ بار بار لوٹ مار ممکن نہ ہوتی اور جب یہ عمل جاری تھا تو ان کی دنیا بھی کسی نہ کسی قسم کا معاشی نظام رکھتی تھی جس کے وجود سے بیسٹیاٹ منکر ہے۔ مترجم) یا ممکن ہے بیسٹیاٹ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو طریقہ پیداوار غلامی کی اساس پر قائم ہو وہ لوٹ مار کی بنیاد پر قائم ہوتا ہے۔ لیکن بات یہ ہے تو پھر اس نے خطرناک وادی میں قدم رکھ دیا ہے۔ اگر ارسطو جیسا دیو پیکر مفکر بھی غلاموں کی محنت کی صحیح نوعیت سمجھنے میں ٹھوکر کھا سکتا ہے تو پھر کیوں ایک بونا معاشیات دان جیسا کہ بیسٹیاٹ ہے اجرتی محنت کے سمجھنے میں صائب ہو؟ میں اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے عنقریب ایک اس اعتراض کا جواب دوں گا جو امریکہ میں ایک جرمن اخبار نے میری کتاب "تنقید فلسفہ معاشیات 1859ء" پر وارد کیا ہے اس اخبار کے خیال میں میرا یہ نظریہ کہ ہر ایک مخصوص طریقہ پیداوار اور اس طریقہ پیداوار سے مطابق سماجی رشتے مختصراً سماج کا معاشی ڈھانچہ ہی وہ حقیقی اساس ہے جس پر سیاسی وعدلیاتی نظاموں کی عمارت تعمیر ہوتی ہے اور اسی سے فکر کی سماجی شکلیں مطابقت کھاتی ہیں۔ یوں کہیے کہ طریقہ پیداوار ہی عموماً سماجی، سیاسی اور ذہنی زندگی کے کردار کو متعین کرتا ہے۔ ہمارے زمانہ کے لیے تو ٹھیک ہو سکتا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کس حد تک بہک سکتے ہیں۔ یہ بات اور بہت سی چیزوں کے علاوہ اس روکھے پھیکے اور تھکا دینے والے جھگڑے سے واضح ہوسکتی ہے جو اس بات پر ہوتا رہا ہے کہ مبادلاتی قیمت کی تشکیل میں فطرت کیا پارٹ ادا کرتی ہے۔ چونکہ مبادلاتی قیمت ایک متعین سماجی انداز ہے محنت کی اس مقدار کو ظاہر کرنے کا جو کسی چیز پر صرف کی جاتی ہے اس لئے فطرت کو اس کے سلسلہ میں اس سے زیادہ کچھ کرنا نہیں ہوتا جس قدر مبادلہ کی رفتار کے تعین میں اس کا ہاتھ ہوتا ہے۔

وہ طرز پیداوار جس میں پیداوار جنس کی شکل اختیار کر لیتی ہے یا براہِ راست مبادلہ کے لیے پیدا کی جاتی ہے۔ سب سے زیادہ عام اور بورژوا پیداوار کی سب سے زیادہ ابتدائی شکل ہے۔ اس لیے اس کا ظہور تاریخ میں بالکل شروع درجہ پر ہو جاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ) ہے جس میں مادی مفادات سب پر استیلاء رکھتے ہیں مگر قرونِ وسطیٰ کے لئے جس میں کیتھولک عقیدہ اور ایتھنز وروم کے لیے جن میں سیاست استیلاء رکھتی تھی ٹھیک نہیں ہوسکتا۔ سب سے پہلی بات تو اس اعتراض کے سلسلہ میں یہ کہ کسی شخص کا (اشارہ معترض کی طرف ہے۔ مترجم) یہ فرض کر لینا عجیب ہے کہ قدیم دُنیا اور قرونِ وسطیٰ سے متعلق جو یہ مشہور باتیں کہی گئی ہیں وہ کسی بھی اور آدمی کو معلوم نہ ہوں گی لیکن اتنی بات تو بہر حال واضح ہے کہ قرونِ وسطیٰ کیتھولک عقیدہ پر اور قدیم دنیا سیاست پر زندہ نہ رہ سکی ہوگی۔ بلکہ اس کے برعکس طریقہ پیداواری ہوگا جس کے ذریعہ قرونِ وسطیٰ اور قدیم دنیا نے معاش حاصل کی ہوگی اور یہی وہ طریقہ پیداوار ہے جس سے یہ بات واضح ہوسکتی ہے کہ کیوں قدیم دنیا میں سیاست اور قرونِ وسطیٰ میں کیتھولک عقیدہ نے سب سے نمایاں کردار ادا کیا۔ جہاں تک اور چیزوں کا تعلق ہے رومی ریپبلک کی تاریخ سے بس تھوڑی سی واقفیت ہی مثلاً یہ جاننے کے لیے کافی ہے کہ اس کی مخفی تاریخ زمینی جائیداد کی تاریخ ہے۔ اس کے برعکس ڈان کوئیکزوٹ نے بہت پہلے یہ غلط خیال قائم کرنے کی شدید سزا بھگتی تھی کہ بانکوں کی مہم جوئی سماج کی تمام معاشی اشکال کے ساتھ چلنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ مارکس)

گو یہ ظہور ایسی بالادستی اور اختصاصی نوعیت اختیار نہیں کرتا جیسی صورت حال موجودہ زمانہ میں ہے۔ اس لیے اس کے فیٹیشی کردار کا نسبتاً آسانی کے ساتھ سمجھ لینا ممکن ہے۔ لیکن جب ہم زیادہ محسوس[1] اشکال تک پہنچتے ہیں تو اس کے ظہور کی یہ سادگی بھی ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ نظامِ زر کے سراب کہاں سے پیدا ہوئے؟ اس نظام زر کے لیے سونا اور چاندی جب ۔زر۔ ہونے کا فرض انجام دیتے ہیں تو پیدا کنندگان کے درمیان جو سماجی رشتہ ہوتا ہے اس کی نمائندگی نہیں کرتے بلکہ محض طبعی اشیاء ہی ہوتے ہیں جو عجیب سماجی خصوصیات کی حامل ہوتی ہیں۔ رہی موجودہ معاشیات جو کہ نظام زر کو تحقیر آمیز نظروں سے دیکھتی ہے۔ تو اس کے متعلق سوال یہ ہے کیا جب وہ سرمایہ پر بحث کرتی ہے تو خود اس کی توہم پرستی بھی کالشمس فی نصف النہار ظاہر نہیں ہو جاتی۔ علاوہ بریں آخر اس بات کو کتنا عرصہ گذرا کہ معاشیات نے فزیوقریطی[2] (قدرتی حکومت) کے سراب کو چھوڑا ہے۔ جس کے مطابق محصول زمین سے پیدا ہوتے ہیں۔ سماج سے نہیں۔

لیکن آئندہ آنے والی بحثوں کو یہاں نہیں چھیڑنا اور اس لیے اس وقت بس جنس کی شکل سے متعلق ایک اور مثال پیش کرنے ہی پر ہم اکتفا کریں گے۔ اگر اجناس خود ہی بول سکتیں تو وہ یہ کہتیں کہ ہماری استعمالی قیمت ہو سکتا ہے ایک ایسی چیز ہو جو انسانوں کے لیے موجبِ دلچسپی ہو۔ لیکن وہ ہماری ذات کا اس حیثیت سے کہ ہم اشیاء ہیں کوئی جزو نہیں ہوتی۔ بحیثیت اشیاء کے ہم سے جو چیز تعلق رکھتی ہے وہ ہماری قیمت ہے۔ ہمارے اپنے درمیان اجناس کی حیثیت سے جو فطری تعلق ہوتا ہے وہ اس بات کا

---

[1] جیسے مثلاً نظام زر۔ مترجم)

[2] قیام حکومت سے متعلق یہ تصور کہ حکومت اصول فطرت کے مطابق ہونا چاہیے یعنی زمین دولت کا اصل ذریعہ ہے اس لیے زمین ہی قابل محصول بھی ہونا چاہیے۔ یہ نظریہ فرانسیسی کوئیسنے نے اٹھارہویں صدی میں پیش کیا تھا۔ مترجم)

واضح ثبوت ہے۔ ہم میں سے ہر ایک دوسرے کی نظر میں مبادلاتی قیمتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن آیئے اب یہ دیکھیں کہ یہ اشیاء ایک ماہر معاشیات کا توسط اختیار کر کے کس طرح گفتگو کرتی ہیں ''قیمت'' (یعنی مبادلاتی قیمت) اشیاء کی خصوصیت ہے۔ ''دولت'' (یعنی استعمالی قیمت) انسان کی خصوصیت ہے۔ اس مفہوم میں قیمت لازمی طور پر مبادلہ پر دلالت کرتی ہے لیکن دولت مبادلہ پر دلالت نہیں کرتی[1] دولت (استعمالی قیمت) انسان سے تعلق رکھنے والی صفت ہے اور قیمت اجناس سے تعلق رکھنے والی صفت ایک آدمی یا ایک فرقہ دولتمند ہوسکتا ہے لیکن ایک موتی یا ہیرہ صرف قیمتی ہوتا ہے...... ایک موتی یا ہیرہ قیمتی ہوتا ہے۔ موتی یا ہیرا ہونے کی حیثیت[2] سے۔ ابھی تک کوئی ماہر کیمیا موتی یا ہیرے میں مبادلاتی قیمت دریافت کرنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ اس کیمیائی عنصر سے متعلق معاشیاتی دریافتیں کرنے والے جو برسبیل تذکرہ یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ تنقیدی وقت نظر کا خاص طور پر ادعا کرتے ہیں۔ یہ انکشاف فرماتے ہیں کہ اشیاء کی استعمالی قیمت ان اشیاء ہی سے تعلق رکھتی ہے قطع نظر اس امر کے کہ اشیاء کی مادی خصوصیات کیا ہیں جبکہ دوسری طرف ان کی قیمت[3] ان اشیاء کا جزو ہوتی ہے

---

[1] فلسفہ معاشیات میں چند لفظی نزاعوں بالخصوص قیمت اور مانگ و رسد سے تعلق رکھنے والے متنازعات کے متعلق ملاحظہ جات لندن 1821ء صفحہ 16)۔

[2] ایس بیلی بحوالہ ماسبق صفحہ 165)

[3] ''ملاحظات'' کے مصنف اور ایس۔ بیلی نے رکارڈو پر الزام لگایا ہے کہ اس نے مبادلاتی قیمت کو ایک اضافی چیز ہونے کے بجائے ایک قطعی چیز بنا دیا ہے حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے اس نے تو اشیاء کے درمیان جیسے کہ ہیرے اور موتی ہیں جو ظاہر بظاہر رشتہ ہوتا ہے اور جس میں وہ مبادلاتی قیمتوں کی حیثیت سے ظاہر ہوتی ہیں اس کو واضح کیا ہے اور ظواہر کے عقب میں جو صحیح رشتہ چھپا ہوا ہے یعنی اشیاء کا ایک دوسرے کے ساتھ یہ رشتہ کہ وہ صرف (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس حیثیت سے کہ وہ اشیاء ہیں۔ان کے اس خیال میں جو چیز ان کی تائید کرتی ہے وہ یہ مخصوص صورتِ حال ہے کہ اشیاء کی استعمالی قیمت کسی مبادلہ بغیر انسان اور اشیاء کے درمیان براہِ راست تعلق قائم ہو جانے کے ذریعہ محسوس ہو جاتی ہے۔جبکہ اس کے برعکس اشیاء کی قیمت محض مبادلہ کے ذریعہ محسوس ہوتی ہے یعنی یہ کہ وہ ایک سماجی عمل کے توسط سے محسوس ہوتی ہے۔اس موقع پر ہمارے عزیز دوست ڈاگ بری کا نام کسے یاد نہ آئے گا جنہوں نے اپنے ہمسایہ سیکول سے کہا تھا کہ ''خوش حال آدمی ہونا مقدر کا عطیہ ہے مگر مطالعہ اور قوتِ انشاء فرد کی اپنی صلاحیت سے پیدا ہوتی ہے''۔

(بقیہ حاشیہ) انسانی محنت کے ذریعہ ہائے اظہار ہوتی ہیں اس کا انکشاف کیا ہے۔اب اگر رکارڈو کے مقلدین بیلی کو ذرا کج خلقی سے جواب دیتے ہیں جبکہ یہ جواب کسی طرح بھی قابل قبول نہیں ہوتا تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ مقلدین رکارڈو اپنے استاد کی تصنیفات میں ان چھپے ہوئے رشتوں کو ڈھونڈنے کی کنجی پانے میں ناکام رہے ہیں جو قیمت اور اس کی شکل مبادلاتی قیمت میں موجود ہوتے

باب دوئم

مبادلہ

یہ ظاہر ہے کہ اجناس[1] خود بخود تو بازار جا کر باہمی مبادلہ کر نہیں لیتیں۔ اس کام کے لیے ان کے ایسے نگرانوں کی جو کہ ان کے مالک بھی ہوں ضرورت پڑتی ہے۔ اجناس اشیاء ہیں اور اس لیے انسان کے مقابل ان میں قوت مدافعت نہیں ہوتی۔ اگر یہ اشیاء اطاعت شعاری سے انکار کریں تو انسان ان پر قبضہ کرنے کے لیے قوت استعمال کر سکتا ہے۔ ان اشیاء کے ایک دوسرے کے ساتھ اجناسی رشتہ میں منسلک ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ان کے نگراں ایسے افراد کی طرح جن کی مرضی ان اشیاء میں متمکن ہوتی ہے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ رشتہ قائم کریں اور اس طرح عمل کریں کہ نہ ہر ایک دوسرے کی جنس پر قبضہ کرے اور نہ اپنی جنس دوسرے کو دے سوائے اس صورت کے کہ دوسرے کی چیز پر قبضہ یا اپنی چیز کا دوسرے کو دینا ایک ایسے عمل کے ذریعہ کیا جائے جو دونوں کی باہمی مرضی سے ہو۔ (اس کے معنی یہ ہیں کہ دونوں کو آپس میں ایک دوسرے کے لیے نجی مالک ہونے کا حق تسلیم کرنا چاہیے) یہ قانونی رشتہ جو اس طرح ایک معاہدہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے خواہ یہ معاہدہ ایک ترقی یافتہ قانونی نظام کا جزو ہو یا نہ ہو دراصل

---

1 بارھویں صدی میں جو اپنی پارسائی کے لئے اتنی شہرت رکھتی ہے اجناس میں چند نازک اشیاء کو بھی شامل کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ اس عہد کا ایک فرانسیسی شاعر لینڈت کے بازاروں میں جو اشیاء پائی جاتی ہیں ان میں پوشاک، جوتوں، چمڑے اور زرعی آلات وغیرہ ہی کا ذکر نہیں کرتا بلکہ ''حسینان عشوہ طراز'' کے جمگھٹوں کا ذکر بھی کرتا ہے۔

دو ارادوں کے درمیان ایک رشتہ کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ دونوں کے درمیان حقیقی معاشی رشتہ کے پرتو کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہی وہ معاشی رشتہ ہے جو مذکورہ ہر ایک قانونی عمل[1] کے اصل مفہوم کا تعین کرتا ہے۔ یہاں افراد ایک دوسرے کے لیے صرف اس حیثیت سے موجود ہوتے ہیں کہ وہ اجناس کے نمائندے اور اس لیے ان کے مالک ہوتے ہیں۔ اپنے جائزہ کے دوران ہم عموماً یہ محسوس کریں گے کہ معاشی سٹیج پر جو کردار ہمارے سامنے آتے ہیں وہ صرف ان معاشی رشتوں کے جو اِن کرداروں کے درمیان موجود ہوتے ہیں محض شخصی مظاہر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

جنس جس خاص چیز کی وجہ سے اپنے مالک سے ممتاز ہوتی ہے وہ یہ حقیقت

---

[1] پرادوھن اپنے مثالیہ کو جو عدل۔ عدل دائمی ہے ان قانونی رشتوں سے اخذ کرتا ہے جو اجناس کی پیداوار سے مطابقت رکھتے ہیں۔ وہ تمام اچھے شہریوں کو سکون دماغی بہم پہنچانے کے لیے یہ ثابت کرتا ہے کہ ذرا توجہ سے سنئے۔ اجناس کی پیداوار۔ پیداوار کی اس شکل کا نام ہے جو عدل کی طرح دائمی حیثیت رکھتی ہے۔ پھر وہ رخ بدلتا ہے اور اپنے اس مثالیہ کی روشنی میں اجناس کی پیداوار کی عملی نوعیت اور اس سے مطابقت رکھنے والے اس قانونی نظام کی جو عمل میں رائج ہے اصلاح کرنے کی سعی کرتا ہے لیکن پرادوھن کی اس سعی کے سلسلہ میں عرض ہے کہ ہم ایک اس ماہر کیمیا کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے جو مادہ کی ترکیب اور ٹوٹ پھوٹ کے عمل کے دوران جو سالماتی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ان کے خارجی قوانین کا مطالعہ کرنے اور اس مطالعہ کے ذریعہ متعین مسائل کا حل ڈھونڈنے کے بجائے یہ دعویٰ کرنے لگے کہ وہ اپنے دائمی مثالیوں کے ذریعہ مادہ کی ترکیب اور ٹوٹ پھوٹ کے عمل کو باقاعدہ بنانے میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ ذرا سوچئے تو کیا ہم یہ کہہ کر کہ وہ عدل دائمی۔ مساوات دائمی۔ اخوت دائمی اور دوسری دائمی خوبیوں اور نیکیوں کی ضد ہے۔ اس سے کچھ زیادہ معلومات مہیا کرتے ہیں جتنی آبائے کلیسا یہ کہہ کر مہیا کرتے تھے کہ سود۔ دائمی افضال الٰہی۔ دائمی مکرمت الٰہی اور دائمی عنایت ربانی سے ہم آہنگ نہیں ہوسکتا)

ہے کہ ایک جنس ہر دوسری جنس کو اپنی ہی قیمت کے ظہور کی حیثیت سے دیکھتی ہے؟ جنس جو پیدائشی مساوات پسند اور دنیا گریز[1] ہوتی ہے۔ ہر ایک دوسری جنس سے نہ صرف اس کی رُوح بلکہ اس کے جسم سے بھی مبادلہ کرنے کو تیار رہتی ہے خواہ یہ مبادلہ دنیا کی مکروہ ترین چیز ہی سے کیوں نہ ہو خارجی حقیقتوں کے احساس کے فقدان[2] کی وجہ سے جنس میں جو کمی پائی جاتی ہے اس کو اس کا مالک اپنے حواس خمسہ یا ان سے بھی زائد حواس کے ذریعہ[3] پورا کر دیتا ہے۔ مالک کے لیے اس کی جنس کوئی فوری استعمالی (افادی) قیمت نہیں رکھتی ورنہ وہ کبھی بھی اپنی جنس کو بازار میں نہ لاتا۔ اس کی استعمالی قیمت دوسروں کے لیے ہوتی ہے اور مالک کے لیے اس کا فوری افادہ یہ ہے کہ وہ مبادلاتی قیمت کی امین ہوتی ہے۔ یعنی ایک ذریعہ ہوتی ہے مبادلہ[4] کا۔ اس لئے مالک یہ طے کر لیتا ہے کہ اس کو

---

[1] دنیا گریز (Cynic) کا ترجمہ ہے۔ اس لفظ سینک کے لیے اردو میں لفظ کلبی استعمال ہوسکتا ہے جو کہ یونان کے فلسفی فرقہ کلبیت کی طرف منسوب ہے لیکن لفظ سینک کا استعمال اب بڑی حد تک جس مفہوم میں ہوتا ہے وہ دنیا گریز کی اصطلاح سے زیادہ صحیح طور پر ظاہر کیا جاسکتا ہے یہاں جنس کو دنیا گریز کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جنس اپنے مبادلہ میں کسی کی اچھائی یا برائی کو نہیں دیکھتی اور اس لیے وہ مساوات پسند اور دنیوی جاہ و اُبہت سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ مارکس کا یہاں انداز خالص اشارتی ہے جو کم و بیش اس پوری کتاب کا انداز ہے۔ متن کا دوسرا جملہ بھی اسی ایمامیت کو ظاہر کرتا ہے۔ مترجم)

[2] مطلب یہ کہ جنس بلا امتیاز مبادلہ کے لیے راضی ہو جاتی ہے اور شے مبادلہ کی اچھائی اور برائی کا احساس نہیں رکھتی۔ مترجم)

[3] یعنی مالک اپنے حواس خمسہ ہی نہیں اپنی عملی ذہانت کے ذریعہ اشیاء کا مبادلہ کرتا ہے۔ جس میں اچھے اور برے کا پورا امتیاز پیش نظر رہتا ہے۔ مترجم)

[4] اس لیے کہ ہر چیز دوہرا افادہ رکھتی ہے۔ پہلا تو وہ افادہ جو شے کے ساتھ من حیث الشئ مخصوص ہوتا ہے اور دوسرا وہ جو اس نوع کا نہیں ہوتا۔ اب مثلاً ایک سینڈل ہے کہ اسے پہنا بھی جاسکتا ہے اور اس کا مبادلہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ یہ دونوں ہی سینڈل کے افادے ہیں اس لیے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دے کر ایک ایسی چیز مبادلہ میں لے لے جو اس کے لیے فوری افادہ رکھتی ہو۔ اس طرح تمام اجناس غیر استعمالی قیمتیں ہوتی ہیں اپنے مالکوں کے لیے اور استعمالی قیمتیں ہوتی ہیں اپنے غیر مالکوں کے لیے اور اس لیے وہ برابر ایک سے دوسرے کے ہاتھ میں پہنچتی رہتی ہیں اور ایک سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوتے رہنا ہی ان کا مبادلہ ہوتا ہے۔ یہی مبادلہ انہیں قیمت کی حیثیت سے ایک دوسرے کے رشتہ میں پرو دیتا ہے اور ان کو قیمتیں بنا دیتا ہے اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ اجناس کو استعمالی قیمتیں بننے سے پہلے قیمتیں بننا چاہئے۔

اب اس کے دوسرے رُخ کو دیکھئے تو صورت یہ ہے کہ اجناس کو پہلے یہ ظاہر کرنا چاہیے کہ وہ استعمالی قیمتیں ہیں۔ جبھی وہ قیمتیں بن سکتی ہیں اس لیے کہ ان اجناس پر جو قیمت صرف کی گئی ہے وہ مؤثر صرف اسی وقت بن سکتی ہے جب یہ محنت ایک ایسی شکل میں صرف کی گئی ہو جس سے وہ دوسروں کے لیے قابل استعمال بن سکے۔ اب رہا یہ امر کہ یہ محنت دوسروں کے لیے کارآمد ہے یا نہیں اور اس محنت کی پیداوار دوسروں کی حاجتوں کو پورا کرسکتی ہے یا نہیں' اس کا فیصلہ عمل مبادلہ سے ہوسکتا ہے۔

ہر جنس کا مالک اپنی جنس کا صرف انہیں اجناس کے ساتھ مبادلہ کرنا پسند کرتا ہے جن کی استعمالی قیمت اس کی اپنی چند حاجتوں کو پورا کرتی ہو۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو مالک کے لیے مبادلہ محض ایک نجی معاملت ہوتا ہے۔ اس کے برعکس مالک یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنی جنس کی پوری قیمت وصول کرے۔ وہ اس کو بدلنا چاہتا ہے کسی بھی اس مناسب جنس سے جو یکساں قیمت کی حامل ہو خواہ اس کی اپنی جنس دوسری جنس کے مالک کے لیے استعمالی قیمت ہو یا نہ ہو۔ اب اس اعتبار سے دیکھئے تو مبادلہ اس مالک کے لیے ایک سماجی معاملت بن جاتا ہے

(بقیہ حاشیہ) کہ جو شخص سینڈل کا اس روپیہ یا غذا سے مبادلہ کرتا ہے جس کا وہ محتاج ہے وہ بھی سینڈل کا سینڈل کی حیثیت ہی سے استعمال کرتا ہے مگر سینڈل کا یہ استعمال اس کا فطری استعمال نہیں ہے اس لیے کہ سینڈل اس لیے نہیں بنائے جاتے کہ ان کا مبادلہ کیا جائے۔ (ارسطو۔ سیاسیات)

جو عمومی کردار کا حامل ہوتا ہے لیکن ایک طرح کی اور یکساں معاملتیں تمام مالکان اجناس کے لیے بیک وقت قطعی نجی اور قطعی سماجی اور عام دونوں نہیں ہو سکتیں۔

آیئے اس معاملہ کا ذرا قریب سے مطالعہ کریں۔ ایک جنس کے مالک کے لیے اپنی جنس کے تعلق سے ہر دوسری جنس ایک مخصوص مساواتی اکائی کی حیثیت رکھتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کی اپنی جنس تمام دوسری اجناس کے لیے ایک ہمہ گیر مساواتی اکائی ہے لیکن چونکہ یہ بات ہر ایک مالک پر صادق آتی ہے اس لیے کوئی بھی ایک جنس فی الواقع ہمہ گیر مساواتی اکائی کی حیثیت سے عمل نہیں کرتی اور اجناس کی نسبتی قیمت کوئی ایسی عام شکل نہیں رکھتی جس کے تحت ان اجناس کو قیمتوں کی حیثیت سے مساوی کیا جا سکے اور ان کی قیمتوں کی مقداروں کا توازن کیا جا سکے۔ اس لیے اس نقطہ تک یہ اجناس۔ اجناس کی حیثیت میں ایک دوسرے کے مقابل نہیں آتیں بلکہ محض پیداواروں یا استعمالی قیمتوں کی حیثیت سے ایک دوسرے کے مقابلہ میں آتی ہیں۔ جب یہ مالکان اجناس کسی مشکل میں پھنستے ہیں تو فاسٹ کی طرح یہ کہہ کر کہ ہر چہ باداباد ما کشتی در آب انداختیم۔ کچھ سوچے سمجھے بغیر معاملت کر گذرتے ہیں۔ مالکین جبلی طور پر ان قوانین کا اتباع کرتے ہیں جو اجناس کی اپنی فطرت سے پیدا ہوتے ہیں۔

اجناس کے یہ مالکین کسی دوسری جنس کو ہمہ گیر مساواتی اکائی کی حیثیت سے رکھ کر اس سے اپنی اجناس کا توازن کرتے ہیں۔ اگر وہ کسی ہمہ گیر اکائی کو توازن کے لیے نہ رکھیں تو پھر کسی طرح بھی اجناس کو قیمتوں کی حیثیت اور پھر اجناس کی حیثیت سے ایک دوسرے کے رشتہ میں لانے پر قادر نہ ہو سکیں گے۔ معاملہ کے اس رُخ کو ہم نے جنس کی تشریح کے دوران واضح کیا ہے۔ لیکن کوئی خاص جنس ہمہ گیر مساواتی اکائی ہو ہی نہیں سکتی۔ تاوقتیکہ کوئی سماجی عمل اسے ایسا نہ بنا دے جس کے معنی یہ ہوئے کہ تمام دوسری اجناس کا سماجی عمل کسی خاص ایسی جنس کو الگ رکھنے کا[1] باعث بنتا ہے جس جنس کے ذریعہ

---

[1] ہمہ گیر مساواتی اکائی بنانے کا سبب بنتا ہے۔ مترجم)

یہ تمام اجناس اپنی قیمتوں کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اس طرح اس آخر الذکر جنس کی جسمانی شکل سماجی طور پر تسلیم شدہ ہمہ گیر مساواتی اکائی کی شکل بن جاتی ہے۔ اس سماجی عمل کی وجہ سے جس جنس کو باقی اجناس سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ اس کا خاص کام یہ ہو جاتا ہے کہ وہ ایک ہمہ گیر مساواتی اکائی کی حیثیت سے کام کیا کرے۔ الغرض یوں یہ جنس۔ زر۔ بنتی ہے۔

زر تو ایک بلور کی طرح ہے جو مبادلوں کے درمیان لازمی طور پر پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعہ محنت کی مختلف پیداواریں عملاً ایک دوسرے کے مساوی کی جاتی ہیں اور یوں ممارست کے ذریعہ یہ پیداواریں اجناس میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ تاریخی ارتقاء اور مبادلہ کے دائرہ میں وسعت سے وہ امتیاز جو استعمالی قیمت اور قیمت کے درمیان پایا جاتا ہے اور اجناس میں مخفی ہوتا ہے ترقی کرتا جاتا ہے۔ تجارتی معاملت کے مقصد کے لیے اس امتیاز کو خارجی ظہور دینے کی جو حاجت پیدا ہوتی ہے وہ قیمت کی ایک آزاد شکل کے قیام کا باعث بنتی رہتی ہے اور اسے اس وقت تک پورا سکون نہیں ہوتا جب تک اجناس کی تقسیم اجناس اور زر میں نہیں ہو جاتی پھر اسی اوسط کے ساتھ جس اوسط سے پیداوار اجناس میں بدلتی جاتی ہیں۔ ایک خاص جنس زر میں مبدل ہوتی[1] جاتی ہے۔ پیداواروں کا براہ راست اشیائی مبادلہ (مارٹر) ایک حیثیت سے مگر دوسری حیثیت سے نہیں قیمت

---

[1] اس سے ہم چھوٹے بورژوا کی حیثیت کی زیرکی سے متعلق ایک اندازہ قائم کر سکتے ہیں جو کہ اجناس کی پیداوار کو برقرار رکھنے کے ساتھ ہی زر اور اجناس کے درمیان تضاد کو ختم کرنا بھی ایک مقصد کے طور پر پیش نظر رکھتی ہے۔ چونکہ زر اس تضاد ہی کی وجہ سے زندہ رہتا ہے اس لئے وہ زر کے ختم کرنے کو بھی اپنا مقصد قرار دیتی ہے لیکن جب بات یہ ہے تو ہم ایسا بھی کر سکتے ہیں کہ کیتھولک مذہب کو تو باقی رکھیں مگر پوپ کو ختم کر دیں۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیل کے لیے میری کتاب تنقید فلسفہ معاشیات صفحہ 73 و ماقبل ملاحظہ فرمائیے)

کے نسبتی اظہار کی ابتدائی شکل حاصل کر لیتا ہے۔ وہ ابتدائی شکل یہ ہے۔ الف جنس بمقدار (س) = بہ جنس بمقدار (و) کے۔ براہ راست بارٹر (اشیائی مبادلہ) کی شکل یہ ہے۔ الف استعمالی قیمت بمقدار س = ب استعمالی قیمت بمقدار و کے[1]۔ اس جیسی مثال میں اشیائے الف اور ب تا حال اجناس نہیں بن سکی ہیں۔ البتہ وہ بارٹر کے بعد اجناس بن جاتی ہیں۔ ہر شے مبادلاتی قیمت حاصل کرنے کی سمت میں جو پہلا قدم اٹھاتی ہے وہ وہ قدم ہوتا ہے جب یہ شے اپنے مالک کے لیے غیر استعمالی[2] قیمت بنتی ہے۔ یہ بات اس وقت پیدا ہوتی ہے جب یہ شے اس چیز کا جو مالک کی فوری حاجات سے تعلق رکھتی ہے۔ زائد حصہ بن جاتی[3] ہے۔ اشیاء بذاتہا انسان سے خارجی وجود رکھتی ہیں اور اس لیے وہ قابل جدائی بھی ہوتی ہیں۔ لیکن اشیاء کی قابل جدائی ہونے کی یہ خصوصیت دو طرفہ[4] ہو تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ لوگ بن کہے آپس میں یہ مفاہمت کر لیں کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کو ان قابل انفصال اشیاء کا نجی مالک خیال کرے گا گویا انہیں خود مختار مالک سمجھے گا لیکن پراچینی سماج میں جو ملکیت کے مشترک ہونے کے اصول پر مبنی ہو خواہ یہ سماج سرقبیلی خاندان Patriarchal Family کی شکل رکھتی ہو۔ قدیم ہندوستانی برادری کی شکل میں ہو یا پیرو کی۔ انکا ریاست کا جو انداز تھا اس انداز کی ہو مگر اس میں دو طرفہ جدائی کی یہ حالت موجود نہیں ہوتی تو نتیجہ اس کا یہ نکلا کہ اشیاء کا

---

[1] جب تک صورت یہ ہوتی ہے کہ دو استعمالی قیمتوں کے درمیان مبادلہ کے بجائے اشیاء کا ایک بے ترتیب انبار کسی ایک چیز کی مساوی کیا جاتا ہے جو کہ اکثر وحشی قبائل میں ہوتا ہے تو اشیاء کا براہ راست بارٹر بھی اپنی ابتدائی شکل میں ہوا ہے) [2] غیر استعمالی قیمت بننے کا مطلب یہ کہ جب شے کا مالک یا کاریگر ایک شے اپنے استعمال کے لیے نہیں بناتا۔ مترجم) [3] اور یوں وہ غیر فوری ضروریات کے حصول کے لیے اس کا دوسری اشیاء سے مبادلہ کرتا ہے۔ مترجم) [4] یعنی یہ کہ بائع اور مشتری دونوں کے لیے اشیاء قابل جدائی یا قابل انفصال ہوں۔ مترجم)

مبادلہ پہلی بار مذکورہ برادریوں کے کناروں یعنی اس نقطہ سے شروع ہوتا ہے جہاں یہ پراچینی برادریاں اپنی ہی جیسی دوسری برادریوں کے ارتباط میں آتی ہیں یا ان دوسری برادریوں کے ارکان کے ارتباط میں آتی ہیں لیکن جوں ہی اشیاء برادریوں[1] کے خارجی رشتوں کے ارتباط کی وجہ سے اجناس بنتی ہیں تو ردعمل کے طور پر وہ برادریوں کے اندرونی روابط میں بھی جنس بن جاتی ہیں۔ اب رہا یہ امر کہ وہ کس نسبت سے قابل مبادلہ ہوتی ہیں' سو اس کا انحصار پہلے پہل محض اتفاق پر ہوتا ہے جو چیز انہیں قابل مبادلہ بناتی ہے وہ ان کے مالکوں کی یہ باہمی خواہش ہے کہ وہ اپنی اشیاء کو جدا کریں پھر اس کے دوران بیرونی اشیاء استعمال کی ضرورت آہستہ آہستہ منتقل ہوتی جاتی ہے۔ بار بار عمل میں آنے کی وجہ سے مبادلہ ایک معمولی سماجی عمل کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے' اور کچھ عرصہ گذرنے کے بعد محنت کی پیداواروں کا کم سے کم تھوڑا حصہ خالص مبادلہ کے مقصد ہی کو پیش نظر رکھ کر پیدا کیا جاتا ہے اس نقطہ پر پہنچنے کے بعد سے شئے کے اس افادہ میں جو صرف کے لیے ہو اور اس افادہ میں جو مبادلہ کے لیے ہو' پوری طرح امتیاز مستحکم ہو جاتا ہے اور اس کی استعمالی قیمت اس کی مبادلاتی قیمت سے ممتاز بن جاتی ہے۔ اب رہی ان اشیاء کی کمی نسبت جس نسبت سے وہ ایک دوسرے سے قابلِ مبادلہ ہوتی ہیں۔ سو اس کا انحصار ان کی پیداوار پر ہوتا ہے۔ اس مرحلہ پر رواج ان پر ایسی قیمتیں ہونے کی چھاپ لگا دیتا ہے جو متعین مقداروں کی حامل ہوتی ہیں۔

اشیاء کے براہ راست بارٹر میں ہر جنس اپنے مالک کے لیے ایک براہ راست مبادلہ کا ذریعہ ہوتی ہے جبکہ وہ دوسرے تمام اشخاص کے لیے ایک مساواتی اکائی کی صورت رکھتی ہے۔ لیکن وہ مساواتی اکائی صرف اس حد تک ہوتی ہے جس حد تک وہ ان

---

[1] انگریزی لفظ کمیونٹی کا تاریخی مفہوم میں لفظ برادری سے ترجمہ گروہ یا فرقہ جیسے الفاظ کے مقابل زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔ مترجم)

اشخاص کے لیے استعمالی قیمت رکھتی ہے۔ یوں اس درجہ تک وہ اشیاء جن کا مبادلہ ہوتا ہے اپنی کوئی ایسی قیمتی شکل حاصل نہیں کر پاتیں جو ان کی استعمالی قیمت یا مبادلہ کنندگان کی انفرادی ضرورتوں سے آزادانہ حیثیت رکھتی ہو۔ قیمتی شکل حاصل کرنے کی ضرورت اجناس مبادلہ کی انواع اور تعداد میں روز افزوں اضافہ کے ساتھ بڑھتی چلی جاتی ہے۔ مسئلہ پیدا ہونے کے ساتھ ہی ساتھ اس کے حل کا طریقہ بھی پیدا ہوتا چلا جاتا ہے۔ جب تک مختلف قسم کی اجناس جو مختلف مالکوں کی ملکیت میں ہوں کسی ایک خاص چیز سے قابل مبادلہ اور اس چیز کے مساوی نہ ہو جائیں اجناس کے مالک اپنی اجناس کو نہ دوسروں کی اجناس کے مساوی کرتے ہیں نہ وسیع پیمانہ پر ان کا مبادلہ کرتے ہیں۔ یہ خاص چیز دوسری متعدد اشیاء کے مساوی ہو جانے کی وجہ سے فوراً گو محدود دائرہ میں عمومی سماجی مساواتی اکائی ہونے کا کردار حاصل کر لیتی ہے۔ اس خاص چیز کا یہ کردار ان لحاتی سماجی اعمال کے ساتھ وجود میں آتا اور ختم ہو جاتا ہے جو اس کردار کو پیدا وار کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ یہ کردار[1] باری باری اور وقتی طور پر کبھی ایک جنس اور کبھی دوسری جنس کے ساتھ وابستہ ہوتا رہتا ہے لیکن مبادلہ کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ مذکورہ کردار مستحکم طور پر اور بلاشرکت غیرے چند مخصوص اجناس سے متعلق ہو جاتا ہے اور شکل زر۔ اختیار کر کے تعین حاصل کر جاتا ہے۔ رہی جنس کی وہ خاص قسم جس سے یہ کردار وابستہ ہوتا ہے سو وہ پہلے پہل تو محض اتفاقی طور پر متعین ہوتی ہے۔ تاہم دو ایسے حالات ضرور ہوتے ہیں جو کسی خاص قسم سے اس کردار کے متعلق کرنے میں فیصلہ کن اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ شکل زر یا تو مبادلہ کی بڑی اہم بیرونی ☆ اشیاء سے متعلق ہوتی ہے۔ وہ بالکل قدیمی اور

[1] کسی خاص چیز کا یہ کردار کہ وہ عام سماجی مساواتی اکائی یعنی ایسی چیز ہوتی ہے جس سے ہر دوسری چیز کا مبادلہ ہو جاتا ہے۔ مترجم)

☆ وہ اشیاء جو کسی دوسرے قبیلہ کی ملکیت ہوں اور مبادلہ کے لیے پیش ہوں۔ مترجم)

فطری شکل جس میں (کسی برادری کی) گھریلو پیداواروں کی مبادلاتی قیمت نمود حاصل کرتی ہے فی الواقع یہی شکل[1] ہے۔ یا پھر یہ ہوتا ہے کہ شکل زر اس کارآمد چیز سے وابستہ ہوتی ہے جو قابل انفصال دیسی دولت کا خاص حصہ ہوتی ہے۔ جیسے مویشی خانہ بدوش قبیلے سب سے پہلے۔ شکل زر۔ پیدا کرتے ہیں اس لیے کہ ان کا سارا ضروری سامان ہی منقولہ اشیاء پر مشتمل ہوتا ہے اور منقولہ اشیاء پر مشتمل ہونے کی وجہ سے براہ راست قابل انفصال ہوتا ہے۔ ان کا طرزِ بود و ماند جس کی وجہ سے وہ مسلسل غیر برادریوں کے ارتباط میں آتے رہتے ہیں۔ اس مبادلہ کی ضرورت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا ہے کہ انسان نے خود انسان کو غلاموں کی صورت میں قدیم زر کی حیثیت سے استعمال کرلیا ہے لیکن زمین کو اس مقصد کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا۔ اس قسم کا خیال تو صرف ایک بورژوا سماج ہی میں ابھر سکتا ہے جو اچھی خاصی ترقی یافتہ ہو چکی ہو۔ سترھویں صدی کے آخری تیسرے حصہ سے زمین اس مقصد کے لیے استعمال ہونا شروع ہوئی اور اس طریقہ کو قومی سطح پر استعمال کرنے کی پہلی کوشش ایک صدی بعد یعنی فرانس کے بورژوا انقلاب میں کی جا سکی۔

جس نسبت سے مبادلہ اپنی مقامی حدود کو توڑ کر پھیلتا ہے۔ اور اجناس کی قیمت۔ محنت محضہ بشریہ کے مجسمہ کی حیثیت میں پھیلتی ہے اس نسبت سے زر کا کردار ایسی اجناس سے وابستہ ہوتا چلا جاتا ہے جو فطرتاً ہمہ گیر مساواتی اکائی ہونے کا سماجی فرض انجام دینے کی صلاحیت کے لیے موزوں تر ہوتی ہیں۔ یہ اجناس قیمتی دھاتیں ہوتی ہیں۔

اس قضیہ کی صداقت کہ ''گو سونا اور چاندی اپنی فطرت کی رو سے۔ زر۔ نہیں ہیں۔ لیکن زر۔ اپنی فطرت میں سونا اور چاندی[2] ہے'' اس بات سے ثابت ہو جاتی ہے کہ

---

[1] اوپر جن دو حالات کا مصنف نے ذکر کیا ہے۔ اس میں پہلی حالت تو یہ ہے اور دوسری حالت اس کے بعد آتی ہے)

[2] کارل مارکس۔ تنقید)

ان دھاتوں کی طبعی خصوصیات انہیں فطرتاً ۔زر۔ کے فرائض انجام دینے کے لیے موزوں بنائے ہوئے ہیں[1] لیکن صرف اس نقطہ تک تو ہم زر کے صرف ایک ہی کام سے آ گاہ ہوتے ہیں یعنی اس کے اس کام سے کہ وہ اجناس کی قیمت کے اظہار کی شکل یا یوں کہئے کہ اس مواد کے طور پر کام کرتا ہے جس میں اجناس کی قیمتوں کی مقداریں سماجی طور پر ظاہر ہوتی ہیں۔ قیمت کے اظہار کی مناسب ترشکل مجرد غیر ممتاز اور یوں مساوی انسانی محنت کا موزوں۔ مجسمہ صرف وہی مواد ہوسکتا ہے جس کا ہر ہر نمونہ یکساں خصوصیات کو ظاہر کرتا ہو۔ اس کے برعکس چونکہ قیمت کی مقداروں کا فرق محض کمّی ہوتا ہے اس لیے جنس زر کو بھی ایسا ہونا چاہیے کہ وہ محض کمّی اختلافات کی متحمل ہو اور کمّی اختلاف کی متحمل ہونے کی وجہ سے حسبِ منشاء انقسام پذیر بھی ہو اور پھر اسے جوڑ کر متحد کر دینا بھی ممکن ہوسکے۔ سونا اور چاندی فطری طور پر ان خصوصیات کے حامل ہیں۔

جنس زر کی استعمالی قیمت دوہرے پہلو پیدا کر لیتی ہے وہ اس خاص استعمالی قیمت کے علاوہ جو ایک جنس کی حیثیت سے اس کی ہوتی ہے (یعنی یہ کہ سونا مثلاً دانتوں پر چڑھایا جاتا ہے اور وہ سامان آرایش وغیرہ کے لیے خام مواد کے طور پر استعمال ہوتا ہے) ایک رسمی[2] استعمالی قیمت بھی حاصل کر لیتی ہے جو اس کے مخصوص سماجی فرض سے پیدا ہوتی ہے۔

چونکہ تمام اجناس۔زر۔کی محض خصوصی مساواتی اکائیاں ہوتی ہیں۔اور زر ان کے لیے عمومی مساواتی اکائی کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے یہ اجناس عمومی جنس۔زر کی نسبت سے خصوصی اجناس[3] ہونے کا فرض انجام دیتی ہے۔

---

[1] اس عنوان پر مزید تفصیل کے لیے میری مذکورہ کتاب کے باب قیمتی دھاتوں کا مطالعہ کیجئے۔ مارکس)

[2] قانونی یا مروجہ طور پر سرکاری استعمالی قیمت۔ مترجم)

[3] ال ڈانارو۔ی۔لامرے۔یونیورسلے (ویری بحوالہ سابقہ صفحہ 16)

اس بحث سے ہمیں جو چیز معلوم ہوئی وہ یہ کہ شکل زر تمام اجناس کے درمیان جو قیمتی رشتے ہوتے ہیں ان کا ایک عکس ہے جو اس شکل زر کے توسط سے کسی بھی ایک جنس پر پڑتا ہے اس لیے یہ امر کہ زر ایک جنس[1] ہے صرف ان لوگوں کے لیے ہی ایک انکشاف کی حیثیت رکھتا ہے جو۔زر۔کا تجزیہ جب شروع کرتے ہیں تو اس تجزیہ کا آغاز اس کی پوری طرح ترقی یافتہ شکل سے کرتے ہیں۔مبادلہ کا عمل اس جنس کو جو زر کی شکل میں بدل گئی ہے ایک مخصوص قیمتی شکل عطا کر دیتا ہے مگر اس کی قیمت نہیں بناتا۔قیمت اور قیمتی شکل دو ممتاز چیزیں ہیں جنہیں خلط ملط کر دینے کی وجہ سے بعض اہل قلم یہ باور کرنے لگے کہ سونے اور چاندی کی قیمت محض خیالی[2] ہوتی ہے۔رہی یہ حقیقت کہ زر کی جگہ بعض

---

[1] چاندی اور سونا بھی (جنہیں ہم۔بلین۔(خالص سونا) کا عام نام دے سکتے ہیں) اجناس......ہی ہیں جن کی قیمت......گھٹتی بڑھتی......رہتی ہے۔تو اس طرح۔بلین۔اسوقت زیادہ قیمت کا شمار کیا جائے گا جب اس کا کم وزن ملک کی زیادہ پیداوار یا مصنوعات کو خریدنے کا ذریعہ بن سکے۔وغیرہ (زر۔تجارت اور مبادلہ کے عام مفاہیم پر اس حیثیت سے کہ یہ تینوں ایک دوسرے سے رشتہ رکھتے ہیں ایک مقالہ مصنفہ مرچنٹ۔لندن 1695 صفحہ 7) ''چاندی اور سونا مسکوک یا نامسکوک۔گو وہ دوسری تمام اشیاء کے پیمانے ہی ہوں مگر اسی طرح اجناس ہیں جس طرح شراب۔تمباکو۔کپڑا اور دوسرا سامان اجناس ہیں'' ''تجارت اور خاص طور پر ایسٹ انڈیز کی تجارت کے متعلق ایک مقالہ وغیرہ لندن 1689 صفحہ 2) ''کسی مملکت کا ذخیرہ اور اثاثے صحیح معنی میں محض اس کے زر تک محدود نہیں کیے جاسکتے۔نہ ہی سونے اور چاندی کو مال تجارت سے الگ کیا جاسکتا ہے'' ایسٹ انڈیز کی تجارت کے بہت ہی زیادہ منافع بخش تجارت ہونے سے متعلق ایک مقالہ''۔لندن 1680 صفحہ 4)۔ہے۔

[2] لاک نے کہا ہے کہ ''انسانیت کے عام اتفاق نے چاندی کی ان خصوصیات کی بنا پر جو اس نے زر کے لیے موزوں بنانے کا باعث بنتی ہیں۔انہیں ایک خیالی قیمت عطا کر دی ہے'' اور لاک نے کہا ہے کہ ''کیونکر مختلف اقوام نے ایک خاص چیز کو خیالی قیمت عطا کر دی......(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

فرائض میں محض اس کی علامتیں ہی آ جاتی ہیں سو یہ ایک اور غلط نقطہ نظر پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے یعنی یہ کہ خود۔زر۔ہی ایک علامت ہے۔تاہم اس غلطی کے عقب میں اس بات کا ادراک بھی چھپا ہوا ہے کہ کسی چیز کی شکل۔زر۔اس چیز کا نا قابلِ انفصال حصہ نہیں ہے بلکہ وہ محض ایک شکل ہی ہے جس کے ذریعہ بعض سماجی رشتے خود کو ظاہر کرتے ہیں اور اس مفہوم میں دیکھیے تو ہر ایک جنس ایک علامت کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے کہ اس حد تک کہ جس حد تک وہ ایک قیمت ہوتی ہے وہ صرف اس انسانی محنت کے جو اس جنس پر صرف کی جاتی ہے محض ایک مادی غلاف کی حیثیت رکھتی[1] ہے۔لیکن اگر ایک سانس میں یہ کہا جاتا ہے کہ اشیاء جو سماجی کردار اختیار کرتی ہیں یا محنت کی سماجی خصوصیات طرز پیداوار کے ایک متعین طریقہ کے زیر اثر جو مادی شکلیں اختیار کر لیتی ہے وہ محض علامتیں

(بقیہ حاشیہ) یا کیونکر یہ خیالی قیمت اپنے آپ کو باقی رکھ سکی"۔

لیکن ذیل کے اقتباس سے یہ معلوم ہوگا کہ خود لاک اس مسئلہ کے متعلق کتنی ناکافی معلومات رکھتا ہے۔

"چاندی کا اس نسبت سے جس نسبت سے استعمالی قیمت اس میں موجود ہوتی ہے مبادلہ ہوتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کی حقیقی قیمت کی نسبت سے اس کا مبادلہ ہوتا ہے۔ چاندی زر کی حیثیت سے مقرر کیے جانے کے بعد مزید قیمت حاصل کر لیتی ہے"۔(ژان لا۔کنیڈریے شانز سری نمیر پراٹ لا کامرس۔ای ڈیہ س کے ایڈیشن متعلقہ۔اکانمسٹ فنائیسرس باب 18 سیکل۔صفحہ 470)

[1] قیمت سے متعلق نظریہ قیمتی چیز محض ایک علامت کے طور پر سمجھتا ہے اس قیمتی چیز کی اہمیت اس لیے نہیں ہوتی کہ وہ کیا چیز ہوتی ہے۔بلکہ اس لیے ہوتی ہے کہ اس کی قیمت کیا ہے" (ہیگل بحوالہ سابقہ صفحہ 100) قانون دانوں نے ماہرین معاشیات سے بہت پہلے یہ خیال پھیلانا شروع کر دیا تھا کہ روپیہ محض علامت ہے اور قیمتی دھاتوں کی قیمت محض خیالی ہوتی ہے۔(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوتی ہیں تو دوسرے ہی سانس میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ خصوصیات محض من گھڑت افسانوں کی حیثیت رکھتی ہیں جو انسانیت کے کسی نام نہاد اتفاق رائے کے نتیجہ میں وجہ جواز حاصل کر سکی ہیں۔ اٹھارہویں صدی میں مسائل کی توضیح وتفسیر کا جو انداز رائج تھا یہ اس کے عین مطابق تھا لیکن انسان اور انسان کے درمیان کے سماجی رشتے جو اُلجھی ہوئی شکلیں اختیار کرتے ہیں ان کی اصل کو سمجھنے میں ناکام ہو جانے کی وجہ سے لوگوں نے ان شکلوں کی روایتی اصل بیان کر کے ان کے عجیب روپ سے انہیں محروم کرنے کی کوشش کی۔

یہ بات پہلے کہی جا چکی ہے کہ کسی جنس کی مساواتی شکل اس کی قیمت کی مقدار کے تعین پر دلالت نہیں کرتی جس کے معنی یہ ہیں کہ گو ہم اس بات سے تو باخبر ہو سکتے ہیں کہ سونا زر ہے اور اس لیے دوسری تمام اجناس سے براہِ راست قابلِ مبادلہ ہے۔ لیکن اس حقیقت کے جان لینے سے کہ سونا زر ہے اس بات کا تو کسی حال میں پتہ نہیں چلایا جا سکتا کہ دس پونڈ سونے کی قیمت کس قدر ہوگی اور تمام اجناس کی طرح زر بھی دوسری اجناس کی نسبت سے ہی اپنی قیمت بتاتا ہے لیکن اس صورت کے علاوہ وہ اور کسی طرح اپنی قیمت کی مقدار نہیں بتا سکتا اس کی یہ قیمت محنت کے اس وقت سے متعین ہوتی ہے جو اس کی پیداوار کے لیے مطلوب ہوتا ہے جب کہ اِس قیمت کا اظہار کسی بھی ایک اس جنس

(بقیہ حاشیہ) تاجداروں کی خوشامدانہ خدمت کے لیے انہوں نے اس رائے کا اظہار کیا تھا۔ تمام قرونِ وسطیٰ میں رومی شہنشاہیت کی روایات اور زر سے متعلقہ ان تصورات کے ذریعہ جو مجموعہ قوانین روما میں پائے جاتے ہیں۔ قانون دانوں نے تاجداروں کے اس حق کی تائید کی کہ وہ زر کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیں۔ رومی قانون کے ایک ضابطہ کی رُو سے روپیہ کی قیمت شہنشاہ کے حکم سے متعین ہوا کرتی تھی اور اس بات کی واضح طور پر مخالفت موجود تھی کہ روپیہ کو بطور جنس کے نہ سمجھا جائے...... اس مسئلہ پر کچھ مفید کام جی۔ ایف پاگ نینی نے کیا ہے...... پاگ نینی نے اپنی تصنیف کے دوسرے حصہ میں اپنے مناظرہ کا پورا رخ صرف وکلاء کے خلاف کر دیا ہے۔)

کی مقدار سے ہوتا ہے جس کے پیدا کرنے میں محنت کی اسی قدر مدت صرف ہوتی ہے جتنی زر کے پیدا کرنے میں صرف[1] ہوتی ہے۔

زر کی اس نسبتی قیمت کا یہ کمی تعین اس قیمت کے پیدا ہونے کے ماخذ پہ ہوتا ہے اور بارٹر قیمت کے تعین کا ذریعہ بنتا ہے۔ سکہ کی حیثیت سے گردش میں آنے سے پہلے ہی زر کی قیمت کا تعین ہو چکا ہوتا ہے۔ سترہویں صدی کے آخری عشروں ہی میں یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ زر بھی ایک جنس ہے لیکن زر کو جنس قرار دینے کی دریافت بھی تجزیہ و تحلیل کے صرف ابتدائی قدم کی حیثیت رکھتی تھی۔ دشواری دراصل اس بات میں پیش نہیں آتی کہ زر کو جنس خیال کیا جائے بلکہ دشواری یہ دریافت کرنے میں پیش آتی ہے کہ ایک جنس کیونکر کیسے اور کن ذرائع سے زر[2] بنتی ہے۔

قیمت کے سب سے ابتدائی ذریعہ اظہار یعنی۔ الف جنس بمقدار س = ب۔

---

[1] اگر کوئی شخص پیرو سے ایک اونس چاندی نکال کر اتنے ہی وقت میں لندن لاسکتا ہے جتنے وقت میں وہ ایک من اناج پیدا کر سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے کی فطری قیمت بتاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی نئی یا زیادہ سہل الحصول کانوں سے دو اونس چاندی اتنی ہی آسانی سے نکال لے جتنی آسانی سے وہ پہلے ایک اونس چاندی نکالتا تھا تو اگر دوسرے حالات یکساں رہیں تو اناج دس شلنگ فی من پر اتنا ہی سستا ہوگا جتنا وہ پہلے پانچ شلنگ فی من پر سستا ہوتا تھا (ولیم پیٹی = ٹیکسوں اور محصولوں پر ایک مقالہ" لندن 1626 صفحہ 32)

[2] علامہ پروفیسر راشر نے ہمیں یہ بتانے کے بعد کہ "زر کی غلط تعریفیں دو خاص گروہوں میں بانٹی جا سکتی ہیں۔ یعنی ایک تو وہ لوگ ہیں جو زر کو جنس سے کچھ زیادہ بنا دیتے ہیں اور دوسرے وہ حضرات ہیں جو اسے جنس سے بھی کم ہی درجہ پر رکھتے ہیں"۔ ان تصنیفات کی ایک طویل اور مخلوط فہرست دی ہے جو زر کی ماہیت سے بحث کرتی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زر کے نظریہ کی حقیقی تاریخ کی بابت کوئی بعید تر تصور بھی نہیں رکھتے۔ اسکے بعد پروفیسر راشر اس طرح وعظ فرماتے ہیں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جنس بمقدار۔و۔ میں ہم نے یہ بات دیکھی کہ وہ چیز جس کے ذریعہ کسی اور چیز کی قیمت کی مقدار کی نمائندگی ہوتی ہے کچھ اس طرح سامنے آتی ہے کہ جیسے اس کی مساواتی اکائی ہونے کی خصوصیت کا مذکورہ رشتہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کی یہ خصوصیت ایک سماجی خصوصیت ہے جو اسے فطرت سے حاصل ہوئی ہے۔ دوسری اشیاء کی قیمتوں کی مقدار کی نمائندگی کرنے والی چیز کا اس طرح سامنے آنا محض گمراہ کن ہے ہم نے اس کے اس گمراہ کن ظہور کا اس کے ابتدا سے اس کے استحکام تک تفصیلی جائزہ لیا۔ یہ استحکام اس وقت مکمل ہو جاتا ہے جب ایک ہمہ گیر مساواتی اکائی ہونے کی شکل کسی خاص جنس کی جسمانی شکل سے بالکل متحد ہو جاتی ہے اور اس طرح شکل زر میں معین صورت اختیار کر جاتی ہے۔ جو چیز وقوع پذیر ہوتی نظر آتی ہے وہ یہ نہیں ہے کہ چونکہ تمام دوسری اجناس سونے کے ذریعہ اپنی قیمت ظاہر کرتی ہیں اس لئے سونا زر بن گیا ہے بلکہ اس کے برعکس بات واقعی یہ ہے کہ چونکہ سونا زر ہے اس لیے تمام دوسری اجناس اسی کے ذریعہ اپنی قیمت ظاہر کرتی ہیں۔ رہی اس عمل کی درمیان کی[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر) منزلیں سو وہ نتیجہ کے

(بقیہ حاشیہ) کہ "جہاں تک باقی کتابوں کا تعلق ہے اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ بعد کے اکثر ماہرین معاشیات کے دماغوں میں وہ خصوصیات وضاحت سے موجود نہیں تھیں جو زر کو دوسری اجناس سے متمیز کرتی ہیں (لیکن ایسی صورت میں زر بہر حال جنس سے کم یا زیادہ ہوتا ہے) اس حد تک تو' کے نیم مرکنتائلی ردعمل بالکل ہی بے بنیاد لازماً نہیں ہے (ولیم راشر ڈائی گرونڈے جن ڈر نیشلو کو نومائی" تیسرا ایڈیشن 158 صفحات 210-270) زیادہ یا کم نہ مناسب طور پر یا اس حد تک نہ پوری طرح۔ واہ خیالات اور زبان کی یہ کیسی وضاحت یہ کیسی صحت ہے۔ اس چوں چوں کے مربہ والی پروفیسرانہ بکواس کو بڑے منکسرانہ طور پر مسٹر راشر نے فلسفہ معاشیات کا تشریحی اور فزیالوجیائی طریقہ کہہ کر مقدس بنایا ہے۔ لیکن بہر حال ایک انکشاف کا اعزاز انہیں ضرور حاصل ہونا چاہیے یعنی اس انکشاف کا اعزاز کہ زر ایک فرحت بخش جنس ہوتی ہے)

وقوع پذیر ہونے پر غائب ہو جاتی ہیں اور اپنا کوئی اثر نہیں چھوڑتیں اجناس اپنی طرف سے کچھ کیے بغیر ہی کسی دوسری جنس کے ذریعہ جو اِن اجناس کے ساتھ ساتھ ہی موجود ہوتی ہے اپنی قیمتوں کی پوری طرح نمائندگی ہوتی دیکھتی ہیں۔ یہ اشیاء سونا چاندی جونہی جوف ارض سے باہر آتی ہیں تو فوراً ہی وہ تمام انسانی محنت کا مجسمہ بنی ہوتی ہیں۔ اس صورتِ حال کی وجہ سے زر کی ساحرانہ نوعیت پیدا ہوتی ہے۔ اس سماجی شکل میں جس پر ہم غور کر رہے ہیں پیداوار کے سماجی عمل میں انسانوں کا جو طریقہ اور انداز ہوتا ہے وہ خالص ایٹمی (یعنی مادی مترجم) ہوتا ہے اور اس لیے پیداوار کے دوران ان میں سے ایک دوسرے کے درمیان جو رشتے ہوتے ہیں وہ خالص مادی نوعیت کے ہوتے ہیں جو ان کے قبضہ و اقتدار اور شعوری انفرادی عمل سے محض آزاد ہوتے ہیں۔ یہ[1] حقائق پہلے پہل خود کو پیداواروں کے ذریعہ ظاہر کرتے ہیں جو ایک عام قانون کے مطابق اجناس کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ ہم نے سابقہ بحث میں یہ بات نوٹ کی کہ کیونکر اجناس آفریں سماج کا تدریجی ارتقاء ایک رعایت یافتہ جنس[1] پر زر کے کردار کی چھاپ لگا دیتا ہے اس طرح زر کا معمہ حقیقت میں اجناس کا معمہ ہے۔ بس فرق ہے تو یہ کہ زر کی شکل میں جب یہ معمہ سامنے آتا ہے تو بڑی خیرہ کن شکل اختیار کر لیتا ہے۔

❖

(حاشیہ پچھلے صفحہ کا)[1] یعنی وہ منزلیں جو سونے کے زر بننے سے پہلے وقوع پذیر ہوتی ہیں۔ مترجم)

[1] سونے پر۔ مترجم)

باب سوئم

زر ـــــ یا اجناس کی گردش

فصل اوّل

قیمتوں کا پیمانہ

اس تمام کتاب کے دوران میں نے آسانی کے پیش نظر سونے کو جنس زر کی حیثیت سے فرض کیا ہے۔

زر کا پہلا اہم فرض تو یہ ہے کہ وہ اجناس کے لیے ایک ایسا مواد بننے کا فرض انجام دیتا ہے جو کہ ان قیمتوں کے اظہار کا ذریعہ بن جاتا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ ان کی قیمتوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ ایک ہی نوح کی مقداروں کی حیثیت سے جو کمی طور پر مساوی اور کیفی طور پر ایک دوسرے کے متوازن ہوں۔

اس طرح زر قیمت کے ایک ہمہ گیر پیمانہ کے طور پر کام کرتا ہے اور صرف اس فرض کے انجام دینے کی وجہ سے سونا جو مساوات ظاہر کرنے والی جنس کا بہترین نمونہ ہے۔ زر بننے کا فرض انجام دیتا ہے۔

زر' اجناس کو ہم پیمانہ بنانے کا سبب نہیں بنتا۔ بلکہ صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ ہم پیمانہ اس لیے ہوتی ہیں کہ تمام اجناس قیمتیں ہونے کی حیثیت سے ایک ایسی انسانی محنت ہیں جو خارجی وجود حاصل کر گئی ہے اور یوں وہ ہم پیمانہ ہوتی ہیں اور ان کی قیمتیں کسی ایک اور یکساں مخصوص جنس سے ناپی جا سکتی ہیں اور یہ مخصوص جنس ان سب کا مشترکہ پیمانہ یعنی۔ زر بن سکتی ہے۔ زر قیمت کے پیمانہ کی حیثیت سے وہ

مظہری شکل ہے جولازمی طور پر قیمت کے اس پیمانے کو اختیار کرنا ہوتی ہے جو کہ اجناس میں سرایت کیے ہوتی ہے یعنی مدت محنت۔[1]

ایک جنس کی قیمت کا سونے میں اظہار ہی (الف جنس بمقدار س = جنس زر بمقدار و کے) اس کی شکل زر یا اس کا نرخ ہوتا ہے۔ایک سادہ سی مساوات جیسے ایک ٹن لوہا = 2 اونس سونے کے۔لوہے کی قیمت کو سماجی طور پر صحیح طرز میں ظاہر کرنے کے لیے

---

[1] یہ سوال کہ۔کیوں نہ۔زر براہ راست۔مدت محنت کی نمائندگی کرے تاکہ مثلاً کاغذ کا ایک ٹکڑا ''س'' مدت محنت کی نمائندگی کر سکے فی الاصل اسی قسم کا سوال ہے کہ کیوں اجناس کے پیدا ہو جانے کی حالت میں پیدا شدہ اشیاء کو لازماً اجناس کی شکل اختیار کر لینی چاہیے۔لیکن یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اشیاء کا اجناس کی شکل اختیار کر لینا اس کے اجناس اور۔زر۔میں منقسم ہونے پر دلالت کرتا ہے۔یا یہ سوال کہ کیوں نجی محنت۔وہ محنت جو نجی افراد کے مفادات کے لیے ہو۔اپنی مد مقابل محنت یعنی فوری سماجی محنت کی طرح نہ سمجھی جائے۔میں نے کسی اور جگہ۔زر۔محنت کے یوٹوپیائی تصور کا ایک ایسی سماج میں جو اجناس کی پیداوار پر مبنی ہو تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا ہے۔(بحوالہ سابقہ صفحہ 71)

اس معاملہ میں یہاں صرف اتنا میں ضرور کہوں گا کہ مثلاً اوون کا (رابرٹ اوون۔یوٹوپیائی سوشلسٹ جس کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے۔مترجم) زر محنت اتنا۔زر۔نہیں ہے جتنا وہ ایک تھیٹر کے ٹکٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔اوون براہ راست متحدہ محنت کا وجود فرض کر کے چلتا ہے یعنی وہ پیداوار کی ایسی شکل کو فرض کر کے چاہتا ہے جو اجناس کے پیدا ہونے کے طریقہ سے قطعی میل نہیں کھاتی۔محنت کرنے کا سرٹیفکیٹ صرف اس حصہ کی موجودگی کے ثبوت کی حیثیت رکھتا ہے جو فرد نے مشترکہ محنت میں لیا ہے اور اس مشترکہ پیداوار میں جو استعمال کے لیے بنائی گئی ہو ایک حصہ پر اس کے حق کا ثبوت بنتا ہے لیکن اوون کے دماغ میں یہ بات بالکل نہ آسکی کہ اسے پیداوار اجناس کو فرض کر کے چلنا چاہیے لیکن اس نے ایسا نہ کیا اور ساتھ ہی زر کے معاملہ میں شعبدہ بازانہ بخشیں کر کے اجناس کے پیدا کرنے کے لیے جو ضروری شرطیں ہوتی ہیں ان کو نظر انداز کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔)

کافی ہے۔اس کے بعد اس بات کی ضرورت نہیں رہتی کہ یہ مساوات ان مساواتوں کے سلسلہ میں لازمی طور پر نمایاں ہی ہو جو دوسری تمام اجناس کی قیمتیں ظاہر کرتی ہیں اس لیے کہ مساوات ظاہر کرنے والی جنس۔سونا۔اب۔زر کا کردار حاصل کر چکی ہے اور نسبتی قیمت کی عام شکل نے اپنی ابتدائی شکل یعنی سادہ یا جداگانہ نسبتی قیمت اختیار کرلی ہے۔ اس کے برعکس نسبتی قیمت کا توسیع شدہ ذریعہ اظہار یعنی مساواتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ اب وہ شکل بن چکا ہے جو جنس زر کی نسبتی قیمت کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے بلکہ اب تو خود یہ سلسلہ ہی بیان کیا جاتا ہے اور خارج میں موجود اجناس کے جو نرخ ہوتے ہیں ان میں سماجی طور پر مسلم ہونے کا درجہ بھی رکھتا ہے۔اس منزل پر ہمارا کام صرف یہ رہ جاتا ہے کہ نرخوں کی جو فہرست دی گئی ہے اسے پڑھ ڈالیں اور یہ معلوم کرلیں کہ زر کی قیمت کی کتنی مقدار دوسری تمام اجناس میں ظاہر کی گئی ہے لیکن خود۔زر۔کا کوئی نرخ نہیں ہوتا اس لیے کہ اس معاملہ میں زر کو بھی دوسری تمام اجناس کے ساتھ رکھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ۔زر۔کو خود اپنی ہی مساواتی اکائی بنا کر اپنے ہی سے مساوی کیا جا رہا ہے۔

نرخ یا اجناس کی شکل زر من حیث العموم ان کی قیمت کی شکل کی طرح ایک ایسی شکل ہے جو ان کی ظاہری جسمانی شکل سے بالکل ممتاز ہوتی ہے۔اور یوں یہ ایک خالص مثالی اور ذہنی شکل ہوتی ہے۔لوہے۔کپڑے۔اور اناج کی قیمت گو غیر مرئی سہی مگر خود ان تینوں ہی میں عملی وجود رکھتی ہے۔یہ قیمت مثالی طور پر سونے سے ان اشیاء کی مساوات کے ذریعہ قابلِ فہم ہوتی ہے اور یہ ایک ایسا رشتہ ہے جو یوں کہیے کہ صرف ان اشیاء کے بطون ہی میں موجود ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ اب ان اشیاء کے مالکوں کو ان کی قیمت بتانے کے لیے یا تو اپنی زبان سے کچھ کہنا چاہیے اور یا ان اشیاء پر قیمت کا لیبل لگا دینا چاہیے[1]۔اجناس کی قیمت کا سونے میں اظہار چونکہ محض ایک مثالی عمل ہے

---

[1] وحشی اور نیم متمدن قبائل اپنی زبان کو مختلف طور پر استعمال (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس لیے ہم اس مقصد کے لیے ایک محض خیالی یا مثالی۔ زر استعمال کر سکتے ہیں۔ یہ بات تو ہر تاجر جانتا ہے کہ جب وہ اپنے مال کی قیمت کسی نرخ یا خیال زر میں ظاہر کرتا ہے تو وہ اپنے مال کو زر میں منتقل نہیں کرتا اور یہ کہ کروڑوں روپیہ کی مالیت کے سامان کی قیمت کا سونے کے ذریعہ اندازہ لگانے کے لیے واقعی سونے کے کسی بھی ٹکڑے کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے لہٰذا جب سونا قیمت کے پیمانہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو وہ محض ایک خیالی یا مثالی زر کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور سونے کے یوں استعمال کی وجہ سے نت نئے بعید از قیاس نظریے گھڑ لیے گئے لیکن گو وہ زر جو قیمتی پیمانہ کے فرائض انجام دیتا ہے محض ایک مثالی زر ہوتا ہے لیکن نرخ پوری طرح منحصر ہوتا ہے اس زر پر جو خارجی طور پر

(بقیہ حاشیہ) کرتے ہیں۔ جھیل بیفن کے مغربی ساحل پر بسے ہوئے باشندوں کے متعلق کپتان پیری کہتے ہیں کہ "اس معاملہ میں (بارٹر کی طرف ان کا اشارہ ہے) وہ اس چیز کو (جو ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے) دوبار اپنی زبان سے چومتے ہیں۔ چومنے کے بعد یہ سمجھ لیا جاتا ہے کہ انہوں نے معاملت مکمل کر لی"۔ اس طرح مشرقی اسکیمو بھی ان اشیاء کو جو مبادلہ میں انہیں ملتی ہیں چومتے ہیں۔ اب اگر شمال میں زبان کو ایک ایسے عضو کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے جس سے قبضہ تصرف ثابت ہوتا ہے تو مغرب میں پیٹ ایک ایسا حصہ بدن خیال کیا جاتا ہے جس سے جمع شدہ دولت کی فراوانی ظاہر ہوتی ہے۔ چنانچہ کافر قبیلہ والے کسی شخص کی دولت کا اندازہ اس کے پیٹ سے کرتے ہیں۔ رہا یہ امر کہ کافر واقعی بات کو صحیح سمجھتے ہیں سو یہ اس حقیقت سے ظاہر ہوگا کہ ادھر تو 1864ء کی سرکاری برطانوی رپورٹ متعلقہ صحت میں یہ انکشاف کیا گیا کہ مزدور طبقہ کی اکثریت کی غذا میں چربی پیدا کرنے والے عناصر کی شدید کمی ہے اور ادھر ایک ڈاکٹر ہاروی نے (دوران خون کا انکشاف کرنے والے ڈاکٹر ہاروی نہیں) وہ نسخے چھاپ کر جو بورژوا طبقہ اور امراء کی غیر ضروری چربی کم کرنے کے مقصد سے تھے ایک بڑی دلچسپ بات بتائی۔ (یعنی یہ کہ دولت مندوں کا پیٹ بڑھ جاتا ہے۔ مترجم) [1] ملاحظہ ہو کارل مارکس تنقید وغیرہ باب دوئم ب۔ زر کے پیمانوں کی اکائیوں کے متعلق نظریات صفحہ)

موجود ہو قیمت یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ انسانی محنت کی وہ مقدار جو لوہے کے ایک ٹن میں سموئی ہوتی ہے خیال میں جنس زر کی ایک ایسی مقدار سے ظاہر کی جاتی ہے جو اسی قدر انسانی محنت پر مشتمل ہوتی ہے جتنی لوہے میں ہوتی ہے اور جب صورت یہ ہے تو پھر قیمت کا پیمانہ۔ سونا یا چاندی یا تانبا ہو تو لوہے کے ایک ٹن کی قیمت مختلف نرخوں سے ظاہر کی جائے گی۔ یا یوں کہیے کہ لوہے کے ٹن کی قیمت کی نمائندگی ان تینوں دھاتوں کی مختلف مقداروں سے ہوگی (اس لیے کہ ان دھاتوں میں سے ہر ایک میں محنت کی مختلف مقدار سموئی ہوئی ہے۔ مترجم)

اب اگر دو مختلف اجناس جیسے سونا اور چاندی ایک ساتھ قیمتی پیمانے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر جنس کے دو نرخ ہوں گے ایک طلائی نرخ اور دوسرا نقرئی نرخ۔ یہ دونوں نرخ اس وقت تک خاموشی سے ساتھ ساتھ باقی رہیں گے جب تک سونے کی نسبت سے چاندی کی قیمت غیر مبدل رہے یعنی بطور مثال۔ 15 اور۔ 1 کے اوسط پر رہے لیکن ان دونوں کی قیمتوں میں جو نسبت ہے اس میں فرق پڑ جانے سے اجناس کے طلائی اور نقرئی نرخوں میں بھی تبدیلی پیدا ہو جائے گی۔ اس سے یہ بات بھی ثابت ہو جاتی ہے کہ قیمت کا دُہرا معیار ہونا۔ معیار[1] جو فرائض انجام دیتا ہے ان سے کسی طرح

---

[1] جہاں کہیں بھی سونے اور چاندی کو ایک ساتھ زر یا قیمتی پیمانہ بننے کے فرائض انجام دینے کے لیے قانونی طور پر چنا گیا تو اس بات کی ہر بار سعی کی گئی جو کہ ہر بار ناکام بھی ہوئی کہ انہیں ایک اور یکساں مواد کے طور پر سمجھا جائے۔ لیکن یہ فرض کرنا کہ سونے اور چاندی کی مقداروں کے درمیان غیر متغیر نسبت موجود رہتی ہے جس میں مدت محنت کی ایک خاص مقدار چھپی ہوئی ہے دراصل یہ فرض کرنے کے ہم معنی ہے کہ سونا اور چاندی ایک جیسا اور بالکل یکساں مواد رکھتے ہیں اور یہ کہ کم قیمتی دھات۔ چاندی کے مادہ کی خاصہ مقدار متواتر طور پر سونے کے مادہ کی خاص مقدار کے ایک جزو کے برابر رہتی ہے۔ ایڈورڈ سوئم کے عہد حکومت سے لے کر جارج دوئم کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میل نہیں کھاتا وہ اجناس جو متعین و مقرر نرخ رکھتی ہیں خود کو جس شکل میں پیش کرتی ہیں

(بقیہ حاشیہ) دَور تک انگلستان کی تاریخ زر عبارت ہے تغیرات کے اس سلسلہ سے جو اس تصادم سے پیدا ہوتا تھا جو کہ سونے اور چاندی کی قانونی نسبت اور ان کی حقیقی نسبت میں رد و بدل ہوتے رہنے کی وجہ سے ان دونوں کے درمیان ہوتا رہتا تھا۔ کبھی سونے کے دام چڑھ جاتے تھے اور کبھی چاندی کے۔ اگر کسی وقت کوئی دھات اپنی اصلی قیمت سے نیچے گر جاتی تھی تو اسے گردش سے ہٹا لیا جاتا اور پگھلا کر غیر ممالک کو برآمد کر دیا جاتا اور پھر دونوں دھاتوں کی باہمی نسبت کو از سرِ نو متعین کیا جاتا۔ لیکن کچھ ہی عرصہ بعد پھر یہ نسبت بھی حقیقی قیمتی نسبت سے متصادم ہو جاتی۔ خود ہمارے ہی زمانہ میں ایسا ہوا کہ سونے کی قیمت میں چاندی کی نسبت سے ذرا سی اور وقتی کمی نے جو کہ ہند چینی میں چاندی کی مانگ کی وجہ سے رُونما ہوئی تھی۔ فرانس میں یہی صورت حال بڑے وسیع پیمانہ پر پیدا کر دی۔ یعنی چاندی کی دوسرے مقامات کو برآمد اور گردش (زر) کے عمل سے اس کا اخراج۔ بازار سے چاندی کا یہ اخراج سونے نے کیا تھا 1855ء، 1856 اور 1857ء کے سالوں میں فرانس میں سونے کی درآمد میں سونے کی برآمدوں سے 41850000 پونڈ (ایک پونڈ تقریباً 13 روپیہ 6 آنے کے برابر ہوتا ہے) کے بقدر بڑھ گئی تھیں جب کہ چاندی کی برآمدیں درآمدوں کے مقابل 14704000 پونڈ کے بقدر زیادہ تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان ممالک میں جن میں یہ دونوں دھاتیں قانونی طور پر قیمت کا پیمانہ ہیں اور اس لیے دونوں ہی زر قانونی ہوتی ہیں گویا دونوں میں سے کسی بھی ایک میں ادائیگی کی جا سکتی ہے وہ دھات جس کی قیمت بڑھتی ہے گراں ہو جاتی ہے اور دوسری ہر ایک جنس کی طرح چڑھے ہوئے داموں والی دھات کے حساب سے جو کہ صحیح معنی میں معیار قیمت بن جاتی ہے اپنا نرخ متعین کرتی ہے۔ اس مسئلہ کے متعلق تاریخ اور اب تک جتنے تجربات ہوئے ہیں ان سب کے نتیجہ میں جو رائے قائم کی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ جہاں بھی دو دھاتیں قیمت کا پیمانہ ہونے کا فرض انجام دینے کے لیے قانونی طور پر مقرر کی جاتی ہیں وہاں عملاً صرف ایک ہی دھات اپنے اس درجہ کو برقرار رکھنے میں کامیاب ہو پاتی ہے)۔

وہ یہ ہے: الف جنس بمقدار ت = س سونے کے۔ ب جنس بقدر د = ز سونے کے ر جنس بقدر ذ = ے سونے کے وغیرہ۔ ان مساواتوں میں ت۔د۔ذ۔ اجناس ۔الف۔ ب ۔ر۔ کی مقررہ مقداروں کو بتاتی ہیں تو ان اجناس کی قیمتیں خیال میں سونے کی ان مختلف مقداروں میں بدل جاتی ہیں۔ اس طرح خود اجناس کے پریشان کن تنوع کے باوجود ان کی قیمتیں ایک ہی اصل کی مقداریں یعنی سونے کی مقداریں رہتی ہیں اور یوں وہ اس بات کی صلاحیت پیدا کر لیتی ہیں کہ آپس میں ان کا ایک دوسرے سے موازنہ کیا جائے انہیں ناپا جائے۔ پھر فنی طور پر اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ سونے کی کسی مقررہ مقدار سے جو پیائش کی اکائی کے طور پر موجود ہو ان اجناس کو مساوی کیا جائے۔ اکائی کا یہ پیمانہ[1] عاد حصوں میں مزید تقسیم کے بعد بجائے خود ایک معیار یا پیمانہ بن جاتا ہے۔ سونا چاندی اور تانبا زر بننے سے قبل ہی اپنے وزن کے معیاروں میں ایسے معیاری پیمانے رکھتے ہیں کہ مثلاً ایک پونڈ وزن اکائی ہونے کا فرض انجام دیتے ہوئے ایک طرف تو اونسوں میں قابلِ تقسیم ہوتا ہے اور دوسری طرف اور اجزاء سے مل کر سو ..... پونڈی پیمانہ بن جاتا[2] ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دھات کی تمام کرنسیوں میں زر یا نرخ کے

---

[1] کسی عدد کا ایسا مقسوم علیہ جس سے وہ کچھ باقی بچے بغیر تقسیم ہو جائے۔ مترجم)

[2] یہ عجیب سی بات ہے کہ گو انگلستان میں ایک اونس سونا زر کے معیار کی ایک اکائی ہوتا ہے مگر پونڈ اسٹرلنگ اس کا کوئی ایسا حصہ نہیں ہوتا جس سے اونس برابر کا نبٹ جائے۔ اس عجیب صورت حال کی اس طرح وضاحت کی گئی ہے کہ "ہمارا سکہ ابتداءً صرف چاندی کے استعمال پر مبنی تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چاندی کا ایک اونس ہمیشہ اس طرح نبٹ سکتا ہے کہ وہ سکہ کے مناسب ٹکڑوں سے ہم آہنگ رہے مگر چونکہ سونے کو کچھ عرصہ بعد سکہ کے اس نظام میں شامل کر لیا گیا جو چاندی کی نسبت سے بنایا گیا تھا۔ اس لیے سونے کا ایک اونس اس طرح مسکوک نہیں ہو سکتا کہ وہ موزوں طور پر منقسم ہونے والے ٹکڑوں میں نبٹ جائے۔ میک لارن کرنسی کی تاریخ کا ایک خاکہ۔ لندن 1858ء صفحہ 16)

معیاروں کو جو نام دیے گئے ہیں وہ اصلاً وزن کے معیاروں کے جو نام پہلے رائج تھے انہیں سے لیے گئے ہیں۔

قیمت[1] کے پیمانہ۔اور۔معیار نرخ۔ہونے کی حیثیت سے زر کو دو بالکل جداگانہ فرائض انجام دینا ہوتے ہیں۔اس حیثیت کے پیش نظر کہ وہ سماجی طور پر تسلیم شدہ انداز میں انسانی محنت کا مجسمہ ہوتا ہے وہ قیمت کا پیمانہ ہوتا ہے لیکن اس حیثیت کے اعتبار سے کہ وہ دھات کا ایک مقررہ وزن ہوتا ہے معیار نرخ ہوتا ہے۔قیمت کا پیمانہ ہونے کی حیثیت سے وہ یہ فرض انجام دیتا ہے کہ تمام کثیر النوع اجناس کی قیمتوں کو نرخوں میں سونے کی خیالی مقداروں میں بدل دیتا ہے۔اور معیار نرخ ہونے کی حیثیت سے وہ سونے کی ان مقداروں کا پیمانہ بننے یا ناپنے کا کام کرتا ہے۔قیمتوں کا پیمانہ۔اجناس کو اس حیثیت سے کہ وہ قیمتیں ہیں ناپتا ہے۔جبکہ اس کے برعکس۔نرخ کا معیار سونے کی مقداروں کو طلائی مقدار کی ایک اکائی کے ذریعہ ناپتا ہے۔سونے کی کسی ایک مقدار کی قیمت کو کسی دوسری مقدار کے وزن کے ذریعہ نہیں ناپتا۔سونے کو نرخ کا معیار بنانے کے لیے کسی ایک وزن کو بطور اکائی کے رکھنا ناگزیر ہے۔اس جیسی صورت حال میں جیسی دوسری ناپنے والی یکساں مقداروں میں ہوا کرتا ہے' ناپنے کی ایک غیر متبدل اکائی کا تعین ہی سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہوا کرتا ہے۔چنانچہ جو اکائی جتنی کم تغیر پذیر ہوتی ہے اسی قدر معیار نرخ ہونے کا اپنا فرض بہتر طور پر انجام دیتی ہے۔لیکن سونا صرف اس حد تک جس حد تک وہ بذاتہ محنت کی پیداوار ہوتا ہے اور اس لیے بالقوہ قیمت میں قابل تغیر ہوتا ہے۔قیمت کا پیمانہ بننے کا فرض

---

[1] (قیمت کا پیمانہ ترجمہ ہے Measure of Value کا۔اور معیار نرخ ترجمہ ہے Standard of Price کا۔یہ دونوں اصطلاحات خاص طور پر پیش نظر رکھنے کے قابل ہیں کہ آئندہ کی بحث انہیں اصطلاحوں کے گرد گھومتی ہے۔مترجم)

انجام دے سکتا[1] ہے

اس سلسلہ میں سب سے پہلی بات تو یہ واضح ہے کہ سونے کی قیمت میں تبدیلی اس کے اس فرض پر کہ وہ معیار نرخ ہے کسی طرح بھی اثر انداز نہیں ہوتی۔ یہ قیمت کسی انداز میں بھی متغیر کیوں نہ ہو مگر اس کی مختلف مقداروں کی قیمتوں میں جو اوسط ہوتا ہے وہ ایک ہی رہتا ہے۔ اس کی قیمت کسی قدر بھی کیوں نہ گر جائے مگر 12 اونس سونا ایک اونس سونے سے 12 گنی زیادہ قیمت کا حامل رہے گا اور نرخوں میں جس چیز کو پیش نظر رکھا جاتا ہے وہ سونے کی مختلف مقداروں کے درمیان کا رشتہ ہی ہوا کرتا ہے۔ پھر دوسری طرف چونکہ ایک اونس سونے کی قیمت میں کسی قدر بھی کمی یا زیادتی اس کے وزن کو نہیں بدل سکتی اس لیے اس کے عاد ٹکڑوں میں بھی کسی قسم کا تغیر رونما نہیں ہوسکتا۔ یوں سونا ہمیشہ ٹھیک وہی خدمت انجام دیتا ہے جو غیر متبدل معیار نرخ انجام دے سکتا ہے خواہ اس کی قیمت کسی قدر بھی کیوں نہ بدلتی رہے۔

دوسری بات یہ کہ سونے کی قیمت میں تغیر اس کے ان فرائض میں کہ وہ قیمت کا پیمانہ ہوتا ہے کوئی مداخلت نہیں کرتا۔ یہ تغیر ایک ساتھ تمام اجناس پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس لیے یکساں حالات میں ان کے مابین کی اضافی قیمتیں غیر متبدل رہتی ہیں گو وہ قیمتیں اب سونے کے اعلیٰ اور ادنیٰ نرخوں میں ظاہر ہوں۔

ٹھیک اسی طرح جیسے ہم کسی جنس کی قیمت کا اندازہ کسی اور جنس کی استعمالی قیمت کی کسی متعین مقدار سے کرتے ہیں۔ اس جنس کی قیمت کا سونے کی نسبت سے تخمینہ کرتے وقت بھی اس کے علاوہ ہم کچھ اور نہیں کرتے صرف یہ دیکھتے ہیں کہ سونے کی

---

[1] (انگریز اہل قلم میں قیمت کے پیمانہ اور معیار نرخ (معیار قیمت) کی بابت جو انتشار ذہنی پایا جاتا ہے وہ ناقابلِ بیان ہے ان کے فرائض اور ان کے ناموں کے استعمال میں ان کے یہاں بار بار غلط مبحث ہوتا رہتا ہے۔ مارکس)۔

ایک خاصہ مقدار پر ایک خاصہ وقت میں محنت کی کس قدر مقدار صرف ہوتی ہے۔[1]

رہے عمومی طور پر نرخوں کے تغیرات سو وہ ابتدائی نسبتی قیمت کے ان قوانین کے ماتحت ہوتے ہیں جن پر ہم نے گذشتہ باب میں بحث کی ہے۔

اجناس کے نرخوں میں عام اضافہ یا تو اس لیے ہوتا ہے کہ ان کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اور زر کی قیمت اپنی جگہ رہتی ہے۔ یا زر کی قیمت کم ہو جانے سے ہوتا ہے جبکہ اجناس کی قیمتیں اپنی جگہ رہتی ہیں اس کے برعکس نرخوں میں عام کمی یا تو اس لیے ہوتی ہے کہ اجناس کی قیمتیں گر جاتی ہیں' جبکہ زر کی قیمت اپنی جگہ باقی رہتی ہے۔ اور یا زر کی قیمت میں اضافہ کی وجہ سے ہوتی ہے جبکہ اجناس کی قیمتیں اپنی جگہ رہتی ہیں۔ اس طرح یہ منطقی نتیجہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ زر کی قیمت میں اضافہ کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس اوسط سے اجناس کے نرخ کم ہو جائیں یا زر کی قیمت میں کمی نرخوں میں اس قدر اضافہ کا سبب بن جائے۔ نرخ میں یہ تبدیلی ان اجناس کے معاملہ میں ہوتی ہے جن کی قیمت یکساں رہتی ہے لیکن ان اجناس کا جہاں تک تعلق ہے مثلاً جن کی قیمت زر کی نسبت سے اور اس کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہے سو ان کے نرخ میں تبدل نہیں ہوتا اور اگر ان کی قیمت زر کے مقابل زیادہ تیزی یا زیادہ سستی سے بڑھے تو ان کے نرخوں میں زیادتی یا کمی کا تعین اس فرق سے ہوا کرے گا جو اُن کی اور سونے کی قیمت میں تغیر کے درمیان ہوگا۔

آیئے اب ہم شکل نرخ (Price Form) کی بحث کو پھر چھیڑیں۔ ہوتا یہ ہے کہ تدریجی طور پر اس قیمتی دھات کے جو کہ زر کی حیثیت سے نمایاں ہوتی ہے متعدد اوزان کے مروّج زری اسماء اور ان حقیقی اوزان کے درمیان جن کی وہ اسماء ابتداءً نمائندگی کرتے تھے فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ فرق تاریخی اسباب کا پیدا کردہ ہوتا ہے۔

---

[1] اس محنت کی مقدار سے ہم اس جنس کی قیمت مقرر کرتے ہیں جس کی قیمت کا تخمینہ سونے کی نسبت سے کیا جاتا ہے۔ مترجم)۔

ان میں خاص خاص اسباب یہ ہیں۔

(۱) نامکمل طور پر ترقی یافتہ سماج میں غیر ملکی روپیہ کی درآمد۔ یہ واقعہ روم کے ابتدائی ایام میں رونما ہوا تھا۔ جہاں سونے اور چاندی کے سکے شروع شروع میں غیر ملکی اجناس کی حیثیت سے چلے۔ ان غیر ملکی سکوں کے نام دیسی اوزان سے کبھی ہم آہنگ نہ ہو سکے۔

(۲) جوں جوں دولت بڑھتی چلی جاتی ہے کم قیمتی دھات کو زیادہ قیمتی دھات قیمت کے پیمانہ کی حیثیت سے ہٹا دیتی ہے تانبے کو چاندی اور چاندی کو سونا ہٹا دیتا ہے۔ اب گو اوّلیت و ثانویت کی یہ ترتیب شاعرانہ کرونالوجی سے کسی قدر بھی متضاد کیوں نہ ہو[1]۔ اب مثلاً لفظ پونڈ کو لیجئے۔ یہ زر کا وہ نام ہے جو واقعی ایک پونڈ وزنی چاندی کا رکھا گیا تھا۔ جب سونا قیمت کے پیمانہ کی حیثیت سے چاندی کی جگہ آ گیا تو سونے اور چاندی کی باہمی نسبت کے مطابق غالباً ایک پونڈ سونے کے 15 ویں حصہ کا یہی نام رکھا گیا۔ یوں لفظ پونڈ۔ اسم زر کی حیثیت سے اسی لفظ سے جو وزن کا نام ہے متمیز ہو گیا۔[2]

(۳) صدیوں سے شاہوں اور شہزادوں نے زر کا اس بری طرح حلیہ بگاڑا ہے کہ سکوں کے ابتدائی اوزان میں سے اب نام کے علاوہ اور کچھ بھی باقی نہیں رہا ہے۔

یہ مذکورہ تاریخی اسباب۔ اسم زر اور اسم وزن کے درمیان تفریق کو سماج کی ایک طے شدہ عادت بنانے کا سبب بنے۔ اب چونکہ ایک طرف تو صورت یہ ہے کہ

---

[1] علاوہ بریں اس میں کوئی تاریخی صداقت بھی موجود نہیں ہے۔ (مارکس)

[2] اور اس طرح اب انگریزی میں پونڈ اسٹرلنگ اپنے ابتدائی وزن سے تہائی سے بھی کم پر دلالت کرتا ہے اور اسکاٹ لینڈ کا پونڈ انگلستان کے اتحاد سے پہلے 36 ویں حصہ پر دلالت کرتا تھا اور فرانسیسی لیو 74 ویں حصہ پر۔ اسپینی مراویدی ہزارویں حصہ سے بھی کم پر اور پرتگالی رانی اس سے بھی کم جزو پر۔ مارکس)۔

معیار زر محض رواجی حیثیت رکھتا ہے اور پھر دوسری طرف یہ ضروری ہے کہ زر قبولیت عام رکھتا ہو تو مآل کار وہ قانون کے ذریعہ منضبط ہوتا ہے۔ اب قیمتی دھاتوں میں سے کسی ایک مثلاً سونے کا ایک مقررہ وزن سرکاری طور پر عاد حصوں میں منقسم کر دیا جاتا ہے۔ اور ان کے سرکاری نام بھی رکھ دیے جاتے ہیں۔ جیسے پونڈ اور ڈالر وغیرہ۔

یہ عاد حصے جو بعد کو۔ زر۔ کی اکائیوں کا فرض انجام دیتے ہیں پھر اور بھی عاد حصوں میں بانٹ دیے جاتے ہیں جن کے سرکاری نام ہوتے ہیں جیسے شلنگ اور پنس وغیرہ[1]۔ لیکن ان تقسیموں سے قبل بھی اور بعد بھی دھات کا ایک متعین وزن ہی زر دھاتی کا معیار ہوتا ہے۔ تغیر و تبدل جو کچھ ہوتا ہے وہ ماتحت تقسیموں اور اقسام میں ہوتا ہے۔

نرخ یا سونے کی مقداریں جن کے ذریعہ اجناس کی قیمتیں مثالی طور پر مبادلہ کی جاتی ہیں وہ اب نتیجتاً سکوں کے نام سے ظاہر کی جاتی ہیں یا معیار طلائی کے تحت تقسیموں کے قانونی طور پر جائز ناموں سے چنانچہ اب یہ کہنے کے بجائے کہ ساڑھے چھ من وزنی گیہوں ایک اونس سونے کی قیمت رکھتا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ 3 پونڈ 17 شلنگ ساڑھے 10 پنس کے برابر ہے۔ اس طرح اجناس اپنے نرخوں کے ذریعہ یہ بتاتی ہیں کہ وہ کتنی قیمت رکھتی ہیں اور زر جب بھی سوال کسی چیز کی قیمت اس کی شکل زر[2] میں متعین کرنے کا پیدا ہوتا ہے۔ زر حسابی ہونے کا فرض انجام دیتا ہے۔

---

[1] ادادوار کوہارٹ نے اپنی ''مانوس الفاظ'' نامی کتاب میں اس عجیب صورت حال کا ذکر کیا ہے کہ (ا) آج کل ایک پونڈ اسٹرلنگ جو کہ انگلستان کا معیار زر ہے ایک اونس سونے کا چوتھائی ہوتا ہے۔ یہ تو پیمانہ کو جھوٹا بنا دینا ہے کسی معیار کا قائم کرنا نہیں ہے اس کے خیال میں سونے کے وزن کا یہ جھوٹا نام دوسری اور تمام چیزوں کی طرح تہذیب کے تصنع خیز عمل کا نتیجہ ہو)

[2] جب اناچارسس سے پوچھا گیا کہ یونانی زر کو کس مقصد سے استعمال کرتے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ حساب شمار کے مقصد سے)

کسی چیز کا نام اس چیز کی خصوصیات سے ممتاز ہوا کرتا ہے۔ میں یہ جان کر کہ کسی شخص کا نام یعقوب ہے اس شخص کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔ اسی طرح زر کا معاملہ ہے کہ پونڈ۔ ڈالر۔ فرانک اور ڈوکاٹ وغیرہ کے ناموں میں قیمت کا رشتہ غائب ہو کر رہ جاتا ہے۔ ان پراسرار علامتوں سے کسی پراسرار مفہوم کو وابستہ کرنے کی وجہ سے جو انتشار پیدا ہوتا ہے وہ اور بھی بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ اسماءِ زر اجناس کی قیمت بھی ظاہر کرتے ہیں اور ساتھ ہی اس دھات کے عادحصے بھی ہیں جو کہ معیارِ زر[1] ہوتی ہے۔

پھر دوسری طرف یہ بھی بالکل ضرروری ہے کہ قیمت متنوع جسمانی اشکال سے ممتاز ہونے کے لیے اس مادی مگر کوئی مفہوم نہ رکھنے والی شکل کو اختیار کر لے۔ گو یہ شکل کوئی مفہوم نہ رکھنے کے باوجود خالص سماجی شکل بھی ہوتی ہے[2]

---

[1] اس حقیقت کی وجہ سے کہ زر جب معیار نرخ ہونے کا فرض انجام دیتا ہے تو اسی حسابی نام سے نمایاں ہوتا ہے جس سے اجناس کے نرخ اور اس لیے 3 پونڈ 7 شلنگ 1/2-10 پنس کی رقم ایک طرف تو سونے کے ایک اونس وزن پر دلالت کرتی ہے اور دوسری طرف ایک ٹن لوہے پر زر سے اس حسابی یا شماریاتی نام کو اس کا ٹکسالی نرخ کہا جاتا ہے اس سے یہ عجیب تر مفہوم پیدا ہوا ہے کہ سونے کی قیمت کا اندازہ اس کے اپنے مواد میں کیا جاتا ہے اور دوسری تمام اجناس کے برعکس اس کا نرخ ریاست مقرر کرتی ہے۔ غلطی سے یہ خیال کرلیا گیا ہے کہ سونے کے مقررہ اوزان کا حسابی باتی نام رکھنا اور ان اوزان کی قیمتوں کا تعین کرنا ایک ہی چیز ہے۔ کارل مارکس بحوالہ بالا صفحہ 89)

[2] ملاحظہ ہو ''تنقید فلسفہ معاشیات'' صفحہ 91 الخ میں ''زر کے پیمانہ کی اکائی سے متعلقہ نظریات ڈبلیو۔ ایم۔ پیٹی نے اپنی کتاب ''زر کے متعلق مباحث مارکوئیس آف ہیلی فاکس 1682ء کے نام'' میں ان مضحکہ خیز خیالات پر تفصیل سے بحث کی ہے جو زر کے ٹکسالی نرخ کو اس انداز سے گرانے یا بڑھانے سے تعلق رکھتے ہیں کہ سونے اور چاندی کے زائد یا کم اوزان کو وہ مقرر نام دے دیے جائیں جو پہلے ان دھاتوں کے خاص خاص اوزان کے قانون کی رو سے مقرر تھے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

نرخ محنت کے اسم زر کو کہتے ہیں۔اس محنت کے اسم زر کو جو جنس کی شکل میں عملی وجود حاصل کرتی ہے اور جب صورت یہ ہے تو پھر یہ کہنا کہ ایک جنس اپنے نرخ کی رقم کے مجموعہ کے برابر ہوتی ہے لفظی ہیر پھیر کے علاوہ اور کچھ نہیں لیکن گو نرخ کسی جنس کی قیمت کی مقدار کا شرح ہونے کی بنا پر اس جنس کی زر کے ساتھ نسبت مبادلہ کا شارح بھی ہوتا ہے مگر اس کا یہ منطقی نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا کہ اس نسبت مبادلہ Exchange ratio کا شارح لازمی طور پر جنس کی قیمت کی مقدار کا شارح بھی ہوتا ہے۔فرض کیجیے سماجی طور پر ضروری محنت کی دو یکسان مقداریں ہوں جن کی علی الترتیب 6 1/2 من گیہوں اور 2 پونڈ (جو تقریباً آدھے اونس سونے کے برابر ہے) نمائندگی کرتے ہوں۔ یہ دو پونڈ زر کی شکل میں 6-1/2 من گیہوں کی قیمت کی مقدار یا اس کے نرخ کا اظہار ہیں۔اب اگر حالات ایسے ہو جائیں کہ ان دو پونڈ کا نرخ بڑھ کر 3 پونڈ ہو جائے یا بجائے اس کے گر کر ایک پونڈ رہ جائے تو اگرچہ 3 پونڈ یا ایک پونڈ گیہوں کی قیمت کی مقدار کو ٹھیک طرح ظاہر کرنے کے لیے بہت زیادہ یا بہت کم ہی کیوں نہ ہوں تاہم یہ دونوں اس کے نرخ ہوتے ہیں اس لیے کہ وہ پہلے تو ایک وہ ہیئت ہوتے ہیں جن میں گیہوں کی قیمت نمایاں ہوتی ہے یعنی وہ زر

(بقیہ حاشیہ) یہ خیالات خاص طور پر اس وقت پٹی کی نکتہ چینی کی آماجگاہ بنے ہیں جب یہ زر کے معاشیاتی نیم حکیمانہ علاجوں کو سامنے رکھتے ہوں پبلک اور نجی ساہوکاروں کو چوٹ دینے کے بھدے مالیاتی اقدامات کی حیثیت نہ رکھتے ہوں۔ پٹی نے اس کتاب میں اتنی جامع و مانع بحث کی ہے کہ اس کے فوراً بعد آنے والے اس کے مقلدین سر ڈڈلی نارتھ اور جان لاک بھی ___ رہے بعد کے مقلدین سو ان کے ذکر کی تو ضرورت ہی نہیں ہے۔ جو کچھ کر سکے وہ صرف اتنا ہی تھا کہ انہوں نے پٹی کے خیالات کو غیر خالص اور پھیکا بنانے کی کوشش کی۔ مسٹر پٹی کہتے ہیں کہ اگر کسی قوم کی دولت سرکاری اعلان سے دوگنی بنائی جا سکتی تو پھر یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اس قسم کے اعلانات اب سے بہت پہلے ہی ہمارے حکمرانوں نے کیوں نہ کر ڈالے۔(حوالہ مذکورہ بالا صفحہ 36)

ہوتے ہیں اور دوسرے وہ گیہوں کی زر سے نسبت مبادلہ کے شارح ہوتے ہیں۔

اگر پیداوار کے حالات یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیئے کہ اگر محنت کی قوت پیداوار یکساں رہے تو نرخ میں تبدیلی سے پہلے بھی اور بعد بھی سماجی محنت کے وقت کی یکساں مقدار ہی 6-1/2 من گیہوں پیدا کرنے میں لازماً صرف کی جائے گی۔ یہ صورت حال نہ تو گیہوں پیدا کرنے والے کی مرضی ہی پر منحصر ہوتی ہے اور نہ ہی دوسری اجناس کے مالکوں کی مرضی پر منحصر ہوتی ہے۔

قیمت کی مقدار سماجی پیداوار کے رشتہ کو بتاتی ہے۔ وہ اس ربط کو بتاتی ہے جو لازمی طور پر کسی ایک چیز اور سماج کے مجموعی وقت کے اس حصہ کے درمیان ہوتا ہے جو اس چیز کے پیدا کرنے میں صرف کرنا پڑتا ہے۔ جوں ہی قیمت کی مقدار نرخ کی شکل میں مبدل ہو جاتی ہے تو مذکورہ لازمی رشتہ کسی ایک واحد جنس اور کسی ایک اور جنس۔ جنس زر۔ کے درمیان کم و بیش ایک اتفاقی نسبت مبادلہ کی حیثیت حاصل کر جاتا ہے لیکن یہ نسبت مبادلہ یا تو اس جنس کی قیمت کی حقیقی مقدار کو بتائے گی اور یا سونے کی اس مقدار کو بتائے گی جو اس قیمت سے ہٹی ہوئی[1] ہو گی جس میں حالات کے مطابق اس جنس کو بیچا جا سکتا ہے۔ اس طرح نرخ اور قیمت کی مقدار کے درمیان کمی نا آہنگی یا نرخ کا مقدار قیمت سے انحراف ایک ایسا امکان ہے جو نرخ کی اپنی ہیئت میں جوہری طور پر موجود ہوتا ہے۔ پھر یہ کوئی نقص بھی نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس یہ تو بڑے عمدہ طور پر شکل نرخ کو ایک ایسے انداز پیداوار سے موزوں بنا دیتا ہے جس کے جوہری قوانین صرف ایسی حالت میں اپنی موجودگی کو منواتے ہیں جبکہ وہ ان واضح لاقانونی بے قاعدگیوں کے وسط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جن میں سے ایک دوسرے کی خرابی کو دور کر دیتی ہے۔[2]

---

[1] یعنی وہی فرق جو 2 پونڈ نرخ کے بجائے 3 پونڈ یا ایک پونڈ نرخ ہو جانے کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ مترجم)

[2] لاقانونی بے قاعدگیوں سے مطلب وہ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن شکل نرخ قیمت کی مقدار اور نرخ بالفاظ دیگر قیمت کی مقدار اور زر کی صورت میں اس کے اظہار کے درمیان کمّی نا آہنگی کے امکان سے صرف میل ہی نہیں کھاتی بلکہ وہ کیفی نا آہنگی کو چھپا بھی سکتی ہے اور وہ بھی اس حد تک کہ گو۔ زر۔ تو اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہوتا کہ وہ اجناس کی قیمت کی شکل کی حیثیت رکھتا ہے مگر نرخ تو قیمت کو یکسر ظاہر کرنے والا ہی باقی نہیں رہتا۔ وہ اشیاء جو بجائے خود اجناس نہیں ہیں جیسے ضمیر اور عزت نفس وغیرہ وہ بھی اس بات کی اہلیت رکھتی ہیں کہ ضمیر اور عزت نفس رکھنے والے انہیں فروخت کے لیے پیش کر دیں اور اس طرح یہ اشیاء بھی اپنے نرخوں کے توسّط سے اجناس کی شکل حاصل کر جائیں۔ تو واقعہ یہ ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک چیز نرخ رکھتی ہو تاہم اس کی کوئی قیمت نہ ہو۔ ایسی صورت میں نرخ محض خیالی ہوگا اسی طرح جس طرح ریاضیات کی کئی اشیاء خیالی ہوتی ہیں۔ پھر دوسری طرف یہ بھی ہوسکتا ہے کہ خیالی شکل نرخ ایک بالوساطہ یا بلاواسطہ حقیقی قیمتی رشتہ کو چھپا دے۔ اب مثلاً ایک ناکاشتہ قطعہ اراضی کا نرخ ہے جو بے قیمت کے ہوتا ہے اس لیے کہ اس میں کوئی بھی انسانی محنت مجتسم نہیں ہوتی ہے۔

نرخ۔ نسبتی قیمت من حیث العموم۔ کی طرح ایک جنس (مثلاً لوہے کا ایک ٹن) کی قیمت کو ظاہر کرتی ہے۔ اس طرح کہ وہ یہ بتاتا ہے کہ اس کے مساوی ایک مقررہ مقدار (مثلاً ایک اونس سونا) لوہے سے براہ راست قابل مبادلہ ہے۔ لیکن وہ اس کی معکوس صورت یعنی یہ کہ لوہا براہ راست سونے سے قابل مبادلہ ہے وہ کسی طرح نہیں بتاتا اور اس لیے اس مقصد کے پیش نظر کہ ایک جنس قیمت مبادلہ کی حیثیت سے استعمالی حالت میں مؤثر طور پر عمل کر سکے۔ یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی جسمانی حالت کو چھوڑ دے اور قلب ماہیت کر کے خیالی کے بجائے حقیقی سونا بن جائے گو جنس کے لیے تبدیلی جوہر اس سے کہیں زیادہ مشکل ہوگی جیسی ہیگلی۔ تصوّر کے لیے لزوم سے حریت کی طرف تبدیلی مشکل ہے یا جھینگا مچھلی کے

(بقیہ حاشیہ) نشیب و فراز ہے جو حالات کی تبدیلی کی وجہ سے نرخ میں آتا رہتا ہے۔ مترجم)۔

لیے اپنا خول بدلنے اور سینٹ جیروم کے لیے قدیم آدم کے بھلا دینے میں مشکل پیش آئے گی۔ گو ایک جنس اپنی خارجی شکل (مثلاً لوہا) کے ساتھ ساتھ ہمارے تخیل میں سونے کی شکل بھی اختیار کر سکتی ہے لیکن ایک ہی وقت میں عملاً وہ دونوں۔ لوہا اور سونا نہیں ہوسکتی۔ اس کے نرخ کا تعین کرنے میں اتنی بات کافی ہے کہ تخیل میں اسے سونے کے مساوی قرار دے دیا جائے لیکن اسے اس قابل بنانا کہ وہ اپنے مالک کے لیے ہمہ گیر مساواتی اکائی ہونے کا فرض انجام دے سکے' یہ ضروری ہے کہ عملاً اس کی جگہ سونے کو لے آیا جائے۔ اگر لوہے کے مالک کو کسی اس دوسری جنس کے مالک کے پاس جسے مبادلہ کے لیے پیش کر دیا گیا ہو' جانا پڑے اور وہ اس سے یہ کہہ کہ دیکھئے لوہے کا نرخ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ پہلے ہی زر بن چکا ہے تو اسے وہی جواب ملے گا جو سینٹ پیٹر نے جنت میں ڈانٹے کو دیا تھا جب ڈانٹے نے انہیں اپنا عقیدہ سنایا تھا کہ:

''عقیدوں کا رُوح کی قلب ماہیت کی بھٹی سے گذرنا ضروری ہے''۔

تو اس طرح نرخ دونوں ہی باتیں بتاتا ہے یعنی یہ بھی کہ ایک جنس زر سے قابلِ مبادلہ ہے اور یہ بھی کہ اس جنس کا لازماً اس طرح مبادلہ ہونا بھی چاہیے پھر دوسری طرف۔ سونا قیمت کے ایک مثالی پیمانہ کی طرح عمل کرتا ہے اور وہ بھی صرف اس لیے کہ وہ عمل مبادلہ کے دوران پہلے ہی اپنے آپ کو جنس زر کی حیثیت سے قائم کر چکا ہوتا ہے۔ قیمتوں کے مثالی پیمانہ کے عقب میں ہمیشہ نقد روپیہ چھپا رہتا ہے۔

(جیروم کو نہ صرف جوانی ہی میں اپنے جسمانی گوشت سے سخت ترین جنگ لڑنی پڑی جیسا اس جنگ سے واضح ہے جو انہوں نے ریگستان میں اپنے تخیل میں بسنے والی حسین عورت سے لڑی بلکہ بڑھاپے میں بھی انہیں اپنے روحانی گوشت سے جنگ لڑنی پڑی۔ چنانچہ انہوں نے کہا ہے کہ ''میں نے یہ خیال قائم کیا کہ میں محض ایک رُوح ہوں جو کائنات کے جج کے سامنے حاضر ہے کہ ایک آواز بلند ہوئی جس نے کہا کہ ''تو کون ہے؟'' میں نے جواب دیا کہ ''میں ایک عیسائی ہوں'' عظیم جج نے اس پر گرج کر جواب دیا۔ ''تو جھوٹ بولتا ہے تو سسیرو کا مقلد ہے اور کچھ نہیں''۔ مارکس)

فصل ۲۔ گردش کا ذریعہ

الف۔ اجناس کی قلب ماہیت

ہم نے ایک سابقہ باب میں یہ بات دیکھی کہ اجناس کا مبادلہ متضاد اور ایک دوسرے سے متخالف حالات پر دلالت کرتا ہے۔ پھر اجناس کا۔ اجناس اور زر کی شکل میں ممتاز ہو جانا ان بے ربطیوں کو ختم کر دینے کا سبب نہیں بنتا بلکہ ایک عارضی مفاہمت کی سی کیفیت پیدا کر دیتا ہے یعنی ایک ایسی شکل پیدا کر دیتا ہے جس میں اجناس اور زر دونوں ساتھ ساتھ رہ سکیں اور ان حقیقی تضادات میں مفاہمت کا عام طور پر جو طریقہ ہوتا ہے وہ یہ مذکورہ طریقہ ہی ہوتا ہے۔ اب مثلاً یہ بالکل متضاد سی بات ہے کہ ایک جسم کی بابت یہ کہا جائے کہ وہ ایک اور جسم کی طرف برابر گر رہا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ وہ برابر اس سے بھاگ بھی رہا ہے۔ بیضویت حرکت کی وہ شکل ہے جو کہ اس تضاد کو باقی رکھنے کے باوجود اس میں مفاہمت پیدا کر دیتی ہے[1]۔

---

[1] مارکس نے اس مقام پر جس طبعیاتی صورت حال کو بطور مثال پیش کیا ہے وہ صرف استعاراتی طور پر صحیح ہے۔ حقیقت میں نہیں۔ مارکس جس حقیقت کی طرف اشارہ کر رہے ہیں وہ زمین کی سورج کے گرد حرکت ہے۔ یہ حرکت بیضوی شکل میں ہوتی ہے۔ اس حرکت کی تشریح کے لیے از راہ سہولت یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ حرکت کے دوران زمین دو قوتوں سے متاثر ہوتی ہے جن میں سے ایک مرکز جو قوت اور دوسرے مرکز گریز قوت ہے لیکن یہ صورت حال ظاہر بظاہر متضاد ہے اس لیے مارکس نے اکثر دوسرے حضرات کی طرح اسے حقیقی تضاد خیال کر لیا اور اس تضاد کو بطور مثال پیش کر دیا۔ حالانکہ مذکورہ صورت حال میں فی الواقع کوئی تضاد موجود نہیں ہے پھر دوسرے اکثر (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جہاں تک مبادلہ کی اس حیثیت کا تعلق ہے کہ وہ ایک ایسا عمل ہے جس کے

(بقیہ حاشیہ) سائنس دانوں کی طرح مارکس نے یہ خیال بھی قائم کرلیا کہ بیضوی شکل اس تضاد کو دور کر دیتی ہے جیسے افلاطون کے خیال کے مطابق دائرہ کوئی ایسی مقدس شکل ہے جس میں کچھ ساحرانہ خوبیاں پائی جاتی ہوں حالانکہ نہ بیضویت میں کوئی ساحرانہ اختصاص پایا جاتا ہے نہ ہی یہ تضاد بیضویت کی وجہ سے دور ہوتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سورج کے گرد زمین کی حرکت جن دو متضاد اصولوں کے درمیان مفاہمت کا نام ہے وہ اصول یہ ہیں۔ ایک اصول کشش ہے اور دوسرا قانون انرشیا جسے سب سے پہلے گلیلیو نے اور زیادہ منظم انداز میں نیوٹن نے پیش کیا تھا۔ کشش کے قانون کے مطابق زمین کو سورج پر گر جانا چاہیے مگر چونکہ قانون انرشیا بھی موجود ہے اس لیے زمین سورج پر گرنے کے بجائے اس کے گرد بیضوی شکل میں گھومنے لگتی ہے گویا بیضوی شکل دو متضاد قوانین کے متضاد عمل کے درمیان مفاہمت کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ نہیں کہ خود یہ شکل دو متضاد اثروں میں مفاہمت پیدا کر دیتی ہو۔ قانون انرشیا یعنی نیوٹن کے پہلے قانون حرکت کی رو سے اگر کسی جسم کو خط مستقیم میں متحرک کر دیا جائے اور اس پر کوئی دوسری مخالف قوت اثر انداز نہ ہو تو وہ جسم لامحدود مکان میں حرکت کرتا چلا جائے گا۔ زمین کسی نہ کسی طرح --ٹھیک کس طرح اس سلسلہ میں مختلف نظریے ہیں۔ وقت کے کسی نقطہ پر خط مستقیم میں متحرک ہوگئی۔ اب نیوٹن کے قانون اوّل کی رُو سے اس کو لامحدود مکان میں اپنی حرکت جاری رکھنی چاہیے تھی مگر چونکہ سورج کی کشش موجود تھی اس لیے وہ لامحدود سمت میں حرکت نہ کرسکی پھر ادھر چونکہ اس قانون اوّل کا اثر موجود تھا اس لیے وہ سورج کی کشش کے نتیجہ میں سورج پر گر بھی نہ سکی اور یوں ان دو متضاد قوتوں یعنی کشش شمس اور انرشیاء کی بنا پر اس کی حرکت نے ایک مفاہمانہ شکل اختیار کرلی جسے بیضوی شکل کہتے ہیں۔ حرکت کی یہ شکل دو متضاد اثرات کی بناء پر پیدا ہوئی ہے خود اس شکل نے اپنی کسی خصوصیت کی بنا پر دو تضادوں میں مفاہمت پیدا نہیں کی۔ اس صورت حال کی وضاحت کے لیے یہ کہنا کہ مرکز جو اور مرکز گریز قوتیں بیک وقت زمین میں موجود ہیں سہولت کے پیش نظر صحیح ہوتو ہو مگر ٹھوس اور حقیقت پسندانہ سائنسی تجزیہ کی روشنی میں اسے صحیح (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ذریعہ اجناس ان افراد سے جن کے لیے وہ نا قابل استعمال قیمتیں ہوتی ہیں ان افراد کی طرف منتقل ہوتی ہیں جن کے لیے وہ قابل استعمال قیمتیں ہوتی ہیں تو یہ صورت مادہ کی سماجی گردش کی صورت ہوتی ہے۔ یوں ایک قسم کی مفید محنت کی پیداوار دوسری قسم کی مفید محنت کی جگہ لے لیتی ہے اور جب بھی کوئی جنس کسی جگہ قرار پکڑ لیتی ہے تو وہ مبادلہ کے دائرہ سے ہٹ کر صرف استعمال کے دائرہ میں آ جاتی ہے لیکن یہاں ہماری بحث کا تعلق مبادلہ کے دائرہ سے ہے اور اس لیے اب ہمیں مبادلہ پر رسمی نقطہ نظر سے غور کرنا ہوگا ہمیں تبدیلی شکل یا اجناس کی قلب ماہیت کا جو کہ مادہ کی سماجی گردش کو وجود میں لاتی ہے تحقیقی جائزہ لینا ہوگا۔

شکل کی اس تبدیلی کا ادراک من حیث العموم بڑا نامکمل ہوتا ہے اور نامکمل ہونے کا سبب قیمت کے مفاہیم کے غیر واضح ہونے کی حقیقت سے قطع نظر جو کچھ ہے وہ یہ ہے کہ ایک جنس میں ہر قسم کی تبدیلی شکل دو اجناس کے درمیان جن میں سے ایک معمولی قسم کی جنس ہوتی ہے اور دوسری جنس زر ہوتی ہے مبادلہ سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم نے صرف اسی ایک مادی حقیقت کو پیش نظر رکھا کہ ایک جنس کا زر سے مبادلہ کیا گیا ہے تو ہم ٹھیک اس چیز کو نظر انداز کر دیں گے جسے ہمیں لازماً اپنے پیش نظر رکھنا چاہیے یعنی یہ کہ

(بقیہ حاشیہ) قرار نہیں دیا جا سکتا۔ نظر بریں یہ کہنا کہ زمین بیک وقت سورج پر گرتی اور اس سے بھاگتی ہے جو کہ ایک تضاد ہے غلط ہے کہ فی الواقع اس نوع کا تضاد سرے سے موجود نہیں ہے اور زمین میں بیک وقت یہ دونوں قوتیں موجود نہیں ہوتیں۔ دراصل دو جدا جدا قوانین کا عمل ہوتا ہے جس کی زد میں زمین ہوتی ہے اور اسی بنا پر وہ بیضوی شکل میں حرکت کرتی ہے یا اس کا اس طرح حرکت کرنا فرض کیا جاتا ہے۔ خود زمین میں بیک وقت متضاد قوئی موجود نہیں ہوتے جیسا مارکس نے کہا ہے یا عام طور پر خیال کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ بھی یاد رہے کہ صورت حال کی مذکورہ وضاحت نظریہ اضافیت سے پہلے کی ہے۔ نظریہ اضافیت کے بعد کشش کا مفہوم بالکل بدل گیا ہے۔ مترجم)

خود جنس کی شکل پر آخر کیا بنتی ہم ان حقیقتوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ سونا جب محض ایک جنس ہی ہوتا ہے تو وہ زر نہیں ہوتا اور یہ کہ جب دوسری اجناس اپنے نرخ سونے کے ذریعہ ظاہر کرنے لگتی ہیں تو اس وقت یہ سونا خود ان اشیاء کی صرف شکل زر ہوتا ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ کہ اجناس عمل مبادلہ میں ٹھیک اس حیثیت سے شرکت کرتی ہیں کہ جس حیثیت سے وہ اشیاء ہیں پھر یہ عمل مبادلہ ان کو اجناس اور زر میں متمیز کر دیتا ہے اور یوں ایک خارجی تخالف پیدا کر دیتا ہے جو کہ مشابہ ہوتا ہے اس اندرونی تخالف کے جو ان میں جوہری طور پر موجود ہوتا ہے یعنی اس حیثیت سے کہ وہ استعمالی قیمتیں۔ اور۔ قیمتیں ہیں اب اجناس استعمالی قیمتیں ہونے کی حیثیت میں زر کے اس حیثیت سے کہ وہ مبادلاتی قیمت ہے مدمقابل آجاتی ہیں۔ پھر دوسری طرف نوعیت یہ ہے کہ یہ دونوں متخالف اکائیاں اجناس ہی ہیں کہ یہ استعمالی قیمت اور قیمت کی وحدتیں ہوتی ہیں مگر اختلاف کی یہ وحدت دو بالکل متخالف کناروں پر اور ہر ایک کنارے پر متخالف انداز میں ظاہر ہوتی ہے۔ متخالف کنارے ہونے کی بنا پر وہ لازمی طور پر اسی طرح متخالف ہوتی ہیں جس طرح ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی ہیں۔ اس مساوات کے ایک جانب تو ایک معمولی جنس ہوتی ہے۔ جو کہ فی الحقیقت ایک استعمالی قیمت ہوتی ہے جس کی قیمت صرف مثالی طور پر ہی اس کے نرخ میں ظاہر ہوتی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے مدمقابل اکائی سونے کی مساوات میں آتی ہے جس میں اس کی حقیقی قیمت مجسم ہوتی ہے پھر دوسری طرف۔ سونا اپنی معدنیاتی حقیقت میں جو حیثیت رکھتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں قیمت مجسم ہوتی ہے۔ وہ۔ زر۔ ہوتا ہے سونا سونا ہونے کی حیثیت میں بذاتہ مبادلاتی قیمت ہے۔ اور رہی اس کی استعمالی قیمت سو وہ صرف مثالی وجود کی حامل ہوتی ہے اور اس مثالی وجود کی نمائندگی نسبتی قیمت کے اظہار کے وہ سلسلے کرتے ہیں جو کہ سونے کے دوسری تمام اجناس کے متقابل آتے رہنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان تمام استعمالات کا مجموعہ ہی سونے کے متعدد استعمالات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اجناس کی یہ متضاد اشکال ہی وہ

حقیقی اشکال ہیں جن میں ان کی تبدیلی کا عمل موجود ہوتا ہے باقی رہتا ہے۔

آ یئے اب ذرا ہم کسی جنس کے مالک کے ساتھ یعنی یہی اپنے دوست جلا ہے کے ساتھ۔ میدان عمل یعنی بازار چلیں۔ جلا ہے کے 20 گز کپڑے کا معین نوخ یعنی اس کا 2 پونڈ نرخ ہے۔ وہ 2 پونڈ میں اس کا مبادلہ کرتا ہے اور پھر پرانے طرز کے ایک شریف آدمی کی طرح جیسا کہ وہ ہے بھی اس دو پونڈ سے بائیبل خرید لیتا ہے۔ کپڑا جو اس کی نظر میں صرف ایک جنس ہے۔ صرف امین ہے قیمت کا اسے وہ سونے کے مبادلہ میں جدا کر دیتا ہے جو کہ کپڑے کی شکل قیمت ہے اور اس شکل کو وہ پھر ایک جنس کے مبادلہ میں بیچ دیتا ہے جو کہ بائیبل ہے اور جو اس کے ایک ایسی چیز کی حیثیت سے جو گھر والوں کے لیے قابل استعمال۔ قابلِ احترام چیز ہو گی لائی جائے گی۔ یہ مبادلہ دو قلب ماہیت کے ذریعہ جو کہ متخالف کردار کے حامل ہیں۔ مگر ساتھ ہی ایک دوسرے کے لیے تتمہ کی حیثیت بھی رکھتے ہیں طے شدہ حقیقت بنتا ہے یعنی یہ کہ جنس کا انتقال زر میں اور پھر زر کا انتقال جنس میں۔ اس قلب ماہیت کے دو رُخ ہیں اور یہ دونوں ہی نداف کی دو ممتاز تجارتی سرگرمیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ فروخت یعنی جنس کا زر سے مبادلہ اور خرید یعنی زر کا جنس سے مبادلہ اور پھر دونوں اعمال کی وحدت یعنی فروخت تا کہ خرید کی جائے۔

اب جہاں تک جلا ہے کا تعلق ہے اس تمام تجارتی سرگرمی کا نتیجہ یہ نکلا کہ بجائے اس کے کہ کپڑا اس کے پاس ہوتا بائیبل اس کے پاس ہے۔ گویا بجائے اس کے کہ اس کے پاس ابتدائی جنس ہوتی۔ اب اس قیمت کی مختلف افادیت والی ایک اور جنس اس کے پاس آ گئی۔ اسی طرح وہ دوسری ضروریات پیداوار حاصل کرتا ہے۔ اس کے اپنے نقطہ نظر سے یہ تمام کا تمام عمل جو کچھ وجود میں لاتا ہے وہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا کہ اس کی محنت کی پیداوار کا مبادلہ کسی اور شخص کی پیداوار سے ہوتا ہے۔ وہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ پیداواروں کا مبادلہ ہوتا ہے۔

تو بہر حال اجناس کا مبادلہ ان اجناس کی شکل میں حسب ذیل تبدیلیوں کے

انداز پر ہوتا ہے۔

جنس..................زر..................جنس

ج.............. ز .... ج

اس تمام عمل کا نتیجہ یہ ہے کہ جہاں تک خود اشیاء کا تعلق ہے یعنی جہاں تک ج کا تعلق ہے۔ سو۔ج۔ ایک جنس کا دوسری جنس سے مبادلہ ہوتا ہے یعنی وہ مادیائی (Materialised) ہوئی سماجی محنت کی گردش ہوتی ہے۔ جب یہ نتیجہ حاصل ہو جاتا ہے تو پھر پورا عمل مکمل ہو جاتا۔ختم ہو جاتا ہے۔

ج۔ز۔ پہلی قلب ماہیت یا فروخت

قیمت کی یہ جست جو کہ جنس کے جسم سے سونے کے جسم کی طرف ہوتی ہے جیسا کہ میں نے پہلے کہا' جنس کی قلب ماہیت ہے۔ اگر یہ قلب ماہیت نامکمل رہتی ہے اور جست پوری نہیں ہوتی تو گو خود جنس کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچتا مگر جنس کے مالک کو لازماً نقصان پہنچتا ہے۔ محنت کی سماجی تقسیم اس کی محنت کو یک جہتی بنا دیتی ہے۔ٹھیک اسی طرح جیسے اس کی حاجات ہمہ جہتی ہوتی ہیں۔ یہی صحیح معنی میں سبب ہے اس بات کا کہ کیوں اس کی محنت کی پیداوار اس کی خدمت صرف مبادلاتی قیمت ہونے کی حیثیت میں کرتی ہے لیکن محنت کی یہ پیداوار ایک سماجی طور پر تسلیم شدہ ہمہ گیر مساواتی اکائی کی خصوصیات حاصل نہیں کر سکتی سوائے اس صورت کے کہ وہ زر کی صورت میں متبدل ہو جائے۔ البتہ یہ زر کسی اور شخص کی جیب میں ہوتا ہے۔ اس دوسری جیب سے اس زر کو نکالنے کے لیے ہمارے دوست (جلاہے) کی جنس کا اور تمام باتوں کے علاوہ اس شخص کے لیے استعمالی قیمت ہونا ضروری ہے جس کے پاس زر ہے اب اس مقصد کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس جنس پر جو محنت صرف کی جائے وہ اس قسم کی ہو جو سماجی طور پر ضروری ہو۔ ایک اس قسم کی محنت ہو جو قسم محنت کی سماجی تقسیم کی ایک شاخ ہو۔لیکن محنت کی تقسیم ایک ایسا نظام پیداوار ہے جو خود بخود نشو ونما پاتا ہے اور پیدا کنندگان کی پس پشت نمو پذیر رہتا ہے۔ البتہ یہ

ہوسکتا ہے کہ جس جنس کا مبادلہ کیا جائے وہ محنت کی کسی نئی قسم کی پیداوار ہو جو کہ نئی پیداوار ہونے والی انسانی حاجتوں کو مطمئن کرنے کا ادعاء کرتی ہو یا جس کا وجود میں آنا نئی انسانی حاجتوں کو پیدا کرنے کا سبب بنتا ہو۔ پیدا کنندہ کا ایک خاص عمل جو ممکن ہے کل تک ان بہت سے اعمال میں کا صرف ایک ہی عمل ہو جن اعمال کو پیدا کنندہ ایک خاص جنس وجود میں لانے کے لیے کرتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ آج وہ (یعنی عمل) ان بہت سے اعمال سے اپنا ربط توڑ لے اور محنت کی ایک جداگانہ شاخ کے طور پر اپنے آپ کو قائم کر لے اور پھر اس عمل کی پیداوار ایک نامکمل مصنوع کے طور پر مگر ایک آزادانہ جنس کی حیثیت میں بازار میں لائی جایا کرے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حالات مذکورہ اس عمل کے دوسرے اعمال سے جدا ہو جانے کے لیے سازگار ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ سازگار نہ ہوں۔ آج تو ایک پیداوار ایک سماجی حاجت کو پورا کرتی ہے لیکن کل ہوسکتا ہے کہ وہ یا تو مکمل طور پر اور یا جزوی طور پر کسی اور مناسب پیداوار کے لیے جگہ خالی کر دے۔ علاوہ بریں گو یہ ہوسکتا ہے کہ ہمارے اس جلاہے کی محنت۔ محنت کی سماجی طور پر تسلیم شدہ تقسیم کی ایک شاخ ہو تاہم خود یہ حقیقت[1] کسی بھی حالت میں اس کے 20 گز کپڑے کی افادیت کی کافی ضمانت نہیں بن سکتی۔ اب اگر صورت یہ ہو کہ کپڑے سے متعلق قوم کی حاجت اور یہ حاجت بھی ہر دوسری حاجت کی طرح محدود ہوتی ہے۔ حریف جلاہوں کی پیداواروں کی وجہ سے پہلے ہی پوری ہو چکی ہو تو ہمارے دوست جلاہے کی پیداوار محض غیر ضروری اور فضول ہو جائے گی اور اس لیے وہ غیر افادی ہو کر رہ جائے گی۔ گو لوگ تحفہ میں عیب نکالنے کے عادی نہیں ہوتے مگر ہمارا جلاہا دوست بازار اس لیے تو نہیں جاتا کہ وہ تحفے پیش کیا کرے۔ لیکن فرض کر لیجئے کہ اس کی پیداوار استعمالی قیمت بن جاتی ہے اور اس طرح زر کو اپنی طرف مائل کر سکتی ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس قدر زر کو کھینچنے کی

---

[1] وہ محنت کی تسلیم شدہ تقسیم کی ایک شاخ ہے۔ مترجم)

صلاحیت رکھتی ہے؟ ظاہر ہے اس کا جواب چیز کے نرخ میں پہلے ہی موجود ہے۔ چیز کے نرخ یعنی پیداوار کی قیمت کی مقدار کے شارح میں پہلے ہی موجود ہے۔ یہاں ہم قیمت کا اندازہ لگانے میں کسی اس اتفاقی غلطی سے صرف نظر کیے لیتے ہیں جو ہمارا جلاہا دوست کرسکتا ہے کہ یہ وہ غلطی ہے جو بازار میں جلد ہی دور ہو جاتی ہے۔ ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ اس نے اپنی پیداوار پر مدت محنت کی اسی قدر مقدار صرف کی ہوگی جیسی عموماً سماجی طور پر صرف کرنا ضروری ہوتی ہے تو اس طرح پھر نرخ محض اس سماجی محنت کی مقدار کا اسم زر ہوتا ہے جو جلاہے کی اس جنس میں موجود ہوتی ہے۔ ہمارے اس جلاہے (ندّاف) کی مرضی یا اطلاع بغیر ہی ندافی کا قدیم انداز تغیر پذیر ہو جاتا ہے۔ وہ مدت محنت جو اوسطاً کل ایک گز کپڑا پیدا کرنے کے لیے ضروری تھی آج ضروری نہ رہی اور یہ حقیقت وہ حقیقت ہے جسے زر کا مالک ہمارے دوست نداف کے مقابل تاجروں کی پیش کردہ قیمتوں کا حوالہ دے کر ثابت کرنے کے لیے بے تاب رہتا ہے۔ ہمارے نداف دوست کی بدقسمتی سے ندافوں کی تعداد کم نہیں ہے۔ پھر آخر میں یہ بھی فرض کیجئے کہ بازار میں کپڑے کا جو بھی ٹکڑا موجود ہے اس میں سے ہر ایک ٹکڑا اس سے زیادہ مدت محنت پر مشتمل نہیں ہوتا جتنی سماجی طور پر کسی کپڑے کے ٹکڑے پر صرف کرنا ضروری ہوتی ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ تمام ٹکڑے۔ اگر ان کو من حیث المجموع دیکھا جائے ہوسکتا ہے کہ اس غیر ضروری مدت محنت پر بھی مشتمل ہوں جو ان کے بنانے پر صرف کی گئی ہو۔ اب اگر بازار کپڑے کی اس تمام مقدار کو دو شلنگ فی گز کے معمولی نرخ پر نہ لے سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قوم کی مجموعی محنت کا غیر ضروری طور پر زیادہ حصہ ندافی کی صورت میں صرف کیا گیا اور اس بات کا بھی وہی نتیجہ ہے جو اس بات کا کہ ایک منفرد نداف اپنی مخصوص پیداوار پر سماجی طور پر ضروری محنت سے زیادہ محنت صرف کرے۔ اب یہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں جیسا کہ ایک جرمن مثل میں کہا گیا ہے کہ ساتھ ہی پکڑے گئے ساتھ ہی پھانسی چڑھے۔ بازار میں جس قدر بھی کپڑا ہے وہ ایک ہی مال تجارت کی حیثیت رکھتا

ہے جب کہ اس کا ہر ایک ٹکڑا ایک عادی حیثیت رکھتا ہے۔ واقعہ اصلی یہ ہے کہ ہر ایک گز ٹکڑے کی قیمت بھی سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ متجانس انسانی محنت کی ایک ہی سی متعین اور سماجی طور پر مقرر مقدار کی مادی صورت اختیار کر لینے والی شکل ہوتی ہے تو اس سے ہم جو بات محسوس کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اجناس۔زر۔ سے محبت کرتی ہیں مگر ''حقیقی محبت کا راستہ کبھی ہموار نہیں ہوتا''۔ محنت کی کمی تقسیم بھی بالکل ٹھیک اسی طرح خود بخود وجود میں آ جاتی ہے جس طرح محنت کی کیفی تقسیم خود بخود اور اتفاقی طور پر وجود میں آتی ہے۔ یوں اجناس کے مالک اس حقیقت کو محسوس کرتے ہیں کہ وہی تقسیم محنت جو انہیں آزاد نجی پیدا کنندہ بنانے کا باعث بنتی ہے پیداوار کے سماجی عمل کو اور اس سماجی عمل میں انفرادی پیدا کنندگان کے ایک دوسرے سے جو روابط ہوتے ہیں ان کو ان پیدا کنندگان کی مرضی اور ارادہ سے آزاد کرنے کا سبب بھی بنتی ہے۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ افراد کا ظاہر بظاہر ایک کا دوسرے پر منحصر نہ ہونے کا نظام ایک ایسے نظام کے لیے جگہ خالی کر دیتا ہے جس میں سب اور ہر ایک۔ ایک دوسرے پر منحصر ہوتا ہے اور ایک دوسرے پر یہ انحصار پیداواروں کے ذریعہ یا ان کے توسط سے ہوتا ہے۔

محنت کی تقسیم محنت کی پیداوار کو جنس میں مبدل کر دیتی ہے اور پھر اس تبدیلی کی وجہ سے زر میں اس کے مزید انتقال کو ضروری کر دیتی ہے پھر اس کے ساتھ وہ اس قلب ماہیت کو محض اتفاقی بھی بنا دیتی ہے لیکن یہ یاد رہے کہ یہاں ہم اس معاملہ کو اس کی مکمل شکل میں لے رہے ہیں اور اس لیے ہم یہ فرض کرتے ہیں کہ اس کا ارتقاء محض معمول کے مطابق ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں اگر یہ قلب ماہیت فی الواقع رونما ہو ہی یعنی یہ کہ اگر جنس ایسی نہ ہو کہ وہ بالکل ہی فروخت کے قابل نہ ہو تو پھر اس جنس کا قلب ماہیت ہوتا ہے گو جو نرخ اس سے حاصل ہو وہ قیمت سے غیر معمولی طور پر زیادہ یا کم ہی کیوں نہ ہو۔ ہوتا یہ ہے کہ فروخت کنندہ اپنی جنس کو زر سے بدل لیتا ہے جبکہ خریدار اپنے سونے کو جنس سے بدل لیتا ہے۔ یہاں جو چیز بالکل واضح طور پر سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ ایک جنس اور

سونا 20 گز کپڑا اور 2 پونڈ نے ایک دوسرے سے مالک بدل لیے۔ ایک نے دوسرے سے جگہ بدل لی بالفاظ دیگران کا آپس میں مبادلہ ہوگیا۔ سوال یہ ہے کہ جنس کا مبادلہ کس خصوصیت کی بنا پر ہوا؟ یہ مبادلہ اس جنس کی قیمت نے جو ہیئت اختیار کی ہے اس کی بنا پر ہوا۔ یہ مبادلہ ہمہ گیر مساواتی اکائی کی وجہ سے ہوا اور اسی طرح سوال یہ ہے کہ سونے کا مبادلہ کس خصوصیت کی بنا پر ہوا۔ اس کا مبادلہ اس کی استعمالی قیمت کی ایک خاص شکل کی بنا پر ہوا۔ سوال یہ ہے کہ سونا زر کی وہ شکل کیوں اختیار کرتا ہے جو کپڑے کے بالکل متقابل آتی ہے۔ وہ شکل زر اس لیے اختیار کرتا ہے کہ کپڑے کا نرخ دو پونڈ (اور یہ دو پونڈ زر کی شکل میں ایک علامت ہوا کرتے ہیں) پہلے ہی کپڑے کو سونے سے اپنے زر کی کردار کی حیثیت میں مساوی کر چکا ہے ایک جنس اپنی ابتدائی جنسی شکل کو اسی وقت ختم کر دیتی ہے جب وہ جنس اپنے مالک سے الگ ہو جاتی ہے۔ یعنی جس لمحہ پر اس کی وہ استعمالی قیمت عملاً سونے کو اپنی طرف جذب کر لیتی ہے۔ جو اس سے پہل صرف مثالی طور پر اس کے نرخ کی صورت میں موجود تھی۔ اس طرح کسی جنس کے نرخ یا اس جنس کی مثالی قیمتی شکل کا خارجی صورت اختیار کر لینا دراصل زر کی مثالی استعمالی قیمت کا ساتھ ہی خارجی شکل میں آنا بھی ہوتا ہے ایک جنس کا زر میں متبدل ہونا دراصل ساتھ ہی زر کا خود بخود جنس میں منتقل ہو جانا بھی ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ عمل جو ظاہر بظاہر یک طرفہ نظر آتا ہے فی الواقع دوطرفہ ہوا کرتا ہے مالک جنس کے نقطہ نظر سے اس معاملہ کو دیکھا جائے تو یہ عمل فروخت بیع ہے لیکن بالکل مخالف نقطہ نظر سے یعنی مالک زر کے نقطہ سے بات کو سمجھا جائے تو سب کچھ خرید ہے۔ بالفاظ دیگر فروخت خرید ہوتی ہے۔ اس کو آپ مساوات کی شکل میں یوں کہیے کہ[1] ج۔ز۔ وہی کچھ ہے جو۔ز۔ج۔ ہے۔

اب تک ہم نے انسانوں پر صرف ان کی ایک ہی معاشی حیثیت میں غور کیا

---

[1] یاد رہے ج۔ جنس کا اور ز۔ زر کا مخفف ہے۔ مترجم)

ہے یعنی صرف اس حیثیت میں کہ وہ اجناس کے مالک ہیں اور انسانوں کی یہ حیثیت وہ حیثیت ہے جس میں وہ دوسروں کی محنت کی پیداوار اپنی محنت کو جدا کر کے حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے اگر جنس کا ایک مالک اس شخص سے جس کے پاس زر ہے ملنا چاہتا ہے تو پھر ضروری یہ ہے کہ یا تو آخر الذکر شخص یعنی بائع کی پیداوار بذاتہ۔ زر۔ ہو سونا ہو جس سے زر بنتا ہے۔ یا یہ کہ اس کی پیداوار پہلے ہی اپنا حلیہ بدل چکی ہو۔ اور مفید شئے ہونے کی اپنی ابتدائی شکل کو اپنے آپ سے جدا کر چکی ہو۔ زر کی حیثیت سے پارٹ ادا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سونا کسی نہ کسی نقطہ پر بازار میں ضرور داخل ہو۔ یہ نقطہ جہاں سونا بازار میں داخل ہوتا ہے سونے کی پیداوار کے منبع پر واقع ہوتا ہے۔ اس منبع پر محنت کی فوری پیداوار کی حیثیت سے یکساں محنت کی کسی اور پیداوار سے سونے کا بارٹر کے انداز پر مبادلہ ہو جاتا ہے۔ اس مبادلہ کے بعد سے وہ ہمیشہ کسی جنس کے خارج میں وجود حاصل کر جانے والے نرخ کی نمائندگی کا فرض انجام دیا کرتا ہے۔ پیداوار کے منبع پر دوسری اجناس سے اس کے اس مبادلہ سے قطع نظر سونا جس کسی کے قبضہ میں بھی کیوں نہ ہو وہ کسی نہ کسی اس جنس کی مبدل شکل ہوا کرتا ہے جسے اس کے مالک نے جدا کر دیا ہو۔ وہ کسی فروخت کا نتیجہ ہوتا ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ نتیجہ ہوتا ہے پہلے قلب ماہیت یعنی۔ ج۔ ز۔ کا تو اس طرح سونا جیسا کہ ہم نے ابھی دیکھا۔ ایک مثالی زر بن گیا۔ وہ قیمتوں کا پیمانہ بن گیا اور اس کو یہ حیثیت صرف اس لیے حاصل ہوئی کہ دوسری تمام اجناس نے اسے اپنی قیمتوں کا پیمانہ بنا لیا اور یوں اس کو مثالی طور پر اپنی طبعی حیثیت سے۔ اس حیثیت سے کہ وہ مفید اشیاء ہیں۔ متوازن کر دیا اور اسے اپنی قیمتوں کی شکل کی حیثیت سے تسلیم کر لیا۔ سونا (مثالی کے بجائے) حقیقی۔ زر۔ اجناس کی عام جدائی کی وجہ سے بنا[1] وہ اس لیے حقیقی زر بنا کہ وہ ان اجناس کی فطری اشکال۔ اس حیثیت سے کہ وہ مفید اشیاء ہیں

---

[1] یعنی اجناس اپنے مالکوں سے برابر جدا ہوتی رہتی ہیں۔ مترجم)۔

کی عملی قائم مقامی کرتا رہتا ہے اور اس طرح وہ فی الحقیقت ان اجناس کی قیمتوں کا مادی اظہار بن جاتا ہے۔ اجناس جب اس شکل زر کو اختیار کر لیتی ہیں تو اپنی فطری استعمالی قیمت کے کسی بھی اثر اور نشان کو اپنے آپ سے جدا کر ڈالتی ہیں اور مخصوص قسم کی محنت سے بھی بے تعلق ہو جاتی ہیں جو ان کی پیدائش کا ذریعہ بنی تھی۔ متجانس انسانی محنت کے یکساں اور سماجی طور پر مسلّم مجسمہ (Incarnation) بننے کے لیے یہ سب کچھ کرنا ضروری ہوتا[1] ہے۔ ہم زر کے کسی ٹکڑے کو صرف دیکھنے کے بعد یہ نہیں بتا سکتے کہ زر کے اس ٹکڑے کا کس خاص جنس سے مبادلہ ہوا ہے۔ ساری اجناس اپنی شکل زر میں ایک جیسی نظر آتی ہیں۔ تو یوں یہ ہو سکتا ہے کہ زر محض غلاظت ہو گو غلاظت زر نہیں ہوتی۔ ہم اس بات کو بالکل فرض کر سکتے ہیں کہ سونے کے وہ ٹکڑے جن کی وجہ سے ہمارے نداف دوست نے اپنے کپڑے کو جدا کرنا پسند کر لیا تھا۔ آٹھ بشل گیہوں کی مقلوب الماہیت شکل ہے۔ کپڑے کی فروخت۔ ج۔ ز۔ ساتھ ہی اس کی خرید۔ ز۔ ج۔ بھی ہوتی ہے لیکن فروخت اس عمل کا پہلا کنارہ ہوتی ہے جو ایک بالکل تخالف ماہیت رکھنے والی چیز کی معاملت پر ختم ہوتا ہے یعنی بائیبل کی خرید پر۔ اس کے برخلاف کپڑے کی خرید اس حرکت کا اختتام کرتی ہے جو ایک مخالف ماہیت رکھنے والی چیز یعنی گیہوں کی فروخت سے شروع ہوا تھا۔ ج۔ ز۔ کپڑا از زر جو کہ ج۔ ز۔ ج (کپڑا۔ زر۔ بائیبل) کے عمل کا پہلا درجہ ہے۔ ز۔ ج۔ (زر۔ کپڑا) بھی ہوتا ہے۔ یعنی وہ ایک دوسرے عمل ج۔ ز۔ ج (گیہوں زر۔ کپڑا) کا آخری درجہ بھی ہوتا ہے۔ اس طرح ایک جنس کا پہلا قلب ماہیت یعنی ایک جنس سے اس کا زر میں منقلب ہو جانا ہمیشہ ایک اور جنس کا دوسری قلب ماہیت بھی ہوتا ہے یعنی یہ دوسری جنس دوبارہ زر سے جنس میں منقلب ہو جاتی ہے[2]۔

---

[1] کہ یہ سب کچھ کیے بغیر وہ متجانس انسانی محنت کا یکساں سماجی طور پر مسلّم مجسمہ بننے میں کامیاب نہیں ہو سکتیں۔ مترجم)

[2] جیسا کہ پہلے کہا گیا جو شخص سونے یا چاندی کو واقعی پیدا کرتا ہے وہ ایک استثناء کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ براہ راست اپنی پیداوار کا دوسری جنس سے مبادلہ کر لیتا ہے یہ نہیں کہ وہ پہلے اپنی جنس کو بیچتا ہو اور پھر اس کا دوسری جنس سے تبادلہ کرتا ہو)۔

ج۔ز۔یا۔فروخت
جنس کی دوسری یا آخری قلب ماہیت

چونکہ زر۔ دوسری تمام اجناس کی مقلوب الماہیت شکل ہے۔ یعنی وہ نتیجہ ہے اس بات کا کہ تمام اجناس (اپنے مالکوں سے) جدا ہوتی ہیں اس لیے زر بھی کسی پابندی یا شرط بغیر قابل جدائی ہوتا ہے۔ وہ تمام ان سابقہ نرخوں کو بتاتا ہے جن سے وہ گذرا ہے اور اس لیے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ۔ زر۔ دوسری ان تمام اجناس کے جسموں کے ذریعہ اپنی تصویر بناتا ہے جو زر کی استعمالی قیمت کو خارجی وجود میں لانے کے لیے اپنے آپ کو بطور مواد کے پیش کر دیتی ہیں۔ ساتھ ہی نرخ یعنی وہ للچائی ہوئی نظریں جو اجناس۔ زر۔ پر ڈالتی ہیں (یہ خالص استعاراتی مگر انتہائی مؤثر انداز بیان ہے۔ نرخ کی تعریف کرنے کا مترجم) زر کی مقدار کو بتا کر ان حدود کو متعین کر دیتے ہیں جن سے زیادہ زر کا انتقال ممکن نہیں ہے۔ اب چونکہ ہر جنس زر بن جانے کے بعد بحیثیت جنس کے غائب ہو جاتی ہے اس لیے صرف زر کو دیکھ کر یہ بتا دینا بالکل ناممکن ہے کہ وہ اس شخص کے پاس جو زر کا مالک ہے کیسے پہنچا اور وہ کون سی چیز تھی جس سے مبدل ہو کر وہ موجودہ مالک کے پاس آیا ہے۔ وہ کسی سمت اور کسی ماخذ سے بھی آیا ہو۔ یہ پتہ چلانا ممکن نہیں ہے۔ زر ایک طرف تو فروخت شدہ جنس کی نمائندگی کرتا ہے اور دوسری طرف ایک اور جنس کی نمائندگی کرتا ہے جو خریدی جاتی ہے۔

ج۔ز۔یعنی فروخت ساتھ ہی۔ز۔ج

یعنی خرید بھی ہوتی ہے۔ گویا ایک جنس کی آخری قلب ماہیت دوسری جنس کا پہلا قلب ماہیت بھی ہوتا ہے۔ جہاں تک ہمارے دوست جلاہے کا تعلق ہے اس کی جنس کی زندگی بائبل کی خرید پر ختم ہو جاتی ہے جس میں اس نے اپنے دو پونڈ کو منقلب کر دیا۔ مگر فرض کیجئے کہ بائبل کو بیچنے والا ان دو پونڈ کو جو اسے جلاہے سے حاصل ہوئے برانڈی خریدنے

میں صرف کر دیتا ہے تو اب ز۔ج۔ جو کہ۔ج۔ز۔ج۔ (کپڑا۔زر۔ بائبل) کا آخری حصہ ہے۔ج۔ز۔ بھی ہے یعنی۔ج۔ز۔ج۔ (بائبل۔زر۔ برانڈی) کا پہلا حصہ بھی ہے ۔کسی خاص جنس کا پیدا کرنے والا تو صرف ایک ہی جنس رکھتا ہے جسے وہ بیچ سکے اور اس جنس کو وہ عموماً بڑی مقداروں میں فروخت کرتا ہے۔لیکن وہ نرخ۔ وہ رقم جو اسے اس جنس کے بدلے میں حاصل ہوتے ہیں کئی حصوں میں بنٹ جاتے ہیں اس لیے کہ اس کی حاجات متعدد اور متنوع ہیں جنہیں وہ اس رقم کو ٹکڑے کر کے حاصل کرتا ہے۔نتیجہ اس کا یہ کہ ایک فروخت متعدد اشیاء کی خرید کا سبب بنتی ہے۔اس طرح کسی ایک جنس کا آخری قلب ماہیت بہت سی دوسری اشیاء کے پہلے قلب ماہیت کا سبب بن جاتا ہے۔

اب اگر ہم ایک جنس کی پوری اور مکمل حرکت کا من حیث المجموع جائزہ لیں تو سب سے پہلے جو بات معلوم ہوگی وہ یہ ہے کہ یہ حرکت دو متخالف اور ایک دوسرے کا تکملہ کرنے والی حرکات۔ج۔ز۔ اور۔ز۔ج۔ پر مشتمل ہوتی ہے۔ایک جنس کے یہ متضاد تقلبات[1] جنس کے مالک کے دو متضاد سماجی اعمال کے نتیجہ میں رونما ہوتے ہیں اور پھر یہ اعمال خود ان معاشیاتی سرگرمیوں کے کردار پر اپنی چھاپ لگا دیتے ہیں۔ جو جنس کا مالک کرتا ہے۔اس حیثیت سے کہ جنس کا مالک فروخت کرتا ہے۔ وہ فروخت کنندہ ہوتا ہے اور اس حیثیت سے کہ وہ خرید کا عمل کرتا ہے خریدار ہوتا ہے۔اب جیسے جنس کے ہر قلب ماہیت پر جنس کی دو شکلیں ہوتی ہیں۔یعنی شکل جنس۔اور شکل زر جو کہ ساتھ ہی ساتھ مگر بالکل متخالف نقطوں پر موجود ہوتی ہیں۔ٹھیک اسی طرح ہر فروخت کنندہ کے مقابلہ میں ایک خریدار اور ہر خریدار کے مقابلہ میں ایک فروخت کنندہ ہوتا ہے جب کوئی خاص جنس اپنے ان دونوں قلب ماہیت سے درجہ بدرجہ گذرتی ہے یعنی جنس سے زر کی طرف انتقال اور زر سے ایک دوسری جنس کی طرف انتقال تو جنس کا مالک بھی درجہ بدرجہ اپنا عمل فروخت

---

[1] قلب ماہیت۔مترجم)

کنندہ کی حیثیت سے خریدار کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے اس کے معنی یہ ہوئے کہ فروخت کنندہ اور خریدار ہونے کے یہ کردار دائمی حیثیت نہیں رکھتے بلکہ یہ باری باری ان متعدد افراد سے وابستہ ہوتے رہتے ہیں جو اشیاء کی گردش کے عمل میں شریک ہوتے ہیں۔

ایک جنس کا مکمل قلب ماہیت اپنی بالکل سادہ تر شکل میں چار نہایتوں اور تین افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ سب سے پہلے ایک جنس ہوتی ہے جو زر کے روبرو آتی ہے۔ اس درجہ میں زر وہ شکل ہوتی ہے جسے جنس کی قیمت اختیار کر لیتی ہے۔ یہ زر اپنی بالکل خارجی حقیقت میں خریدار کی جیب میں ہوتا ہے۔ اس طرح جنس کا مالک زر کے مالک کے ارتباط میں آتا ہے۔ اب جونہی جنس زر میں بدلتی ہے زر اس کی عبوری مساواتی شکل بن جاتا ہے۔ اور اس مساواتی شکل کی استعمالی قیمت دوسری اجناس کے اجسام میں ہوتی ہے۔ زر جو کہ پہلے قلب ماہیت کی آخری اکائی[1] ہوتا ہے۔ ساتھ ہی دوسرے قلب ماہیت کی پہلی اکائی بھی ہوتا ہے وہ شخص جو پہلے انتقال میں فروخت کنندہ ہوتا ہے دوسرے انتقال میں خریدار بن جاتا ہے۔ اس دوسرے انتقال میں ایک تیسرا مالک جنس بطور فروخت کنندہ کے سامنے آ جاتا ہے۔

یہ دونوں رخ جن میں سے ہر ایک دوسرے کا عکس ہوتا ہے اور جو ایک جنس کے قلب ماہیت کے اجزا ہوتے ہیں مشترکہ طور پر ایک دوری حرکت ہوتے۔ ایک دورہ کو مکمل کرتے ہیں۔ پہلے۔ شکل جنس دوسرے اس شکل جنس کا الگ ہو جانا اور تیسرے پھر اس شکل میں جنس کا واپس لوٹ آنا۔ اس میں ظاہر ہے کوئی شبہ نہیں کہ یہاں جنس دو مختلف پہلوؤں سے سامنے آتی ہے۔ اپنے نقطہ آغاز پر جنس اپنے مالک کے لیے استعمالی قیمت نہیں ہوتی۔ لیکن نقطہ اختتام پر اپنے مالک[2] کے لیے استعمالی جنس ہوتی ہے۔ اسی طرح

---

[1] یہاں ادائے مفہوم کی سہولت کے لیے (Term) کا ترجمہ اکائی سے کیا گیا ہے۔ مترجم)

[2] ظاہر ہے یہ مالک پہلے مالک سے مختلف ہوتا ہے جس تک جنس معاملت کے بعد پہنچتی ہے۔ مترجم)

زر بھی اپنے پہلے درجہ میں قیمت کے ایک ٹھوس بلور کی طرح نمایاں ہوتا ہے۔ایک ایسا بلور جس میں جنس بڑے اشتیاق سے ٹھوس شکل اختیار کر لیتی ہے اپنے دوسرے درجہ میں ۔زر محض عبوری مساواتی شکل بن جاتا ہے جسے مآل کار ایک استعمالی قیمت کے لیے جگہ خالی کر دینی ہوتی ہے۔

یہ دونوں قلب ماہیت جو اس پورے دورہ کو مکمل کرتے ہیں ساتھ ہی دو دوسری اجناس کے معکوس جزوی انتقال یا قلب ماہیت کی حیثیت رکھتے ہیں ایک اور ایک ہی جنس کپڑا اپنے قلب ماہیت کے سلسلہ کو شروع کرتی ہے اور ایک دوسری جنس (گیہوں) کی قلب ماہیت کو مکمل کر دیتی ہے۔پہلی منزل یعنی فروخت میں کپڑا یہ دونوں کام اپنی ہی شخصیت میں انجام دیتا ہے لیکن اس کے بعد سونے میں مبدل ہو کر وہ اپنے دوسرے اور آخری قلب ماہیت کی تکمیل کرتا ہے اور ساتھ ہی ایک تیسری جنس کے پہلے قلب ماہیت کے پورا کرنے میں بھی مدد دیتا ہے۔نتیجہ اس کا یہ کہ ایک جنس اپنے قلب ماہیت کے دوران جس دورہ سے گذرتی ہے وہ دورہ لاینفک طور پر دوسری اجناس کے دوروں سے بھی مخلوط ہو جاتا ہے تمام دوروں کے مجموعہ ہی کو اجناس کی گردش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اجناس کی گردش اشیاء اور پیداواروں کے براہ راست مبادلہ (بارٹر) سے نہ صرف شکل بلکہ اپنے جوہر میں بھی مختلف ہوتی ہے۔واقعات کیونکر رونما ہوتے ہیں ذرا اس پر غور کیجئے۔جلاہے نے جو کچھ کیا وہ یہ ہے کہ اس نے اپنی جنس کا تبادلہ بائبل[1] سے کیا۔یعنی اس نے اپنی ذاتی جنس کو ایک دوسرے شخص کی جنس سے بدل لیا۔لیکن یہ صورت صرف اس حد تک صحت رکھتی ہے جس حد تک اس کا تعلق خود جلاہے سے ہے۔رہا بائبل کا بیچنے والا سو وہ ایک ایسی چیز کے حصول کو ترجیح دیتا ہے جو اس کے جسم کے اندرونی حصوں کو گرم کر دے[2] وہ اپنی بائبل کا کپڑے سے مبادلہ کرنے کا کوئی خیال نہیں رکھتا

---

[1] یاد رہے جلاہے نے کپڑا بیچ کر روپیہ حاصل کیا تھا اور روپیہ سے بائبل خریدی تھی۔مترجم)

[2] وہ برانڈی جیسی کوئی مشروب خریدنا چاہتا ہے۔مترجم)

جس طرح جلاہا اس بات سے آگاہ نہیں ہے کہ اس کے کپڑے کا گیہوں سے مبادلہ کیا گیا ہے۔ ب۔ کی جنس الف کی جنس کی جگہ لے لیتی ہے لیکن الف۔ اور ب۔ آپس میں ان اجناس کا مبادلہ نہیں کرتے۔ البتہ یہ صورت بھی رونما ہوسکتی ہے کہ الف اور ب ساتھ ساتھ خریداریاں کریں۔ یعنی ایک دوسرے سے خرید و فروخت کرے۔ لیکن اس قسم کی مستثنٰی معاملتیں کسی طرح بھی اجناس کی گردش کے عام حالات کا لازمی نتیجہ نہیں ہوتیں۔ یہاں ایک طرف تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اجناس کا مبادلہ کیونکر تمام ان مقامی اور ذاتی حدود کو توڑ کر باہر نکل جاتا ہے۔ جو براہ راست بارٹر کی معاملت سے لازمی طور پر وابستہ ہوتی ہیں اور وہ سماجی محنت کی پیداواروں کی گردش کو ترقی دیتا ہے اور دوسری طرف یہ دیکھتے ہیں کہ وہ کیونکر ان سماجی رشتوں کے پورے تانے بانے کو بُن دیتا ہے جو خود بخود نشو و نما پاتے ہیں اور اس ڈرامہ کے کرداروں کے قبضہ و اختیار کی حدود سے بالکل باہر ہوتے ہیں۔ جلاہا صرف اسی لیے اپنا کپڑا فروخت کرسکا کہ کاشتکار نے اپنے گیہوں کو فروخت کر دیا تھا۔ ہمارے ہاٹ اسپر Hotspur صاحب[1] اس لیے بائیبل کو فروخت کرسکے کہ جلالا اپنا کپڑا فروخت کر چکا تھا اور چونکہ بائیبل کو فروخت کرنے والے نے حیات دائمی کے اس آب حیات کو فروخت کر دیا اس لیے شراب کشید کرنے والا اپنے مشروب حیات بخش کو بھی فروخت کرنے میں کامیاب ہوسکا[2]۔ الخ

نتیجہ اس بحث کا یہ کہ گردش کا عمل پیداواروں کے براہ راست بارٹر کی طرح۔ استعمالی قیمتوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ اور ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل

---

[1] (سرا یچ۔ پرسی کا لقب تھا جن کا انتقال 1403ء میں ہوا۔ سر موصوف بہت منچلے اور دبنگ تھے۔ مترجم)

[2] بائبل اور شراب کی فروخت کو ایک ساتھ ملا کر استعاراتی انداز بیان میں جو بات کہی گئی ہے اس سے ہلکا سا مگر دلچسپ طنز پیدا ہو جاتا ہے۔ مترجم)

ہونے پر ناپید نہیں ہوجاتا۔ کسی ایک جنس کے قلب ماہیت کا جو دور ہوتا ہے اس سے اگر زر نکل جائے تو وہ ناپید نہیں ہوجاتا[1] اس لیے کہ دوسری اجناس گردش کے جس حصہ کو خالی کرتی ہیں۔ زر بار بار اس جگہ میں آتا رہتا ہے۔ اب مثلاً کپڑے کے مکمل قلب ماہیت میں یعنی کپڑا بائیبل میں پہلے تو کپڑا گردش کے دائرہ سے نکل جاتا ہے اور زر اس کی جگہ آجاتا ہے اس کے بعد بائیبل گردش سے ہٹ جاتی ہے اور اس کی جگہ بھی زر آجاتا ہے جب ایک جنس کسی دوسری جنس کی جگہ لیتی ہے تو زر والی جنس کسی تیسرے آدمی کے پاس ہوتی ہے۔[2] گردش ہر مسام سے زر کو نکالتی رہتی ہے (یہ سابقہ صورت حال کا ادبی انداز میں اظہار ہے۔ مترجم)۔

یہ خیال تو محض طفلانہ ہے کہ چونکہ ہر فروخت خرید ہوتی ہے اور ہر خرید فروخت لہٰذا اجناس کی گردش کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ فروخت خرید میں توازن باقی رہے۔ اس بات کا مطلب اگر یہ ہے کہ خارج میں جتنی فروختیں ہوتی ہیں اسی قدر خریدیں بھی ہوتی ہیں تو یہ تو لفظی ہیر پھیر کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔ اور اگر اس سے ثابت یہ کرنا مقصود ہو کہ ہر فروخت کنندہ ایک خریدار کو بھی اپنے ساتھ بازار لاتا ہے تو اس نوع کی کوئی صورت حال کبھی رونما نہیں ہوتی۔ خرید اور فروخت ایک ہی جیسا عمل ہوتے ہیں۔ وہ مالک جنس اور مالک زر کے درمیان مبادلہ ہوا کرتے ہیں یعنی دونوں ایسے اشخاص کے درمیان جن میں سے ہر ایک

---

[1] جنس کے قلب ماہیت کا جو عمل ہوتا رہتا ہے اس کی تشریح پہلے آچکی ہے۔ اس قلب ماہیت کا جو دورہ بن جاتا ہے اس سے زر کے ہٹ جانے کا مطلب لازماً یہ نہیں ہے کہ زر زر کی حیثیت سے باقی نہیں رہا۔ اس لیے کہ وہ دوسری اجناس کے دورہ میں شامل رہتا ہے اور اس لیے زر کی حیثیت سے باقی رہتا ہے۔ مترجم)۔

[2] ہر چند یہ بات بالکل صاف ہے تاہم یہ عام طور پر فلسفہ معاشیات کے ماہرین کی نظروں سے اوجھل رہتی ہے خاص طور پر آزاد تجارت کے عامیت پسندوں کی نظروں سے۔

دوسرے کے متقابل ہوتا ہے۔ جس طرح مقناطیس کے قطبین ایک دوسرے کے متقابل ہوتے ہیں[1] لیکن فروخت اور خرید دو ممتاز عمل ہو جاتے ہیں دو ایسے عمل جو بالکل متخالف کردار رکھتے ہوں۔ جب یہ دونوں اعمال ایک ہی شخص کرے[2] تو یوں فروخت اور خرید کے اعمال کے یکساں ہونا یہ بتاتا ہے کہ اگر جنس گردش کے کیمیائی قرنبیق سے گذر جانے کے بعد بھی۔ زر۔ کی شکل میں بدل کر باہر نہ آئے تو یہ جنس ایک محض بے فائدہ شے ہے۔ بالفاظ دیگر اگر اس جنس کو اس کا مالک فروخت نہ کرے اور زر کا مالک اسے نہ خریدے تو پھر اس کے وجود سے کیا فائدہ۔ فروخت اور خرید کا یکساں ہونا یہ بھی بتاتا ہے کہ اگر مبادلہ وقوع پذیر ہی ہو تو مبادلہ کی جوہری خصوصیت یہ ہے کہ جنس کی زندگی میں ایک وقفہ سکون[3] آئے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ اب چونکہ جنس کا پہلا قلب ماہیت فروخت اور خرید دونوں ہوتا ہے اس لیے وہ ایک آزادانہ عمل بھی ہوتا[4] ہے۔ خریدار کے پاس ایک جنس ہوتی ہے اور فروخت کنندہ کے پاس زر ہوتا ہے یعنی ایک وہ جنس ہوتی ہے جو کسی وقت بھی گردش کے دائرہ میں داخل ہو جانے کو تیار رہتی ہے۔ جب تک کوئی خرید کرنے والا موجود نہ ہو آپ جنس کو فروخت نہیں کر سکتے لیکن آپ فوراً کسی چیز کو صرف اس لیے خریدنے کے لیے مجبور نہیں ہیں کہ ابھی آپ نے کچھ بیچا[5] ہے۔ براہ راست بارٹر وقت جگہ اور افراد کے سلسلہ میں جن پابندیوں کا باعث بنتا ہے گردش ان پابندیوں کو توڑ کر باہر آ جاتی ہے۔ بارٹر میں اپنی چیز کو جدا کرنے اور دوسرے کی چیز کو حاصل کرنے کے اعمال کے درمیان جو براہ راست

---

[1] فروخت اور خرید یکساں عمل اس وقت ہوتے ہیں جب فروخت کنندہ اور خریدار وہ جدا جدا شخصیتیں ہوں۔ مترجم) [2] یعنی ایک ہی شخص پہلے فروخت کا عمل کرے اور پھر خرید کا وہ کچھ بیچ کر روپیہ حاصل کرے اور اس روپیہ سے کچھ اور خرید لے۔ مترجم) [3] وہ وقفہ جو فروخت اور خرید کے عمل کے درمیان آتا ہے۔ مترجم) [4] پہلی قلب ماہیت آزادانہ عمل ہوتا ہے اس کی وضاحت اگلے جملوں میں کی گئی ہے۔ مترجم) [5] اس لیے جنس کی پہلی قلب ماہیت ایک آزادانہ عمل ہوتا ہے۔ مترجم)

یکسانیت پائی جاتی ہے گردش اسے فروخت اور خرید کی دو متخالف اکائیوں میں بانٹ کر وقت جگہ اور افراد کی پابندیوں کی حدود کو توڑنے میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ اب یہ کہنا کہ یہ دونوں آزادانہ اور متخالف اعمال[1] ایک جوہری وحدت رکھتے ہیں اور انہی حقیقت میں ایک ہی ہیں۔ ایسی ہی بات ہے جیسا یہ کہنا کہ یہ جوہری وحدت ایک خارجی تخالف میں خود کو ظاہر کرتی ہے۔ اگر ایک جنس کے مکمل قلب ماہیت کے دوران رخوں کے درمیان جو ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں جو وقفہ آتا ہے وہ زیادہ بڑھ جائے۔ گویا اگر فروخت اور خرید کے درمیان بُعد کافی بڑا ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان کا گہرا ارتباط۔ ان کی وحدت بحران پیدا کر کے اپنے وجود کو منواتی ہے۔ دو متخالف اکائیاں استعمالی قیمت اور قیمت یہ تضادات کہ نجی محنت براہ راست سماجی محنت میں ظاہر ہوتی ہے اور ایک مخصوص خارجی قسم کی محنت مجرد انسانی محنت میں منتقل ہو جاتی ہے اور وہ تضاد جو اشیاء کے تشخص حاصل کر جانے اور اشخاص و افراد کی نمائندگی اشیاء سے ہونے کے درمیان ہے وغیرہ یہ تمام کے تمام تخالفات اور تضادات جو اجناس میں سرایت کیے ہوتے ہیں جنس کے قلب ماہیت کے متخالف رخوں کے ذریعہ اپنا وجود منواتے ہیں اور ان رخوں میں اپنی حرکت کے انداز کو نمایاں کرتے ہیں۔ تو نتیجہ اس کا یہ کہ تخالفات اور تضادات کی حرکت کے یہ انداز ایک بحران کا امکان پیدا کرتے ہیں مگر صرف امکان ہی پیدا کرتے ہیں۔ رہا اس امکان کا حقیقت میں بدل جانا سو وہ رشتوں کے طویل سلسلوں کے گذرنے کے بعد ہی ممکن ہوتا ہے اور اس وقت کہ ہم صرف سادہ گردش پر بحث کر رہے ہیں تو یہ صورت حال موجودہ درجہ پر وجودی شکل حاصل نہیں کر پاتی[2]

---

[1] پہلا عمل ہے ایک چیز کی فروخت سے روپیہ کا حصول اور دوسرا عمل ہے روپیہ کی فروخت سے کسی اور جنس کی خرید یہ دونوں اعمال آزادانہ ہوتے ہیں۔ مترجم) [2] ''تنقید وغیرہ''۔ صفحہ 123-125 میں جیمس مل پر میں نے جو تنقید کی ہے اسے ملاحظہ فرمائیے۔ اس بحث کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

زرِ کا دوران

شکل۔ ج۔ز۔ج کی تبدیلی جس کے ذریعہ محنت کی مادی پیداواروں کی گردش وجود میں آتی ہے اس بات کی متقاضی ہے کہ جنس کی شکل میں متشکل ہونے والی ایک خاص قیمت اس تمام عمل کو شروع کرے اور جنس ہی کی شکل میں اس عمل کو ختم بھی

(بقیہ حاشیہ) سلسلہ میں دو خاص طریقے قابل توجہ ہیں جو عذر خواہ معاشیات سے اختصاص رکھتے ہیں۔

''پہلا یہ کہ اجناس کی گردش کو اجناس کے براہ راست بارٹر سے ملا دیا جاتا ہے اس طرح کہ ان میں جو اختلافی نقاط ہیں ان کی تجرید کر دی جاتی ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سرمایہ داری پیداوار میں جو تضادات ہیں ان کی توجیہ کی جاتی ہے۔ اس توجیہ کا انداز یہ ہے کہ اس طرز پیداوار میں جو افراد شریک ہوتے ہیں ان کے باہمی رشتوں کی تجرید کر کے صرف ان سادہ رشتوں کو سامنے رکھا جاتا ہے جو اجناس کی گردش کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن اجناس کی پیداوار اور گردش ایسے مظاہر ہیں جو کسی نہ کسی درجہ میں متعدد اور متنوع طرز ہائے پیداوار میں واقع ہوتے ہیں۔ اگر ہم گردش کے ان مجرد درجات کے علاوہ اور کسی چیز سے واقف ہی نہیں ہیں جو پیداوار کے ان تمام طریقوں میں مشترک ہوتے ہیں تو ہم ان طریقہائے پیداوار کے متعین امتیازات کے متعلق کچھ بھی نہ جان سکیں گے۔ نہ ان کی بابت کوئی رائے بھی ظاہر کر سکیں گے۔'' فلسفہ معاشیات میں عامۃ الورود حقیقتوں سے متعلق اتنا شور مچا دیا جاتا ہے کہ شاید ہی کسی اور علم میں اتنا شور مچایا جاتا ہو چنانچہ بطور مثال جے۔ بی۔ سے۔ کولے لیجئے جنہوں نے اپنے آپ کو بحرانوں کی اتھارٹی قرار دے لیا ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ اس بات کو جان گئے ہیں کہ جنس پیداوار کو کہتے ہیں (مارکس)۔

[1] دوران کرنسی کا ترجمہ ہے۔ لفظ کرنسی پر انگریز مترجم نے یہ نوٹ دیا ہے کہ یہ لفظ یہاں اپنے اصلی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی وہ راستہ جس سے زر ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں پہنچتے ہوئے گذرتا ہے۔ یہ راستہ گردش سے جوہری طور پر مختلف ہوتا ہے۔ اردو مترجم)

کرے۔ تو اس طرح جنس کا یہ انتقال ایک دورہ کی شکل حاصل کر لیتا ہے لیکن اس کے برعکس اس انتقال کی شکل ہی کا تقاضہ یہ ہے کہ یہ دورہ۔ زر کے ذریعہ مکمل نہ ہو۔ نتیجہ اس تمام عمل کا یہ نہیں ہوتا کہ۔ زر۔ جہاں سے چلتا ہے اسی نقطہ پر واپس لوٹ آتا ہے بلکہ وہ اپنے نقطہ آغاز سے زیادہ سے زیادہ دور ہوتا چلا جاتا ہے۔ جب تک فروخت کنندہ اپنے زر۔ کو جو کہ اس کی جنس کی تبدیل شدہ شکل ہوتا ہے اپنے پاس روکے رکھتا ہے اس وقت تک جنس اپنے پہلے قلب ماہیت کے درجہ ہی میں رہتی ہے اور اس دورہ یا دائرہ کا صرف آدھا حصہ ہی طے کر پاتی ہے۔ لیکن جونہی وہ پورے عمل کو مکمل کر لیتی ہے یعنی جونہی اس کی فروخت کے ساتھ اس کی خرید بھی ہو جاتی ہے۔ زر اپنے مالک کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے۔ صحیح ہے کہ اگر جلاہا بائبل خریدنے کے بعد مزید کپڑا فروخت کرے تو۔ زر پھر اس کے پاس واپس آ جائے گا لیکن۔ زر کی یہ واپسی پہلے بیس گز کپڑے کی گردش کی وجہ سے نہ ہوگی اس لیے کہ یہ گردش تو۔ زر۔ کے بائبل کے فروخت کنندہ کے ہاتھ میں واپس آنے کا سبب بنی تھی۔ جلاہے کے پاس زر کی واپسی ایک نئی جنس کی دوبارہ یا مکرر گردش کے نتیجہ ہی میں ممکن ہے۔ یہ دوبارہ اور مکرر گردش بھی اسی نتیجہ پر ختم ہوتی ہے جس نتیجہ پر اس سے پہلے کی گردش اختتام پذیر ہوئی تھی۔ تو نتیجہ اس کا یہ کہ۔ زر میں اجناس کی گردش کی وجہ سے جو حرکت پیدا ہوتی ہے وہ۔ زر کو اس کے نقطہ آغاز سے دور بنانے کا سبب بنتی رہتی ہے۔ وہ اسے ایک جنس کے مالک کے قبضہ سے دوسری جنس کے مالک کے قبضہ میں پہنچاتی رہتی ہے۔ زر کی یہ رفتار اس کا دوران (کرنسی) ہوتا ہے۔

زر۔ کا دوران ایک ہی عمل کا بے مزہ اور مسلسل اعادہ ہوا کرتا ہے جنس ہمیشہ فروخت کنندہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور۔ زر ذریعہ خرید کی حیثیت سے ہمیشہ خریدار کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ زر جنس کے نرخ کو وجودی شکل میں لا کر خرید کا ذریعہ بنتا ہے جنس کے نرخ کا وجودی شکل حاصل کر لینا جنس کو فروخت کنندہ کے ہاتھ سے خریدار کے قبضہ میں پہنچا دیتا ہے۔ اور زر کو خریدار کے قبضہ سے فروخت کنندہ کے قبضہ میں پہنچا دیتا ہے جہاں

سے وہ ایک اور جنس کے سلسلہ میں پھر اسی عمل سے گذرتا ہے۔ یہ امر کہ۔ زر کی یہ یک طرفہ حرکت جنس کی دوطرفہ حرکت سے پیدا ہوتی ہے ایک ایسی صورتِ حال ہے جس پر پردہ پڑا رہتا ہے اجناس کی گردش کے عمل کی اپنی ماہیت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے بالکل متخالف صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک جنس کا پہلا قلب ماہیت مرئی طور پر نہ صرف یہ کہ زر کی نقل و حرکت ہوتی ہے بلکہ خود جنس کی نقل و حرکت بھی ہوتی ہے لیکن اس کے برعکس دوسرے قلب ماہیت میں یہ نقل و حرکت صرف۔ زر۔ کی نقل و حرکت معلوم ہوتی ہے اس نقل و حرکت کے پہلے درجہ میں جنس۔ زر کی جگہ لے لیتی ہے[1] پھر اس کے بعد جنس کارآمد شئے ہونے کی بنا پر صرف میں آ جاتی ہے اور گردش کے دائرہ سے ہٹ جاتی ہے۔ اس کی جگہ اس کی قیمتی شکل یعنی زر رہ جاتا ہے۔ پھر یہ جنس اپنی گردش کے دوسرے درجہ میں داخل ہوتی ہے مگر اس دوسرے درجہ میں اپنی فطری شکل میں داخل نہیں ہوتی بلکہ۔ زر کی شکل میں داخل ہوتی ہے[2] اور یوں نقل و حرکت کا یہ سلسلہ صرف زر کے ذریعہ باقی رہتا ہے اور یہ ایک ہی نقل و حرکت جب جنس کے اعتبار سے دیکھی جائے تو دو متضاد کردار رکھنے والے عمل کی حیثیت رکھتی ہے مگر جب زر کی نقل و حرکت کے اعتبار سے دیکھی جائے تو ہمیشہ صرف ایک اور یکساں عمل ہوتی ہے۔ یہ نت نئی اجناس کے ساتھ زر کے درجوں کی تبدیلی ہوتی ہے تو اس طرح اجناس کی گردش سے جو نتیجہ وجود میں آتا ہے یعنی

---

[1] جب جنس بار بار فروخت ہوتی ہے اور یہ وہ صورت حال ہے جو ہماری بحث کے موجودہ نقطہ پر پیدا نہیں ہوتی۔ اس وقت بھی وہ آخری بار فروخت ہو کر گردش کے دور سے ہٹ جاتی ہے اور صرف و استعمال میں آ جاتی ہے۔ ایسی حالت میں وہ یا تو ایک ایسی چیز بن جاتی ہے جس سے حیات کو باقی رکھا جاتا ہے یا ایک ایسی چیز جس سے پیداوار کو باقی رکھا جاتا ہے)

[2] جنس تو صرف یہ استعمال میں آ کر ختم ہو جاتی ہے مگر چونکہ وہ زر کی شکل بدل چکی تھی اس لیے اب زر کے توسط یا اس کی شکل میں باقی رہتی ہے۔ مترجم)

یہ نتیجہ کہ ایک جنس کی جگہ دوسری جنس آ جاتی ہے وہ اس انداز میں نظر آتا ہے جیسے وہ اجناس کی شکل میں تبدیلی کے ذریعہ رونما نہیں ہوا بلکہ زر کے ذریعہ رونما ہوا ہے جس نے گردش کے وسیلہ کی حیثیت سے عمل کیا۔ یہ نتیجہ یا یہ صورت حال اس عمل نے پیدا کی ہے جو ان اجناس کو گردش میں لاتا ہے جو ظاہر بظاہر بذاتہا محض غیر متحرک و ساکن ہوتی ہے یہ عمل اجناس کو ان افراد کے قبضہ سے جن کے پاس وہ غیر استعمالی قیمتیں ہوتی ہیں ان افراد تک پہنچا دیتا ہے جس کے لیے وہ استعمالی قیمتیں ہوتی ہیں اور یہ سب کچھ اس سمت میں ہوتا ہے جو کہ زر کی سمت سے مختلف سمت ہوتی ہے۔ زر۔ اجناس کو مسلسل گردش سے ہٹا کر ان کی جگہ لیتا رہتا ہے اور اس طرح وہ بالتسلسل اپنے نقطہ آغاز سے دُور ہوتا رہتا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ کہ گو۔ زر۔ کی نقل و حرکت محض اجناس کی گردش کی نمود یا اظہار کی حیثیت رکھتی ہے مگر اس کے برعکس صورت حال خارجی و عملی حقیقت کے طور پر نظر آتی ہے یعنی معلوم ایسا ہوتا ہے کہ گردش اجناس۔ زر کی نقل و حرکت کا نتیجہ ہوتی ہے اور۔ زر وسیلہ گردش کی حیثیت سے صرف اس لیے عمل کرتا ہے کہ۔ زر میں اجناس کی قیمتیں آزاد حقیقت کی حیثیت سے موجود ہوتی ہیں۔ لہٰذا۔ زر کی وسیلہ گردش کی حیثیت سے نقل و حرکت فی الواقع محض اجناس کی وہ نقل و حرکت ہوتی ہے جو وہ اپنی اشکال بدلنے کے دوران کرتی ہیں اور جب صورت یہ ہے تو پھر مذکورہ حقیقت دوران۔ زر میں مرئی طور پر نمایاں ہونی چاہیے جنس کی شکل میں دہری تبدیلی کا ہونا ایک جنس کے مکمل قلب ماہیت کے دوران۔ زر کے کسی ایک ہی ٹکڑے میں جو دو بار تبدیلی رونما ہوتی ہے اس میں منعکس ہوتا ہے وہ منعکس ہوتا ہے۔ زر کی جگہوں کی اس متواتر تبدیلی میں جب ایک قلب ماہیت کے بعد دوسرا قلب ماہیت تسلسل کے ساتھ آتا رہتا ہے۔

اب بطور مثال کپڑے کو لے لیجئے کپڑا سب سے پہلے اپنی شکل جنس کو اپنی شکل ۔زر۔ سے بدلتا ہے۔ اس کے پہلے قلب ماہیت (ز۔ج) یا شکل ۔زر۔ کی آخری اکائی (۔زر۔ مترجم) اس کے آخری قلب ماہیت (ز۔ج۔) یعنی اس کے ایک مفید شے

بائبل میں انتقال ثانی کی پہلی اکائی ہوتی ہے لیکن شکل کی ان تبدیلیوں میں سے ہر ایک تبدیلی جنس اور۔ زر میں مبادلہ اوران کے باہمی ردو بدل کے ذریعہ مکمل ہوتی ہے پہلے عمل میں سکہ کے یکساں ٹکڑے شکل بدل کر کپڑے کے ٹکڑوں کی جگہ لے لیتے ہیں اور دوسرے عمل میں بائبل کی جگہ لے لیتے ہیں۔ یوں وہ دو بار اپنی جگہ چھوڑ تے ہیں۔ پہلا قلب ماہیت انہیں جلا ہے کی جیب میں پہنچا دیتا ہے اور دوسرا انہیں جلا ہے کی جیب سے باہر لے آتا ہے ایک ہی جنس جن دو معکوس تغیرات سے گذرتی ہے وہی تغیرات جن کی دوبارہ تکرار ہوتی ہے گومخالف سمت میں سکہ کے ایک سے ٹکڑوں کے ردو بدل میں منعکس ہوتے ہیں۔

اس کے برعکس اگر قلب ماہیت کا صرف ایک درجہ مکمل ہوا ہو۔ اگر صرف فروختیں یا خریدیں ہی ہوں تو۔ زر کا کوئی خاص ٹکڑا صرف ایک ہی بار اپنی جگہ بدلے گا اور اس کی دوسری تبدیلی جنس کی دوسری قلب ماہیت اس کے۔ زر سے کسی اور جنس میں جو برائے استعمال ہوا نتقال ثانی کو ظاہر کرتی اس کے مشابہ ہوتی ہے۔ یہ بالکل صاف سی بات ہے کہ یہ سب کچھ جو کہا گیا اس کا اطلاق صرف اجناس کی سادہ گردش پر ہوتا ہے یعنی صرف اس شکل پر جس پر ہم اس وقت غور کر رہے ہیں۔

ہر ایک جنس جب پہلے پہل گردش کے دائرہ میں قدم رکھتی اور شکل کے پہلے تغیر سے گذرتی ہے تو ان مراحل سے گذرتے ہی گردش کے دائرہ سے نکل جاتی ہے اور دوسری اجناس اس کی جگہ لے لیتی ہیں لیکن اس کے برعکس ۔زر وسیلہ گردش کی حیثیت سے برابر گردش ہی کے دائرہ میں رہتا ہے۔ اور اسی دائرہ میں گھومتا رہتا ہے اور جب صورت یہ ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ گردش کا یہ دائرہ مسلسل طور پر کس قدر۔ زر کو جذب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ کسی بھی ایک ملک کو لے لیجئے اس میں ہر روز کسی بھی ایک وقت مگر مختلف مقامات پر جنسوں کے متعدد یک طرفہ قلب ماہیت ہوتے رہتے ہیں یا دوسرے الفاظ میں متعدد فروختیں اور متعدد خریدیں ہوتی رہتی ہیں اجناس کو پہلے تخیل میں

ان کے نرخوں کے ذریعہ زر کی خاص مقداروں سے مساوی کیا جاتا ہے۔اور چونکہ گردش کی اس شکل میں جس پر ہم اس وقت غور کررہے ہیں۔ زر اور اجناس ہمیشہ اپنے جسموں کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل آتے ہیں جبکہ ان میں سے ایک فروخت کے اثباتی کنارے پر ہوتا ہے اور دوسرا خرید کے منفی کنارے پر تو پھر یہ بات واضح ہے کہ وسائل گردش کی مطلوبہ مقدار ان تمام اجناس کے نرخوں کے مجموعہ کی نسبت سے پہلے ہی متعین ہوجاتی ہے۔ حقیقت واقعہ یہ ہے کہ۔ زر فی الواقع سونے کی اس مقدار یا مجموعہ کی نمائندگی کرتا ہے جو پہلے ہی اجناس کے نرخوں کے مجموعہ سے مثالی طور پر ظاہر ہوچکی ہوتی ہے۔ ان دونوں مجموعوں کی مساوات ایک واضح حقیقت کی حیثیت رکھتی ہے۔ تاہم یہ بات بھی ہم جانتے ہیں کہ اجناس کی قیمتیں تو یکساں رہتی ہیں مگر ان کے نرخ سونے (جو کہ زر کا مواد ہوتا ہے) کی قیمت کے ساتھ گرتے ہیں جس نسبت سے سونے کی قیمت گرتی ہے نرخ بڑھتے اور جس نسبت سے وہ بڑھتی ہے نرخ گرتے ہیں۔ تو اب اگر سونے کی قیمت بڑھنے یا گرنے کے نتیجہ میں نرخوں کا مجموعہ بھی بڑھے یا گھٹے تو۔ زر کی وہ مقدار جو دوران[1] میں ہے لازماً اسی نسبت سے گھٹے بڑھے گی۔ اس صورتِ حال میں گردش کرنے والے وسیلہ کی مقدار میں تبدیلی۔ یہ صحیح ہے کہ خود۔ زر کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے لیکن یہ تبدیلی زر کے وسیلہ گردش ہونے کی خصوصیت کی بنا پر نہیں ہوتی بلکہ۔ زر کی اس خصوصیت کی بنا پر ہوتی ہے کہ وہ قیمت کا پیمانہ ہوتا ہے۔ پہلے اجناس کا نرخ۔ زر کی قیمت کی نسبت سے معکوس انداز میں بدلتا ہے اور پھر وسیلہ گردش کی مقدار براہ راست اسی نسبت سے بدلتی ہے جس نسبت سے اجناس کا نرخ بدلتا ہے بالکل ٹھیک یہی صورت حال رونما ہوگی۔ اگر بطورِ مثال سونے کی قیمت کے گرنے کے بجائے چاندی سونے کی جگہ آکر قیمت کا پیمانہ بن جائے یا چاندی کی قیمت بڑھنے کے بجائے سونا چاندی کو قیمت

---

[1] کرنسی کا ترجمہ۔ لفظ کرنسی کے مفہوم کی تشریح پہلے آچکی ہے۔ مترجم)

کے پیمانہ کی حیثیت سے ہٹادے معاملہ کی نوعیت پہلی جیسی ہوتو چاندی سونے کی اس مقدار سے جو پہلے رائج تھی کہیں زیادہ بڑی مقدار میں رائج ہوگی اور اگر معاملہ کی نوعیت دوسری ہوتو چاندی پہلے جس مقدار میں رائج تھی اس سے کم مقدار میں سونا رائج ہوگا۔ لیکن ان دونوں صورتوں میں سے ہر ایک صورت میں۔ زر کے مواد کی قیمت یعنی اس جنس کی قیمت جو قیمت کا پیمانہ بننے کا فرض انجام دیتی ہے متغیر ہو جائے گی اور اس کے متغیر و متبدل ہو جانے کی وجہ سے اجناس کے وہ نرخ بھی متغیر ہو جائیں گے جو ان اجناس کی قیمت ۔زر کی شکل میں ظاہر کرتے ہیں اور اس طرح۔ زر کی وہ مقدار بھی جو رائج ہے اور جس کا کام یہ ہے کہ وہ ان نرخوں کو خارجی شکل میں لائے تغیر و تبدل سے دوچار ہوگی۔ یہ بات ہم پہلے دیکھ چکے ہیں کہ گردش کے دائرہ میں ایک منفذ (سوراخ) ہوتا ہے جس سے سونا (یا کوئی بھی وہ چیز جو۔زر۔ کا مواد ہوتی ہے) (اس دائرہ میں داخل ہو جاتا ہے ایک ایسی جنس کی حیثیت سے جس کی متعین قیمت ہوتی ہے۔ چنانچہ جب۔ زر قیمت کے پیمانہ کا فرض انجام دینے کے لیے یوں داخل ہو جاتا ہے یعنی جب وہ نرخوں کو ظاہر کرتا ہے تو اس کی قیمت پہلے ہی متعین ہو چکی ہوتی ہے۔ اب اگر اس کی قیمت کم ہوتی ہے تو قیمت کے کم ہونے کا یہ واقعہ سب سے پہلے ان اجناس کے نرخوں کی تبدیلی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جن کا قیمتی دھاتوں کے پیدا ہونے کے ماخذ پر براہ راست ان دھاتوں سے بارٹر کے ذریعہ مبادلہ کیا جاتا ہے باقی دوسری اجناس کا بڑا حصہ خاص طور پر سماج کے نامکمل ارتقا کے درجوں میں کافی عرصہ تک قیمت کے پیمانہ کی سابقہ فرسودہ اور غیر حقیقی قیمت سے جانچتا رہتا ہے۔ تاہم ایک جنس دوسری جنس سے مشترکہ قیمتی رشتہ رکھنے کی بنا پر اس دوسری جنس پر بھی اپنا اثر ڈالتی ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان اجناس کے نرخ خواہ سونے میں ظاہر ہوں یا چاندی میں بالتدریج ان اوسطوں پر آ کر ٹھہر جاتے ہیں جو ان کی متناسب قیمتوں سے متعین ہوتے ہیں تا اینکہ مآل کار تمام اجناس کی قیمتیں اس دھات کی نئی قیمت سے متعین ہوتی ہیں جس سے۔ زر بنتا ہے۔ ادھر تو یہ عمل اپنی جگہ

جاری رہتا ہے اور ادھر اس کے ساتھ قیمتی دھاتوں کی مقدار میں متواتر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ اس اضافہ کا سبب یہ ہوتا ہے کہ قیمتی دھاتیں ان اشیاء کی جگہ لیتی ہیں جو ان کے ماخذ پر ان سے براہ راست بارٹر کے ذریعہ مبادلہ کی جاتی ہیں تو یوں جس اوسط سے اجناس من حیث العموم اپنے نرخ حاصل کرتی ہیں گویا جس اوسط سے ان کی قیمتیں قیمتی دھاتوں کی گری ہوئی قیمت سے جانچتی ہیں اسی اوسط سے اس دھات کی مقدار (جو اِن نئے نرخوں کو خارجی وجود میں لانے کے لیے ضروری ہوتی ہے) پہلے ہی مہیا ہو جاتی ہے۔ سونے اور چاندی کی دریافت کے بعد ان کی جو کافی رسد آئی اس کے نتیجوں کا یک طرفہ جائزہ لینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ سترھویں اور خاص طور پر اٹھارہویں صدی کے ماہرین معاشیات اس غلط رائے پر پہنچ گئے کہ اجناس کے نرخ سونے اور چاندی کی (جو وسائل گردش ہونے کا فرض انجام دیتے ہیں) بڑھی ہوئی مقدار کے آ جانے کی وجہ سے بڑھے ہیں۔ اب آئندہ سے ہم جب بھی کسی جنس کے نرخ کا اندازہ لگائیں گے تو سونے کی قیمت کو مقرر شدہ خیال کریں گے جیسی کہ وہ وقتی طور پر مقرر شدہ ہوتی بھی ہے۔

اب اگر اس مفروضہ پر بات کو آگے بڑھایا جائے تو گردش کے وسیلہ کی مقدار ان نرخوں سے متعین ہوتی ہے جن کا خارجی وجود میں لانا ضروری ہو جاتا ہے اس کے ساتھ اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ ہر جنس کا نرخ مقرر ہوتا ہے تو پھر نرخوں کی مجموعی مقدار واضح طور پر ان اجناس کے مجموعہ پر منحصر ہوتی ہے جو گردش میں ہوتی ہیں۔ یہ بات سمجھنے کے لیے ذہن پر بہت زیادہ بوجھ دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ اگر 6 بشل گیہوں کے دام 2 پونڈ ہوں تو چھ سو بشل گیہوں کے سو پونڈ ہوں گے اور بارہ سو بشل کے 4 سو پونڈ ہوں گے۔ الخ اور یہ کہ نتیجتاً۔ زر۔ کی وہ مقدار جو گیہوں سے جگہ بدلتی ہے فروخت ہونے پر اس گیہوں کی مقدار کے ساتھ بڑھے گی۔

اگر اجناس کی مقدار یکساں رہے تو گردش میں رہنے والے۔ زر۔ کی مقدار ان اجناس کے نرخوں کے تغیر و تبدل کے ساتھ ساتھ بدلتی رہے گی۔ وہ کم ہو گی اور بڑھے گی

صرف اس لیے کہ نرخوں کا مجموعہ نرخ میں تبدیلی کی وجہ سے کم ہوتا یا بڑھتا ہے۔ یہ اثر پیدا کرنے کے لیے اس بات کی قطعی ضرورت نہیں کہ تمام اجناس کے نرخ ایک ساتھ بڑھیں یا ایک ساتھ گھٹیں۔ چند نمایاں اشیاء کے نرخوں میں کمی بیشی ایک خاص صورت حال میں تو تمام اجناس کے نرخوں کو بڑھانے اور دوسری صورت حال میں عام اجناس کے نرخوں کو گھٹانے کا سبب بن جائے گی اور یوں گردش میں۔زر۔ کی زیادہ مقدار ہو جائے گی یا کم مقدار ہو جائے گی۔ اب چاہے نرخ میں جو تبدیلی رونما ہو وہ اسی قدر ہو جتنی اجناس کی قیمت میں واقعی تبدیلی رونما ہوئی ہے یا یہ تبدیلی بازاری نرخوں کے اُتار چڑھاؤ کا نتیجہ ہو مگر گردش کے وسیلہ پر جو اثر مرتب ہوگا وہ دونوں حالتوں میں ایک جیسا ہوگا۔ فرض کیجئے حسب ذیل اشیاء مختلف علاقوں میں فروخت کی جائیں یا جزوی طور پر ان کا قلب ماہیت ہو تو کیا صورت پیش آئے گی۔ وہ اشیاء یہ ہیں: 6 بشل گیہوں۔ 20 گز کپڑا۔ ایک بائیبل۔ اور برانڈی کے چار گیلن۔ اگر ہر چیز کی قیمت 2 پونڈ ہو اور یوں نتیجہ میں جو قیمت حاصل ہو وہ 8 پونڈ ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ 8 پونڈ گردش میں آنے ضروری ہیں لیکن اس کے برعکس یہی اشیاء قلب ماہیت کے حسب ذیل سلسلہ کی کڑیاں ہیں۔ 6 بشل گیہوں 2 پونڈ۔ 20 گز کپڑا۔ 2 پونڈ۔ ایک بائیبل۔ 2 پونڈ۔ برانڈی کے چار گیلن 2 پونڈ۔ اس سلسلہ سے ہم پہلے ہی واقف ہو چکے ہیں۔ صورت یہ ہو تو 2 پونڈ مختلف اجناس کو ایک دوسرے کے بعد گردش میں لاتے ہیں اور ایک کے بعد دوسری چیز کے نرخ کو وجودی شکل میں لاکر گویا ان کے مجموعہ یعنی 8 پونڈ کو وجود میں لاکر مآل کار برانڈی بنانے والے کی جیب میں پہنچ جاتے ہیں۔ اس طرح دو پونڈ۔ چار مرتبہ حرکت کرتے ہیں۔ یوں۔زر کے ایک ہی ٹکڑوں کا بار بار اپنی جگہ بدلنا اجناس کے دوہرے قلب ماہیت سے مشابہ ہوتا ہے۔ وہ مشابہ ہوتا ہے گردش کے دو درجوں سے گذر کر اجناس کی متخالف سمتوں میں حرکت سے اور مختلف اجناس کی قلب ماہیت کے متواتر اور مسلسل آنے سے۔ یہ متضاد اور ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے درجے جن پر قلب ماہیت کا عمل مشتمل ہوتا ہے ایک ساتھ

نہیں آتے بلکہ درجہ بدرجہ آتے ہیں اوراس لیے پورے سلسلہ کی تکمیل میں کچھ وقت صرف ہوتا ہے اور جب صورت یہ ہے تو دوران زر[1] کی رفتار عمل ان حرکتوں کی تعداد سے متعین ہوتی ہے جو۔ زر کا کوئی خاص ٹکڑا وقت کی کسی متعین مدت میں کرتا[2] ہے فرض کیجئے کہ اشیاء کی گردش میں ایک دن صرف ہوتا ہوتو دن بھر میں نرخوں کا جو مجموعہ وجود میں آئے گا وہ 8 پونڈ ہوگا اور۔ زر کے دو ٹکڑے جتنی مرتبہ حرکت کریں گے ان کی تعداد 4 ہوگی اور۔ زر کی وہ مقدار جو گردش میں ہوگی 2 پونڈ ہوں گے۔ نتیجہ یہ کہ گردش کے عمل کے دوران کی مدت میں سے کسی خاص وقفہ میں حسب ذیل مساوات ہوگی۔ زر کی وہ مقدار جو گردش کا وسیلہ ہونے کا فرض انجام دے رہی ہو اجناس کے نرخوں کے اس مجموعہ کے برابر ہوتی ہے جسے اس نوع کے سکوں نے جو حرکتیں[3] کی ہوں ان کی تعداد سے منقسم کیا گیا ہو۔ یہ قانون عام طور پر اپنا اطلاق رکھتا ہے۔

کسی ایک ملک میں کسی خاص وقت میں اجناس کی پوری کی پوری گردش دو عناصر سے مل کر بنتی ہے پہلے وہ متعدد جدا جدا اور ہم وقتی جزوی قلب ماہیت یعنی فروختیں جو ساتھ ہی خریدیں بھی ہوں جن میں ہر سکہ صرف ایک بار جگہ بدلتا یا صرف ایک ہی حرکت کرتا ہو۔ دوسرے قلب ماہیت کے وہ متعدد ممتاز سلسلے جو جزوی طور پر شانہ بشانہ چلتے ہوں اور جزوی طور پر ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہوں۔ ان سلسلوں میں سے ہر ایک سلسلہ میں ہر سکہ متعدد حرکتیں کرتا ہے جن کی تعداد حالات کے مطابق زیادہ یا کم ہوتی رہتی ہے۔ گردش کرنے والے ایک ہی قسم کے سارے سکے جتنی بھی حرکتیں کرتے ہیں اگر وہ متعین اور جانی بوجھی ہوں تو ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ مذکورہ قسم کے کسی بھی

---

[1] دوران کرنسی کا ترجمہ ہے جس کی تشریح پہلے آ چکی ہے۔ مترجم)

[2] یعنی یہ کہ زر کا کوئی ٹکڑا کتنی مدت میں کتنے ہاتھوں سے گذرتا ہے۔ مترجم)

[3] حرکتیں یعنی سکہ کا ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھوں میں منتقل ہوتے رہنا۔ مترجم)

ایک سکہ نے معمولاً کتنی حرکتیں کی ہوں گی یا یوں کہہ لیجئے کہ ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ دوران۔ زر کی اوسط رفتار کیا ہے۔ ہر دن کے شروع ہونے پر۔ زر کی جس قدر مقدار گردش میں ڈالی جاتی ہے وہ ظاہر ہے ان تمام اجناس کے نرخوں سے متعین ہوتی ہے جو ایک ساتھ شانہ بشانہ گردش کر رہی ہوں لیکن جب سکے ایک بار گردش میں آ جاتے ہیں تو آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے جواب دہ ہو جاتے ہیں اگر ایک سکہ کی رفتار بڑھتی ہے تو یا تو دوسرا اپنی رفتار کم کر دیتا ہے یا بالکل ہی گردش سے غائب ہو جاتا ہے اس لیے کہ گردش سونے کی اسی قدر مقدار جذب کر سکتی ہے جو کسی ایک سکہ یا جزو نے جو حرکتیں کی ہیں ان کا اوسط نکال کر جو عدد آئے اس کی ضرب سے حاصل ہو مگر اس شرط کے ساتھ کہ اس طرح حاصل شدہ مقدار ان نرخوں کے مجموعہ کے برابر ہو جو عملی اور خارجی وجود حاصل کر گئے ہوں۔ نتیجہ اس کا یہ کہ۔ زر کے مختلف ٹکڑوں نے جو جدا جدا حرکتیں کی ہیں اگر ان کی تعداد بڑھ جائے تو ان ٹکڑوں کی تعداد جو گردش میں ہوں کم ہو جائے گی۔ اور اگر حرکتوں کی تعداد کم ہو جائے تو ان ٹکڑوں کی کل تعداد بڑھ جائے گی۔ اب چونکہ دوران۔ زر۔ کی رفتار کے ایک مقررہ اوسط کے لیے۔ زر۔ کی وہ مقدار جسے گردش جذب کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے مقرر ہوتی ہے اس لیے سکوں کی کسی خاص مقدار کو گردش سے نکالنے کے لیے جو کچھ کرنا ضروری ہوتا ہے وہ صرف یہ ہے کہ اس مقررہ مقدار کے برابر ایک پونڈ کے نوٹ گردش میں ڈال دیے جاتے ہیں۔ اس چال سے بینکوں کے نگران پوری طرح واقف ہوتے ہیں۔

جس طرح دوران۔ زر۔ اگر اس پر مجموعی حیثیت سے غور کیا جائے سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اجناس کی گردش کا انعکاس ہوتا ہے یا وہ متضاد قلب ماہیت ہوتے ہیں جن سے اجناس گذرتی ہیں ٹھیک اسی طرح اس دوران۔ زر۔ کی رفتار اس سرعت کا انعکاس ہوا کرتا ہے جس سرعت کا اظہار اجناس کی شکل کے بدلنے۔ یعنی ایک قلب ماہیت کے بعد دوسرے قلب ماہیت کے بالتسلسل آنے۔ اشیاء کے تیزی سے

سماجی مبادلہ گردش کے دائرہ سے اجناس کے سرعت کے ساتھ غائب ہو جانے اور اسی سرعت کے ساتھ نئی اجناس کے ان کی جگہ آنے میں ہوتا ہے۔ یوں دوران زر میں متضاد اور ایک دوسرے کی تکمیل کرنے والے درجوں کی وحدت پائی جاتی ہے۔ ان میں اجناس کے مفید پہلوؤں کے ان کے استعمالی پہلوؤں میں منتقل ہونے کی وحدت پائی جاتی ہے۔اور بار دگر آخرالذکر یعنی استعمالی پہلوؤں کی اوّل الذکر یعنی مفید پہلوؤں میں انتقال ثانی کی وحدت پائی جاتی ہے یا یوں کہئے کہ فروخت اور خرید کے اعمال کی وحدت پائی جاتی ہے۔اس کے برعکس دوران زر کا رک جانا ان دو عملوں کے جدا جدا متضاد درجوں میں نبٹ جانے کا انعکاس کرتا ہے۔ وہ منعکس کرتا ہے شکل کی تبدیلی میں جمود کے آ جانے اور اشیاء کے سماجی تبادلہ کے منجمد ہو جانے کو۔ خود گردش اس جمود کی ابتداء اور اصل کو نہیں بتاتی۔ وہ صرف اس صورتِ حال کو نمایاں کر کے پیش کر دیتی ہے۔ عام لوگ جو دوران زر کے جمود کے ساتھ ہی یہ بات بھی دیکھتے ہیں کہ۔ زر گردش کے کناروں پر کم وقفوں کے ساتھ نمایاں ہوتا اور غائب ہوتا ہے فطری طور پر اس جمود کو وسیلہ گردش میں کمی نقصان واقع ہو جانے کی طرف منسوب کرتے ہیں[1]

---

[1] زر۔خرید و فروخت کا مشترکہ پیمانہ ہے۔ ہر وہ شخص جو کسی چیز کو بیچنا چاہتا ہے اور اسے کوئی پھیری والا مال بیچنے کے لیے نہیں ملتا یہ خیال کرنے لگتا ہے کہ ملک یا سلطنت میں زر کی کمی اس کے مال کے فروخت نہ ہونے کا سبب بنی ہے اور اس لیے۔ زر کی کمی سب کے لیے پیٹتے ہیں لیکن یہ بہت بڑی غلطی ہے۔سوال یہ ہے کہ یہ لوگ جو۔زر کی کمی کا شور مچاتے ہیں آخر چاہتے کیا ہیں؟ کاشتکار شکایت کرتا ہے...... وہ خیال کرتا ہے کہ اگر ملک میں زیادہ۔زر ہوتا تو اسے اس کے مال کا معقول نرخ ملتا پھر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت۔ زر نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے اناج اور مویشی کے لیے اچھا نرخ چاہتا ہے جسے وہ بیچ سکے مگر بیچ نہیں سکتا۔سوال یہ ہے کہ وہ اپنے مال کا نرخ کیوں حاصل نہیں کرتا...... وجوہ یہ ہو سکتی ہیں (ا) یا تو ملک میں اناج اور مویشی کی مقدار بہت زیادہ ہے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کسی ایک خاص مدت میں۔ زر کی جو کل مقدار وسیلہ گردش کی حیثیت سے کام کرتی ہے وہ ایک طرف تو گردش کرنے والی اجناس کے نرخوں کے مجموعہ سے متعین ہوتی ہے اور دوسری طرف متعدد قلب ماہیت کے متضاد درجوں کے مسلسل آنے کے عمل میں جو سرعت ہوتی ہے اس سے متعین ہوتی ہے اسی سرعت پر اس بات کا انحصار ہے کہ ہر ایک سکہ کے ذریعہ معمولاً نرخوں کا کون سا مجموعہ وجود میں آ سکتا ہے لیکن گردش کرنے والی اجناس کے نرخوں کا مجموعہ اجناس کی مقدار اور نرخوں پر منحصر ہوتا ہے۔ مگر یہ تینوں عناصر

(بقیہ حاشیہ) جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بازار میں زیادہ لوگ فروخت کے لیے آتے ہیں جس طرح وہ فروخت کے مقصد سے آیا ہے اور کم لوگ خرید کے مقصد سے آتے ہیں (۲) یا ان کی مطلوبہ شے غیر ممالک کو برآمد کر دی گئی اور یا (۳) قوتِ صرف کم ہوگئی جیسی اس وقت حالت ہوتی ہے جب لوگ غربت کی وجہ سے پہلے کے مقابل کم مصارف اپنے گھروں میں کرتے ہیں۔ ان حالات میں زر کی زیادتی کاشتکار کے مال کی بکری بڑھانے کا سبب نہ بنے گی بلکہ مذکورہ تینوں اسباب میں سے کسی ایک سبب کا ختم ہو جانا ہی بازار کو گرانے کا باعث بنے گا۔ اسی انداز پر تاجر اور دوکاندار بھی۔ زر کے لیے شور مچاتا ہے یعنی وہ اپنے مال کی بکری چاہتے ہیں اس لیے کہ منڈی ان کی امیدوں کو پورا نہیں کرتی (ایک قوم) اس وقت سے زیادہ کبھی خوشحال نہیں ہوتی جب دولت کا سامان ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہو رہا ہو (سر ڈولی) نارتھ" تجارت سے متعلق ملاحظات۔ لندن 1691ء صفحات 11-15 الخ)
ہیرنش وانڈ کے ہوائی تصورات جس نقطہ تک پہنچتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ تضاد جو اجناس کی اپنی ماہیت سے پیدا ہوتا ہے اور ان اجناس کی گردش میں نمایاں ہوتا ہے۔ وسیلہ گردش کے بڑھا دینے سے دور ہو سکتا ہے اگر ایک طرف تو یہ عام اور مروج غلط فہمی ہے کہ پیداوار اور گردش کے جمود کو وسیلہ گردش کے ناکافی ہونے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے تو دوسری طرف اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ وسیلہ گردش کی واقعی کمی جو بطور مثال کرنسی کو منظم کرنے کے لیے احمقانہ قانون سازی کے ذریعہ جو مداخلت کی جاتی ہے اس سے پیدا ہو سکتی ہے۔ اس جمود کو پیدا کرنے کا سبب نہ بنے گی۔ مارکس)

یعنی نرخوں کی حالت۔ گردش کرنے والی اجناس کی مقدار اور دوران زر کی سرعت رفتار یہ سب تغیر پذیر ہوتے ہیں تو نتیجہ اس سے یہ نکلا کہ نرخوں کا جو مجموعہ وجود میں آتا ہے وہ ان تینوں عناصر کے امتزاج کی حالت میں جو تغیرات ان میں رونما ہوتے ہیں ان کے ساتھ متغیر ہوتا رہے گا اور نتیجہ میں گردش کرے والے وسیلہ کی مقدار بھی ان عناصر کے تغیر کے ساتھ متغیر ہوتی رہے گی۔ ان تغیرات میں سے ہم صرف ان تغیرات پر غور کریں گے جو نرخوں کی تاریخ میں سب سے زیادہ اہمیت کے حامل رہے ہیں۔

یہ ہوسکتا ہے کہ نرخ تو ایک انداز پر رہیں مگر گردش کرنے والا وسیلہ بڑھ جائے اس لیے کہ گردش کرنے والی اجناس کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہو یا دوران زر کی رفتار کم ہو رہی ہو یا یہ دونوں ہی عنصر ایک ساتھ وجود میں آ رہے ہوں۔ دوسری طرف گردش کرنے والے وسیلہ کی مقدار ہوسکتا ہے کہ اجناس کی تعداد میں کمی کے ساتھ کم ہو رہی ہو یا ایسی حالت میں کم ہو رہی ہو جب اجناس کی گردش میں سرعت موجود ہو۔

اجناس کے نرخوں میں عام اضافہ کے ساتھ گردش کرنے والے وسیلہ کی مقدار اپنی حالت پر باقی رہے گی بشرطیکہ گردش میں اجناس کی جو تعداد ہو وہ اسی اوسط سے گر رہی ہو جس اوسط سے ان کے نرخ بڑھ رہے ہوں یا یہ صورت ہو کہ دوران کی رفتار اس اوسط سے بڑھے جس اوسط سے نرخوں میں اضافہ ہو مگر گردش میں جو اجناس ہوں ان کی تعداد یکساں رہے۔ گردش کرنے والے وسیلہ کی مقدار کم بھی ہوسکتی ہے اس لئے کہ اجناس کی تعداد تیزی کے ساتھ کم ہو رہی ہو یا اس لیے کہ دوران کی رفتار نرخوں میں اضافہ کے مقابلہ میں زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھ رہی ہو۔

اجناس کے نرخ میں عام انحطاط کی حالت میں گردش کرنے والے وسیلہ کی مقدار اپنی حالت پر رہے گی بشرطیکہ اجناس کی تعداد ان نرخوں کے گرنے کا جو اوسط ہو اسی اوسط سے بڑھ رہی ہو یا یہ صورت ہو کہ دوران کی رفتار اسی اوسط سے کم ہو رہی ہو۔ گردش کرنے والے وسیلہ کی مقدار میں اضافہ ہوگا بشرطیکہ اجناس کی تعداد یا گردش کی

سرعت نرخوں کے گرنے کی نسبت سے زیادہ تیزی کے ساتھ بڑھے۔

مختلف عناصر کے تغیرات باہم ایک دوسرے کا اثر توڑ دیتے ہیں اور یوں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عناصر کے مسلسل عدم استحکام کے باوجود نرخوں کا جو مجموعہ وجود پذیر ہوتا ہے اور گردش میں جو زر ہوتا ہے وہ یکساں حالت میں رہتا ہے۔ اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ اگر آپ طویل مدتوں کا جائزہ لیں تو یہ دیکھیں گے کہ کسی ملک میں۔ زر کی جو مقدار حالت دوران میں ہوتی ہے اس کے اوسط کی سطح سے انحرافات اس سے کہیں کم ہوتے ہیں جس کی ہم پہلی نظر میں توقع رکھتے ہیں۔ ہاں اس میں آپ ان زبردست گڑبڑوں کو شامل نہ کریں جو متعین اوقات میں صنعتی اور تجارتی بحرانوں کے نتیجہ میں آیا کرتی ہیں۔ نہ ان تبدیلیوں کو شامل کریں جو زر کی قیمت میں رونما ہوتی ہیں اور جو کم ہی رونما ہوا کرتی ہیں۔

یہ قانون کہ گردش کرنے والے وسیلہ کی مقدار گردش کرنے والی اجناس کے نرخوں کے مجموعہ اور دوران زر کی رفتار کے اوسط سے متعین ہوتی ہے[1] یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ اگر اجناس کی قیمتوں کا مجموعہ اور ان کے قلب ماہیت کی سرعت دی ہوئی ہو تو

---

[1] کسی قوم کی تجارت کو چلانے کے لیے زر کا کم وبیش ایک خاص پیمانہ اور اوسط ہونا ضروری ہے ورنہ اس قوم کی تجارت کو نقصان پہنچ جائے گا۔ جس طرح خوردہ فروشی کی تجارت کے لیے پائیوں کا ایک خاص اوسط میں ہونا ضروری ہے تاکہ وہ چاندی کے سکہ کی چینج بن سکیں اور شمار کے ان کم سے کم عددوں کو برابر کردیں جو چاندی کے چھوٹے سے چھوٹے سکوں کی زد سے نیچے رہ جاتے ہیں........(اب یہ ظاہر ہے کہ جس طرح تجارت کے لیے جتنی پائیوں کی ضرورت ہے وہ قوم کے افراد کی تعداد اور ان میں جو مبادلہ ہوتا رہتا ہے اس کی شدت یا کمی کی نسبت سے ہوتی ہیں اور جس طرح وہ (اور خاص طور پر) زر کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کی قیمت کی نسبت سے ہوتی ہیں بالکل ٹھیک اسی طرح اس۔ زر (سونے اور چاندی کی نوع والا) کا اوسط بھی جو ہماری تجارت کے لیے ضروری ہے مبادلہ کے تواتر کی شدت یا کمی اور ادائیگی کی بڑائی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قیمتی دھاتوں کی وہ مقدار جو۔زر۔کی حیثیت سے جاری ہو اس قیمتی دھات کی قیمت پر منحصر ہوگی۔اس کے برعکس ایک غلط خیال یہ ہے کہ دراصل وہ نرخ ہوتے ہیں جو گردش کرنے والے وسیلہ سے متعین ہوتے ہیں اور یہ کہ گردش کرنے والا وسیلہ کسی ملک میں

(بقیہ حاشیہ) سے متعین ہوتا ہے (ولیم پیٹی ٹیکسوں اور محصولات پر ایک مقالہ۔لندن 1662ء صفحہ 17 جے اسٹوارٹ وغیرہ نے ہیوم کے نظریہ پر جو تنقید کی ہے۔اے۔ینگ۔نے اپنی کتاب سیاسی ریاضی لندن 1774ء میں ان کے جوابات دیئے ہیں۔اس کتاب میں ایک خاص باب ہے۔''نرخ۔زر کی مقدار پر منحصر ہوتے ہیں'' ملاحظہ ہو صفحہ 112 الخ میں نے ''تنقید وغیرہ'' صفحہ 232 پر لکھا تھا'' وہ (آدم اسمتھ) گردش میں جو سکے ہوتے ہیں ان سے متعلق سوال کا کچھ ذکر کیے بغیر گذر گئے ہیں۔آدم اسمتھ نے زر کو بالکل غلط طور پر محض ایک جنس خیال کرلیا ہے''۔میرا یہ تبصرہ صرف اس حالت میں آدم اسمتھ پر اطلاق رکھتا ہے جب کہ وہ سرکاری عہدیدار کی حیثیت میں زر پر بحث کرتے ہیں۔البتہ کبھی کبھی وہ صحت سے رائے ظاہر کرتے ہیں جیسی انہوں نے پرانے معاشی نظاموں کی تنقید کے ضمن میں رائے ظاہر کی ہے ہر ملک میں سکہ کی مقدار ان اجناس کی قیمت سے متعین ہوتی ہے جو سکہ کے ذریعہ دوران میں آتی ہیں۔'' کسی بھی ایک ملک میں پورے ایک سال کے اندر جو سامان خریدا یا بیچا جاتا ہے اس کی خرید اور فروخت کیلیے اس بات کی ضرورت ہے کہ۔زر کی ایک خاص قسم کی مقدار موجود ہو۔اس سامان کو دوران میں لاتی ہو اور انہیں مناسب صارفین میں بانٹنے کا ذریعہ بنتی ہو۔اس سے زیادہ۔زر اس مقصد میں استعمال میں نہیں آتا۔گردش کا بہاؤ لازمی طور پر۔زر کی اتنی مقدار کو جذب کرلیتا ہے جو اس کے پھیلاؤ کے برابر ہو سکے۔لیکن وہ اس سے زیادہ جذب کرنے پر کبھی تیار نہیں ہوتا۔(دولت اقوام) کتاب پنجم۔باب اول) اس طرح اپنے سرکاری عہدہ کی حیثیت میں اس نے اپنی کتاب کا جو آغاز کیا ہے تو محنت کی تقسیم کو ایک مقدس بت کے طور پر پیش کیا ہے۔اس کے بعد کتاب (دولت اقوام) کے آخر میں جہاں پبلک ریونیو پر بحث کی گئی ہے۔آدم اسمتھ نے کبھی کبھی ان نکتہ چینیوں کا بھی ذکر کردیا ہے جو اس کے استاد اے فرگوسن نے تقسیم محنت پر کی تھی)۔

قیمتی دھاتوں کی جو مقدار ہوتی ہے اس سے متعین ہوتا ہے[1] جن حضرات نے سب سے پہلے یہ رائے قائم کی تھی انہوں نے اسے مضحکہ خیز مفروضہ پر مبنی خیال کیا تھا کہ اجناس بے نرخوں کے ہوتی ہیں اور زر بے قیمت کے ہوتا ہے جب وہ دونوں پہلی بار گردش کے دائرہ میں داخل ہوتے ہیں اور یہ کہ جب وہ گردش کے دائرہ میں داخل ہو جاتے ہیں تو نوع بنوع اجناس کے عاد ٹکڑے کا قیمتی اجناس کے ڈھیر کے عاد ٹکڑے سے مبادلہ ہوتا ہے[2]

---

[1] جب کسی ملک میں سونا اور چاندی بڑھ جاتے ہیں تو اشیاء کے نرخ بھی لازماً بڑھ جائیں گے اور نتیجہ میں جب کسی ملک میں سونے اور چاندی کی مقدار میں کم ہوں گی تو اشیاء کے نرخ بھی اسی اوسط سے گر جائیں گے (جیکب ونڈرلنٹ زر ہی ہر چیز کا جواب ہوتا ہے۔ لندن 1734 صفحہ 5) اس کتاب کا ہیوم کے مضامین میں سے محتاط توازن کرنے کے بعد مجھے پوری طرح یقین ہو گیا کہ ہیوم نے وںڈرلنٹ کی کتاب کا مطالعہ کیا اور اس سے استفادہ کیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ یہ کتاب ایک بڑی اہم کتاب ہے۔ یہ رائے کہ نرخ گردش کرنے والے وسیلہ کی مقدار سے متعین ہوتے ہیں۔ باربن اور دوسرے قدیم اہلِ قلم نے بھی ظاہر کی ہے۔ ونڈرلنٹ کہتا ہے کہ "پابندیوں سے آزاد تجارت سے کوئی زحمت پیش نہ آئے گی بلکہ بہت سے فائدے ہی حاصل ہوں گے کہ اگر اس کی وجہ سے ملک کی نقدی دولت کم ہو جائے گی جسے پابندیوں کے ذریعہ روکا جاتا ہے تو وہ قومیں جو نقدی حاصل کریں گی لازماً ہر چیز کو پیشگی نرخ میں حاصل کرلیں گی جونہی نقدی رقوم کا ان میں اضافہ ہوگا۔ ہماری مصنوعات اور دوسری تمام اشیاء جلد ہی اتنے اعتدال پر آ جائیں گی کہ تجارت کا رخ ہمارے حق میں کر دیں گی اور یوں پھر نقدی رقوم واپس حاصل ہو جائیں گی۔)۔

[2] یہ ایک بالکل واضح قضیہ ہے کہ ہر ایک قسم کی جنس کا نرخ ان تمام اجناس کے نرخوں کے مجموعہ کا ایک ٹکڑا ہوتا ہے جو گردش میں ہتی ہیں لیکن یہ امر کہ استعمالی قیمتوں کا جن میں سے ہر ایک دوسرے سے متناسب مقدار نہ رکھتی ہو کیونکر مجموعی طور پر ملک کے سونے اور چاندی سے مبادلہ ہو سکتا ہے بالکل ناقابل فہم بات ہے۔ اگر ہم اس خیال کو اساس بنا کر آگے چلیں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ) کہ ساری اجناس مجموعی طور پر ایک جنس ہوتی ہیں جن میں سے ہر ایک جنس اس مجموعہ کا صرف عاد حصہ ہوتا ہے تو یہ دلچسپ نتیجہ برآمد ہوگا کہ مجموعی جنس برابر ہے سونے کی لامقدار کے۔ الف جنس برابر ہے مجموعی جنس کے عاد حصہ کے جو کہ برابر ہے لامقدار سونے کے اسی قدر عاد حصہ کے مانٹیگو نے اس قضیہ کو بڑے سنجیدہ انداز میں بیان کیا ہے جہاں تک اس نظریہ کے مزید ارتقائی پہلوؤں کا تعلق ہے جو رکارڈو اور اس کے مقلدین جیمس مل اور لارڈ اسٹون وغیرہ نے کیا ہے۔ سو اس سلسلہ میں ''فلسفہ معاشیات کی تنقید'' صفحات 1235 الخ ملاحظہ ہو جان اسٹوارٹ مل جو مختلف نقاط نظر کو ایک جگہ سمونے کی منطق پر چلتے ہیں اس عجیب گر سے واقف ہیں کہ کس طرح وہ اپنے والد جیمس مل کے خیالات سے اتفاق کرنے کے ساتھ ہی اس سے بالکل مختلف نقطہ نظر کے بھی حامی رہیں۔ ان کے موجز (وہ کتاب جو خلاصہ کی حیثیت رکھتی ہو۔ یہ ترجمہ ہے لفظ کمپنڈیم Compendium کا۔ اور میرے خیال میں اتنا موزوں ترجمہ ہے کہ اس لفظ کو اس ترجمہ کے لیے مخصوص کر دیا جائے تو بڑا اچھا ہو۔ مترجم) اصول فلسفہ معاشیات کے متن کا کتاب کے پہلے ایڈیشن کے پیش لفظ سے جس میں انہوں نے کہا ہے کہ میں اپنے وقت کا آدم اسمتھ ہوں موازنہ کیا جائے تو یہ جاننا مشکل ہو جائے۔ آیا اس شخص کی سادگی کی داد دی جائے یا پبلک کی سادگی پر حیرت کی جائے جس نے مل کو واقعی وہ آدم اسمتھ خیال کر لیا جس کے ہونے کا مل نے دعویٰ کیا تھا۔ جبکہ مل اور آدم اسمتھ میں اتنی مشابہت ہے جتنی جنرل ولیم آف کارس اور ڈیوک آف ولنگٹن میں مشابہت ہو سکتی ہے۔ مسٹر جے ایس مل کی اختراعی تحقیقات جو فلسفہ معاشیات کے دائرہ میں نہ تو جامع و مانع ہی قرار دی جا سکتی ہیں اور نہ عمیق ہی ان کی حقیری کتاب ''فلسفہ معاشیات کے چند ناطے شدہ مسئلے'' میں جو 1844ء میں شائع ہوئی تھی پوری تفصیل کے ساتھ بیان کی گئی ہیں۔ لاک نے چاندی اور سونے میں قیمت کے فقدان اور صرف مقدار سے ان کی قیمت کے متعین ہونے کے درمیان جو رشتہ پایا جاتا ہے اس کو بالکل صاف طور پر بیان کیا ہے۔ لاک نے کہا ہے کہ ''چونکہ بنی نوع انسان نے سونے اور چاندی کی خیالی قیمت طے کر لینے پر اتفاق کر لیا ہے اس لیے وہ جوہری قیمت ہی ان دھاتوں میں فرض کی جائے مقدار کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتی (چند ملاحظات' وغیرہ 1661 ورکس ایڈیشن 1717 جلد دوم صفحہ 15)۔

ج۔ سکے اور قیمت کی علامتیں

زر کا سکہ کی شکل اختیار کرنا جس بات سے پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ زر کا فرض یہ ہے کہ وہ گردش کرنے والے وسیلہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ سونے کا وہ وزن جس کی تخیل میں نمائندگی نرخ یا اجناس کے اسماء زر کرتے ہیں جب گردش کے دائرہ میں ہونے والی اجناس کے مقابل آتے ہیں تو پھر لازماً سکوں یا کسی مقررہ نام والے سونے کے ٹکڑوں کی ہیئت میں ان کے مقابل آتے ہیں۔ نرخوں کا ایک معیار مقرر کرنے کی طرح سکہ سازی کا کام بھی ریاست کرتی ہے۔ سونا اور چاندی سکہ کی ہیئت میں مختلف قومی لباس زیب تن کر لیتے ہیں اور پھر بین الاقوامی منڈی میں اس لباس کو اتار دیتے ہیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اجناس کی گردش کے اندرونی یا قومی دائرے ان کے دنیا گیر دائروں سے الگ الگ ہوتے ہیں۔ تو یوں سکہ اور بلین (مسکوک ہونے سے قبل سونے کی سلاخیں مترجم) کے درمیان جو فرق ہے وہ صرف ہیئت کا فرق ہے اور سونا کسی بھی وقت ایک شکل سے دوسری شکل میں منتقل ہو سکتا ہے[1] لیکن سکوں کو ٹکسال سے نکلے دیر نہیں ہوتی کہ وہ جلد ہی پگھلانے کی

---

[1] یہ تو ظاہر ہے کہ میرا مقصد بحث یہ نہیں ہے کہ میں اس قسم کی تفصیلات کو بیان کروں کہ ٹکسال کو جانے والے سونے میں حق شاہی کتنا ہوتا ہے تاہم رومانیت پسند چاپلوس آدم ملر کے فائدہ کے لیے جو اس "فیاضانہ بخشش" کے بہت مداح ہیں جو انگریزی حکومت مفت سکہ کو مسکوک کر کے کرتی ہے۔ سر ڈڈلے نارتھ کی حسب ذیل رائے پیش کرنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ سر نارتھ کہتے ہیں: "چاندی اور سونا دوسری اجناس کی طرح مدوجزر سے گذرتے ہیں اسپین سے کافی مقدار میں مال آ جانے پر اسے ٹاور (برطانی ٹکسال مترجم) میں لے جایا جاتا ہے اور مسکوک کر دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد زیادہ مدت نہیں گذرتی کہ بلین کی برآمد کی پھر مانگ پیدا ہو جاتی ہے لیکن اگر رسد موجود نہ ہو اور سارا ہی سونا مسکوک ہو تو پھر کیا ہوتا ہے؟ پرانے سکوں کو پگھلا دیا جاتا ہے اور اس میں کوئی نقصان نہیں ہوتا اس لیے لیے کہ سونے والوں کو سونے کے مسکوک کرنے میں کچھ خسارہ نہیں اٹھانا پڑتا لیکن اس طرح قوم کے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

منزل کی طرف دوڑنے لگتے ہیں۔ اس لیے کہ اپنے دوران کے زمانہ میں سے گھستے رہتے ہیں کچھ زیادہ اور کچھ کم۔ نام اور ان کا مواد۔ ان کا اسمی وزن (یعنی وہ وزن جو سکہ میں بہ حیثیت سکہ کے ہونا ضروری ہے مترجم) اور حقیقی وزن جدا ہونا اور مختلف ہونا شروع ہو جاتا ہے ایک ہی درجہ کے سکے قیمت میں مختلف ہو جاتے ہیں اس لیے کہ ان کے اوزان مختلف ہوتے ہیں۔ سونے کا وہ وزن جو نرخوں کے معیار کے طور پر مقرر کیا جاتا ہے اس وزن سے بدل جاتا ہے جو گردش کرنے والے وسیلہ کی حیثیت سے کام کرتا ہے اور یہ گردش کرنے والا وسیلہ اس صورت حال کے نتیجہ میں ان اجناس کے مساوی نہیں رہتا جن کے نرخوں کو وہ وجودی شکل دیتا ہے۔ قرون وسطیٰ اور اٹھارہویں صدی عیسوی تک سکوں کی جو تاریخ رہی ہے اس میں مذکورہ صورت حال کی وجہ سے جو انتشار پیدا ہوتا رہا اس کے تفصیلی حالات درج ہیں۔ گردش کے اس فطری رجحان کو کہ وہ سکوں کو اس چیز کی جو وہ اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں محض ایک علامت بنا دیتی ہے یعنی وہ دھات کے اس وزن کی جو سرکاری طور پر سکوں میں ہوتا ہے محض ایک علامت بنا دیتی ہے نئی قانون سازی میں تسلیم کر لیا گیا ہے جس کی رو سے وہ وزن مقرر کر دیا گیا ہے جس سے کم وزن ہو جانے پر سکے سکے باقی نہیں رہتے یا ان کی زر قانونی کی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔

اب یہ حقیقت کہ خود سکوں کا اپنا دوران ہی ان کے اسمی اور حقیقی وزن کے درمیان فرق پیدا کر دیتا ہے اور ان میں محض دھات کے ٹکڑوں اور صرف سکوں کی حیثیت سے جو ایک خاص فرض انجام دیتے ہیں امتیاز پیدا کر دیتا ہے۔ اس بالقوہ امکان کو بتاتی ہے کہ دھات کے سکوں کی جگہ دوسرے مواد کے سکے لے سکیں۔ سونے یا چاندی کے بہت زیادہ

(بقیہ حاشیہ) ساتھ بڑی زیادتی ہوتی ہے کہ اسے گدھوں کے کھانے کے واسطے گھاس کاٹنے کا خرچ اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر سکہ سازی کا خرچ تاجر پر ڈال دیا جائے تو وہ ٹکسال میں چاندی بھیجنے سے پہلے کافی سوچے گا اور مسکوک۔ زر کی قیمت ہمیشہ غیر مسکوک چاندی سے زیادہ رہے گی۔ نارتھ چارلس دوئم کے عہد میں خود بھی بہت بڑا تاجر تھا''۔)

چھوٹے ٹکڑوں کے مسکوک کرنے میں عملی دشواریوں کی موجودگی نیز یہ صورت حال کہ پہلے کم قیمتی دھاتیں قیمت کا پیمانہ بنتی ہیں زیادہ قیمتی دھاتیں نہیں۔ تانبا چاندی کی جگہ اور چاندی سونے کی جگہ استعمال ہوتی ہے اور کم قیمتی دھاتیں زر کی حیثیت سے گردش کرتی ہیں تا آنکہ ان کی جگہ پر زیادہ قیمتی دھاتیں آ جائیں ایسی حقیقتیں ہیں جو اس تاریخی کردار کو بتاتی ہیں جو چاندی اور تانبے کے علامتی ٹکڑوں نے سونے کے بدل کی حیثیت سے انجام ہے۔ چاندی اور تانبے کے علامتی ٹکڑے گردش کے دائرے کے اس حصہ میں سونے کی جگہ چلتے ہیں جس میں سکے زیادہ تیزی کے ساتھ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہوا کرتے ہیں جس کی وجہ سے گھسنے کا عمل زیادہ شدت کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ صورتحال اس جگہ رونما ہوتی ہے جہاں چھوٹے پیمانہ کی فروختیں اور خریدیں مسلسل ہوتی رہتی ہیں۔ لیکن اس امکان کو روکنے کے لیے کہ یہ طفیلی سکے دائمی طور پر سونے کی جگہ لے لیں واضح اور متعین قوانین بنا دیئے جاتے ہیں جن کی رو سے اس حد کو بتا دیا جاتا ہے جس میں سونے کے بجائے ان سکوں میں ادائیگی کرنا ضروری ہوتا ہے۔ وہ مخصوص راستے جن پر سکے کی مختلف انواع حالت دوران میں چلتی ہیں قدرتی طور پر ایک دوسرے میں آ کر مدغم ہو جاتے ہیں۔ علامتی ٹکڑے سونے کا ساتھ نہیں چھوڑتے۔ وہ سونے کے چھوٹے سے چھوٹے سکہ کی کسروں کی ادائیگی کا کام کرتے ہیں۔ ایک طرف تو سونا برابر خوردہ فروش گردش میں داخل ہوتا رہتا ہے اور دوسری طرف ساتھ ہی ان علامتی ٹکڑوں سے مبادلہ میں آ کر اس خوردہ فروش گردش سے ہٹتا بھی رہتا ہے[1]

---

[1] اگر چاندی کی مقدار چھوٹی ادائیگیوں کی ضرورت سے زیادہ نہ ہو تو پھر بڑی ادائیگیوں کے لیے اس کا کافی مقدار میں جمع کرنا ممکن نہیں رہتا۔ خاص خاص ادائیگیوں میں سونے کا جو استعمال کیا جاتا ہے وہ لازمی طور پر اس کے خوردہ تجارت میں استعمال پر بھی دلالت کرتا ہے جو لوگ سونے کے سکہ سے چھوٹی چھوٹی خریداریاں کرتے ہیں وہ خرید شدہ جنس کے ساتھ چاندی کے سکے بھی لیتے ہیں اس طرح چاندی کا وہ زائد حصہ جو ویسے خوردہ تاجر پر ایک بوجھ بن جاتا ہے کھینچ کر وسیع گردش کے دائرہ میں پھیل جاتا ہے لیکن اگر صورت یہ ہو کہ چاندی کی اسی قدر مقدار موجود ہو جس سے سونے سے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چاندی اور تانبے کے علامتی ٹکڑوں کا وزن قانون سے حسب منشاء مقرر کر دیا جاتا ہے۔ دوران کی حالت میں وہ سونے کے سکوں کے مقابل زیادہ تیزی کے ساتھ گھس جاتے ہیں۔ یوں وہ جو فرض انجام دیتے ہیں اس کا وزن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور نتیجہ میں کسی قسم کی قیمت سے بھی کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ سونا سکہ کی حیثیت میں جو فرض انجام دیتا ہے وہ سونے کی دھاتی قیمت سے مکمل طور پر آزاد ہو جاتا ہے اور جب صورت یہ پیدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ چیزیں جو نسبتاً بے قیمت کے ہوتی ہیں جیسے کاغذی نوٹ وہ سونے کی جگہ سکہ ہونے کا فرض انجام دینے لگتی ہیں۔ یہ خالص علامتی کردار علامتی ٹکڑوں میں بڑی حد تک چھپا رہتا ہے لیکن کاغذی نوٹوں میں بالکل نمایاں ہو کر سامنے آ جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کسی کام میں دشواری صرف پہلے قدم میں ہوتی ہے۔

یہاں ہمارا اشارہ صرف اس ناقابلِ انتقال۔ زر کاغذی کی طرف ہے جسے ریاست جاری کرتی ہے اور وہ جبری طور پر گردش میں آتا ہے۔ اس کی فوری ابتداء دھات کی کرنسی میں ہوا کرتی ہے لیکن وہ۔ زر جس کی بنیاد کریڈٹ پر ہو اس کے برعکس ایسے حالات کی موجودگی پر دلالت کرتا ہے جو ہماری بحث کے اس نقطہ پر جبکہ موضوع گفتگو اجناس کی سادہ گردش ہے ابھی تک ہمارے لیے نامعلوم حیثیت رکھتا ہے مگر اتنا کچھ کہہ دینا ضروری ہے کہ جونہی صحیح زر کاغذی وسیلہ گردش کی حیثیت سے۔ زر کا فریضہ انجام دینے کے لیے سامنے آتا ہے اسی وقت وہ زر جو کریڈٹ پر مبنی ہوتا ہے خود بخود ذریعہ ادائیگی کی حیثیت سے زر کا فریضہ انجام دینے کا مقام حاصل کر لیتا ہے[1]

(بقیہ حاشیہ) آزادانہ طور پر چھوٹی ادائیگیاں ہو سکیں تو پھر خوردہ تاجر چھوٹی خریداریوں کے بدلہ میں لازماً چاندی کے سکے ہی لے گا اور لازمی نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس کے پاس یہ سکے جمع ہو جائیں گے۔ (ڈیوڈ بکانن: برطانیہ عظمیٰ کی تجارتی اور محصولاتی پالیسی کا جائزہ۔ ایڈنبرا 1844ء صفحات 248-249)۔

[1] ایماندریں (چینی عمال کے نو طبقوں میں سے کسی طبقہ کا عامل) وان ماؤان جو چین کے وزیر مال تھے کے ذہن میں ایک دن یہ خیال آیا کہ وہ آسمانی فرزند (چینی بادشاہ) کے سامنے ایک (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ریاست کاغذ کے ٹکڑوں کو جن پر مختلف صلاحیتوں کے نشان چھپے ہوتے ہیں جیسے ایک پونڈ۔ پانچ پونڈ وغیرہ گردش کے لیے دے دیتی ہے کاغذ کے یہ ٹکڑے جس حد تک اس سونے کی جگہ لیتے ہیں جو ان کے اپنے درجہ کی برابر ہوتا ہے ان کی نقل وحرکت انہیں قوانین کے مطابق ہوتی ہے جو خود۔ زر کے دوران پر اطلاق رکھتے ہیں۔ زر۔ کاغذی سے اختصاص رکھنے والا قانون صرف اسی نسبت سے پیدا ہوسکتا ہے جس نسبت سے یہ۔ زر کاغذی سونے کی نمائندگی کرتا ہے۔ دراصل اس قسم کا قانون موجود ہے۔ اس قانون کو سادہ سے لفظوں میں بیان کیا جائے تو وہ حسب ذیل ہوگا۔ زر۔ کاغذی مقدار میں سونے (یا چاندی جیسی بھی صورت ہو) سے زیادہ جاری نہ ہونا چاہیے اور یہ سونا اگر اس کی جگہ علامتیں نہ آ جائیں تو واقعی گردش میں ہونا چاہیے سونے کی وہ مقدار جسے گردش جذب کرنے کی اہلیت رکھتی ہے برابر ایک مقررہ سطح سے کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہے' تاہم کسی خاص ملک میں گردش کرنے والے وسیلہ کا حکم کسی خاص کم سے کم سطح سے نیچے نہیں گرسکتا۔ جس کی عملی تجربہ سے بہ آسانی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ یہ حقیقت کہ یہ کم سے کم حجم برابر اپنے مرکب اجزا میں متغیر ہوتا رہتا

(بقیہ حاشیہ) تجویز رکھے جس کی رو سے مملکت کا زر کاغذی قابل انتقال بینک نوٹ میں بدل جائے۔ اس مقصد کے لیے زر کاغذی کی جو کمیٹی تھی اس نے اپنی رپورٹ اپریل 1854ء میں ماندرین کو بڑی سخت زجر وتوبیخ کی۔ معلوم نہیں کہ وزیر مال کی روایتی انداز میں ڈنڈوں سے پٹائی ہوئی یا نہیں۔ اس رپورٹ کا آخری حصہ یہ تھا "کمیٹی نے ان کی تجویز کا بڑی احتیاط کے ساتھ جائزہ لیا اور اس نتیجہ پر پہنچی کہ مذکورہ تجویز بالکل تاجروں کے مفاد کی حفاظت کرتی ہے اور اس سے تاج کو کسی قسم کا فائدہ حاصل نہ ہوگا"۔ انگلستان کے بینک کے ایک گورنر نے ہاؤس آف لارڈز کی ایک کمیٹی کے سامنے بینک ایکٹس سے متعلق گواہی دیتے ہوئے سونے کے سکوں کے حالت دوران میں گھسنے کے سلسلہ میں کہا ہے کہ "ہر سال گنیوں کی کافی بڑی تعداد بے حد ہلکی ہو جاتی ہے۔ گنیوں کی کافی بڑی تعداد جو ایک سال پورے وزن کے ساتھ گذار دیتی ہے گھسنے سے اتنا وزن کھو دیتی ہے کہ اگلے سال اس کا وزن بالکل بدل جاتا ہے (ہاؤس آف لارڈز کی کمیٹی 1847۔ عدد 429)۔

ہے یا سونے کے وہ ٹکڑے جن سے وہ مرکب ہوتا ہے مسلسل نئے ٹکڑوں کے لیے جگہ چھوڑتے رہتے ہیں نہ تو اس کی مقدار میں تغیر پیدا کرتا ہے اور نہ اس کی گردش کے تسلسل میں تغیر پیدا کرتا ہے اور اس لیے کاغذ کی علامتیں اس کی جگہ حاصل کرسکتی ہیں۔ لیکن اس کے برعکس اگر گردش کی ساری نالیاں آج زر کاغذی سے اس حد تک بھر جائیں کہ پھر ان میں مزید۔ زر کو اخذ کرنے کی اہلیت نہ رہے تو کل وہ اجناس کی گردش میں ردوبدل کی وجہ سے اُبل پڑیں گی اور پھر کوئی معیار باقی نہ رہے گا۔ اگر زر کاغذی اپنی مناسب حدود سے متجاوز ہو جائے اور وہ مناسب حدود سونے کے یکساں درجہ کے ان سکوں کی مقدار ہے جو فی الواقع حالتِ دوران میں ہوں تو قطع نظر اس کے کہ۔ زر کاغذی عام بے وقاری کی نذر ہو جاتا ہے وہ سونے کی صرف اتنی مقدار کی نمائندگی کرتا ہے جس کی اجناس کی گردش کے قوانین کے مطابق ضرورت ہوتی ہے اور جو صرف اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے کہ زر کاغذی کے ذریعہ اس کی نمائندگی ہوسکے۔ اگر جاری شدہ زر کاغذی کو اس مقدار سے دوگنا کر دیا جائے جس مقدار سے اسے جاری ہونا چاہیے تو جہاں تک حقیقت اصلیہ کا تعلق ہے ایک پونڈ سونے کے ایک اونس کے چوتھائی حصہ کا اسم۔ زر نہ ہوگا بلکہ اونس کے آٹھویں حصہ کا اسم۔ زر رہ جائے گا اور اس کا اثر وہی کچھ ہوگا جو نرخوں کا معیار ہونے کی حیثیت میں سونا جو فرض انجام دیتا ہے اگر اس میں تغیر پیدا ہو جائے تو اس کا اثر ہوگا۔ وہ قیمتیں جو پہلے ایک پونڈ کے نرخ سے ظاہر کی جاتی تھیں اب دو پونڈ کے نرخ سے ظاہر کی جائیں گی۔

زر۔ کاغذی ایک علامتی ٹکڑا ہوتا ہے جو سونے یا زر کی نمائندگی کرتا ہے اس کے اور اجناس کی قیمتوں کے درمیان جو رشتہ ہوتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ اجناس کی قیمتیں مثالی طور پر سونے کی انہیں مقداروں میں ظاہر کی جاتی ہیں جن کی علامتی انداز میں۔ زر کاغذی نمائندگی کرتا ہے جس حد تک۔ زر کاغذی سونے کی نمائندگی کرتا ہے جو کہ دوسری اجناس کی طرح خود بھی ایک جنس ہوتا ہے صرف اسی حد تک وہ قیمت کی علامت ہوتا ہے[1]

---

[1] فولرٹن کی حسب ذیل عبارت سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ۔ زر پر لکھنے والے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اب آخر میں اگر کوئی یہ سوال کر بیٹھے کہ ایک سونے ہی میں یہ خصوصیت کیوں ہے کہ اس کی جگہ وہ علامتی ٹکڑے لے لیتے ہیں جن کی اپنی کوئی قیمت نہیں ہوتی تو یہ یاد رہے جیسا کہ ہم نے گذشتہ بحث میں نوٹ کیا کہ سونے کی یہ صلاحیت کہ علامتی ٹکڑے اس کی جگہ لے لیتے ہیں صرف اس حد تک ہوتی ہے جس حد تک وہ صرف اور محض سکہ ہونے کا فرض انجام دیتا ہے یا وسیلہ گردش ہوتا ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔ مگر۔ زر اس کے علاوہ بھی کچھ اور فرائض ہیں جو سرانجام دیتا ہے محض گردش کرنے والے وسیلہ کی حیثیت سے کام کرنے کا جو تن تنہا فرض ہے وہ لازمی طور پر وہ واحد فرض نہیں ہے جو سونے کے سکہ سے وابستہ ہوتا ہے گو وہ سکے جو گھس چکنے کے باوجود چلتے رہتے ہیں صرف یہی فرض انجام دیتے ہیں۔ زر کا ہر ایک ٹکڑا محض ایک سکہ یا گردش کا وسیلہ ہوتا ہے مگر صرف اس حد تک جس حد تک وہ واقعی گردش میں رہتا ہے۔ ٹھیک یہی نوعیت ہوتی ہے سونے کے اس کم سے کم حجم کی جو اس

(بقیہ حاشیہ) سب سے اچھے اہل قلم بھی۔ زر کے متعدد فرائض سمجھنے میں ناکام ہو گئے ہیں اور ان کے خیالات میں وضاحت کا فقدان ہے۔ فولرٹن کہتا ہے کہ "جہاں تک ہمارے گھریلو مبادلوں کا تعلق ہے۔ سونے اور چاندی کے سکے جو فرائض انجام دیتے ہیں وہ سارے کے سارے پوری طرح ان ناقابل انتقال نوٹوں کی گردش کے ذریعہ بھی سرانجام پاجاتے ہیں جو اس افسانوی اور رواجی قیمت کے علاوہ جو قانون نے انہیں عطا کی ہے اور کوئی قیمت نہیں رکھتے۔ یہ حقیقت جہاں تک میں سمجھتا ہوں تردید کی متحمل نہیں ہے۔ مسئلہ کی اوپر جو وضاحت کی گئی ہے اس کی روشنی میں ان تمام مساعی کا جواب دیا جاسکتا ہے جو جوہری قیمت ڈھونڈنے کے سلسلہ میں کی گئی ہیں۔ اس تعریف کی روشنی میں تو کسی معیار کے ڈھونڈنے کی ضرورت بھی نہیں ہے البتہ اتنا ہے کہ جو نوٹ ایشوع کیے جائیں وہ ایک حد سے زیادہ نہ بڑھیں (فولرٹن کرنسیوں کا انضباد لہ لندن صفحہ 10) چونکہ وہ جنس جو۔ زر ہونے کا فرض انجام دیتی ہے اس بات کی صلاحیت رکھتی ہے کہ گردش میں قیمت کی محض علامتیں ہی اس کی جگہ لے لیں اس لیے قیمت کے پیمانہ اور نرخوں کے معیار کی حیثیت میں اس کے جو فرائض ہوتے ہیں ان کو فضول اور زائد از ضرورت قرار دے دیا گیا)۔

بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ ۔زر کاغذی اس کی جگہ لے لے۔ یہ جسم متواتر گردش کے دائرہ میں رہتا ہے۔ مسلسل گردش کرنے والے وسیلہ کی حیثیت سے کام کرتا ہے اور اسی مقصد سے اپنا وجود رکھتا ہے۔ یوں نتیجتاً اس کی نقل و حرکت سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتی کہ وہ قلب ماہیت۔ج۔ز۔ج۔ کے معکوس درجوں کی مسلسل تبدیلی ہوا کرتی ہے۔ان درجوں کی جن میں اجناس اپنی قیمتی شکلوں کے مقابل آتی ہیں اور مقابل آنے کے بعد ہی پھر غائب بھی ہوجاتی ہیں۔ یہاں ایک جنس کی مبادلاتی قیمت کا آزاد وجود ایک محض عبوری روپ ہوا کرتا ہے جس کے ذریعہ جنس فوراً ہی دوسری جنس کے لیے جگہ چھوڑ دیتی ہے اور جب صورت یہ ہے تو پھر مذکورہ عمل میں جو کہ ۔زر کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرتا رہتا ہے۔ زر کا صرف علامتی وجود ہی کفایت کر جاتا ہے گویا یوں کہہ لیجئے کہ ۔زر کا وہ وجود اس کے فرائض کی ادائیگی سے تعلق رکھتا ہے اس کے مادی وجود کو جذب کر لیتا ہے اب چونکہ وہ اجناس کے نرخوں کا عبوری اور خارجی عکس ہوتا ہے اس لیے وہ اپنی ہی علامت ہونے کا کام کرتا ہے اور اس لیے اس بات کی صلاحیت رکھتا ہے کہ علامتی ٹکڑے اس کی جگہ لے لیں۔[1]

البتہ اس سلسلہ میں ایک چیز ضرور مطلوب ہوتی ہے۔ان علامتی ٹکڑوں کو خارجی سماجی جواز ضرور حاصل ہو اور علامتی کاغذ یہ سماجی جواز اس بات سے حاصل کرتا ہے کہ وہ جبریہ چلایا جاتا ہے۔ ریاست کا یہ جبریہ اقدام گردش کے صرف اسی اندرونی دائرہ میں مؤثر

---

[1] اس حقیقت کی وجہ سے کہ سونا اور چاندی اس واقعہ سے کہ وہ سکے ہیں یا مختص طور پر وسیلہ گردش کی حیثیت میں کام کرتے ہیں محض اپنے ہی علامتی ٹکڑے بن جاتے ہیں نکولس باربن نے حکومتوں کے اس حق کا جواز ڈھونڈ نکالا کہ "وہ کبھی کبھی زر بنالیا کرے" یعنی مطلب یہ کہ وہ چاندی کے اس وزن کو جسے شلنگ کہتے ہیں بڑے وزن کا نام دے دے مثلاً کراؤن قرار دے دے اور ان قرض خواہوں کو کراؤن کے بجائے شلنگ ادا کر دے" زر۔ نام رکھنے سے ہلکا ہو جاتا ہے۔ معاملت کرتے وقت لوگ چاندی کے وزن کو نہیں دیکھا کرتے وہ دیکھتے صرف یہ ہیں کہ وہ کس درجہ کا سکہ ہو کر چل رہا ہے" دھات پر حکومت کی چھاپ لگی ہوتی ہے وہی اسے زر بناتی ہے (این باربن بحوالہ سابقہ صفحہ 29-30-25)۔

ہوتا ہے جو کسی برادری یا قوم کے اپنے علاقوں کی حدود سے آگے نہیں بڑھتا اور یہ بات بھی کہ زرگردش کرنے والے وسیلہ ہونے کا فرض پوری طرح انجام دیتا ہے یا سکہ بنتا ہے صرف اسی دائرہ کے اندر ہی اپنا اطلاق رکھتی ہے اس کے باہر نہیں۔

فصل سوئم

زر

وہ جنس جو قیمت کے پیمانہ کی حیثیت سے کام کرتی ہے اور بذات خود یا کسی نمائندہ کے ذریعہ وسیلہ گردش کی حیثیت رکھتی ہے۔زر۔ ہوتی ہے اس لیے سونا (یا چاندی) زر ہوتے ہیں۔ایک طرف تو یہ جنس۔زر کی حیثیت سے کام کرتی ہے جب وہ اپنے طلائی وجود میں موجود ہوتی ہے اس حالت میں جنس۔زر۔ نہ تو محض مثالی ہوتی ہے جیسی وہ قیمت کا پیمانہ ہونے کا فرض انجام دیتے وقت ہوتی ہے نہ وہ اس بات کی صلاحیت ہی رکھتی ہے کہ کوئی اور اس کی نمائندگی کرے جیسی صورت اس وقت ہوتی ہے جب وہ وسیلہ گردش ہونے کا فرض انجام دیتی ہے۔ دوسری طرف وہ اس وقت بھی زر ہونے کا فرض انجام دیتی ہے جب وہ اپنا فرض انجام دینے کی وجہ سے خواہ یہ فرض بذات خود انجام دیا جائے یا کسی نمائندہ کے ذریعہ قیمت کی واحد شکل ہونے کی حیثیت میں منجمد ہو جاتی ہے اور یہی شکل مبادلاتی قیمت کے موجود ہونے کی واحد مناسب شکل ہے جو کہ استعمالی قیمت کی اس شکل سے مختلف ہوتی ہے جسے ساری ہی اجناس ظاہر کرتی ہیں۔

ذخیرہ اندوزی (الف)

اجناس کے دو متضاد قلب ماہیت کی مسلسل ادوار[1] میں حرکت یا فروخت اور خرید کا

---

[1] اجناس گردش کے دوران جن دوروں سے گذرتی ہیں اور سرکٹ کا (Circut) ترجمہ ہے۔ مترجم)

نہ ختم ہونے والا تبادل ۔زر کے مستقل دوران یا۔زر کے اس فرض میں منعکس ہوتا ہے جو وہ گردش کے تحرک دائمی میں سرانجام دیتا ہے مگر جونہی قلب ماہیت کے سلسلوں میں رخنہ پڑتا ہے یعنی جونہی فروختوں کے بعد خریدیں آنی بند ہو جاتی ہیں تو۔زر کی حرکت رُک جاتی ہے اور جیسا کہ بوئس گیلے برٹ نے کہا ہے کہ زر متحرک سے غیر متحرک سکہ سے زر میں منتقل ہو جاتا ہے۔

اجناس کی گردش کے بالکل آغاز ہی کے زمانہ سے یہ ضرورت اور پر جوش خواہش بھی ترقی کرتی ہے کہ پہلے قلب ماہیت کے نتیجہ میں جو چیز حاصل ہوتی ہے اسے سختی کے ساتھ اپنے قبضہ میں رکھا جائے۔ یوں جو چیز حاصل ہوتی ہے وہ جنس کی منقلبہ شکل یا اس کا پہلا طلائی روپ ہوتا ہے۔اس طرح اجناس دوسری اجناس خریدنے کے لیے فروخت نہیں کی جاتیں بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی شکل کو ان کی شکل زر سے بدل دیا جائے۔شکل کی یہ تبدیلی جو محض ذریعہ ہوتا ہے اجناس کی گردش کا اب اس ذریعہ کے بجائے خود مقصد اور منزل بن جاتی ہے اور یوں جنس کی متبدلہ شکل جنس کی غیر مشروط طور پر قابل جدائی شکل کی حیثیت سے یا اس کی محض عبوری شکل ۔زر۔کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دینے سے رک جاتی ہے۔زر۔پتھرا کر ایک ذخیرہ کی ہیئت اختیار کر لیتا ہے اور فروخت کنندہ۔زر۔کا ذخیرہ کنندہ بن کر رہ جاتا ہے۔

اجناس کی گردش کے ابتدائی مراحل میں صرف فاضل استعمالی قیمتیں ہی زر میں متبدل کی جاتی ہیں اور یوں سونا اور چاندی بذات خود فاضل دولت کی سماجی نمود بن جاتے ہیں۔ ذخیرہ اندوزی کی یہ سیدھی سادی صورت ان برادریوں میں دوام حاصل کر جاتی ہے جن میں پیداوار کا روایتی طرز صرف گھریلو حاجتوں کی مقرر اور محدود ضرورتوں کو مہیا کرنے کا کام کرتا ہے۔ یہ طرز اقوام ایشیا اور خالص طور پر ایسٹ انڈیز میں پایا جاتا ہے۔ونڈرلنٹ جس نے خیالی گھوڑے دوڑا کر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ کسی ملک میں اجناس کے نرخ سونے اور چاندی کی اس مقدار سے متعین ہوتے ہیں جو اس ملک میں پائے جاتے ہیں اپنے آپ سے یہ سوال کیا ہے کہ ہندوستان کی اجناس اتنی سستی کیوں ہیں۔ جواب ملاحظہ ہو۔سبب

اس کا یہ ہے کہ ہندو زر کو زمین میں دفن کر دیتے ہیں۔ 1602ء سے لے کر 1734ء تک وینڈرلنٹ کے بیان کے مطابق ہندوؤں نے 15 کروڑ پونڈ چاندی جو اصل میں امریکہ سے یورپ آئی تھی زمین میں دفن کر دی۔ 1856ء سے 1866ء کے درمیانی دس سال میں انگلستان نے 12 کروڑ پونڈ کی قیمتی چاندی جو آسٹریلیائی سونے کے مبادلہ میں حاصل ہوئی تھی ہندوستان اور چین کو برآمد کی تھی اور چین کو جو چاندی برآمد کی جاتی ہے اس کا زیادہ حصہ ہندوستان چلا جاتا ہے۔

اب جوں جوں اجناس کی پیداوار مزید ترقی کرتی ہے اجناس پیدا کرنے والا ہر شخص مجبور ہوتا ہے کہ وہ سماجی وعدہ کے پختہ ہونے کا یقین حاصل کر لے[1] اس کی وہ حاجتیں بار بار پورا ہونے کا تقاضہ کرتی ہیں جس سے دوسروں کی اجناس خریدنے کی مسلسل ضرورت پیدا ہوتی ہے جب کہ اس کے اپنے سامان کی پیداوار اور فروخت میں کچھ وقت لگتا ہے۔ نیز وہ حالات پر بھی منحصر ہوتی ہے تو پھر ہر خرید کے لیے فروخت کا محتاج ہونے سے بچنے کے لیے اس بات کی ضرورت پڑتی ہے کہ پہلے خریدے بغیر وہ کچھ بیچ بھی چکا ہو۔ یہ عمل وسیع پیمانہ پر ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تضاد پر دلالت کرتا ہے لیکن قیمتی دھاتیں اپنے پیداوار کے ماخذوں پر دوسری اجناس سے براہ راست مبادلہ کر لی جاتی ہیں اور یہ وہ صورت ہے جس میں فروخت تو ہوتی ہے (جو اجناس کے مالک کرتے ہیں) مگر خرید نہیں ہوتی (جو سونے یا چاندی کے مالک نہیں کرتے[2] پھر اس کے بعد کی فروختیں جو دوسرے پیدا کنندگان کرتے ہیں اور جن کے بعد خریدیں نہیں ہوتیں۔ ان نو پیدا شدہ قیمتی دھاتوں کو اجناس کے مالکوں

---

[1] زر ایک وعدہ ہوتا ہے (جان بیلرس) غرباء صنعت کاروں۔ تجارت کاشت کے کارخانوں (پلانٹیشنز) اور بد اخلاقی کے متعلق مضامین۔ لندن 1699ء صفحہ 13) [2] خرید اپنے "قطعی" مفہوم میں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ سونا اور چاندی پہلے سے ہی اجناس کی متبدلہ شکل یا فروخت کی پیداوار ہوتے ہیں۔ مترجم)

میں محض بانٹنے کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔اس طرح مبادلہ کے اس تمام خط پر سونے اور چاندی کے ذخیرے جو مختلف مقداروں کے ہوتے ہیں جمع ہو جاتے ہیں۔ مبادلاتی قیمت جو کسی خاص جنس کی شکل میں ہو اسے جمع کرنے اور ذخیرہ کرنے کے اس امکان کے ساتھ ہی سونے کی حرص بھی وجود میں آ جاتی ہے۔ گردش کی توسیع ہوتی ہے تو زر کی قوت بھی بڑھتی ہے۔ زر یعنی دولت کی وہ قطعی طور پر سماجی شکل جو ہر وقت استعمال کے لیے موجود رہتی ہے۔ سونا بڑی ہی عجیب چیز ہے۔ جس کے پاس بھی سونا ہوتا ہے وہ اپنی تمام حاجتوں پر حکومت کرتا ہے۔ سونے کے ذریعہ آدمی چاہے تو ارواح کو جنت میں داخل کرا سکتا ہے۔ (کولمبس کے اس خط سے جو اس نے 1503ء میں جمائیکا سے بھیجا) اب چونکہ سونا اس راز کو فاش نہیں کرتا کہ اس میں کیا چیز منتقل ہوتی ہے اس لیے ہر وہ چیز جو جنس ہو یا نہ ہو سونے میں منتقل ہو جاتی ہے پھر تو ہر چیز قابلِ فروخت اور قابلِ خرید ہو جاتی ہے گردش ایک عظیم سماجی بھٹی بن جاتی ہے جس میں کوئی بھی چیز ڈال دی جاتی ہے جو سونے کا روپ اختیار کر کے اس سے نکلتی ہے۔ روپ دھارنے کے اس عمل کا بوجھ اولیاء کی ہڈیاں بھی نہیں اٹھا سکتیں۔ دوسری ان مقدس اشیاء کا تو کیا ذکر ہے جو سکہ کے طور پر استعمال ہوتی تھیں[1] جس طرح اجناس کا ہر کیفی

---

[1] ہنری سوئم نے جو فرانس کا بڑا پکا عیسائی حکمران تھا خانقاہوں کے مقدس تبرکات کو اپنے قبضہ میں کر کے بطور زر کے استعمال کرنا شروع کر دیا تھا اور یہ بات تو سب ہی جانتے ہیں کہ قوم فوشی نے معبد صلفی کو جو لوٹا تھا تو اس کے متبرکات نے یونان کی تاریخ میں کیا پارٹ ادا کیا ہے۔ قدماء معابد کو اجناس کے دیوتاؤں کی رہائش گاہیں خیال کیا کرتے تھے۔ یہ معبد "مقدس بینکوں" کی حیثیت رکھتے تھے۔ سب سے بڑی تاجر قوم فنیقیوں کے خیال میں زر ہر چیز کی منقلبہ شکل کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لیے یہ بالکل معقول سی بات تھی کہ باکرہ لڑکیاں جو محبت کے دیوتا کے تہوار پر اپنے آپ کو پردیسیوں کے حوالے کر دیتی تھیں دیوتا کے حضور میں زر کے ان ٹکڑوں کو نذر کر ڈالتیں جو انہیں وصول ہوتے تھے)۔

فرق۔ زر کی حالت میں مٹ جاتا ہے اسی طرح۔ زر بھی ایک طاقت ور ہموار کنندہ کی طرح جو کہ وہ واقعی ہوتا بھی ہے' ہر قسم کے امتیاز کو ختم کر دینے کا سبب بنتا ہے[1] لیکن زر بھی بجائے خود ایک جنس ہوتا ہے۔ ایک ایسی چیز جو خارج میں موجود ہے اور کسی بھی فرد کی نجی جائیداد بننے کی اہلیت رکھتا ہے۔ یہ سماجی قوت نجی افراد کی نجی قوت بن جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ قدماء نے۔ زر کو اخلاقی اور معاشی نظام میں تخریب پیدا کرنے والا قرار دیا تھا۔ عہد جدید جس نے اپنی ابتداء کے فوراً بعد ہی پلوٹس کو اس کے سر کے بال پکڑ کر زمین کے اندرونی پرتوں سے باہر کھینچ لیا تھا' سونے کو جام مقدس[2] کی سی عظمت دیتا ہے۔ اسے اپنی حیات کے سب سے بنیادی اصول کا چمکیلا مجسمہ خیال کرتا ہے۔

جنس اپنی اس صلاحیت کے پیش نظر کہ وہ استعمالی قیمت ہوتی ہے کسی خارجی حاجت کی تسکین کا ذریعہ بنتی ہے اور مادی دولت کا ایک خاص عنصر ہوتی ہے مگر جنس کی قیمت دوسرے تمام عناصر دولت کو اپنی طرف جذب کرنے کی صلاحیت کی بیشی اور کمی کا پیمانہ ہوتی ہے اور اس لیے وہ اپنے مالک کی سماجی دولت کا معیار بتاتی ہے۔ اجناس کے ایک وحشی

---

[1] سونا زرد چمکیلا قیمتی سونا اتنی طاقت رکھتا ہے کہ سیاہ کو سفید میلے کچیلے کو صاف ستھرا۔ غلط کو صحیح۔ کمینہ کو شریف بوڑھے کو جوان اور بزدل کو بہادر بنا دیتا ہے.......... دیوتاؤ! یہ کیا ہے۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ وہ تمہارے پجاریوں اور خدمت گاروں کو تم سے کھینچ لیتا ہے۔ بہادر آدمیوں کے سر کے نیچے سے ان کے تکیے نکال لیتا ہے۔ یہ زر غلام! مذہبوں کو گوندھ دیتا ہے۔ ان کو پارہ پارہ کر دیتا ہے۔ ملعون کو مبارک بنا دیتا ہے۔ سفید جذام کو قابل احترام بنا دیتا ہے۔ چوروں کو بڑے درجہ پر بٹھا کر ان کو القاب بخشتا۔ احترام اور عظمت سونپ دیتا ہے۔ جبکہ بڑے بڑے امراء سر جھکانے لگتے ہیں تو ہی تو وہ ہے جو روتی ہوئی عورتوں کی دوبارہ شادی کرا دیتا ہے...... اس منحوس زمین پر اترا تو جو کہ بنی نوع انسان کی مشترکہ داشتہ ہے۔ (شیکسپیئر ٹائی من آف ایتھنز)۔

[2] وہ پیالہ جو مسیح نے عشائے آخری میں استعمال کیا تھا۔ مترجم)

مالک کے خیال میں بلکہ مغربی یورپ کے ایک کسان کے خیال میں بھی قیمت وہی کچھ ہوتی ہے جو قیمتی شکل ہوتی ہے اور اس لیے وہ اپنے سونے اور چاندی کے ذخیروں میں زیادتی کو قیمت کی زیادتی خیال کرتا ہے۔ یہ تو صحیح ہے کہ۔ زر کی قیمت بدلتی رہتی ہے کبھی تو وہ خود اپنی قیمت میں تبدیلی کی وجہ سے بدلتی ہے اور کبھی اجناس کی قیمت میں تبدیلی کی وجہ سے بدلتی ہے لیکن یہ تبدیلی ایک طرف تو اس بات کا سبب نہیں بنتی کہ سونے کے دوسو اونس میں جو قیمت ہے وہ سونے کے سو اونس کی قیمت سے زیادہ نہ رہے اور دوسری طرف وہ اس شے کی واقعی معدنی شکل کو دوسری تمام اجناس کی مساواتی اکائی اور تمام انسانی محنت کا فوری سماجی مجسمہ بنے رہنے سے نہیں روکتی۔ ذخیرہ اندوزی کی خواہش اپنی فطرت میں ایک ایسی بھوک ہے جو کبھی سیر ہونے کا نام نہیں لیتی۔ اپنی کیفی حیثیت میں یا معاملہ کو رسمی طور پر دیکھا جائے تو ۔زر کے اثر کا دائرہ کسی نقطہ پر آ کر ختم نہیں ہوتا یعنی یوں کہئے کہ وہ مادی دولت کے ہمہ گیر نمائندہ کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے کہ وہ براہ راست ہر دوسری جنس میں قابل مبادلہ ہوتا ہے لیکن اسی کے ساتھ۔ زر کا ہر خارجی مجموعہ محدود المقدار بھی ہوتا ہے اور اس لیے ذریعہ خرید ہونے کی حیثیت سے صرف محدود دائرہ اثر رکھتا ہے۔ زر کے سلسلہ میں یہ تضاد کہ اس کی کمی حدود تو محدود ہوتی ہیں مگر کیفی طور پر وہ لامحدود ہوتا ہے ذخیرہ اندوز کی روپیہ جمع کرنے کی مساعی کے لیے ہمیشہ ایک مہمیز کا کام دیتا ہے۔ ذخیرہ اندوز کا معاملہ ایک فاتح کی طرح کا ہوتا ہے جو ہر اس نئے ملک کو جس پر وہ قبضہ کرتا ہے ایک نئی سرحد خیال کرتا ہے۔

اگر مقصد یہ پیش نظر ہو کہ سونا۔ زر کی حیثیت سے رکھا جائے اور ذخیرہ بن جائے تو اس کو گردش کرنے سے (یا ذریعہ تفریح میں منتقل ہونے سے روکنا ضروری ہے اس طرح ذخیرہ اندوز اپنی جسمانی خواہشوں کو سونے کے بھیس پر قربان کر دیتا ہے وہ بڑے اہتمام سے عفت کے دیوتا پر قربانی چڑھاتا ہے۔ اس کے برعکس وہ گردش سے جس چیز کو روکتا ہے وہ اس چیز سے زیادہ اور کچھ نہیں ہوتی جو اس نے اجناس کی شکل میں گردش کے سپرد کی ہے۔

وہ جتنا زیادہ پیدا کرتا ہے اتنا ہی زیادہ فروخت کرنے کے قابل بھی ہوتا ہے۔ یوں اس کی تین بنیادی خوبیاں ہوتی ہیں۔ مشقت شدیدہ' کفایت شعاری اور حرص اور اس کا فلسفہ معاشیات اس اصول پر مبنی ہوتا ہے زیادہ بیچو اور کم خریدو۔

ذخیرہ اندوزی کی یہ تو ذرا بھدی شکل تھی لیکن اس بھدی شکل کے ساتھ اس کی ایک جمالیاتی شکل بھی ہوتی ہے جو سونے اور چاندی کی اشیاء کے ذخیرہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ جمالیاتی شکل شہری سماج کی دولت میں اضافے کے ساتھ بڑھتی ہے۔ اس انداز میں ایک طرف تو سونے اور چاندی کے لیے مسلسل ارتقاء پذیر بازار پیدا ہو جاتا ہے جو کہ ان دونوں دھاتوں کے زر ہونے کے کام سے تعلق نہیں رکھتا اور دوسری طرف رسد کا بالقوہ ماخذ موجود رہتا ہے جس سے بحران اور سماجی بدنظمیوں کے زمانے میں خاص طور پر رسد حاصل کی جا سکتی ہے۔

دھات کی گردش کے اس معاشی نظام میں ذخیرہ اندوزی بہت سے مقاصد پورے کرتی ہے۔ اس کا پہلا فرض ان حالات سے پیدا ہوتا ہے جن کے ماتحت سونے اور چاندی کے سکے چلتے ہیں۔ یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ اجناس کی گردش کی سرعت اور وسعت اور ان کے نرخوں میں مسلسل تغیر و تبدل کے ساتھ ہی زر کی جو مقدار حالت دوران میں ہوتی ہے وہ بھی کم اور زیادہ ہوتی رہتی ہے اس کے معنی ہیں کہ یہ مقداریں پھیلنے اور سکڑنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ ایک وقت تو۔ زر کو گردش کرنے والے سکہ کی حیثیت سے کام کرنے کے لیے گردش کی طرف کھنچنا چاہیے لیکن کسی اور وقت کم و بیش جامد زر کا فرض انجام دینے کے لیے گردش سے بھاگنا چاہیے...... یہ ضروری ہے کہ کسی ملک میں سونے اور چاندی کے ذخیرے اس مقدار سے زیادہ ہوں جو سکہ کے بطور چلنے کے لیے ضروری ہوتی ہے تا کہ وہ سارا زر جو حالت دوران میں ہو مسلسل طور پر گردش کی جذب کرنے کی طاقت کو سیر کرنے کا فرض انجام دیتا رہے۔ یہ شرط صرف اسی وقت پوری ہو سکتی ہے جب زر

ذخیروں کی شکل اختیار کر لے یہ محفوظ ذخیرے ان نالیوں کا کام کرتے ہیں جن سے گردش کے لیے زر کی رسد آتی ہے اور جن کی طرف گردش کا زیادہ زر واپس لوٹتا رہتا ہے[1]

ذرائع ادائیگی

اجناس کی گردش کی سادہ سی شکل میں جس پر ہم اب تک غور کرتے رہے ہم نے جو چیز دیکھی وہ یہ تھی کہ ایک دی ہوئی قیمت ہمیشہ دوہری شکل میں ہمارے سامنے آتی ہے

---

[1] قوم کی تجارت باقی رکھنے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ خاص قسم کے زر کی متعین مقدار موجود ہو۔ یہ مقدار بدلتی رہتی ہے اور وہ حالات جن پر ہم بحث کر رہے ہیں کبھی زر کی اس مقدار کی زیادتی اور کبھی کمی کے متقاضی ہو سکتے ہیں.......... زر کا یہ مدوجزر خود اپنی رسد مہیا کرتا اور خود ہی حالات سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے اور اس کام میں سیاستدانوں کی ضرورت پیش نہیں آتی...... سونے کے ذخیرے اتار چڑھاؤ سے گذرتے ہیں۔ جب زر نایاب ہوتا ہے تو خالص سونے کو مسکوک کر دیا جاتا ہے اور جب خالص سونا نایاب ہوتا ہے تو زر کو پگھلا دیا جاتا ہے (سر ڈ ڈلی۔ نارتھ بحوالہ سابقہ عبارت مزید بعد از متن صفحہ 3) جان اسٹوارٹ مل جو کافی عرصے ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسر رہے اس حقیقت کی تصدیق کرتے ہیں کہ ہندوستان میں اب تک چاندی کے زیور براہ راست ذخیرہ اندوزی کا فرض انجام دیتے ہیں جب سود کی شرح چڑھی ہوئی ہوتی ہے تو چاندی کا زیور باہر نکل آتا ہے اور اسے مسکوک کر دیا جاتا ہے۔ لیکن جب سود کی شرح گر جاتی ہے تو یہ مسکوک چاندی پھر زیور میں منتقل ہو جاتی ہے (جے۔ ایس۔ مل کی شہادت) بینک کے قوانین سے متعلق رپورٹ 1857ء ہندوستان کو سونے اور چاندی کی درآمد اور برآمد سے متعلق جو پارلیمانی دستاویز مورخہ 1864ء ہے اس کے مطابق 1863ء میں سونے اور چاندی کی درآمد برآمد سے ایک کروڑ 93لاکھ 67ہزار سات سو64 پونڈ کے بقدر زیادہ تھی۔ 1864ء سے پہلے جو 8 سال گذرے ان میں قیمتی دھاتوں کی درآمد برآمد کے مقابل دس کروڑ 96لاکھ 52ہزار نو سو 17 پونڈ کے بقدر زیادہ تھی۔ اس صدی میں بیس کروڑ پونڈ سے زیادہ سونا اور چاندی مسکوک کی گئی۔

یعنی ایک کنارے پر تو وہ جنس ہوتی ہے اور دوسرے مقابل کنارے پر زر ہوتی ہے اور جب صورت یہ ہے تو اجناس کے مالکین جب ارتباط میں آتے ہیں تو وہ ان اجناس کے جو پہلے ہی سے ایک دوسرے کے مساوی ہیں علی الترتیب نمائندوں کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن گردش کے ارتقاء کے ساتھ ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں جن میں اجناس کی فروخت کے لیے جدائی اور ان کے نرخوں کے وجود حاصل کرنے کے درمیان وقفہ پیدا ہو جاتا ہے۔ مذکورہ حالات میں سے ان حالات کو جو سب سے زیادہ سادہ حالات ہوتے ہیں یہاں بیان کر دینا کافی ہے۔ بعض اجناس کی پیداوار میں زیادہ مدت صرف ہوتی ہے اور بعض میں کم۔ پھر مختلف اجناس کی پیداوار کے لیے سال کے مختلف حصے موزوں ہوتے ہیں۔ بہت سی اجناس ہوسکتا ہے کہ منڈی کے پاس پیدا ہوتی ہوں جبکہ دوسری اجناس کو کافی فاصلہ طے کر کے منڈی تک پہنچنا پڑے اور اس لیے جنس نمبر 2 جب فروخت کے لیے تیار ہو تو اس سے پہلے جنس نمبر اول خرید کے لیے تیار ہو چکی ہو۔ جب ایک ہی سی معاملتیں ایک ہی جیسے اشخاص کے درمیان بار بار ہوں تو فروخت کے حالات پیداوار کے حالات کے مطابق رہتے ہیں۔ ان کے برعکس کسی بھی ایک جنس کا استعمال جیسے مثلاً ایک گھر کا استعمال جو کہ کسی بھی مقررہ مدت کے لیے بیچا جاتا ہے (عام زبان میں یوں کہہ لیجئے کہ مکان کسی بھی مقررہ مدت کے لیے کرایہ پر اٹھایا جاتا ہے) اس جیسی مثال میں مدت کے گزرنے پر ہی خریدار جنس کی واقعی استعمالی قیمت کو حاصل کر پاتا ہے۔ اور اس لیے وہ ادائیگی سے پہلے خریداری کر لیتا ہے۔ فروخت کنندہ ایک موجود جنس کو بیچتا ہے اور خریدار زر یا مستقبل میں ملنے والے زر کے نمائندہ کی حیثیت سے خریداری کرتا ہے یوں فروخت کنندہ قرضدار اور خریدار مقروض بن جاتا ہے چونکہ اجناس کا قلب ماہیت یا ان کی قیمتی شکل کا ارتقاء یہاں ایک نئے رخ میں سونے آتا ہے تو۔ زر کا بھی ایک نیا فرض بڑھ جاتا ہے یعنی یہ کہ۔ زر ذریعہ ادائیگی بن جاتا ہے۔

یہاں قرضدار اور مقروض کا کردار سادہ سی گردش کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے اس

گردش کی شکل میں تبدیلی خریدار اور فروخت کنندہ دونوں پر نئے رنگ کی چھاپ لگا دیتی ہے۔ اس لیے ابتداء میں تو یہ نئے کردار ٹھیک اسی قدر عبوری اور تغیر پذیر ہیں جس قدر خریدار اور فروخت کنندہ کے کردار عبوری اور تغیر پذیر ہوتے ہیں اور باری باری ایک ہی جیسے ایکٹر یہ کردار ادا کرتے ہیں لیکن یہ تخالف[1] اتنا خوشگوار نہیں ہوتا اور وجودی شکل اختیار کرنے کی بہت زیادہ صلاحیت رکھتا[2] ہے۔ تاہم یہی کردار خود بخود اختیار کیے جا سکتے ہیں اور اجناس کی گردش سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ قدیم دنیا میں طبقات کی باہمی جدوجہد قرض دار اور مقروض کے باہمی جھگڑے میں خاص طور پر نمایاں ہوتی تھی۔ روم میں اس جھگڑے کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کے طبقہ سے تعلق رکھنے والے مقروض تباہ ہو کر رہ گئے۔ ان کی جگہ غلاموں نے لے لی۔ قرون وسطیٰ میں یہ جھگڑا جاگیردار مقروضوں کی تباہی کا سبب بنا۔ جن کی معاشی بنیاد متزلزل ہو گئی اور وہ سیاسی طاقت بھی چھن گئی جو معاشیات کی بنیاد پر کھڑی ہوتی ہے۔ تاہم ان دونوں عہدوں میں قرضدار اور مقروض کے درمیان جو رشتے موجود تھے وہ صرف اس گہرے تضاد کو منعکس کرتے تھے جو ان طبقات کی عام معاشی زندگی کے حالات میں پایا جاتا تھا۔

آیئے اب ہم پھر اجناس کی گردش کے مسئلہ کی طرف رجوع کریں۔ اب دونوں مساوی اکائیاں۔ جنس۔ اور۔ زر جو کہ فروخت کے دو متخالف کناروں پر آتی ہیں ساتھ ساتھ

---

[1] قرضدار اور مقروض کا باہمی تخالف جو ظاہر ہے خوشگوار نہیں ہوتا۔ جلد ہی متعین شکل اختیار کر کے شدید ہو جاتا ہے۔ مترجم)

[2] 18 ویں صدی کے آغاز میں انگریزی تاجروں میں قرضدار اور مقروض کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی اس کا اندازہ حسب ذیل اقتباس سے ہوگا "انگلستان کے تاجروں میں اتنی شدید بے رحمی جڑ پکڑ گئی ہے کہ اس کی مثال انسانوں کی کسی اور سوسائٹی یا دنیا کی کسی اور مملکت میں دیکھنے میں نہیں آتی" (قرض اور قانون دیوالیہ پن پر ایک مقالہ۔ لندن 1707ء صفحہ 2)

رونما نہیں ہوتیں۔ زر اب جو فرض انجام دے رہا ہے وہ پہلے تو جنس کے نرخ کے تعین میں قیمت کا پیمانہ بننے کا فرض ہے۔ معاہدہ کے ذریعہ جو نرخ مقرر ہوتا ہے وہ مقروض پر جو بار ہوتا ہے اس کو بتاتا ہے یا وہ رقم کی اس مقدار کو بتاتا ہے جو مقروض کو کسی مقررہ مدت پر ادا کرنی[1] ہوگی دوسرے زر خرید کے مثالی ذریعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ گو اس صورت حال میں زر اس وعدہ میں وجود رکھتا ہے جو خریدار اس کی ادائیگی کے سلسلے میں کرتا ہے مگر پھر بھی وہ جنس کے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ جب تک ادائیگی کا دن ہی نہیں آجاتا اس وقت تک یہ ذریعہ ادائیگی گردش میں داخل نہیں ہوتا اور خریدار کے قبضہ سے نکل کر فروخت کنندہ کے قبضہ میں نہیں جاتا۔ گردش کا وسیلہ ذخیرہ میں بدل جاتا ہے اس لیے کہ پورا عمل پہلے درجہ پر آکر رک گیا۔ اس لیے کہ جنس کی مقلوبہ شکل یعنی زر گردش سے ہٹالیا گیا۔ ذریعہ ادائیگی گردش میں تو داخل ہوتا ہے مگر صرف اس وقت جب جنس کی گردش سے ہٹ جاتی ہے۔ اس طرح زر اس وسیلہ کی حیثیت سے باقی نہیں رہتا جو اس عمل کو وجود میں لاتا ہے۔ وہ تو مبادلاتی قیمت کے وجود کی قطعی شکل یا ہمہ گیر جنس کی حیثیت سے سامنے آکر اس عمل کو اختتام تک پہنچاتا ہے۔ فروخت کنندہ نے اپنے جنس کو زر میں منتقل کر دیا تاکہ وہ اپنی کسی حاجت کی تسکین کر سکے۔ اور ذخیرہ کنندہ نے بھی یہی کچھ کیا تاکہ وہ اپنی جنس کو شکل زر میں اور مقروض کو ادائیگی کے قابل باقی رکھے اور اگر مقروض ادائیگی نہ کر سکے تو شیرف اس کے سامان کو بیچ دے گا۔ تو یوں اجناس کی قیمتی شکل زر اس صورت میں فروخت کا مقصد اور منتہیٰ ہوگی اور ایسا اس سماجی ضرورت کی وجہ سے ہوگا جو خود گردش کے عمل کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

خریدار زر کو پھر لوٹا کر اجناس میں منتقل کر دیتا ہے قبل اس کے کہ وہ اجناس کو۔زر

---

[1] امکان کو کرایہ پر دینے کی مثال پیش نظر ہے۔ مترجم)

میں منتقل کرے دوسرے الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ وہ اجناس کے دوسرے قلب ماہیت کو وجود میں لے آتا ہے۔قبل اس کے کہ پہلی قلب ماہیت مکمل ہوئی ہو۔فروخت کنندہ کی جنس گردش میں آتی ہے اور اپنے نرخ کو وجود میں لے آتی ہے لیکن صرف ایک اس قانونی دعویٰ کی شکل میں جو زر پر اس کا ہوتا ہے۔اس کی جنس استعمالی قیمت بن جاتی ہے قبل اس کے کہ وہ زر میں منتقل ہوئی ہو۔اس کے پہلے قلب ماہیت کی تکمیل کچھ مدت بعد ہی ممکن ہوتی[1] ہے۔وہ فرائض جو کسی خاص مدت میں واجب الادا ہوتے ہیں اجناس کے ان نرخوں کے مجموعہ کی نمائندگی کرتے ہیں جن کی فروخت نے ان فرائض کو پیدا کیا ہے ان نرخوں کے مجموعہ کو وجودی شکل میں لانے کے لیے سونے کی جس مقدار کی ضرورت ہوتی ہے اس کا انحصار پہلے تو ذرائع ادائیگی کے دوران کی سرعت پر ہوتا ہے یہ مقدار دو حالات سے مشروط ہوتی ہے۔پہلی حالت یہ کہ قرضدار اور مقروض کا رشتہ ایک قسم کی زنجیر کی شکل اختیار کر لیتا ہے یعنی اس طرح کہ الف جب اپنے مقروض ب سے روپیہ حاصل کرتا ہے تو فوراً اپنے قرضدار ج کو یہ روپیہ دے دیتا ہے اور اسی طرح یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔دوسری حالت

---

[1] میری جو کتاب 1869ء میں چھپی تھی اس کے حسب ذیل اقتباس سے یہ بات معلوم ہوگی کہ میں نے اوپر کے متن میں کیوں۔مخالف شکل کا ذکر نہیں کیا وہ اقتباس یہ ہے: ''اس کے برعکس اس عمل ز۔ج۔ میں۔زر۔حقیقی ذریعہ خرید کی حیثیت سے جدا کیا جا سکتا ہے اور اس طریقہ پر جنس کا نرخ زر کی استعمالی قیمت کے وجود میں آنے اور فی الواقع جنس کے خریدار کو منتقل کیے جانے سے پہلے ہی وجودی شکل حاصل کر سکتا ہے۔یہ صورت حال پیشگی ادائیگی کا جو روزمرہ کا طریقہ ہے اس میں بار بار پیش آتی ہے اور یہی وہ شکل ہے جس کے مطابق برطانی حکومت ہندوستانی افیم کی خریداری کرتی ہے البتہ ان جیسی مثالوں میں۔ زر ہمیشہ ذریعہ خریداری ہونے کا فرض انجام دیتا ہے...... یہ صحیح ہے کہ سرمایہ بھی زر کی شکل میں پیشگی ادا کیا جاتا ہے......لیکن معاملہ کی یہ نوعیت سادہ گردش کے دائرہ میں نہیں آتی''۔(تنقید وغیرہ صفحہ 188)۔

اس وقفہ کی طوالت ہوتی ہے جوفرائض کی ادائیگی کے مختلف مقرر ایام کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ادائیگیوں کا متواتر سلسلہ یا پہلے قلب ماہیت کا تکمیل سے پہلے رک جانا جوہری طور پر مختلف ہوتا ہے قلب ماہیت کے ان متواتر سلسلوں سے جن پر ہم نے اس سے پہلے غور کیا ہے۔گردش کرنے والے ذریعہ کے دوران سے خریداروں اور فروخت کنندگان کا رشتہ صرف ظاہری نہیں ہوتا بلکہ یہ رشتہ صرف گردش سے ہی پیدا ہوتا اور گردش ہی میں زندہ رہتا ہے۔اس کے برعکس ذرائع ادائیگی کی نقل وحرکت ایک ایسے سماجی رشتہ کو ظاہر کرتی ہے جو بہت پہلے سے موجود ہوتا ہے۔یہ حقیقت کہ متعدد فروختیں ایک ہی وقت اور ساتھ ہی ساتھ ہوتی ہیں اس دائرہ کو محدود بنانے کا سبب بنتی ہے جس دائرہ میں دوران کی سرعت سکہ کی جگہ لیتی ہے۔دوسری طرف یہ حقیقت ذرائع ادائیگی میں کفایت شعاری پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے جس نسبت سے ادائیگیاں کسی ایک نقطہ پر جمع ہوتی ہیں اسی نسبت سے اس کے ختم کرنے کے لیے مخصوص ادارے اور خاص طریقے وجود میں لائے جاتے ہیں۔قرونِ وسطیٰ میں لی ینس میں اس مقصد کے لیے خاص ادارے موجود تھے۔الف کا جو قرض ب پر اور ب کا جو قرض ج پر ہے اور ج کا الف پر ہے وغیرہ اس کو کسی حد تک منسوخ کر دینے کا طریقہ یہ ہے کہ ان قرضداروں اور مقروضوں کو ایک دوسرے کے سامنے لے آیا جائے جس طرح مثبت اور منفی مقداریں ایک دوسرے کا اثر ختم کر دیتی ہیں اسی طرح صرف ایک ہی بیلنس رہ جاتا ہے جس کی ادائیگی کرنا ہوتی ہے۔ادائیگیوں کی جو کہ مجتمعہ ہوں مقدار جتنی بڑی ہوگی اتنا ہی یہ بیلنس کم ہوگا اس مقدار کی نسبت سے اور گردش میں ذرائع ادائیگی کی جو مقدار ہوگی وہ بھی کم ہوگی۔

زر کا یہ فرض کہ وہ ذریعہ ادائیگی ہے ایک ایسا تضاد ہے جس سے بچنے کی کوئی صورت موجود نہیں ہے۔جب تک ادائیگیوں کی نوعیت ایسی ہوتی ہے کہ ان میں سے ایک کا دوسرے سے موازنہ کر کے حساب برابر کر دیا جاتا ہے۔تو اس حالت میں زر صرف مثالی طور

پر زر حسابی ہونے کا فرض انجام دیتا ہے۔ وہ صرف قیمت کا پیمانہ ہوتا ہے۔ مگر جہاں واقعی ادائیگیاں ہوتی ہیں تو۔ زر ذریعہ گردش کی طرح کام نہیں کرتا۔ وہ پیداواروں کے باہمی تبادلہ کا محض عبوری ایجنٹ نہیں ہوتا بلکہ سماجی محنت کے انفرادی مجسمہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ مبادلاتی قیمت کے وجود کی آزاد شکل کی حیثیت ایک ہمہ گیر جنس کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ تضاد صنعتی اور تجارتی بحرانوں کے ان رخوں میں نمایاں ہو کر سامنے آجاتا ہے جو زری بحرانوں کے نام سے متعارف ہیں۔

اس قسم[1] کا بحران صرف اسی جگہ پیدا ہوتا ہے جہاں ادائیگی کا روز افزوں طوالت پذیر سلسلہ اور ان کا فیصلہ کرنے کا ایک مصنوعی نظام پوری طرح ترقی پا چکا ہو۔ جوں ہی اس نظام میں عام اور وسیع پیمانہ پر گڑبڑ پیدا ہوئی' چاہے اس کا سبب کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ زر اچانک اور فوری طور پر زر حسابی ہونے کی محض مثالی شکل سے منتقل ہو کر نقدی کی ہیئت اختیار کر لیتا ہے۔ پھر عامی اجناس (عامی کا استعمال محض ادبی انداز میں کیا گیا ہے۔ مترجم) اس کی قائم مقامی نہیں کر سکتیں۔ اجناس کی استعمالی قیمت۔ محض بے قیمت ہو کر رہ جاتی ہے اور ان کی قیمت قیمت کی اپنی جداگانہ شکل کی موجودگی کی وجہ سے محض غائب ہو جاتی ہے۔ بحران کے شروع ہونے پر بورژوا حضرات اس خود کفایتی جذبہ کے ساتھ جو مسحور کن خوشحالی سے پیدا ہوا کرتا ہے یہ اعلان کر دیتے ہیں کہ زر تو محض ایک بے ضرورت تخیل پسندی ہے۔

---

[1] متن میں جس زری بحران کا حوالہ دیا گیا ہے گو وہ ہر قسم کے بحران کا ایک رخ ہوتا ہے مگر اسے بحران کی اس خاص شکل سے ممتاز رکھنا چاہیے جس کا نام بھی۔ زری بحران۔ ہے مگر وہ خود بخود ایک آزاد مظہر کی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے اور اس انداز پر کہ صنعت اور تجارت پر صرف بالواسطہ ہی اثر انداز ہوتا ہے۔ ان بحرانوں کا محور زر والا سرمایہ (Moneyedcapital) ہوتا ہے اور اس لیے ان بحرانوں کا فوری عمل اس سرمایہ کے دائرہ اثر میں ہوتا ہے یعنی بنکاری۔ صرافہ اور مالیات میں)۔

صرف اور صرف اجناس ہی زر ہوتی ہیں لیکن اب ہر طرف دوسرے قسم کا شور مچنے لگتا ہے۔ زر ہی جنس ہوتا ہے جس طرح ہرن تازہ پانی کے لیے ہانپتا ہے اسی طرح بورژوا کی روح۔زر کے لیے جو واحد دولت ہے ہانپتی ہے[1] ایک بحران کی حالت میں۔اجناس اور ان کی قیمتی شکل۔زر کے درمیان جو تضاد ہوتا ہے وہ انتہائی شدید بن جاتا ہے اور اس لیے ایسی صورت حال میں وہ شکل جس میں۔زر۔نمایاں ہوتا ہے کوئی اہمیت نہیں رکھتی زر کا قحط جاری رہتا ہے خواہ ادائیگیاں سونے میں کی جائیں یا زر کریڈٹ میں جیسے مثلاً بینک کے نوٹ ہوتے ہیں۔[2]

---

[1] کریڈٹ کے نظام سے نقد روپیہ کے نظام کی طرف اچانک انتقال عملی بدحواسی کے ساتھ نظریاتی دہشت پیدا کرنے کا سبب بھی بنتا ہے اور وہ ڈیلر (تقسیم کنندگان) جن کے توسط سے گردش متاثر ہوتی ہے اس ناقابل فہم راز کو دیکھ کر دہشت زدہ رہ جاتے ہیں جس میں ان کے معاشی رشتے جا پھنستے ہیں۔" (کارل مارکس بحوالہ سابقہ صفحہ ۱۹۸) غرباء بالکل ساکت رہتے ہیں اس لئے کہ امراء کے پاس انہیں ملازم رکھنے کے لئے روپیہ نہیں ہوتا گو ان کے پاس غذا اور کپڑے مہیا کرنے کے لئے وہی زمین وہی ہاتھ ہوں جو کہ کسی قوم کی حقیقی دولت ہوتے ہیں۔حقیقی دولت۔۔زر۔نہیں ہوتا۔" (جان بیلرس "صنعتی کالج بنانے سے متعلق تجویزیں" ۱۶۹۵ء صفحہ ۳) [2] حسب ذیل واقعہ سے یہ اندازہ ہوگا کہ اس قسم کے زمانہ کو کن مقاصد کیلیے استعمال کیا جاتا ہے۔(ایک موقع پر 1839ء) ایک بوڑھے حریص بینکر نے (جو شہر لندن ہی کا ہے) جو اپنے نجی کمرے میں بیٹھا تھا اس ڈسک کا ڈھکنا اٹھایا جس پر وہ بیٹھا تھا اور اپنے دوست کو بینک کے نوٹوں کے ڈھیر دکھائے اور بڑے پر مسرت انداز میں کہا کہ یہ 6 لاکھ پونڈ کے نوٹ ہیں۔انہیں اسلیے روک لیا گیا ہے کہ روپیہ کو تنگ کر دیا جائے۔آج ہی شام کو تین بجے یہ نوٹ بازار میں لے آئے جائیں گے (نظریہ مبادلات 1844ء کا بینک کے چارٹر کا قانون۔لندن 1864ء صفحہ 8) اخبار آبزرور نے جو نیم سرکاری آرگن کی حیثیت رکھتا ہے 24 اپریل 1864ء کی اشاعت میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اگر ہم زر کے اس تمام مجموعہ پر غور کریں جو کسی خاص مدت میں حالت دوران میں ہو تو ہم جو چیز دیکھیں گے وہ یہ ہوگی کہ گردش کرنے والے وسیلہ اور ذرائع ادائیگی کے خاص دوران کے ہوتے ہوئے زر کا یہ مجموعہ مساوی ہوتا ہے ان نرخوں کے جو وجودی شکل حاصل کرتے ہیں۔ مع ان ادائیگیوں کے مجموعہ کے جن کی ادائیگی کا وقت آ گیا ہو لیکن اس میں وہ ادائیگیاں شامل نہیں ہیں جو ایک دوسرے کے برابر ہوں اور یوں انہیں بے باق کر دیں۔ نیز اس میں سکہ کے ایک ہی ٹکڑے کے وہ دورے بھی شامل ہیں جو یہ ٹکڑا کبھی ذریعہ گردش اور کبھی ذریعہ ادائیگی کی حیثیت سے کیا کرتا ہے۔ تو نتیجہ یہ کہ اگر نرخ دوران کی سرعت اور ادائیگیوں میں کفایت شعاری کا دائرہ یہ سب کچھ دیا ہوا ہو تو بھی زر کی وہ مقدار جو دوران میں ہو اور اجناس کی وہ مقدار جو کسی خاص مدت میں (جیسے مثلاً ایک دن میں) گردش کر رہی ہو۔ ایک دوسرے سے مشابہ نہیں ہوتی۔ زر جو کہ ان اجناس کی نمائندگی کرتا ہے جو بہت پہلے گردش سے ہٹ چکی ہیں۔ برابر دوران میں رہتا ہے۔ ادھر اجناس گردش میں رہتی ہیں جب کہ ان کے مساوی جو زر ہوتا ہے وہ کافی مدت بعد سامنے آتا ہے۔ علاوہ بریں ہر روز قرضوں کا لین دین ہوتا رہتا ہے اور جو ادائیگیاں ایک ہی دن میں واجب الادا ہوتی ہیں بالکل ناقابل تقابل مقداریں ہوتی ہیں[1] (لہٰذا زر اور اجناس کی مقداروں کا تناسب

(باقی حاشیہ) حسب ذیل عبارت بھی چھاپی تھی۔ بینک کے نوٹوں کی قلت پیدا کرنے کے لیے جو ذرائع استعمال میں لائے جاتے ہیں ان کے متعلق بعض بڑی عجیب افواہیں پھیل رہی ہیں...... اس قسم کی حرکتیں اگر عمل میں لائی جاتی ہیں تو یہ ظاہر ہے نہایت قابل اعتراض ہیں اور ان کا رپورٹ میں جو ہمہ گیر قسم کی رپورٹ ہے ذکر ہونا ضروری تھا) ۔[1] کسی ایک دن میں جو خریداریاں یا تجارتی معاہدے ہوتے ہیں وہ اس دن جو روپیہ جاری حالت میں ہوتا ہے اس پر اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ زیادہ تر (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ضروری نہیں ہے۔ مترجم)

زر کریڈٹ۔ براہ راست زر کے اس فرض سے پیدا ہوتا ہے جو وہ ذریعہ ادائیگی ہونے کی حیثیت سے انجام دیتا ہے۔ قرضوں کے سرٹیفکیٹ جو خرید کردہ اجناس سے متعلق ہوں ان قرضوں کو دوسروں کو منتقل کرنے کے لیے گردش کرتے ہیں۔ اس کے برعکس جس حد تک کریڈٹ کا نظام وسیع ہوتا ہے اسی قدر زر کے اس فرض میں توسیع ہوتی ہے جو وہ ذریعہ ادائیگی کی حیثیت سے سرانجام دیتا ہے۔ زر اپنے اس کردار میں کئی وہ اشکال اختیار کرتا ہے جو اس سے مخصوص ہوتی ہیں اور جن اشکال میں وہ بڑی بڑی تجارتی معاملتوں میں بالکل موزوں اور ہم آہنگ ہو کے رہتا ہے لیکن دوسری طرف سونے اور چاندی کے سکے خوردہ فروشی کی تجارت میں زیادہ تر نظر انداز ہی کیے جاتے ہیں[1]

(بقیہ حاشیہ) مثالوں میں ایسا ہوتا ہے کہ یہ خریداریاں یا معاہدے مذکورہ تاریخ سے کسی بعد کی تاریخ میں جوزر جاری ہوگا۔ اس کے لیے مختلف النوع ڈرافٹوں کی حیثیت حاصل کر جائیں گے...... آج جو بل منظور ہوئے یا کریڈٹ کھلے یہ بالکل ضروری نہیں کہ وہ مقدار رقم اور مدت کے معاملہ میں ان بلوں کی منظوری یا کریڈٹوں کے کھلنے سے مشابہ ہوں جن کی معاملت کل یا دوسرے دن ہوئی ہو۔ اتنا ہی نہیں آج کے بہت سے بل یا کریڈٹ جب واجب الادا ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ بہت سے واجبات بھی ہوتے ہیں جن کی ابتدائیں ماضی کے بہت سے غیر متعین دنوں سے ہو کر گذرتی ہیں۔ اب مثلاً یہ ہوسکتا ہے کہ 12-6-3 یا 1 مہینے پہلے کے بل جمع ہو جائیں جو کسی خاص دن کے واجبات کی مقدار بڑھائیں...... کرنسی کے نظریہ پر نظر ثانی۔ قوم اسکاٹ کے نام ایک خط جو انگلستان کے ایک بینکر نے لکھا ہے۔ ایڈنبرا 1845ء صفحات 29-30 الخ) [1] صحیح معنی میں جو تجارتی معاملتیں ہوتی ہیں ان میں حاضر زر کتنا کم مطلوب ہوتا ہے اس کے لیے بطور مثال میں لندن کے ایک بہت بڑے تجارتی ادارہ کا تختہ آمد و خرچ ذیل میں پیش کرتا ہوں جس میں اس ادارے کا سالانہ آمد و خرچ بتایا گیا ہے۔ 1856ء میں اس ادارے نے جو معاملتیں کیں وہ بہت سے ملینوں پونڈ اسٹرلنگ پر پھیلی ہوئی تھیں جنہیں میں نے صرف ایک ملین پونڈ کے پیمانہ پر رکھ کر بیان کیا ہے۔

آمد	خرچ
بینکروں اور تاجروں کے بل جو بعد از تاریخ قابل ادائیگی ہوں گے 533596 پونڈ۔ بینکروں وغیرہ کے نام جو چیک ہیں جو کہ طلب پر قابل ادائیگی ہوں گے 357715 پونڈ۔ کنٹری نوٹ 9627 پونڈ۔ بینک آف انگلینڈ کے نوٹ 68554 پونڈ سونا 28089 پونڈ۔ چاندی اور تانبہ 1486 پونڈ پوسٹ آفس آرڈر 993 پونڈ	بل جو بعد از تاریخ قابل ادائیگی ہوں گے 302674 پونڈ لندن کے بینکروں کے نام چیک 663,672 پونڈ بینک آف انگلینڈ کے نوٹ 32743 پونڈ سونا 9427 پونڈ۔ چاندی اور تانبہ 1484 پونڈ
کل 1,000,000 پونڈ	کل 1,000,000 پونڈ بینک کے قوانین سے متعلق سلیکٹ کمیٹی کی رپورٹ۔ جولائی 1858ء صفحہ 71

جب اشیاء کی پیداوار کافی پھیل جاتی ہے تو زر اجناس کی گردش کے دائرہ سے باہر ذریعہ ادائیگی کی حیثیت سے کام کرنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ ایک ایسی جنس بن جاتا ہے جو تمام تجارتی معاملتوں کے مرکزی موضوع کی حیثیت سے ہوتی ہے[1]۔ کرائے ٹیکس اور اسی قسم کی ادائیگیاں بالجنس سے بدل کر زر کی شکل میں ادائیگیاں ہو جاتی ہیں۔ یہ انتقال کس حد تک پیداوار کے عام حالات پر منحصر ہوتا ہے اس کا اندازہ صرف اس ایک مثال سے ہوگا کہ رومی شہنشاہیت نے دو بار اس بات کی کوشش کی کہ وہ سارے محصولات زر میں وصول

[1] سامان کا سامان سے مبادلہ یا لین دین کی جگہ فروخت اور خرید کے آ جانے سے تجارت کا جو رخ بدلتا ہے اس کی وجہ سے سارے کا سارا سودا نرخنامہ (جو زر میں ہو) پر لکھ کر ہوتا ہے (پبلک کریڈٹ سے متعلق ایک مضمون۔ تیسرا ایڈیشن لندن 1710ء صفحہ 8)

کرے مگر وہ دونوں بار ناکام ہوگئی۔لوئی چہاردہم کے زمانے میں فرانس کی زرعی آبادی ناقابل بیان حد تک غریب ہوگئی تھی۔اس غربت کا حال لوئس گلئے برٹ مارشل اور وابان نے اتنے فصیحانہ انداز میں بیان کیا ہے:

دیہاتی آبادی کی یہ غربت صرف ٹیکسوں کے بھاری بوجھ کی وجہ سے ہی پیدا نہ ہوئی تھی بلکہ اس کا سبب یہ بھی تھا کہ ٹیکسوں کی بالجنس ادائیگی کے بجائے زر میں ادائیگی پر زور دیا جاتا تھا۔اس کے برعکس یہ حقیقت کہ ایشیا میں سرکاری ٹیکس خاص طور پر ان کرایوں پر مشتمل ہوتے ہیں جن کی بالجنس ادائیگی ہوتی ہے پیداوار کے حالات پر منحصر ہوا کرتی ہے اور پیداوار کے یہ حالات مظاہر فطرت کی باقاعدگی کی طرح رونما ہوتے رہتے ہیں۔ادائیگی کا یہ انداز پھر قدیم طرز پیداوار کو باقی رکھنے کا سبب بن جاتا ہے۔عثمانی ترکوں کی شہنشاہیت کے باقی رہنے کا ایک راز یہ بھی ہے اگر غیر ملکی تجارت جو جاپان پر یوروپینوں نے تھوپ دی ہے بالجنس کرایوں کی جگہ زری کرائے لے آنے کا سبب بن جائے تو جاپان کی نمونہ کی زراعت مایوس کن صورت حال سے دوچار ہوجائے گی اور وہ تنگ معاشی حالات جن میں جاپان کی زراعت کی جاتی ہے اس طوفان کے آگے غائب ہوکر رہ جائیں گے۔

ہر ایک ملک میں سال کے چند دن عادتاً متعدد بڑی اور مکرر الوقوع ادائیگیوں کے تصفیہ کے لیے مخصوص کردیے جاتے ہیں۔یہ تاریخیں جو اس مقصد کے لیے رکھی جاتی ہیں تولید و تناسل کے پہیے میں جو انقلابات آتے رہتے ہیں ان سے قطع نظر ان حالات پر منحصر ہوتی ہیں جو موسموں سے قریبی تعلق رکھتے ہیں انہیں سے ان ادائیگیوں کے دن بھی متعین ہوتے ہیں جو اجناس کی گردش سے کوئی تعلق نہیں رکھتیں جیسے ٹیکسوں اور کرایوں وغیرہ کی ادائیگی۔یہ ادائیگیاں سارے ملک میں انہیں خاص دنوں میں واجب الادا ہوتی ہیں ان ادائیگیوں کے لیے زر کی جو مقدار مطلوب ہوتی ہے اس سے ذریعہ ادائیگی کے معاشی نظام میں گڑبڑیں پیدا ہوتی ہیں [1]

---

[1] 1842ء کے سفید اتوار کے دن (سفید اتوار ایسٹر کے بعد کا ساتواں اتوار ہوتا ہے جس میں اصطباغ کی رسم ادا ہوتی ہے اور سفید کپڑے پہنے جاتے ہیں۔مترجم) جیسا کہ مسٹر کریگ نے ایوان عام کی 1826ء کی کمیٹی کے سامنے کہا تھا:''ایڈنبرا کے بینک سے نوٹوں کا اتنا زبردست مطالبہ کیا (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ذرائع ادائیگی کے دوران کی سرعت کے قانون سے جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ ذرائع ادائیگی کی وہ مقدار جو تمام وقتی ادائیگیوں کے لیے ضروری ہوتی ہے خواہ ان ادائیگیوں کا ماخذ کوئی بھی کیوں نہ ہو ان وقفوں سے جو ان ادائیگیوں کا ہوتا ہے معکوس اوسط میں ہوتی ہے[1] زر کا ذریعہ ادائیگی کی حیثیت اختیار کر لینا اس بات کو ضروری قرار دیتا

(بقیہ حاشیہ) گیا کہ دن کے 11 بجے بینک کی تحویل میں ایک بھی نوٹ باقی نہ رہا۔ بینک کے ذمہ داروں نے دوسرے تمام بینکوں سے قرض لینے کے لیے آدمی بھیجے لیکن وہ نوٹ حاصل نہ کر سکے اور اس لیے بہت سی معاملتیں صرف کاغذ کی پرچیوں پر کی جا سکیں لیکن 3 بجے تک وہ سارے نوٹ بینک میں واپس آ گئے جو بینک نے شائع کیے تھے۔ یوں یہ سب کچھ محض ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل ہونے کا عمل ہوا۔ اسکاٹ لینڈ میں گو بینکوں کے نوٹوں کی مؤثر گردش تین لاکھ اسٹرلنگ سے کم ہوتی ہے مگر سال کے ان دنوں میں جو تنخواہ کے دن ہوتے ہیں بینکروں کے قبضہ میں جو بھی ایک نوٹ ہوتا ہے اور جو تقریباً ستر لاکھ پونڈ تک پہنچتا ہے گردش میں آ جاتا ہے۔ اس قسم کے مواقع پر نوٹ صرف ایک اور متعین فرض انجام دیتے ہیں اور جونہی وہ یہ فرض انجام دے چکتے ہیں پھر واپس انہیں متعدد بینکوں میں لوٹ جاتے ہیں جن سے وہ ایشوع ہوتے ہیں (ملاحظہ ہو جان فولرٹن کی کتاب ''ریگولیشن آف کرنسیز'' لندن 1844ء صفحہ 185 نوٹ) اس معاملہ کی توضیح کے لیے یہ بات بھی بیان کر دینی ضروری ہے کہ فولرٹن کی کتاب کی تصنیف کے زمانے میں اسکاٹ لینڈ میں بینکوں سے امانتیں نکالنے کے لیے چیک استعمال نہ ہوتے تھے نوٹ استعمال ہوتے تھے۔)

[1] ولیم پیٹی نے اپنی ماہرانہ ذہانت کے ساتھ اس سوال کا جواب دیا کہ ''اگر سونا تو 6 ملین ہی ہو اور نوٹ سالانہ چالیس ملین بنائے جائیں تو اس قسم کے انقلابوں اور ان سے متعلق گردشوں کے لیے یہ رقم کافی ہوگی یا نہیں'' یہ جواب دیا ہے کہ ''ہاں یہ رقم کافی ہوگی اس لیے کہ اگر انقلابات اتنے چھوٹے دائروں میں ہوں مثلاً ایک ہفتہ میں ہوں جیسا کہ غریب کاریگروں اور مزدوروں کا معاملہ ہے کہ وہ ہر ہر ہفتہ کے دن اجرتیں لیتے اور ادائیگیاں کرتے ہیں تو (سال کے 52 ہفتوں کے حساب سے مترجم) ایک ملین کا 40/52 حصہ ان ضروریات کے لیے کافی ہوگا۔ لیکن اگر یہ ادوار یعنی ادائیگی اور خرچ کے ادوار۔ یاد رہے اوپر انقلابات کا لفظ بھی اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے مترجم) سہ ماہی (یعنی 13 ہفتہ کا ہو مترجم) ہوں جیسا کہ کرایوں اور ٹیکسوں کے ادا کرنے اور وصول کرنے کے سلسلہ میں رواج ہے کہ وہ سہ ماہی ادا اور وصول کیے جاتے ہیں تو پھر دس ملین کی ضرورت پڑے گی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے کہ زر کا ذخیرہ کرلیا جائے ان تاریخوں کے لیے جو مقروضہ رقم کی ادائیگی کے لیے رکھی گئی ہیں۔ ذخیرہ اندوزی حصول دولت کے ایک ممتاز ذریعہ کی حیثیت سے شہری سماج کے ارتقاء کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے اور ادھر تو یہ ختم ہوتی ہے اور ادھر ذرائع ادائیگی کے ذخیروں کی تشکیل شہری سماج کے ارتقاء کے ساتھ بڑھتی رہتی ہے۔

ج۔ ہمہ گیر۔زر

جب زر گردش کے گھریلو دائرہ سے باہر نکلتا ہے تو وہ ان مقامی لبادوں کو اتار پھینکتا ہے جو وہ اس دائرہ میں پہنے رہتا ہے۔ یعنی نرخوں سکہ علامتی ٹکڑوں اور قیمت کی علامت ہونے کا لبادہ اتار پھینکتا ہے اور اپنی اصلی شکل ۔بلین ۔ پر لوٹ جاتا ہے۔ دنیا کی منڈیوں کے درمیان کی تجارت میں اجناس کی قیمت کے اس طرح ظاہر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اسے ہمہ گیر طور پر تسلیم کرلیا جائے۔ نتیجہ اس کا ظاہر ہے یہ ہے کہ ان اجناس کی جو آزاد قیمتی شکل ہے وہ بھی (ان حالات میں) ہمہ گیر زر کی ہیئت میں ان کے متقابل آئے یوں دنیا کی منڈیوں ہی میں یہ ہوتا ہے کہ زر پوری طرح ایک اس جنس کا کردار حاصل کر لیتا ہے جس کی جسمانی شکل ساتھ ہی محنت محضہ بشریہ کا فوری سماجی مجسمہ بھی ہوتی ہے۔ اس دائرہ میں اس کے وجود کا صحیح انداز اس کا جو مثالی تصور ہوتا ہے۔اس سے موزوں طور پر مماثل ہوتا ہے۔

گھریلو گردش کے دائرہ میں صرف ایک ہی جنس ہوتی ہے جو کہ۔ قیمت کا پیمانہ ہونے کا فرض انجام دینے کی وجہ سے زر ہو جاتی ہے۔ دنیا کی منڈیوں میں قیمت کے دوہرے پیمانے یعنی سونا اور چاندی چلتے ہیں۔[1]

(بقیہ حاشیہ) (جو کہ چالیس ملین کا چوتھائی حصہ ہوتے ہیں گویا 13 ہفتہ کے لیے جو 52 ہفتوں کا چوتھائی حصہ ہیں۔مترجم) اور اگر ادائیگی عموماً ایک ہفتہ اور 13 ہفتہ کے درمیان کے دائرہ میں ہوتی ہو تو دس ملین کو 40/52 میں بڑھا دیجئے جس کا نصف 51/2 ہوا۔ گویا اگر ہمارے پاس 51/2 ہو تو کافی رقم ہوگی (ولیم پٹی "پولیٹیکل اناٹامی آف آئرلینڈ" 1642 ایڈیشن لندن 1691 صفحہ 13 و 14)

[1] اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا ہر قانون بالکل احمقانہ ہوتا ہے جس کی رو (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دنیا کا زر ادائیگی کا ہمہ گیر ذریعہ ہونے۔ خریداری کا ہمہ گیر وسیلہ اور ہر قسم کی

(بقیہ حاشیہ) سے یہ فرض کرلیا جاتا ہے کہ کسی ملک کے سارے بینک صرف اس قیمتی دھات کا ذخیرہ جمع کریں جو اس ملک کے اندر گردش کرتی ہے۔ اس طرح بینک آف انگلینڈ نے خود بخود جو پسندیدہ دشواریاں پیدا کرلی ہیں ان سے سب واقف ہیں۔ سونے اور چاندی کی اضافی اور نسبتی قیمت میں جو تبدیلیاں ہوتی رہی ہیں ان کی تاریخ کے جو مختلف ادوار آئے اس موضوع پر ملاحظہ ہو کارل مارکس بحوالہ سابقہ صفحہ 215 الخ۔ سر رابرٹ پیل نے اپنے 1844ء کے بینک ایکٹ کی رو سے اس دشواری پر اس طرح قابو حاصل کرنے کی کوشش کی کہ انہوں نے بینک آف انگلینڈ کو اس بات کی اجازت دے دی کہ وہ چاندی کے بلین کے ذخیروں کی اساس پر نوٹ شائع کردے مگر اس شرط کے ساتھ کہ چاندی کے ذخیرے سونے کے ذخائر کے 1/4 سے زائد کبھی نہ ہوں اس مقصد کے لیے چاندی کی جو قیمت ہوتی تھی وہ وہی ہوتی تھی جو لندن کے بازار میں اس کی ہوتی تھی..... کیپٹال کے چوتھے جرمن ایڈیشن میں یہ نوٹ بھی شامل ہے چاندی اور سونے کی اضافی اور نسبتی قیمت میں واضح تبدیلی کا دور پھر آ گیا ہے۔ اب سے کوئی 25 سال پہلے سونے اور چاندی کا اوسط 15ء5 اور 1 تھا آج کل یہ 22 اور 1 ہے اور چاندی سونے کی نسبت سے برابر گر رہی ہے۔ یہ صورت حال ان دونوں دھاتوں کی پیداوار کے عمل میں انقلاب کی وجہ سے رونما ہوتی ہے پہلے تو زمین کے طلاء گیر سیلابی پرتوں کو جو کہ طلاء گیر چٹانوں کے ٹوٹنے سے پیدا ہوتے ہیں دھونے اور صاف کرنے سے سونا نکالا جاتا تھا مگر اب یہ طریقہ کافی نہیں سمجھا جاتا اور اس کی جگہ سنگ مردہ پر مشتمل پرتوں کو جو سونے پر مشتمل ہوتی ہیں کانیں کھود کر نکالا جاتا ہے۔ پہلے اس طریقہ کو ثانوی خیال کیا جاتا تھا۔ گو قدماء بھی اس طریقہ سے واقف تھے (ڈیوڈ ورس 3-12-14) اس کے برعکس امریکہ کے راکی ماؤنٹیز۔ میں چاندی کے بہت زیادہ تہ نشین ذخیرے دریافت ہو گئے ہیں۔ یہ لینز میکسیکو کی چاندی کی کانیں ریل کی لائنوں سے ملادی گئی ہیں۔ ریلوے لائنوں کے بن جانے سے نئے طرز کی مشنری اور ایندھن بہ آسانی کانوں پر پہنچ جاتا ہے جس سے ان کانوں کے کھودنے کا خرچ کم ہو گیا اور زیادہ ذخیرے نکالنے ممکن ہو گئے۔ لیکن یہ دونوں دھاتیں خام پرتوں میں جس انداز پر واقع ہوتی ہیں اس میں بہت فرق ہوتا ہے۔ سونا تو عموماً ٹھوس حالت میں ہوتا ہے اور سنگ مردہ کے پرتوں میں چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ سونا نکالنے میں کھدائی کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ان پرتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے سونے کو دھولیا جاتا ہے یا پارہ کے ذریعہ نکال لیا جاتا ہے۔ زیادہ تر ایک ملین گرام سنگ مردہ میں (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دولت کے ہمہ گیر مسلمہ مجسمہ کی حیثیت سے اپنا فرض انجام دیتا ہے۔ بین الاقوامی چٹھیوں (بیلنسوں) کے تصفیہ میں ادائیگی کے ذریعہ کی حیثیت سے زر جو فرض انجام دیتا ہے وہ اس کا سب سے بڑا فرض ہے اسی لیے مرکنٹائلی برابر ''توازن تجارت'' کا نعرہ لگایا کرتے ہیں[1]

(بقیہ حاشیہ) ایک سے تین گرام سے زیادہ سونا نہیں ہوتا اور بالکل نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ تیس سے لے کر ساٹھ گرام تک سونا ہو۔ اس کے برعکس چاندی بالکل نادر طور پر ہی خالص حالت میں پائی جاتی ہے۔ لیکن بعض ان کچی دھاتوں میں بھی موجود ہوتی ہے جن کا فضول حصہ بہ آسانی الگ کر دیا جاتا ہے اور اس میں چالیس سے لے کر 90 فی صد تک چاندی ہوتی ہے یا پھر ایسا ہوتا ہے کہ چاندی کی کم مقداریں تانبے اور سیسہ وغیرہ کی کچی دھاتوں میں ملتی ہیں لیکن خود تانبہ اور سیسہ بھی تو کانوں سے نکالا جاتا ہے۔ صرف اسی ایک چیز سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ سونے کی پیداوار کا کام تو کچھ بڑھ ہی گیا ہے جب کہ چاندی کو نکالنے کا کام لازماً کم ہو گیا ہے جس سے چاندی کی قیمت میں کمی کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ قیمت میں یہ کمی نرخ میں کچھ اور زیادہ کمی رونما ہو جانے کی صورت میں ظاہر ہو گی اگر مصنوعی ذرائع سے اب بھی چاندی کے نرخ کو زیادہ گرنے سے روکنے کی کوشش نہ کی گئی۔ ادھر امریکہ کے چاندی کے ذخیروں تک بہت کم رسائی کی اجازت دی گئی ہے اور اس لیے چاندی کی قیمت میں مسلسل کمی کے امکانات پائے جاتے ہیں۔ چاندی کے دام مزید اور اس بات کی وجہ سے گریں گے کہ اسباب عیش اور سامان استعمال میں چاندی کی مانگ اور کم ہو گئی ہے۔ اور اس کی جگہ قلعی اور المونیم وغیرہ کے برتن استعمال ہونے لگے ہیں اب اس صورت حال کی روشنی میں دو دھاتی رواج کے حامیوں کی اس یوٹو پیائی سراب زدگی کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ جبریہ طور پر بین الاقوامی نرخ رکھ دینے سے چاندی کی قیمت پرانی شرح یعنی 1-5,15 پر لائی جاسکتی ہے لیکن امکانات تو یہ ہیں کہ بین الاقوامی بازار میں چاندی زیادہ سے زیادہ گرتی چلی جائے گی۔ فریڈرک اینگلز)۔

[1] مرکنٹائلی نظام کے مخالف بھی---- اور مرکنٹائلیت کا یہ نظام سونے اور چاندی میں زائد تجارتی توازنوں کے تصفیہ کو بین الاقوامی تجارت کا مقصد خیال کرتا ہے۔ دنیا کے زر کا مقصد سمجھنے میں ٹھوکر کھا گئے ہیں۔ میں رکارڈو کی مثال پیش کر کے یہ بتا چکا ہوں کہ ان قوانین کے متعلق جو گردش کرنے والے وسیلہ کی مقدار کو منضبط کرتے ہیں انہوں نے جو غلط تصور قائم کر رکھا ہے وہ کس طرح ان (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سونا اور چاندی بین الاقوامی وسیلہ خرید کی حیثیت سے خاص طور پر اور لازمی طور پر صرف انہیں زمانوں میں عمل کرتے ہیں جب مختلف اقوام کے درمیان پیداواروں کے باہمی مبادلہ میں جو مروجہ توازن ہوتا ہے وہ اچانک بگڑ جاتا ہے اور آخر میں۔ زر سماجی دولت کے ہمہ گیر طور پر تسلیم شدہ مجسمہ کی حیثیت سے کام کرتا ہے جب بھی مسئلہ خرید اور ادائیگی کا نہ ہو بلکہ سوال ایک ملک سے دوسرے ملک۔ دولت منتقل کرنے کا ہو اور جب بھی یہ انتقال اجناس کی شکل میں ممکن نہ ہو خواہ اس لیے کہ منڈیوں میں خاص حالات رونما ہو گئے ہوں یا اس لیے کہ انتقال دولت سے جو مقصد حاصل کرنا ہے وہ بالجنس انتقال سے حاصل ہی نہ ہو سکے۔[1]

(بقیہ حاشیہ) کے اس تصور میں جو پہلے تصور کی طرح ہی گمراہ کن ہے-- جھلکتا ہے جو انہوں نے قیمتی دھاتوں کی بین الاقوامی نقل و حرکت کے سلسلہ میں قائم کر رکھا ہے بحوالہ سابقہ صفحہ 50 الخ) رکارڈو کا یہ نقطہ نظر یہ کہ "ناموافق تجارتی توازن زائد کرنسی بغیر کبھی پیدا نہیں ہوتا......سکہ کی برآمد سکہ کے سستا ہو جانے سے وجود میں آیا ہے۔ وہ سبب ہوتی ہے ناموافق تجارتی توازن کی نتیجہ نہیں ہوتی" باربن کے یہاں پہلے ہی سے موجود ہے۔ باربن کہتا ہے "تجارتی توازن- اگر وہ موجود ہو- کسی قوم کے زر کو باہر بھیجنے کا سبب نہیں بنتا بلکہ وہ ہر ملک میں بلین کی قیمت کے درمیان جو فرق ہوتا ہے اس سے پیدا ہوتا ہے" (این۔ باربن۔ بحوالہ سابقہ صفحات 59-6) میک کولاچ - نے دی لٹریچر آف پولیٹیکل اکانمی' میں جو ایک درجہ وارانہ فہرست کی حیثیت رکھتی ہے لندن 1895۔ باربن کی اس بات پر تعریف کی ہے کہ اس نے اس نظریہ کی پیش بینی کر لی۔ لیکن اس نے اتنی دانشمندی کی کہ ان طفلانہ شکلوں کا کوئی ذکر نہ کیا جس میں باربن نے اپنے احمقانہ قضیہ کو لپیٹ کر پیش کیا ہے اور جس قضیہ پر "کرنسی کا اصول" مبنی ہے۔ اس فہرست میں حقیقی تنقید بلکہ خود دیانتداری کا جو فقدان ہے وہ- نظریہ زر- سے متعلق جو حصے مخصوص کیے گئے ہیں ان میں اپنے عروج کی حالت میں سامنے آتا ہے سبب اس کا یہ ہے کہ میک کولاچ نے اپنی کتاب کے اس حصہ میں لارڈ اراسٹون کی چاپلوسی کی ہے۔)

[1] مثلاً بطور مثال سرکاری امدادی رقوم جنگی اخراجات کے لیے قرض یا بینکوں کو نقدی ادائیگیوں کے لیے قرض دینا وغیرہ وہ حالات ہیں جن میں قیمت کی شکل زر۔ ہی وہ چیز ہے جو (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جس طرح ہر ملک کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے اندرونی استعمال کے لیے ۔زر۔ کا ذخیرہ رکھے ٹھیک اسی طرح اس کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ وہ دنیا کی منڈیوں میں جو گردشِ زر ہوتی ہے اس کے لیے بھی زر کا ذخیرہ رکھے۔ تو یوں ذخیروں (زر کے) کا جزوی کام تو ۔زر۔ کی اس حیثیت سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ اندورون ملک گردش اور اندرونی ادائیگیوں کا ذریعہ ہوتا ہے اور جزوی طور پر اس کا کام اس کی اس حیثیت سے پیدا ہوتا ہے کہ وہ دنیا کا زر ہونے کا فرض انجام دیتا ہے۔ اس آخرالذکر فرض کی ادائیگی کا جہاں تک تعلق ہے۔ واقعی جنس زر یعنی واقعی سونے اور چاندی کا ہونا ضروری ہے۔ اسی وجہ سے سر جیمس اسٹیوارٹ سونے اور چاندی کو ان کے خالص مقامی بدلوں سے ممتاز کرنے کے لیے۔ دنیا کا ۔زر۔ کے نام سے پکارتے ہیں۔

سونے اور چاندی کی ندی دو سمت میں بہتی ہے۔ اس کا پہلا بہاؤ تو یہ ہے کہ وہ اپنے منبعوں سے نکل کر ساری دنیا کی منڈیوں میں پھیل جاتی ہے تا کہ مختلف درجوں میں

(بقیہ حاشیہ) مطلوب ہوتی ہے اور کوئی شکل قیمت مطلوب نہیں ہوتی)

نقدی میں ادائیگی کرنے والے ملکوں میں۔ ذخیرں کا نظام بین الاقوامی تصفیہ کا ہر ضروری فرض۔ عام گردش سے مدد لیے بغیر۔ کس قدر کامیابی سے انجام دیتا ہے اس کا یقینی ثبوت میرے خیال میں اس کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا کہ فرانس جب ایک تباہ کن غیر ملکی حملہ کے دھاکہ سے سنبھل رہا تھا تو اس نے کتنی آسانی کے ساتھ ستائیس مہینوں کے اندر اندر اپنے بیس ملین کے جبری چندے کو جو اسے اتحادیوں کو دینا تھا ادا کرنے میں کامیاب ہو گیا اور اس رقم کا کافی بڑا حصہ نقدی میں ادا کیا گیا مگر پھر بھی اس کی گھریلو کرنسی میں نہ کوئی واضح کمی پیدا ہوئی اور نہ افراتفری۔ نہ اس کے مبادلوں میں کوئی دہشت ناک ابتری پیدا ہوئی۔ فولرٹن بحوالہ سابقہ صفحہ 134) کیپٹال کے چوتھے جرمن ایڈیشن کا نوٹ اس کا ایک اور زیادہ واضح ثبوت اس بات سے مہیا ہوا کہ فرانس 1871ء سے لے کر 1873ء تک بڑی آسانی کے ساتھ تیس مہینے میں دس گنا زیادہ تاوانِ جنگ ادا کر سکا اور کافی بڑی تعداد میں دھاتی زر میں یہ ادائیگی کر سکا۔ فریڈرک اینگلز)

گردش کے مختلف قومی دائروں میں جذب ہوجائے۔ کرنسی کی نالیوں کو بھر دے۔ سونے اور چاندی کے گھسے ہوئے سکوں کی قائم مقامی کرے اشیاء عیش کے سامانوں کو مہیا کرے اور ذخائر کی شکل میں متحجر ہوجائے یہ پہلا بہاؤ ان ملکوں سے چلتا ہے جو اپنی محنت کو جو کہ اجناس کی شکل حاصل کر لیتی ہے اس محنت سے بدلتے ہیں جو سونا اور چاندی پیدا کرنے والے ملکوں نے قیمتی دھاتوں میں مجسم کر دی ہے۔ اس ندی کا دوسرا بہاؤ یہ ہے کہ سونا اور چاندی مسلسل طور پر گردش کے مختلف قومی دائروں میں آگے کی طرف اور پیچھے کی طرف بہتے رہتے ہیں اس بہاؤ کی حرکت مبادلہ کی رفتار میں متواتر اتار چڑھاؤ پر منحصر ہوتی ہے[1] جن ملکوں میں بورژوا طرز پیداوار کسی خاص حد تک ترقی کر جاتا ہے ان میں وہ ذخیرے جو بینکوں کے مضبوط کمروں میں بند رہتے ہیں' اس حد تک کم رہتے ہیں جس حد میں وہ اپنے مخصوص فرائض انجام دینے کے قابل باقی رہیں[2] جب یہ ذخیرے بہت زیادہ نمایاں طور پر اپنے عام اوسط سے اوپر اٹھ جائیں تو یہ بات- چند مستثنیٰ مثالوں کو چھوڑ کر- گردش اجناس میں ٹھہراؤ پیدا ہو جانے اور اجناس کے قلب ماہیت میں جو یکساں بہاؤ ہوسکتا ہے اس میں خلل واقع ہو جانے کی علامت ہوتی ہے۔

---

[1] مبادلات ہر ہفتہ گرتے اور چڑھتے اور سال کے چند خاص حصوں میں کسی قوم کے خلاف چڑھتے ہیں۔ جب کہ چند دوسرے زمانوں میں اس کی بالکل مختلف سمت میں چڑھ جاتے ہیں

[2] جب بھی سونا اور چاندی بینک نوٹوں کے تبادلہ کے لیے فنڈ کا فرض بھی انجام دیتے ہیں تو یہ متعدد فرائض بہت ممکن ہے کہ ایک دوسرے سے متصادم ہو جائیں)

داس کیپٹل

جلد دوم

کارل مارکس

مترجم

سید محمد تقی

32۔ میکلیگن روڈ، چوک اے۔جی آفس لاہور
:042-7239138

یہ دوسری جلد

زمانہ بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ دیکھیں اس اشاعت کے تعلق سے وہ یہ کام کیسے آگے بڑھاتا ہے۔

اُردو زبان میں پہلی مرتبہ ''دی کیپٹل'' کے تین باب ایک جلد کی صورت میں 1961ء میں چھپے تھے۔ اس کا نام تھا۔

داس کیپیٹال

(جلد اول)

یہ ترجمہ سید محمد تقی صاحب نے کیا تھا' اسے انجمن ترقی اُردو نے اس وقت چھاپا تھا جب بابائے اُردو کا انتقال ہو چکا تھا لیکن وہ مرض الموت میں بھی اس اشاعت کے لیے ایک مختصر سا نوٹ لکھ کر چھوڑ گئے تھے۔ یہ نوٹ پہلی جلد میں بھی شامل ہے اور تبرکاً اس جلد میں بھی۔

اس جلد میں ''دی کیپٹل'' کے گیارہویں باب تک کا ترجمہ ہے' یعنی پہلی اور دوسری جلد ملا کر بھی اس تاریخ ساز کتاب کا ترجمہ پورا نہیں۔ پہلی جلد کے بعد اس جلد کی اشاعت تک پورے گیارہ برس بھی گذر گئے۔ آدھی سے زیادہ اصل کتاب کی اشاعت باقی ہے۔ ممکن ہے یہ کام بھی انجمن ہی پورا کرے' ممکن ہے کوئی اور پورا کرے۔ انجمن اپنی بے بضاعتی کے باوجود مطمئن ہے کہ اس سلسلے میں اس نے ابتداء کی بات آگے بڑھائی اور عزم رکھتی ہے کہ ''دی کیپٹل'' کا ترجمہ پورا ہو کر شائع ہو جائے۔

یہ ترجمہ بھی سید محمد تقی صاحب کا مرہونِ منت ہے اور ہماری درخواست پر

انہوں نے ایک وضاحتی نوٹ بھی لکھ دیا ہے جو اس اشاعت میں شامل ہے۔

ہاں یہ ترجمہ عام آدمی دلچسپی کے ساتھ نہیں پڑھ سکتا۔ ہماری پہلی جلد بہت کم بکی اور شاید اس جلد کا بھی یہی حال ہو۔ مگر ''دی کیپیٹل'' کا یہی حشر ہوا تھا۔ ابتداً انجمن کا مقصد یہ نہیں کہ ''دی کیپیٹل'' کے مندرجات کی تائید و تبلیغ کی جائے۔ ہمارا مقصد صرف اتنا ہے کہ دنیا بھر کی امہات الکتب اُردو میں ترجمہ ہو جائیں تا کہ اُردو کے خزانے بھرے رہیں اور صرف اُردو جاننے والوں پر بنیادی علم کی تلاش میں دوسری زبانوں کی خوشہ چینی ضروری نہ رہے۔

امہات الکتب کو بڑے پیمانے پر ترجمہ کرنے اور شائع کرنے کا ارادہ کب پورا ہوتا ہے یہ ہم نہیں جانتے۔ یہ مشن انجمن پورا کرے یا کوئی اور لیکن ہمیں بھی یقین ہے کہ اگر اُردو کو ایک فعال اور زندہ زبان کی حیثیت سے رہنا ہے تو یہ مشن ضرور پورا کیا جائے گا۔ یہ مشن کسی حکومت کے ہاتھوں پورا ہو یا افراد اور اداروں کے ہاتھوں، وہ انجمن ہی کا مشن ہوگا۔

پچھلے گیارہ برس میں خود پاکستان کا فکری پھیلاؤ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔ پڑھنے والے حیرت کریں گے مگر سچ یہ ہے کہ جب انجمن نے سید محمد تقی صاحب کی پہلی جلد شائع کی (اگست 1961ء) تو اسے ایک باغیانہ فعل قرار دیا جا رہا تھا۔ بابائے اُردو کا انتقال ہو چکا تھا۔ انجمن عارضی طور پر مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی تحویل میں تھی۔ کراچی کے کمشنر اس کے صدر تھے، کمشنر کا اسٹاف انجمن کا روزانہ انتظام سنبھالتا تھا اور غیر سرکاری نمائندوں یعنی ڈاکٹر ریاض الحسن، اور راقم الحروف پر مشتمل ایک کمیٹی اس کے شعبہ ''علمی و ادبی'' کو دیکھتی تھی۔ پہلی جلد ہم نے مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور کمشنر کو بتائے بغیر چھاپ دی۔ چونکہ اصولاً ان کی اجازت ضروری نہ تھی، جب کتاب چھپ کر آئی، تب بھی کئی مہینے بعد حکام عالی شان کو اس کی خبر ہوئی۔ سی۔ آئی۔ ڈی نے تو اسے ''ایک نہایت خطرناک

''ناشرین'' پر مقدمہ چلا دیا جائے' مگر لطیفہ یہ ہوا کہ ناشرین میں کمشنر کراچی بھی آتے تھے اور راقم الحروف بھی سرکاری ملازم تھا اور ''دی کیپیٹل'' جیسی کتاب کو ضبط کرنے سے جو بدنامی ہوتی وہ اس وقت کی حکومت بھی برداشت کرنے پر آمادہ نہ ہوئی۔

ہمارا موقف یہ تھا کہ جب اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ضبط نہیں کیا گیا ہے اور اسے پڑھنے کے لیے اقتصادیات کے سبھی اچھے طالب علم مجبور رہتے ہیں تو اس کے اُردو ترجمے پر پابندی کیسے لگائی جاسکتی ہے۔ یہ بات بدیہی تھی مگر بیشتر سرکاری محکموں کا کمال یہی ہے کہ بدیہی باتیں سمجھنے سے بھی انکار کر دیتے ہیں' طرح طرح کی الجھنیں پیدا کرتے ہیں اور سیدھے سادے معاملات کو نہایت ناگوار حد تک الجھا کر ظلم پر اتر آتے ہیں۔

بہرحال پہلی جلد ضبط ہونے سے بچ گئی۔ لیکن بکی نہیں۔ ہمارے سبھی انقلابی دانشور یا جرمن بہت اچھی جانتے ہیں یا انگریزی اچھی جانتے ہیں۔ ''دی کیپیٹل'' پڑھے بغیر محض اس پر تبصرے اور تشریحات پڑھ کر کام چلا لیتے ہوں گے۔ ہم سمجھتے تھے' اُردو ترجمہ انگریزی ترجمے کی نسبت بہرحال آسان فہم ہوگا' لوگ اسے بڑی تعداد میں خریدیں گے۔ یہ نامکمل سہی لیکن ''دی کیپیٹل'' کے پہلے مبسوط ترجمے کی پہلی جلد ہے' ایک علمی اور تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارا خرچ ضرور نکل آئے گا' مگر کتاب کی بیشتر جلدیں تبصروں اور تحفوں میں گئیں۔ واہ واہ سب نے کی' خریدنے کی زحمت بہت کم نے گوارا کی۔

اس پسِ منظر میں' ہمیں نہ صرف اس جلد سے تجارتی فائدے کی کوئی توقع نہیں بلکہ خسارے کا یقین ہے۔

تو کیا ہم یہ کتب نہ چھاپیں؟

لیکن اگر ہم بھی نہیں چھاپیں گے تو اور کون چھاپے گا؟

''داس کیپیٹال'' یا ''دی کیپیٹل'' انیسویں صدی عیسوی کی سب سے بڑی کتاب تو متفقہ طور پر مانی جاتی ہے اور اس کی ابدیت کے دعوے بھی بے شمار ہیں۔ لیکن اس وقت ہم کوئی سیاسی گفتگو نہیں کریں گے۔ ہمیں صرف اس بات پر خوشی ہے کہ ہم ایک

بلا شبہ عظیم تصنیف کو اُردو میں منتقل کر رہے ہیں اور ہماری حد تک یہ کوشش جاری رہے گی۔

کچھ حضرات نے پہلے بھی اصطلاحات کا مسئلہ اٹھایا تھا۔ انداز بیان کا مسئلہ اٹھایا تھا اور شاید اب بھی اٹھائیں گے۔ ان کی خدمت میں یہ گذارش دہرانی ہے کہ یہ ترجمہ افسانے اور ناول کا نہیں۔ علمی کتاب مشکل ہوتی ہے اور اس کا ترجمہ بھی مشکل ہوتا ہے۔ اسے پڑھنے کے لیے تجسس اور سمجھنے کے لیے مناسب علمی پس منظر ضروری ہے۔ انجمن نے آئن اسٹائن کے نظریہ اضافیت پر ایک کتاب چھاپی تھی تو اس پر بھی یہی اعتراض ہوئے تھے۔

مگر' وہ وقت آئے گا جب لوگ دنیا بھر کے علمی خزانے اپنی قومی زبان کے ذریعے حاصل کرنا چاہیں گے اور اس وقت ان ترجموں کی قدر و قیمت کھلے گی۔ اور وہ وقت ضرور آئے گا۔

ہم سید محمد تقی صاحب کے ممنون ہیں کہ انہوں نے اپنی سخت مصروفیات کے باوجود اور اپنے خاصے نامساعد حالات میں بھی اس ترجمے کا کام جاری رکھا۔ اگر وہ ترجمہ پورا کر گئے تو اُردو کے بڑے محسنوں میں شمار ہوں گے اور اب بھی ان کا احسان کچھ کم نہیں ہے۔

بر سبیل تذکرہ ہم اُردو دوستوں کے ساتھ تمام اہلِ دانش سے درخواست کریں گے کہ وہ امہات الکتب کے اُردو ترجمے کر کے انجمن کو بھیجتے رہیں۔ آج کی افراتفری میں دوسرے اشاعت گھر نقصان کا سودا نہیں کر سکتے' انہیں جنس و جرائم پر کتابیں چھاپ کر کاروبار کو زندہ رکھنا ہے۔ انجمن نے علم و دانش کے لیے نقصان اٹھاتے رہنے کا فیصلہ کر رکھا ہے۔ خواہ وہ زندہ رہے یا ختم ہو جائے۔

اور جب تک انجمن کو جناب اختر حسین ہلال پاکستان جیسے محترم اور دانشمند صدر کی سرپرستی حاصل ہے وہ نقصان اٹھانے کے باوجود ختم نہیں ہو سکتی۔ جناب اختر حسین کی مادری زبان اُردو نہیں' گجراتی ہے' لیکن بابائے اُردو کے بعد جس طرح انہوں

نے انجمن کی بے غرضانہ سرپرستی کی ہے وہ ہماری ثقافتی تاریخ کی عجیب وغریب مثال ہے۔

کبھی کبھی اُردو کا ایک محاذ' محاذ آرائی بھی بن جاتا ہے لیکن اس پر لڑنے والے بہت ہیں۔ ایک محاذ بہ ظاہر خشک' طوالت طلب اور پتہ ماری کا کام بھی ہے۔ ترجمے کرنا' اشاعتی کارروائیاں کرنا' کتاب لکھوانا' چھاپنا اور اگلی اشاعت کی خاطر اسے بیچنے کی کوشش کرنا' انجمن اس محاذ پر کام کر رہی ہے۔ انجمن سے تعاون کیا جائے تو بڑے دُوررس نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

زمانہ بدلا ہوا نظر آتا ہے۔ دیکھیں اس اشاعت کے تعلق سے وہ یہ مہم کیسے آگے بڑھاتا ہے۔

جمیل الدین عالی

معتمد اعزازی

انجمن ترقی اُردو

فہرست عنوانات

حرفِ چند

''داس کیپٹال'' دنیا کی ان چند کتابوں میں ہے، جنہوں نے خیالات میں انقلاب عظیم پیدا کیا۔ کارل مارکس نے اس کتاب کے لکھنے میں محنت شاقہ برداشت کی۔ جاڑوں کی سخت سردی میں ٹھٹھرتے ہوئے وہ اپنی یہ کتاب لکھتا رہا۔ بعض اوقات فاقے کی نوبت پہنچی اور ایک بار ایسا ہوا کہ اس کے بچے کو دودھ تک میسر نہ ہوا۔ اس نے یہ سب اذیتیں اور صعوبتیں اپنے مقصد کی خاطر برداشت کیں اور دنیا کو ایک ایسا خیال پیش کیا جس نے معاشیات اور اقتصادیات کے فرسودہ نظام کو پارہ پارہ کر دیا اور اقتصادیات کے اس پہلو کی طرف توجہ دلائی جس پر کسی کی نظر نہیں پڑی تھی۔ اور محنت کش طبقے میں وہ عظمت وقوت پیدا کی جس کے سامنے بڑی بڑی حکومتیں جھک گئیں۔ اس نے دنیا کو کیا دیا؟ میں اس پر بحث کرنا نہیں چاہتا وہ دوسری تحریروں سے معلوم ہوگا۔ میں نے اس کتاب کے ترجمے کے لیے کئی بار کوشش کی مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی۔ چند صفحوں سے زیادہ ترجمہ نہ ہوسکا۔ بھاری پتھر تھا چوم کے چھوڑ دیا۔ اس کتاب کا موضوع اور اس کا بیان اس قدر کٹھن ہے کہ سمجھنا اور سمجھانا نہایت دشوار ہے۔ جب جناب سید محمد تقی صاحب نے مجھ سے اس کتاب کے ترجمہ کا ارادہ ظاہر کیا تو مجھے اس سے جو مسرت ہوئی بیان نہیں کرسکتا اور میں نے اسی وقت بازار سے کتاب منگا کر انہیں نذر کی۔ سید صاحب نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے اس کا ترجمہ کیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نفس مضمون میں ڈوب کر ترجمہ کیا ہے۔ بعض مقامات پر وضاحت کے لیے انہوں نے حاشیے بھی لکھے۔ بعض

ترجمے اصل تصانیف سے بھی سبقت لے جاتے ہیں اور ادب میں انہیں خاص مقام حاصل ہو جاتا ہے ''کیپٹال'' کا اُردو ترجمہ ہماری بہت سی اصل تصانیف پر بھاری ہے۔ مجھے اس امر کی خوشی ہے کہ یہ ترجمہ انجمن کی مطبوعات میں شامل ہو گیا۔ اس کے لیے میں انجمن کی طرف سے سید محمد تقی صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

عبدالحق

کمرہ نمبر 13 اسپیشل وارڈ۔ جناح ہسپتال۔ کراچی

22 جون 1961ء

پیش نامہ

داس کیپٹال کا پہلا حصہ چھپے اب کوئی گیارہ سال ہو گئے۔ یہ حصہ بابائے اُردو مولوی عبدالحق مرحوم کی زندگی میں اشاعت پذیر ہوا تھا اور اس پر انہوں نے بطور مقدمہ جو چند الفاظ لکھے تھے وہ ان کی آخری تحریر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بابائے اُردو کی یہ تحریر اس جلد ثانی میں بھی ایک یادگار کے طور پر شریک کی گئی ہے۔ مرحوم داس کیپٹال کے ترجے کی دلی خواہش رکھتے تھے۔ ان کی اسی خواہش کے احترام میں یہ جانکسل ترجمہ شروع کیا گیا تھا۔ اصولاً اسے اب سے پہلے مکمل ہو جانا چاہئے تھا مگر ناگزیر مشکلات کی وجہ سے دوسری جلد آنے میں تاخیر ہوگئی۔ ادھر کچھ عرصے سے خود یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ اُردو کا مقام اس ملک میں کچھ بھی نہ رہے گا اس لیے ویسے بھی اُردو میں کام کرنے والوں کی ہمت پست ہوگئی تھی مگر اب گذشتہ عرصے میں حالات نے ایسی امید افزا کروٹ لی ہے کہ اُردو کا مقام زیادہ مستحکم بنیادیں حاصل کر چکا ہے۔ پھر داس کیپٹال جیسی کتب سے زیادہ دلچسپی بڑھ جانے کا بھی امکان بڑھا ہے۔ اس لیے اس وقت اس دوسری جلد کی آمد برمحل معلوم ہوتی ہے۔

داس کیپٹال کی یہ دوسری جلد اُردو ترجمے کے اعتبار سے ہے اصل کتاب کے اعتبار سے نہیں۔ اس دوسری جلد کے بعد نصف کے لگ بھگ حصہ ترجمے میں منتقل ہو جائے گا باقی حصہ کب منتقل ہو سکے گا۔ اس کے بارے میں کچھ کہنا مشکل ہے البتہ اب قومی حالات کے سازگار ہونے اور قومی زبان کی حیثیت سے اُردو کا مقام متعین ہو جانے کے بعد یہ امید بندھتی ہے کہ اس کام میں مترجم کی دلچسپی بھی بڑھ جائے گی اور اشاعت کنندگان کی بھی جس سے مزید کام کی تکمیل کے امکانات پہلے کے مقابل بڑھ جائیں گے۔

ترجمے میں حسب معمول سہل بیانی کا خیال رکھا گیا ہے کوشش یہی کی گئی ہے کہ ادائے مطالب آسان تر زبان میں ممکن ہو جائے۔ اس مقصد کے لیے بعض مقامات پر حواشی بھی دیے گئے ہیں۔ تاہم داس کیپٹال دنیا کی مشکل ترین کتب میں شامل ہے اس لیے یہ امید نہ رکھنی چاہیے کہ اسے عام کتاب کی طرح پڑھا جا سکے گا۔ جلد اوّل کے ترجمے پر بعض حضرات نے ادق ہونے کا الزام لگایا تھا۔ حیرت ہے انہوں نے داس کیپٹال کو اس قدر سہل کیوں سمجھ لیا تھا کہ ترجمہ بالکل عام سی زبان میں ممکن ہو سکتا۔ پہلی جلد کا ترجمہ ہو یا اس دوسری کا' کوئی شخص جو اصل سے واقف ہو یہ تسلیم کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ترجمے میں پہلی بار اصل کے مفاہیم کو قابلِ فہم زبان میں بیان کیا گیا ہے اور یہ اختصاص بھی اُردو ترجمے ہی کا ہے جو دنیا کے کسی دوسری زبان کے ترجمے میں موجود نہیں کہ ترجمے کے ساتھ حواشی کا اضافہ بھی کیا گیا ہے۔ گویا اُردو ترجمہ۔ ساتھ ہی تفسیر بھی ہے۔ اب اس کے بعد بھی مشکل ہونے کی شکایت پیدا ہو تو یہ بڑی نا انصافی کی بات ہوگی۔

اس بار پروف پہلے سے زیادہ احتیاط کے ساتھ دیکھے گئے ہیں اس لیے غلطیوں کا امکان بہت کم ہے تاہم پوری احتیاط کے باوصف چند غلطیاں رہ گئی ہوں تو انہیں ناگزیر سمجھنا چاہیے اس لیے کہ خطا کا ارتکاب انسان کے پیدائشی حقوق میں شامل ہے۔

سید محمد تقی

کراچی

16 مئی 1972ء

حصہ دوم

زر۔ کا سرمائے میں انتقال

باب چہارم

سرمائے سے متعلق۔ اصول عام

اجناس کی گردش سرمائے کے لیے نقطہ آغاز کی حیثیت رکھتی ہے۔ سرمایہ جن تاریخی بنیادوں سے اٹھتا ہے وہ یہ ہیں۔ (1) پیداوار اجناس، (11) اجناس کی گردش اور ان کی گردش کی وہ (111) ترقی یافتہ قسم جسے تجارت کہتے ہیں۔ سرمائے کی جدید تاریخ کا آغاز سولہویں صدی میں دنیا گیر تجارت اور دنیا گیر منڈیاں پیدا ہونے سے ہوا۔

اگر ہم اجناس کی گردش میں جو مادی جوہر موجود ہوتا ہے اس کی تجرید کرلیں یا اس بات کو یوں کہیے کہ اگر ہم متعدد استعمالی قیمتوں کے مبادلے سے تجرید کریں اور پھر اپنی توجہ صرف ان معاشی ہیئتوں پر مرکوز رکھیں جو اس گردش اجناس سے پیدا ہوتی ہیں تو اس تجرید کا جو آخری نتیجہ نکل کر آئے گا وہ۔ زر۔ ہوگا۔ (ا)

(ا) اس مشکل جملے میں سب سے اہم لفظ۔ تجرید۔ ہے تجرید کلیہ بنانے کو کہتے ہیں یعنی مختلف اعمال کو دیکھ کر ان سے ایک اصول اخذ کرنا۔ مارکس کا کہنا یہ ہے کہ گردش اجناس میں جو مادی جوہر موجود ہوتا ہے یعنی اس کی جو مادی نوعیت ہوتی ہے جو کہ فی الواقع مبادلہ ہی ہوتا ہے تو اگر اس سے تجرید کرلی جائے اور اس مادی نوعیت کو نظر انداز کر دیا جائے تو پھر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تاریخی اعتبار سے صورتحال یہ ہے کہ جائیداد ارضی کے برعکس سرمایہ ہمیشہ جس پہلی شکل میں نمایاں ہوتا ہے وہ۔زر۔ کی شکل ہوتی ہے۔ سرمایہ۔زر۔ کی دولت کی شکل میں سامنے آتا ہے جیسا تاجر اور سودخور کا سرمایہ(۱) لیکن یہ دریافت کرنے کے لیے کہ سرمائے کی نمود کی پہلی شکل۔زر۔ ہوتا ہے ہمیں سرمائے کے نقطہ آغاز کا حوالہ دینے کی ضرورت نہیں۔اس لیے کہ یہ سارا عمل تو ہماری اپنی آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔(لہٰذا تاریخ میں سرمائے کی نمود ڈھونڈنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔اُردو مترجم)

سب سے پہلے تو یہ کہ تمام کا تمام نیا سرمایہ جب سامنے آتا ہے یعنی منڈی میں آتا ہے تو چاہے وہ اجناس کی شکل میں ہو محنت کی شکل میں یا۔زر۔ کی شکل میں ہمارے اپنے زمانے میں۔زر۔ ہی کی شکل میں سامنے آتا ہے جو ایک متعین عمل کے ذریعے ہی سرمائے میں منتقل ہو پاتا ہے۔

زر۔ کے معاملے میں جو پہلا فرق ہم محسوس کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک تو۔زر۔ وہ ہے جو صرف۔زر۔ ہے اور ایک وہ ہے جو سرمایہ ہے۔مگر یہ فرق اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ یہ ان دونوں کی گردش کی ہیئت کا فرق ہے۔

اجناس کی گردش کی سہل ترین شکل یہ ہے۔ج۔ز۔ج۔یعنی اجناس کا۔زر۔ میں انتقال اور۔زر۔ کا پھر اجناس میں منتقل ہو جانا یا یوں کہیے کہ فروخت برائے مقصد

(بقیہ حاشیہ) اس گردش کے نتیجے میں جو معاشی ہیئتیں وجود میں آ گئی ہیں ان کی آخری شکل۔زر۔ ہی ہوتا ہے۔سادہ الفاظ میں یوں کہہ لیجئے کہ۔زر۔ اس تمام عمل کی تجریدی شکل کا نام ہے(اُردو مترجم)

(۱) دو چیزوں میں فرق ضروری ہے۔آقائیت اور محکومتی کے ذاتی رشتے کے ذریعے ایک اقتدار حاصل ہوتا ہے جو کہ ملکیت اراضی کا عطا کردہ ہوتا ہے اور دوسرا وہ غیر ذاتی اقتدار ہے جو۔زر۔ کی وجہ سے تجار کو حاصل ہوتا ہے(مصنف کا نوٹ)

خرید لیکن اس شکل کے ساتھ ساتھ ایک اور شکل بھی ہوتی ہے جو واضح طور پر ایک مختلف شکل ہے۔ یعنی ز۔ج۔ز۔زر۔کا اجناس میں منتقل ہونا اور اجناس کا پھر۔زر۔میں منتقل ہونا یا یوں کہیے کہ خرید برائے فروخت۔شکل ثانی کی حالت میں جو۔زر۔گردش کرتا ہے وہ اپنی اس شکل کی وجہ سے ہی منتقل ہو جاتا بلکہ خود سرمایہ بن جاتا ہے اور واقعہ تو یہ ہے کہ بالقوہ وہ پہلے ہی۔سرمایہ۔ہوتا ہے۔

آیئے ذرا اس دائرے ز۔ج۔ز کا قریب سے مطالعہ کریں۔ وہ دوسرے دائرے کی طرح دو متخالف رخوں میں نبٹا ہوتا ہے۔اس کا پہلا رُخ یعنی ز۔ج یا خرید کی صورت میں۔زر۔جنس میں بدل جاتا ہے اور دوسرے رُخ کی حالت یعنی۔ج۔ز۔یا فروخت کی حالت میں جنس دوبارہ۔زر۔میں منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ دونوں رُخ مل کر ایک ہی حرکت پر مشتمل ہوتے ہیں۔اس حرکت کی صورت میں۔زر۔کا مبادلہ جنس سے ہوتا ہے اور پھر یہی جنس دوبارہ۔زر۔میں منتقل ہو جاتی ہے گویا ایک جنس صرف اس لیے خریدی جاتی ہے کہ بیچی جائے یا اگر خرید و فروخت کی ہیئت میں جو فرق ہوتا ہے اسے نظر انداز کر دیا جائے تو یوں کہیے کہ جنس۔زر۔سے خریدی جاتی ہے اور پھر۔زر۔کو جنس سے خریدا جاتا ہے۔نتیجہ اس کا یہ اور اس نتیجے کی حالت میں یہ دونوں رُخ غائب ہو جاتے ہیں کہ۔زر۔کا۔زر۔سے مبادلہ ہوتا ہے ز۔ز اگر میں دو ہزار پونڈ روئی سو ڈالر میں خریدتا ہوں اور پھر اس روئی کو 110 ڈالر میں فروخت کر دیتا ہوں تو فی الواقع میں کرتا کیا ہوں۔کرتا میں یہ ہوں کہ 100 ڈالر کا 110 ڈالر سے مبادلہ کرتا ہوں یعنی۔زر۔کا۔زر۔سے مبادلہ کرتا ہوں۔

تو اس سے جو چیز واضح ہوئی وہ یہ ہے کہ یہ دائرہ۔ز۔ج۔ز بالکل بے معنی اور احمقانہ ہو کر رہ جائے گا اگر مدعا اس مبادلے سے صرف اس قدر ہو کہ۔زر۔کو یکساں مقدار یعنی سو ڈالر کا سو ڈالر سے مبادلہ کر لیا جائے۔ایسی حالت میں تو ایک بخیل شخص کی پالیسی زیادہ صحیح اور زیادہ یقینی ہو گی۔یعنی یہ کہ وہ سو ڈالر کی رقم اپنے پاس ذخیرہ رکھتا ہے اور

اس کے گردش میں ڈالنے کا خطرہ مول نہیں لیتا۔ یہ بات پیش نظر رکھئے کہ وہ تاجر جس نے اپنی روئی کی خرید کے لیے سو ڈالر صرف کیے ہیں چاہے اسے 110 ڈالر میں بیچے یا پچاس ڈالر ہی میں بیچ ڈالے' یہ ہر صورت اس کا ۔زر۔ ایک مخصوص اور ممتاز حرکت سے گزرتا ہے جو کہ اپنی نوعی شکل میں اس صورتحال سے بالکل مختلف ہوتی ہے جس میں ۔زر۔ اس حرکت سے گزرتا ہے جب کسان اپنا غلہ اس لیے بیچتا ہے کہ جو ۔زر۔ حاصل ہو اس سے کپڑا خرید لے۔ بنابریں یہ ضروری ہے کہ پہلے ہم ۔ز ج۔ ز اور ج۔ز۔ج۔ کی اشکال کے درمیان جو ممیز باتیں ہیں ان کا جائزہ لیں کہ اس جائزے کے دوران وہ حقیقی فرق جو شکل کے فرق کی تہ میں موجود رہتا ہے خود بخود نمایاں ہو کر سامنے آ جائے گا۔

تو آیئے سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ ان دونوں شکلوں میں مابہ الاشتراک کیا ہے۔ یہ دونوں دائرے دو یکساں متخالف رُخوں میں نبٹتے ہیں یعنی ۔ ج۔ز فروخت اور ز۔ج خرید میں اور ان دونوں رُخوں میں سے ہر ایک میں یکساں مادی عناصر۔ جنس اور ۔زر۔ اور یکساں معاشی اداکار یعنی خریدار اور فروخت کنندہ ایک دوسرے کے متقابل ہوتے ہیں پھر ہر ایک دائرے میں ایک ہی جیسے دو متخالف رُخ موجود ہوتے ہیں جن میں سے ہر رُخ میں تین اکائیاں سامنے آتی ہیں۔ پہلی وہ جو صرف فروخت کرتی ہے۔ دوسری وہ جو صرف خرید کرتی ہے اور تیسری وہ جو خرید بھی کرتی ہے اور فروخت بھی۔

تاہم ج۔ز۔ج کے دائرے کو ز۔ج۔ز۔ کے دائرے سے جو چیز متمیز کرتی ہے وہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ اہم یہ ہے کہ ان دونوں رُخوں میں سے ایک میں اکائیوں کا جو تسلسل ہے وہ دوسرے سے مختلف ہے۔ اجناس کی سادہ سی گردش۔ فروخت سے شروع ہوتی اور خرید پر ختم ہو جاتی ہے جبکہ ۔زر۔ کی سرمائے کی حیثیت میں گردش خرید سے شروع ہو کر فروخت پر ختم ہوتی ہے۔ ایک حالت میں تو نقطہ آغاز و نقطہ اختتام دونوں ہی اجناس ہوتے ہیں اور دوسری میں دونوں ۔زر۔ ہوتے ہیں۔ پہلی جو

ج۔ز۔ج کی گردش میں ۔زر۔ اختتام کے نقطے پر جنس میں منتقل ہو چکا ہوتا ہے جو کہ استعمالی قیمت کے بطور کام کرتا ہے۔ اور وہ (استعمال ہو جانے کی وجہ سے) ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کی مخالف شکل ز۔ج۔ز میں اس کے برعکس خریدار اس لیے روپیہ صرف کرتا ہے کہ فروخت کنندہ کی حیثیت میں پھر اپنے ۔زر۔ کو واپس حاصل کر لے۔ اپنی جنس کی خرید کے ذریعے وہ روپے کو گردش میں دیتا ہے تا کہ اس ۔زر۔ کو اس جنس کی فروخت سے پھر واپس لے لے۔ وہ ۔زر۔ کو جانے تو دیتا ہے مگر صرف اس مخفی ارادے کے ساتھ کہ اسے پھر واپس حاصل کر لے گا تو یوں کہیے کہ ۔زر۔ خرچ نہیں ہوتا وہ صرف سامنے لایا جاتا ہے(۱)

ج۔ز۔ج کے دائرے میں ۔زر۔ کا ایک ہی جزو دو مرتبہ اپنا مقام بدلتا ہے۔ فروخت کنندہ اسے خریدار سے حاصل کرتا ہے اور کسی اور فروخت کنندہ کو دے دیتا ہے۔ یہ دائرہ اجناس کے بدلے میں روپے کی آمد سے شروع ہوتا اور ان اجناس کے بدلے میں ۔زر۔ کی ادائیگی پر آ کر پورا ہو جاتا ہے لیکن ز۔ج۔ز کے دائرے میں صورت اس سے بالکل مختلف ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں ۔زر۔ کا جزو دوبارہ اپنا مقام نہیں بدلتا بلکہ جنس اپنا مقام بدلتی ہے۔ خریدار اسے فروخت کنندہ سے لیتا ہے اور ایک دوسرے خریدار کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ جس طرح اجناس کی سادہ سی گردش میں ۔زر۔ کے ایک ہی جزو کا دوبارہ اپنا مقام تبدیل کرنا اسے ایک شخص کے پاس پہنچا دیتا ہے۔ اسی طرح اس آخر الذکر دائرے میں ایک ہی جنس کا دوبارہ اپنا مقام بدلنا ۔زر۔ کو اپنے نقطہ آغاز پر لوٹا دینے کا سبب بنتا ہے۔

---

(۱) جب کوئی چیز اس لیے خرید کی جاتی ہے کہ دوبارہ بیچی جائے گی تو جو رقم اس کام میں آتی ہے وہ ۔زر۔ پیشگی کہلاتی ہے۔ اور جب وہ فروخت کرنے کے لیے نہ خریدی جائے تو پھر یوں کہیے کہ ۔زر۔ خرچ کر دیا گیا۔ جیمس اسٹوارٹ) ورکس وغیرہ مرتبہ جنرل سر جیمس اسٹوارٹ۔ ہزلن لندن 1805۔ جلد ایک صفحہ 274)۔

لیکن ۔زر۔ کا اپنے نقطہ آغاز پر لوٹنا (رجوع) اس بات پر منحصر نہیں ہے کہ جنس اپنی ادا کردہ قیمت سے زیادہ پر بکتی ہے یا نہیں۔ یہ صورتحال تو صرف ۔زر۔ کی اس مقدار پر اثر انداز ہوتی ہے جو کہ واپس آتی ہے۔ خود یہ رُجوع صرف ٹھیک اس وقت رُونما ہوتا ہے جب خرید شدہ جنس دوبارہ فروخت ہو بالفاظ دیگر جونہی۔ ز۔ج۔ ز کا دائرہ مکمل ہو جائے تو یوں ۔زر۔ بہ حیثیت سرمائے کی گردش اور زر صرف ۔زر۔ کی گردش میں واضح فرق موجود ہوتا ہے۔

جونہی ۔زر جو کسی جنس کی فروخت سے وجود میں آتا ہے ایک اور جنس کی خریدار سے منتزع ہوتا ہے تو ج۔ز۔ج کا دائرہ تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔

لیکن اگر اسی کے ساتھ ۔زر۔ کے اپنے نقطہ آغاز کی طرف راجع ہونے کی صورت بھی رُونما ہو تو یہ رجوع اس عمل کی تجدید یا تکرار سے ممکن ہوگا۔ اگر میں ایک من غلہ تین پونڈ میں فروخت کروں اور جو تین پونڈ حاصل ہوں ان سے کپڑا خرید لوں تو یہ ۔زر۔ جہاں تک میرا تعلق ہے استعمال میں آگیا اور ختم ہو گیا۔ یہ تین پونڈ اب کپڑے کے تاجر کی ملکیت ہو گئے۔ اب اگر اس کے بعد میں مزید ایک من غلہ فروخت کروں تو ۔زر۔ پھر میری طرف آتا ہے لیکن پہلے کاروبار کے نتیجے میں نہیں بلکہ کاروبار کی تجدید کے نتیجے میں لیکن یہ ۔زر۔ پھر مجھ سے جدا ہو جائے گا جونہی میں اس دوسری معاملت کی تکمیل خرید مزید کر کے کردوں گا۔ تو پھر نتیجہ یہ کہ ج۔ز۔ج کے دائرے میں ۔زر۔ کے صرف کا اس کے رجوع سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس ز۔ج۔ز کے دائرے میں ۔زر۔ کا رجوع خود اس کے صرف کے طریقے سے مشروط ہوتا ہے۔ اس رجوع بغیر یہ سارا عمل بے نتیجہ ہو کر رہ جاتا ہے یا نامکمل اور ناپختہ رہتا ہے جس کا سبب یہ ہے کہ اس عمل کا تکمیلی اور آخری رُخ یعنی فروخت اس میں موجود نہیں ہوتا۔

ج۔ز۔ج کا دائرہ ایک جنس سے شروع ہوتا اور دوسری پر پہنچ کر ختم ہو جاتا

یعنی خواہشوں کی تسکین ہوتی ہے یا مختصراً یوں کہیے کہ استعمالی قیمت ہوتی ہے جبکہ دائرہ ز۔ج۔زاس کے برعکس۔زر۔سے شروع ہوکر۔زر۔ہی پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔اس کا اہم مدعا اور مقصود جو اسے اپنی طرف کھینچتا ہے محض مبادلاتی قیمت ہوتی ہے۔

اجناس کی سیدھی سادی گردش میں دائرے کی دونوں نہایتیں یکساں معاشی اشکال رکھتی ہیں۔وہ دونوں ہی اجناس ہیں اور اجناس بھی یکساں قیمت کی مگر ساتھ ہی وہ استعمالی قیمتیں بھی ہیں جو اپنی خصوصیات میں مختلف ہیں جیسے مثلاً غلہ اور کپڑے۔یہاں حرکت یا گردش کی جو بنیاد ہے وہ اجناس کا مبادلہ ہے اور یہ اجناس مختلف موادوں کی بنی ہوئی ہیں جن میں سماج کی محنت مجسم ہوگئی ہے مگر ز۔ج۔ز دائرے میں صورت حال اس سے مختلف ہے جو کہ ظاہر بظاہر تو بے مقصد سی معلوم ہوتی ہے کہ اس میں ایک بے نتیجہ سی تکرار نظر آتی ہے۔دونوں ہی نہایتیں یکساں معاشی شکل رکھتی ہیں یہ دونوں ہی۔زر۔ہیں اور اس لیے کیفی طور پر مختلف استعمالی قیمتیں بھی نہیں ہیں۔اس لیے کہ۔زر۔صرف اجناس کی شکل مقلوبہ ہے جس میں اجناس کی استعمالی قیمتوں کا عنصر غائب ہوگیا ہے۔سو پونڈ کا روئی سے مبادلہ کرنا اور پھر اسی روئی کو دوبارہ سو پونڈ سے بدل لینا تو محض ہیر پھیر کے ذریعے۔زر۔کا مبادلہ کرنا ہوا۔یعنی یکساں چیز کا یکساں سے مبادلہ اور یہ عمل بظاہر احمقانہ بھی نظر آتا ہے اور بے مقصد (۱) بھی۔

---

(۱) ایک کتاب میں جو بظاہر کاروبار اور سٹے سے بحث کرتی ہے حسب ذیل عبارت لکھی ہوئی ہے۔''ہر قسم کا کاروبار مختلف قسم کی اشیاء کے مبادلے پر مشتمل ہوتا ہے۔اور اس نفع پر جو (تاجر کو) اس فرق سے حاصل ہوتا ہے۔ایک سیر روئی کو ایک سیر روئی ہی سے بدلا جائے تو کوئی نفع حاصل نہ ہوگا......لہٰذا کاروبار کو نفع کے اعتبار سے جوئے بازی کے مقابلے میں رکھا جاسکتا ہے اس لیے کہ جوئے بازی میں بھی۔زر۔کا۔زر۔سے مبادلہ ہوتا ہے۔(ٹی۔ایچ۔کاربرٹ) افراد کی دولتوں کے اسباب اور طریقوں سے متعلق ایک تحقیقاتی جائزہ) یا کاروبار اور سٹے کے اصول کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک رقم دوسری سے صرف مقدار میں مختلف ہے اس طرح ۔ز۔ج۔ ں جو عمل ہے اس کا جو کردار اور رجحان ہے وہ اس کی نہایتوں کے درمیان کسی کیفی فرق سے نہیں ہے بلکہ ان کے کمی فرق کی وجہ سے ہے۔ اختتام کے نقطے پر اس سے زیادہ ۔زر۔ گردش سے ہٹالیا جاتا ہے جتنا نقطہ آغاز کے وقت گردش میں ڈالا گیا تھا۔ چنانچہ جو روئی سو پونڈ میں خریدی گئی تھی وہ غالباً دوبارہ سو پونڈ +10 پونڈ یعنی 110 پونڈ میں بیچی گئی۔ تو یوں اس عمل کی جو ٹھیک شکل ہے وہ یہ ہے ز۔ج۔ز۔ یاد رہے اس میں آخر الذکر۔ز= ہے۔ز+ ز کے یعنی آغاز میں جو رقم رکھی گئی تھی وہ مع اور رقم کے یہ اضافہ یا زیادتی جو ابتدائی رقم پر ہوئی وہ ہے جیسے میں ''قدر زائد'' کا نام دیتا ہوں۔ جو قیمت ابتدا میں گردش میں لائی گئی تھی وہ نہ صرف یہ کہ اپنی جگہ باقی ہے جبکہ وہ گردش میں ہے بلکہ وہ اپنے ساتھ ''قدر زائد'' کو بھی ملالیتی ہے یعنی وہ پھیل جاتی ہے۔ یہی تو وہ حرکت ہے جو اس رقم کو سرمائے میں منتقل کر دیتی ہے۔

ہاں یہ تو بالکل ممکن ہے کہ۔ج۔ز۔ج میں دو نہایتیں ج۔ج۔ یعنی یوں کہیے کہ غلہ اور کپڑے۔ قیمت کی مختلف مقداروں کی نمائندگی کرتی ہوں۔ کاشتکار اپنے غلے کو اس کی قیمت سے زائد قیمت پر بھی بیچ سکتا ہے۔ کپڑے کو اس کی قیمت سے کم داموں پر

(بقیہ حاشیہ) توضیح لندن 1841ء صفحہ 5) ہر چند کاربرٹ نے اس بات کو محسوس نہ کیا کہ ز۔ز یعنی ۔زر۔ کا۔زر۔ سے مبادلہ گردش کی خصوصیت خاصہ ہے اور نہ صرف تاجر کے۔زر۔ کی بلکہ ہر قسم کے سرمائے کی' تاہم اتنا تو ہے کہ وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ یہ شکل جوئے بازی اور کاروبار کی ایک خاص قسم یعنی سٹے میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے۔ پھر اس کے بعد میک کلاک کی باری آتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فروخت کے لیے خرید کرنا دراصل سٹے بازی کرنا ہے جس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ۔ کاروبار اور سٹے میں کوئی فرق باقی نہ رہا' ہر وہ معاملت جس میں ایک شخص اس لیے پیداوار خریدتا ہے کہ اسے فروخت کرے وہ فی الواقع سٹے بازی ہوتی ہے (میک کلاک۔ تجارت کی ایک عملی لغت لندن 1847ء صفحہ 1058)

خرید سکتا ہے۔ برعکس اس کے یہ بھی ممکن ہے کہ کپڑے کا تاجر اسے۔ چوٹ۔ دے دے لیکن گردش کی اس شکل کا جہاں تک تعلق ہے جو اس وقت زیر بحث ہے' تو قیمت کے اس نوع کے سارے اختلافات محض اتفاق ہیں۔ یہ حقیقت کہ غلہ اور کپڑا اعتبادل ہیں اس عمل کو اپنے مفہوم سے محروم نہیں کرتا جیسی کہ صورت ز۔ج۔ز کے عمل میں پیش آتی ہے۔ غلہ اور کپڑے کی قیمتوں کا تبادلہ تو اس عمل کی عام رفتار کے لیے تقریباً ایک ضروری شکل کی حیثیت رکھتا ہے۔

فروخت برائے۔خرید۔ کے عمل کی تکرار اور تجدد اس مقصد کے پیش نظر جو اس سے حاصل کرنا ہوتا ہے چند حدود میں محدود رہتا ہے۔ وہ مقصد ہے متعین خواہشوں کی تسکین یعنی ان اشیاء کا استعمال۔ اور یہ مقصد گردش کے دائرے سے بالکل باہر رہتا ہے لیکن جب یہ صورت ہو کہ ہم کسی چیز کو بیچنے کے لیے خریدیں تو پھر اس کے برعکس ہم ایک ہی چیز یعنی۔زر۔ مبادلاتی قیمت سے شروع کرتے اور اسی پر ختم کر دیتے ہیں۔کوئی شبہ نہیں۔ز۔ز ز۔ ہو جاتی ہے یعنی سو پونڈ 110 پونڈ ہو جاتے ہیں لیکن جب ان کی صرف کیفی نوعیت سامنے رکھی جائے تو پھر 110 پونڈ اور 100 پونڈ یکساں ہوتے ہیں یعنی یہ کہ وہ دونوں ۔زر۔ ہیں اور اس حیثیت سے دیکھا جائے تو 110 پونڈ بھی 100 پونڈ کی طرح ایک ایسی رقم ہے جو متعین اور محدود قیمت رکھتی ہے۔ اب اگر 110 پونڈ ۔زر۔ کی طرح خرچ کیے جائیں تو وہ اپنا کردار ادا کرنا چھوڑ دیتے ہیں پھر وہ سرمائے کے بطور باقی نہیں رہتے۔ گردش سے ہٹ جانے کے بعد یہ۔زر۔ ایک جامد ذخیرہ بن کر رہ جاتا ہے اور چاہے قیامت تک یہ اسی طرح پڑا رہے مگر اس میں کسی پیسے کا اضافہ نہ ہوگا۔ تو اگر مدعا قیمت میں اضافہ ہو تو پھر 110 پونڈ کی قیمت میں ازدیاد کا بھی وہی محرک ہوتا ہے جو کہ 100 پونڈ کی قیمت میں ازدیاد کا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ دونوں ہی مبادلاتی قیمت کے محدود ذریعہ اظہار کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لیے دونوں کی ازدیاد کے ذریعے مطلق دولت کی طرف بڑھنے کا رجحان رکھتے ہیں۔ وقتی طور پر تو ہاں جو قیمت ابتدا

میں سامنے لائی گئی تھی یعنی سو پونڈ وہ دس پونڈ کی جو قدر زائد گردش کے دوران اس رقم سے وابستہ ہوگئی ہے وہ اس سے متمیز ہے۔ لیکن یہ تمیز جلد ہی ختم ہو جاتا ہے۔ معاملت کے اختتام پر یہ نہیں ہوتا کہ ہم ایک ہاتھ سے تو سو پونڈ کی وہ رقم جو اصلی ہے اسے وصول کرتے ہوں اور دوسرے ہاتھ سے دس پونڈ کی جو قدر زائد ہے اسے وصول کرتے ہوں۔ ہم تو بس پورے 110 پونڈ کی رقم یکمشت حاصل کرتے ہیں اور یہ 110 پونڈ کی رقم بھی معاملت کے شروع کرنے اور پھیلانے کی وہی صلاحیت اور حالات رکھتی ہے جو پہلی سو پونڈ کی رقم رکھتی تھی۔ زر۔ اس حرکت کو دوبارہ شروع کرنے کے لیے ختم کرتا (۱) ہے۔

تو نتیجہ یہ کہ ہر جدا دائرے کا جس میں ایک خرید ہو اور پھر ایک فروخت ہو مال صرف یہ ہوتا ہے کہ خود یہ دائرہ ایک نئے دائرے کے آغاز کا نقطہ بن جاتا ہے۔ اجناس کی سادہ سی گردش یعنی فروخت برائے خرید۔ ذریعہ ہوتی ہے ایک اس مقصد کا جس کا گردش سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ یعنی استعمالی قیمت کا کام میں لانا بالفاظ دیگر کچھ خواہشوں کی تسکین۔ برعکس اس کے۔ زر۔ کی سرمائے کی حیثیت میں گردش بجائے خود ایک مقصد ہے اس لیے کہ قیمت کا پھیلاؤ اس مسلسل طور پر تجدد پذیر حرکت کے دائرے کے اندر ہی رہ کر ممکن ہوتا ہے۔ تو سرمائے کی گردش کی کوئی انتہا نہیں (۲) ہے اس طرح

---

(۱) سرمایہ دو حصوں میں منقسم ہوتا ہے۔ سرمایہ اصلی اور منافع جو کہ سرمائے پر ازدیاد ہوتا ہے۔ گو عملاً یہ منافع بھی فوراً سرمائے میں شامل کر دیا جاتا ہے اور سرمائے کے ساتھ حرکت (گردش) میں آ جاتا ہے (ایف۔ اینگلز)

(۲) ارسطو نے اکانمکس (معاشیات) اور کریمیٹکس (زرکشی) کے درمیان فرق کیا ہے۔ اس نے معاشیات سے بحث شروع کی ہے۔ معاشیات اس اعتبار سے کہ وہ مصارف زندگی کی تحصیل کا فن ہے ان اشیاء کے حصول تک محدود ہے جو حیات کے لیے ضروری اور ایک گھر یا ریاست کے لیے مفید ہوتی ہیں۔ حقیقی دولت ان اشیاء برائے استعمال پر مشتمل ہوتی ہے۔ کیونکہ [illegible] (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

حرکت یا گردش کا باشعور نمائندہ جو۔زر۔کا مالک ہو سرمایہ دار بن جاتا ہے اس کی ذات بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ اس کی جیب وہ نقطہ ہوتا ہے جہاں سے ۔زر۔ چلتا ہے اور جہاں لوٹتا ہے۔ قیمت کی توسیع یا پھیلاؤ جو کہ ز۔ج۔ز۔ کی گردش کی خارجی بنیاد یا منبع

(بقیہ حاشیہ) اس قسم کی اشیاء کی تعداد جن سے زندگی خوشگوار گزرے لامحدود نہیں ہے۔لیکن یاد رہے تحصیل اشیاء کا ایک دوسرا انداز بھی ہے جس کے لیے صحیح تر اصطلاح کریمیٹکس (زرکشی) استعمال کر سکتے ہیں۔ اس انداز تحصیل اشیاء میں نہ تو دولت پر کوئی حد قائم ہوتی ہے نہ املاک پر۔تجارت (لفظی معنی میں خوردہ فروشی۔اور ارسطو اس قسم کو اس لیے سامنے رکھتا ہے کہ اس میں استعمالی قیمتوں کی اہمیت سب سے زیادہ ہوتی ہے) اپنے جوہر میں کریمیٹکس (زرکشی) سے تعلق نہیں رکھتی اس لیے کہ اس میں (خوردہ فروشی میں) مبادلہ اشیاء کا تعلق ان اشیاء سے ہوتا ہے جو ان کے (خریدار اور فروخت کنندہ) کے لیے ضروری ہوتی ہے چنانچہ ارسطو نے بحث جاری رکھتے ہوئے بتایا۔تجارت کی ابتدائی شکل مبادلۂ اجناس تھی لیکن اس مبادلہ اجناس کے پھیلنے کے نتیجے میں ۔زر۔ کے پیدا کرنے کی ضرورت رونما ہوئی۔زر۔ کی دریافت پر مبادلہ اجناس (بارٹر) نے ترقی پا کر اجناس کی تجارت کی صورت اختیار کر لی اور یہ تعلق اپنے ابتدائی رجحان کے برخلاف کریمیٹکس یعنی روپیہ بٹورنے کے فن میں نمایاں ہوئی تو کریمیٹکس اور اکانمکس میں جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ کریمیٹکس میں گردش دولت و امارت کا ماخذ ہوتی ہے اور وہ روپے کے گرد ہی گھومتی ہے۔ اس طرز مبادلہ میں آغاز بھی روپیہ سے ہوتا ہے اور اختتام بھی روپے پر ہوتا ہے تو اس طرح وہ دولت و امارت بھی جسے کریمیٹکس اپنا مقصود قرار دیتی ہے لامحدو ہوتی ہے۔ٹھیک اسی طرح جیسے ہر فن جو کسی مقصد کے حصول کا ذریعہ نہ ہو بلکہ خود ہی ایک مقصد ہو اپنے مقاصد میں لامحدود ہو جاتا ہے اس لیے کہ وہ ہر لمحہ اپنے مقصد کے قریب سے قریب تر ہونے کی سعی کرتا رہتا ہے جبکہ وہ فنون جو ایک مقصد کا ذریعہ ہوتے ہیں لامحدود نہیں ہوتے اس لیے کہ خود مقصد ان کے لیے حد بندی کا کام دیتا ہے۔اسی طرح کریمیٹکس کا حال ہے کہ اس کے مقاصد کی حدود نہیں ہیں۔یہ مقاصد میں صرف محض دولت و امارت البتہ اکانمکس نہ کریمیٹکس اپنی حدود رکھتی ہے۔پہلی کا مقصد حصول ۔زر۔ کے علاوہ ہوتا ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہوتی ہے وہی اس کا مقصود ذہنی بن جاتی ہے اور جس حد تک تجریدی طور پر دولت کا زیادہ سے زیادہ حصول اس کی سرگرمیوں کا خاص مدعا بن جائے وہ سرمایہ دار کی حیثیت میں عمل کرنے لگتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ خود سرمایہ ہی مجسم ہو کر باشعور اور بااردہ بن جاتا ہے۔ صورتحال جب یہ ہو تو پھر استعمالی قیمتوں کو سرمایہ دار کا مقصود اصلی سمجھنا صحیح نہ ہوگا (۱)۔ اور نہ کسی ایک معاملت میں جو منافع اسے حاصل ہوتا ہے وہی اس کا مقصود ہوتا ہے (۲)۔ صرف منفعت اندوری کا نہ ختم ہونے والا اور چین سے نہ بیٹھنے دینے والا عمل ہی اس کا مقصود و مدعا رہ جاتا ہے۔ دولت و امارت کے حصول کی یہ لامحدود حرص مبادلاتی قیمت کے تعاقب میں یہ پر جوش دوڑ (۳) سرمایہ دار اور بخیل میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے۔ بخیل تو یوں سمجھئے کہ ایک اُس سرمایہ دار کا نام ہے جو پاگل ہو گیا ہو اور

(بقیہ حاشیہ) اور دوسری کا اضافہ۔ زر۔ ان دونوں اشکال کو خلط ملط کر دینے کی وجہ سے (اور یہ دونوں شکلیں ایک دوسرے کے دائرے کو کاٹتی ہیں) بعض لوگ یہ سمجھنے لگے کہ اکانمکس کا مقصد بھی یہ ہے کہ دولت و امارت میں لامحدود اضافے کے ذرائع سے بحث کرے (ارسطو) ایڈیشن بیکر)۔

(۱) اجناس (اور یہاں اجناس سے ان کی استعمالی قیمتیں مراد نہیں) تاجر سرمایہ دار کا مقصد آخری نہیں ہوتیں۔ اس کا مقصد آخری تو۔ زر۔ ہوتا ہے (ٹی ایچ کالرس۔ آن پوٹیکل اکانمی وغیرہ دوسرا ایڈیشن 1882ء صفحہ 165' 166)۔

(۲) مدعا یہ کہ سرمایہ دار کو جنس جیسے کپڑے یا روئی کی استعمالی قیمت یعنی اس کی استعمالی افادیت سے بحث یا دلچسپی نہیں ہوتی۔ اس کی دلچسپی جنس کی مبادلاتی قیمت یعنی اس کی اس حیثیت سے ہوتی ہے کہ وہ تحصیل۔ زر۔ اور آمدنی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ اسی طرح اسے کسی ایک معاملت کے نفع سے بھی دلچسپی نہیں ہوتی بلکہ کاروبار کے سلسلے کے مجموعی نفع سے دلچسپی ہوتی ہے۔ اُردو مترجم)

(۳) نفع کا حصول سرمایہ دار کو برابر آگے کی طرف لے جاتا رہتا ہے (میک کلاک) اصول معاشیات۔ لندن 1830 صفحہ 179) اس نقطہ نظر کو ظاہر کرنے کے باوصف (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سرمایہ دار اس بخیل کو کہتے ہیں جو صاحب شعور ہو۔ مبادلاتی قیمت کو اس طرح برابر بڑھائے جانا کہ اپنے ۔زر۔ کو گردش سے محفوظ رکھا جائے ایک بخیل کا کام ہے مگر مبادلاتی قیمت کو اس طرح بڑھانا کہ جو۔زر۔ کمایا گیا ہے اسے پھر گردش میں ڈال دیا جائے یہ تیز سرمایہ دار کا کام ہے۔

آزاد شکل یعنی شکل ۔زر۔ جو اجناس کی قیمت سادہ سی گردش کی حالت میں اختیار کر لیتی ہے صرف ایک مقصد پورا کرتی ہے۔ وہ مقصد ہے ان کا مبادلہ اور یہ شکل اس حرکت کے آخری نتیجے میں غائب ہو جاتی ہے۔ اس کے برعکس ز۔ج۔ز۔ کی گردش میں ۔زر۔ اور جنس دونوں خود قیمت کے وجود کے مختلف طریقوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ۔زر۔ اس کا عام تر طریقہ ہے اور جنس خاص طریقہ یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک ایسا طریقہ جس کا بھیس بدلا ہوا ہے۔ یہ وہ طریقہ ہے جو برابر ایک روپ سے دوسرا روپ بدلتا ہے مگر گم نہیں ہوتا اور اس طرح خود بخود ایک فعال کردار اختیار کر لیتا ہے۔ اب اگر ہم ان دونوں اشکال میں سے جو بذات خود پھیلنے والی قیمت اپنی زندگی کے دوران درجہ بدرجہ اختیار کرتی ہے ہر ایک کو باری باری لیں تو ہم ان دو قضایا پر پہنچیں گے کہ سرمایہ ۔زر۔ ہے اور سرمایہ ہی اجناس (۱) ہے۔ لیکن واقعہ دراصل یہ ہے کہ یہاں قیمت اس عمل کے دوران ایک فعال عنصر کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس عمل میں ۔زر۔ اور اجناس کا باری باری روپ دھارنے کے باوجود وہ ساتھ ہی اپنی مقدار میں بھی بدل جاتی ہے اور

(بقیہ حاشیہ) میک کلاک اور اس کے ساتھی جب نظریاتی دشواریوں میں پھنستے ہیں مثلاً پیداوار کی ضرورت سے زیادہ بڑھ جانے کی صورت میں تو اسی مذکورہ قسم کے سرمایہ دار کو اخلاق پسند شہری قرار دے دیتے ہیں جس کا مقصد وحید استعمالی قیمتیں ہوتی رہیں بلکہ جو جوتوں ٹوپیوں انڈوں کپڑے اور اسی قسم کی دوسری روزمرہ استعمال میں آنے والی استعمالی قیمتوں سے نہ سیر ہونے والی دلچسپی لینے لگتا ہے)۔

(۱) سکہ (کرنسی) جو اشیاء کی پیداوار میں کام آتا ہے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اپنے آپ سے قدر زائد کو جدا کر کے خود کو ممتاز بھی کر لیتی ہے۔ بالفاظ دیگر ابتدائی واصلی قیمت خود بخود پھیل جاتی ہے۔ وہ حرکت جس کے دوران وہ قدر زاید کو اپنے ساتھ بڑھا لیتی ہے اس کی اپنی حرکت ہوتی ہے اور یوں اس کی توسیع اس کا خود بخود پھیلاؤ ہوتا ہے۔ اب چونکہ وہ قیمت ہوتی ہے تو یہ پراسرار خصوصیت بھی حاصل کر لیتی ہے کہ اپنے ساتھ مزید قیمت بڑھا لیتی ہے۔ گویا بچے پیدا کرتی ہے یا کم سے کم یوں کہیے کہ سونے کے انڈے دے دیتی ہے۔

تو چونکہ قیمت اس عمل میں فعال عنصر کی حیثیت رکھتی ہے اور ایک وقت ـزرـ کی شکل اور دوسرے وقت اجناس کی شکل اختیار کرتی ہے گو ان تمام تبدلات کے دوران اپنے آپ کو محفوظ رکھتی اور پھیلاتی رہتی ہے لہٰذا وہ ایک آزاد شکل اختیار کر لیتی ہے جس کے ذریعے اس کی یہ شکل صرف ـزرـ کے روپ میں ہوتی ہے اور یہ ـزرـ ہی کا روپ ہوتا ہے جس میں قیمت کا آغاز اور اختتام ہوتا ہے اور اس کے بعد دوبارہ آغاز ہوتا ہے اور ان میں سے ہر عمل خود تولیدی کا عمل ہوتا ہے۔ سو پونڈ سے قیمت کا آغاز ہوا تھا۔ اب یہ 110 پونڈ ہو گئی ہے اور اس کے بعد اس سے بھی زیادہ۔ لیکن خود ـزرـ قیمت کی دونوں اشکال میں سے صرف ایک ہی شکل کا نام ہے لیکن جب تک قیمت کسی جنس کا روپ نہ دھارے وہ سرمایہ نہیں بن پاتی۔ اس صورت میں ذخیرہ اندوزی کی طرح ـزرـ اور اجناس کے درمیان تضاد کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی۔ سرمایہ دار جانتا ہے کہ تمام اجناس چاہے وہ کسی قدر بھی پست کیوں نہ نظر آئیں یا ان سے کتنی ہی شدید بدبو کیوں نہ آتی ہو فی الواقع ـزرـ ہیں اندرونی طور پر مختون یہودی۔ بلکہ سب سے زیادہ بات یہ کہ وہ ایک ایسا عجیب وغریب آلہ ہیں جس کے ذریعہ وہ روپے سے زیادہ سے زیادہ روپیہ پیدا

(بقیہ حاشیہ) سرمایہ ہوتا ہے (میک لیڈ۔ بنکاری۔ نظریہ اور عمل لندن 1855ء) سرمایہ اجناس ہے (جیمس مل۔ فلسفہ معاشیات کے عناصر لندن 1821 صفحہ 74)

کرسکتا ہے۔

ج۔ز۔ج۔ کی سادہ سی گردش میں اجناس کی قیمت زیادہ سے زیادہ ایک ایسی شکل اختیار کرتی ہے جو ان اجناس کی استعمالی قیمتوں سے آزاد ہوتی ہے یعنی یہ کہ ۔زر۔ کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ لیکن وہی قیمت جو اب ز۔ج۔ز کی گردش میں یا سرمائے کی گردش میں ہوتی ہے اچانک اپنے آپ کو ایک آزاد مواد میں پیش کرتی ہے کہ اب اس کی اپنی حرکت ہوتی ہے جو اپنی زندگی کے ادوار سے گذرتی ہے جس میں کہ ۔زر۔ اور اجناس محض اشکال کا درجہ رکھتی ہیں اور ان اشکال کو وہ کبھی اختیار کرلیتی ہے اور کبھی اُتار کر پھینک دیتی ہے۔ اتنا ہی نہیں صرف اجناس کے رشتے کی نمائندگی کرنے کی بجائے اب یوں کہئے کہ وہ خود اپنے آپ سے نجی رشتے قائم کرتی ہے چنانچہ اپنے آپ کو جبکہ وہ اصلی قیمت ہو اپنی اس حیثیت سے جبکہ وہ استعمالی ہو قیمت خود ہی ممتاز کردیتی ہے ٹھیک اسی طرح جیسے باپ اپنے آپ کو اس حیثیت سے کہ وہ باپ ہے اور اس حیثیت سے کہ بیٹا ہے متمیز کرتا ہے حالانکہ وہ ایک ہی ہے اور ایک ہی عمر بھی رکھتا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ دس پونڈ کی رقم کے قدر زائد کے اضافے سے ہی ابتدائی اور اصلی رقم یعنی سو پونڈ سرمایہ بنتی ہے۔ اور جونہی سرمایہ بننے کی یہ منزل آتی ہے۔ یعنی جونہی بیٹا پیدا ہوتا ہے تو بیٹے کے پیدا ہونے کی وجہ سے باپ بھی وجود میں آجاتا ہے (اس لیے کہ اگر بیٹا پیدا ہی نہ ہوگا تو باپ۔ باپ کیسے کہلا سکے گا۔ اُردو مترجم) تو اس منزل کے آتے ہی امتیازات ختم ہوجاتے ہیں اور اصلی رقم (سو پونڈ کے بجائے) 110 پونڈ بن جاتی ہے۔

ایسے میں یوں کہیے کہ قیمت (اب صرف قیمت نہیں رہتی بلکہ) قیمت در عمل (یا تغیر) اور ۔زر۔ در عمل (یا تغیر) بن جاتی ہے اور اس طرح سرمایہ ہوجاتی ہے۔ کبھی وہ گردش سے باہر آتی ہے۔ کبھی پھر اس میں شامل ہوجاتی ہے اپنے دائرے میں خود کو محفوظ رکھتی اور برابر بڑھاتی رہتی ہے۔ اس دائرے سے کافی پھول کر باہر آتی ہے اور بار دگر نیا دور شروع کردیتی ہے ز۔ز' (ا)۔ ہے (حاشیہ اگلے صفحہ پر)۔ یعنی ۔زر۔ وہ

ہے جو۔زر۔ پیدا کرتا ہے۔سرمائے کی یہی وہ تعریف ہے جو اس کے سب سے پہلے شارحین یعنی مرکنٹائلین نے کی ہے۔

خرید برائے فروخت یا زیادہ صحیح تر الفاظ میں یوں کہیے کہ خرید برائے گراں فروخت۔ ز۔ج۔ز واضح طور پر ایک ایسی شکل ہے جو سرمائے کی ایک خاص قسم سے مختص ہے۔ یعنی تاجروں کے سرمائے سے لیکن صنعتی سرمایہ بھی تو۔زر۔ ہے جو اجناس میں منتقل ہوتا ہے۔اور ان اجناس کی فروخت سے بار دگر۔زر۔ میں منتقل ہو جاتا ہے۔ وہ واقعات جو گردش کے دائرے سے باہر رونما ہوتے ہیں۔یعنی اس وقفے کے دوران جو خرید اور فروخت کے درمیان ہوتا ہے۔اس گردش یا حرکت کی شکل پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ پھر آخر میں اس سرمائے کو لیجئے جو سود پر چلتا ہے تو اس میں ز۔ج۔ز کی گردش مختصر ہو جاتی ہے اس کا نتیجہ درمیانی درجے سے گذرے بغیر ہی پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی ز۔ز کی شکل میں رونما ہوتی ہے یعنی یوں کہیے کہ۔زر۔ جو زیادہ۔زر۔ کی قیمت کا ہو اور قیمت جو اپنے آپ سے زیادہ قیمت رکھتی ہو۔ وجود میں آ جاتی ہے لہٰذا ز۔ج۔ز کو فی الحقیقت سرمائے کے اصول عام سے تعبیر کیا جائے گا جیسا کہ سرمایہ گردش کے دائرے میں ظاہر بہ ظاہر نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے۔

---

(۱) ز پر منقلب دال لگانے کا مطلب یہ ہے کہ۔زر۔ وہ جو قدر زائد پر مشتمل ہو جبکہ سادہ۔ز ابتدائی رقم کی نمائندگی کرتی ہے۔سو پونڈ کی نمائندگی سادہ۔ز۔ کرتی ہے جبکہ منقلب دال والی۔ز۔ 110 پونڈ یعنی اس رقم کی نمائندگی کرتی ہے جس میں دس پونڈ کی قدر زائد بھی شامل ہو گئی ہے۔(اُردو

باب پنجم

سرمائے کے-اُصول عام-میں تضادات

زر۔ کے سرمایہ بن جانے کی صورت میں گردش جو شکل اختیار کرتی ہے وہ ان تمام قوانین کے مخالف ہوتی ہے جن کا ہم نے اب تک جائزہ لیا اور جو اجناس قیمت ۔زر۔ بلکہ خود گردش کی ماہیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس شکل کو اجناس کی سادہ گردش سے جو چیز متمیز کرتی ہے وہ دو مخالف اعمال یعنی خرید و فروخت کے بالتسلسل آنے کا جو انداز ہوتا ہے اس کا منقلب ہو جانا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان دونوں اعمال کے درمیان یہ جو محض رسمی امتیاز ہے آخر کیسے یہ اپنے کردار کو بدل لیتا ہے۔ کیا کسی جادو کے ذریعے ایسا ہوتا ہے؟

پھر اتنا ہی کچھ نہیں ہے۔ کسی کاروباری معاملت میں جو تین افراد شریک ہوتے ہیں ان میں سے دو کا اس منقلب ہونے کی بات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ سرمایہ دار کی حیثیت میں میں الف سے اجناس خریدتا ہوں اور پھر انہیں ب کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہوں۔ لیکن اجناس کے ایک عام مالک کی حیثیت سے میں انہیں ب کے ہاتھ فروخت کرتا ہوں اور پھر الف سے نئی اجناس خرید لیتا ہوں۔ ان دونوں معاملتوں میں الف اور ب کوئی فرق نہیں دیکھتے۔ وہ تو صرف خریدار یا فروخت کنندہ ہوتے ہیں اور میں ہر بار کہ ان سے معاملت کرتا ہوں تو۔ زر۔ یا جنس کے مالک کی حیثیت سے یا ایک خریدار یا فروخت کنندہ کی حیثیت سے معاملت کرتا ہوں بلکہ مزید براں ان دونوں معاملتوں میں الف سے میرا

تقابل خریدار کی حیثیت سے اور ب سے فروخت کنندہ کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ان میں سے کسی سے سرمایہ یا سرمایہ دار کی طرح یا کسی بھی اس چیز کے نمائندے کی طرح جو۔زر۔یا اجناس سے زائد ہو یا جو۔زر۔اور اجناس سے زائد اثر پیدا کرتا ہو میرا تقابل نہیں ہوتا۔ میرے لیے تو الف سے خرید اور ب کو فروخت ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں لیکن ان دو عملوں میں جو ربط ہے وہ صرف میرے لیے موجود ہے الف۔ب۔سے میری معاملت کی بابت کوئی دلچسپی نہیں رکھتا نہ ب الف سے میری معاملت سے کوئی تعلق رکھتا ہے۔اب اگر میں ان دونوں کو یہ بتانے بیٹھوں کہ میں نے یہ کتنا نیک کام کیا ہے کہ سلسلہ معاملت کی کڑیوں کو میں نے بدل کر رکھ دیا تو امکان یہ ہے کہ وہ مجھے یہ جواب دیں گے کہ میں معاملت کی ان کڑیوں کی تدریج کے بارے میں غلط فہمی میں مبتلا ہوں اور یہ تمام معاملت خرید سے شروع ہونے اور فروخت پر ختم ہونے کے بجائے۔فروخت سے شروع ہو کر خرید پر ختم ہوئی ہے صحیح بات یہ ہے کہ میرا پہلا عمل خرید۔الف۔کے نقطہ نظر سے فروخت ہے اور میرا دوسرا عمل فروخت۔ب کے نقطہ نظر سے خرید ہے بلکہ اتنا ہی نہیں۔الف۔اور ب۔دونوں یہ کہیں گے کہ یہ تمام سلسلہ محض بے معنی سی بات ہے اور مستقبل میں ب۔الف۔سے براہ راست خریدے گا اور الف۔ب کو براہ راست بیچے گا۔اس طرح یہ ساری کی ساری معاملت مال کا رصرف ہی ایک ہی عمل ہو کر رہ جائے گا جو کہ اجناس کی عام گردش میں ایک جداگانہ اور غیر متعلق رُخ ہوگا۔یعنی الف کے نقطہ نظر سے محض ایک فروخت اور ب کے نقطہ نظر سے محض خرید۔لہٰذا معاملت کی کڑیون کا منقلب ہو جانا۔اجناس کی سادہ گردش کے دائرے سے ہمیں باہر نہیں لے جاتا اور اس لیے ہمیں دیکھنا یہ چاہئیے کہ آیا اس سادہ سی گردش میں کوئی ایسی چیز ہے جو قیمت کو جو کہ گردش میں آتی ہے پھیلانے اور بڑھانے میں بالفاظ دیگر قدر زائد کے پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔

اب ذرا عمل گردش کا راس کی اس شکل میں غور کریں جس میں وہ ایک سادہ اور

ایک دوسرے سے خرید کریں تو مذکورہ صورت سامنے آتی ہے۔ جس دن معاملت ہوتی ہے اس دن دونوں کی رقوم ایک دوسرے کے مساوی ہوتی ہیں اور ایک دوسرے کا اثر کھودیتی ہے۔ اس صورت میں ۔زر۔زر۔ حساب کی حیثیت رکھتا ہے اور اجناس کی قیمت ان کے نرخوں کے ذریعے ظاہر کرتا ہے۔ لیکن بذات خود نقد روپے کی صورت میں ۔اجناس کے مقابل نہیں ہوتا۔ جہاں تک استعمالی قیمتوں کا تعلق ہے یہ بالکل صاف ہے کہ دونوں پارٹیاں کچھ نہ کچھ فائدے میں رہیں گی۔ دونوں ایک ایسا مال دوسرے فریق کو دیتی ہیں جو ان کے اپنے کام کا نہیں ہے اور ہر ایک دوسرے سے وہ مال حاصل کرتا ہے جو اس کے کام کا ہے۔ پھر ایک فائدہ اور ہوتا ہے الف جو شراب فروخت کرتا اور غلہ خریدتا ہے یہ بالکل ممکن ہے کہ مقررہ اوقات محنت میں ب نامی کاشتکار اسے بنا سکتا ہو یا برعکس اس کے۔ ب۔ الف کسان کے مقابل زیادہ غلہ اگاتا ہو۔ نتیجہ یہ کہ الف۔ یکساں مبادلاتی قیمت کے بدلے میں زیادہ غلہ اور۔ب۔ زیادہ شراب حاصل کرے بجائے اس کے کہ ان میں سے ہر ایک خود شراب وغلہ پیدا کرتا اور مبادلہ نہ کرتا۔ تو جہاں تک استعمالی قیمتوں کا تعلق ہے تو یہ کہنے کی گنجائش ہے کہ مبادلہ ایک ایسی معاملت کو کہتے ہیں جس میں دونوں فریق فائدے میں رہیں(البتہ مبادلاتی قیمت کی صورت میں نوعیت بدل جاتی ہے۔ جس شخص کے پاس وافر مقدار میں شراب ہو اور غلہ سرے سے نہ ہو۔ ایک ایسے شخص سے معاملت کرتا ہے جس کے پاس وافر مقدار میں غلہ ہو اور شراب بالکل نہ ہو ان دونوں کے درمیان جو مبادلہ ہوتا ہے وہ غلے کا پچاس کی قیمت میں اور شراب کا بھی اسی قیمت میں ہوتا ہے۔ یہ عمل نہ ایک کے لیے مبادلاتی قیمت کو بڑھاتا ہے نہ دوسرے کے لیے اس لیے کہ دونوں میں سے ہر ایک اس مبادلے سے پہلے ایک ایسی قیمت کا مالک ہوتا ہے جو اس کے مساوی ہوتی ہے جسے وہ اس مبادلے کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ اب اگر اس عمل میں ۔زر۔ اجناس کے درمیان گردش کے واسطے کے

پڑے گا۔ ایک جنس کی قیمت گردش میں جانے سے پہلے کے نرخ سے ظاہر ہوتی ہے اور اس لیے وہ گردش کی شرط مقدم ہوتی ہے اس کا نتیجہ نہیں ہوتی۔

اگر مسئلے پر تجریدی طور سے سوچا جائے۔ یعنی ان حالات سے جو سادہ گردش کے قوانین سے پیدا نہیں ہوئے ہٹ کر سوچا جائے تو مبادلے میں اگر ہم ایک استعمالی قیمت کی جگہ دوسری استعمالی قیمت لانے سے صرف نظر کرلیں) سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ ایک قسم کا قلب ماہیت ہوا ہے۔ جنس کی شکل میں صرف ایک تبدیلی ہوتی ہے۔ وہی مبادلاتی قیمت یعنی سماجی محنت کی وہی مجسم مقدار جنس کے مالک کے قبضے میں اول سے آخر تک رہتی ہے۔ پہلے تو وہ اس کی اپنی جنس کی صورت میں رہتی ہے اور اس کے بعد اس ۔زر۔ کی صورت میں رہتی ہے جس سے وہ مبادلہ کرتا ہے اور آخر میں اس جنس کی صورت میں رہتی ہے جسے وہ اس روپے سے خریدتا ہے۔ شکل کی یہ تبدیلی قیمت کی مقدار میں تبدیلی پر دلالت نہیں کرتی۔ بلکہ یہ تبدیلی جس سے قیمت جنس اس عمل کے دوران گزری ہے۔ اس کی شکل ۔زر۔ میں تبدیلی تک محدود رہتی ہے۔ یہ شکل ۔زر۔ پہلے تو اس جنس کے رخ کی صورت میں موجود ہوتی ہے جسے فروخت کے لیے پیش کیا گیا ہے اور اس کے بعد واقعی نقد کی صورت میں ہوتی ہے اور آخر میں مساوی جنس کے نرخ کی صورت میں موجود ہوتی ہے۔ پھر شکل ۔زر۔ کی یہ تبدیلی۔ اگر تنہا زیر غور لائی جائے۔ تو قیمت کی مقدار میں تبدیلی پر بھی دلالت نہیں کرتی جس طرح روپے کے نوٹ کی۔ روپوں اٹھنیوں اور پیسوں میں تبدیلی مقدار قیمت کی تبدیلی پر دلالت نہیں کرتی۔ اب جہاں تک اجناس کی گردش صرف ان کی قیمتوں کی شکل میں تبدیلی لائے اور تغیر پیدا کرنے والے بیرونی اثرات سے آزاد رہے تو وہ صرف مساوی مقداروں کا مبادلہ ہوگا۔ قیمت کی مالیت سے۔ بھونڈی معاشیات۔ بہت کم واقف ہے لیکن جب وہ گردش کے مظاہر پر ان کی خالص نوعیت میں غور کرنا پسند کرتی ہے تو یہ فرض کرلیتی ہے کہ طلب و رسد مساوی ہوتی ہیں جس کے معنی اس کے علاوہ اور کیا ہیں کہ ایک دوسرے کا اثر زائل

کر دیتی ہے۔اب اگر جہاں تک استعمالی قیمتوں کے متبادل ہونے کا تعلق ہے۔خریدار اور فروخت کنندگان دونوں کوئی نفع اٹھائیں تو یہ صورت مبادلاتی قیمتوں پر صادق نہ آئے گی۔اس مرحلے پر تو بلکہ ہمیں یہ کہنا چاہیے کہ جہاں مساوات موجود ہوگی وہاں کسی کو کوئی نفع نہ ہوگا۔ یہ تو صحیح ہے کہ اجناس ایسے نرخوں پر بک سکتی ہیں جو ان کی قیمتوں سے ہٹے ہوئے ہوں۔لیکن نرخوں کا یہ انحراف مبادلۂ اجناس کے قوانین کی خلاف ورزی کی حیثیت رکھتا ہے اس لیے کہ مبادلہ اجناس اپنی عام حالت میں مساوی اشیا کا مبادلہ ہوتا ہے اور اس لیے وہ قیمت میں اضافے کا ذریعہ نہیں ہوتا۔

تو اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اجناس کی گردش کو قدر زائد کا ماخذ قرار دینے کی جتنی کوششیں کی جاتی ہیں تو اس میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ استعمالی قیمت اور مبادلاتی قیمت کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے۔اب مثلاً کینڈیلاک نے کہا ہے کہ ''کہ یہ بات صحیح نہیں ہے کہ اجناس کے مبادلے میں ہم قیمت کے بدلے میں قیمت دیتے ہیں۔اس کے برعکس ہر مبادلے میں دونوں فریقوں میں سے ہر ایک قدرے بڑی قیمت کے مقابلے میں کم قیمت دیتا ہے...... اس لیے کہ اگر مبادلے میں یکساں قیمتوں کا تبادلہ ہوا کرتا تو پھر کوئی فریق نفع نہ کما سکتا جبکہ دونوں فائدہ اٹھاتے ہیں یا دونوں کو فائدہ اٹھانا چاہئے۔سوال یہ ہے ایسا کیوں ہے۔کسی چیز کی قیمت صرف اسی نسبت سے ہوتی ہے جس نسبت سے وہ ہماری ضروریات کی تسکین کرتی ہے۔جو چیز ایک کے لیے زائد مفید ہے وہ دوسرے کے لیے کم مفید ہے۔یہ فرض نہیں کیا جا سکتا کہ ہم فروخت کے لیے ان اشیاء کو رکھتے ہیں جو ہماری ضرورتوں کے لیے مطلوب ہیں۔ہم غیر مطلوب چیز کو اس لیے بیچتے ہیں کہ مطلوب چیز کو خرید لیں۔گویا ہم ایک زیادہ مفید چیز کے بدلے کم مفید چیز دے دیتے ہیں۔ یہ سوچنا بالکل قدرتی ہے کہ مبادلے میں جب بھی ہر وہ چیز جس کا مبادلہ ہوتا ہے اگر وہ سونے کی یکساں مقدار کے برابر قیمت رکھتی ہو تو قیمت کے بدلے میں قیمت دی جاتی ہے لیکن گردش کے عمل میں ایک اور پہلو بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے

سوال یہ ہے؟ آیا ہم دونوں ایک ضروری چیز کا ایک غیر ضروری سے تبادلہ کرتے ہیں''۔ اس عبارت میں آپ یہ دیکھیں گے کہ کینڈ یلاک نے کس طرح نہ صرف استعمالی قیمت اور مبادلاتی قیمت کو خلط ملط کر دیا ہے بلکہ فی الواقع بالکل طفلانہ انداز پر یہ فرض بھی کر لیا ہے کہ جس سماج میں اجناس کی پیداوار کافی آگے بڑھ گئی ہو اس میں پیداوار کنندہ صرف اپنے مصارف زندگی ہی پیدا کرتا ہے اور ضروریات سے جو کچھ زیادہ ہوتا ہے اسے گردش میں ڈال دیتا (۱) ہے۔ باوجود اس کے عہد جدید کے معاشیین کینڈ یلاک نے دلائل کو عام طور پر استعمال کرتے ہیں خاص طور پر اس وقت جب انہیں یہ ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ اجناس کا مبادلہ اپنی ترقی یافتہ شکل میں جسے تجارت کہئے استعمالی قیمت کو پیدا کرتا ہے بطور مثال''۔ تجارت...... پیداوار کی قیمت بڑھا دیتی ہے اس لیے کہ صارفین کے ہاتھ میں پہنچ کر مصنوعات کی قیمت اس سے زیادہ ہوتی ہے جتنی پیداوار کنندہ کے پاس ان کی قیمت (۲) تھی۔ لیکن مصنوعات کے دام دوبار تو ادا نہیں ہوتے یعنی ایک بار انکی استعمالی قیمت کی وجہ سے اور دوسری بار ان کی عام قیمت کی وجہ سے اور گو جنس کی استعمالی قیمت خریدار کے لیے زیادہ مفید ہوتی ہے بمقابلہ فروخت کنندہ کے مگر اس کی شکل۔ زر۔ فروخت کنندہ کے لیے زیادہ افادیت رکھتی ہے ورنہ ایسا نہ ہوتا۔ تو کیا وہ اسے فروخت بھی کرتا؟ اور جب بات یوں ہے تو ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ خریدار بالکل صحیح صحیح معنی

---

(۱) (لاٹروسے۔ نے اپنے دوست کینڈ یلاک کو جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ اگر دونوں جو آپس میں مبادلہ کرتے ہیں یکساں قیمت پر زیادہ حاصل کریں اور اس یکساں قیمت کا کم حصہ دوسرے کو دیں تو پھر دونوں کو یکساں قیمت ہی ملے گی۔ چونکہ کینڈ یلاک مبادلاتی قیمت کی ماہیت سے ناواقف ہے اسی لیے پروفیسر ولیم روشر نے اپنے یکساں طفلانہ نقطہ نظر کی صحت بتانے کے لیے اس کے خیالات کا جواب دینا مناسب خیال کیا ہے)۔

(۲) (الیس۔ پی۔ نیومین۔ عناصر معاشیات۔ رینڈ وور اینڈ نیو یارک 1835 صفحہ 175)۔

میں عمل پیداوار۔سرانجام دیتا ہے۔اس طرح کہ مثلاً وہ موزوں اور جرابوں کو۔زر۔ میں منتقل کرتا ہے۔

اگر اجناس یا اجناس و۔زر۔ جو کہ یکساں قیمت کے ہوں اور اس لیے یکساں ہوں ایک دوسرے سے بدلے جائیں تو بالکل صاف بات یہ ہے کہ دونوں فریقین معاملت میں سے کوئی ایک بھی گردش سے اس سے زائد قیمت حاصل نہ کرے گا جتنی اس نے گردش میں کر ڈالی ہے اس لیے کہ قدر زائد تو پیدا ہی نہ ہوگی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اجناس کی گردش اپنی معمولی حالت میں یکساں اشیاء کے مبادلے کا تقاضہ کرتی ہے لیکن عمل میں جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ عمل اپنی معمولی حالت برقرار نہیں رکھتا۔ لہٰذا مناسب یہ ہے کہ فرض یہ کرلیں کہ مبادلہ غیر مساوی اشیاء کا ہوتا ہے۔

ہر حال میں منڈیوں میں صرف اشیاء کے مالک جاتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک دوسرے پر جو طاقت رکھتا ہے وہ طاقت واضح طور پر وہی ہے جو اجناس مملوکہ کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ ان اجناس میں جو مادی تنوع پایا جاتا ہے وہی عمل مبادلہ کا محرک اور خریداروں اور فروخت کنندگان کو ایک دوسرے پر منحصر کر دینے کا سبب بنتا ہے اس لیے کہ ان میں سے کسی ایک کے پاس وہ چیز نہیں ہوتی جو وہ چاہتا ہے اور ایک کے پاس وہ چیز ہوتی ہے جس کی دوسرے کو ضرورت ہوتی ہے۔ان اجناس میں ان کی استعمالی قیمتوں کے پیدا کردہ مادی اختلافات کے ساتھ ساتھ صرف ایک فرق اور ہوتا ہے وہ فرق وہ ہوتا ہے جو ان کی مادی ہیئت اور اس ہیئت کے درمیان ہوتا ہے جو فروخت کی وجہ سے ان میں پیدا ہو جاتا ہے یعنی اجناس یا۔زر۔ کے درمیان فرق جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اجناس کے مالکین ایک دوسرے سے صرف اس حیثیت سے متمیز ہوتے ہیں کہ بعض ان میں سے اجناس کے مالکین یعنی فروخت کنندہ ہیں اور بعض دوسرے۔زر۔ کے مالک یعنی خریدار ہیں۔

تو اب مثلاً آپ یہ فرض کریں کہ کسی ناقابل توضیح رعایت کی بنا پر فروخت کنندہ اجناس کو ان کی قیمت سے زائد پر فروخت کرنے کے قابل ہو جائے یعنی جو چیز سو

پونڈ کی ہو وہ 110 پونڈ میں فروخت کر سکے تو اس صورت میں نرخ دس فی صد بڑھ جائیں گے۔ مطلب یہ کہ فروخت کنندہ دس کے بقدر قدر زائد حاصل کر لیتا ہے لیکن جب بیچ چکتا ہے تو خریدار بن جاتا ہے۔ اب اجناس کا ایک اور مالک اس کے پاس فروخت کنندہ کے بطور آتا ہے اور وہ بھی فروخت کنندہ کی حیثیت میں اپنے مال کو دس فیصد گراں نرخ پر بیچنے کی رعایت وسہولت رکھتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ شخص مذکور فروخت کنندہ کی حیثیت سے جو نفع حاصل کرتا ہے خریدار کی حیثیت سے اس سے محروم ہو جاتا (۱) ہے۔ نتیجہ اس تمام گفتگو کا یہ کہ اجناس کے تمام مالک اپنی اجناس ایک دوسرے کو ان کی قیمت سے دس فی صد سے زائد پر بیچتے ہیں جس کے ٹھیک معنی یہ نکل کر آئے کہ انہوں نے ان اشیاء کو ان کی صحیح قیمت پر بیچا۔ نرخوں کا اس نوع کا عام اور معمولی اضافہ وہی نتیجہ پیدا کرتا ہے جو اس صورت میں پیدا ہو جبکہ قیمتیں سونے کے وزن کے بجائے چاندی کے وزن میں ظاہر کی جائیں (۲) اجناس کے نرخ تو بڑھ جاتے ہیں مگر ان کی قیمتوں کے درمیان جو رشتے ہوتے ہیں وہ غیر مبدل رہتے ہیں۔ اب ذرا اس سے مختلف مفروضہ قائم کیجئے۔ یعنی یہ کہ خریدار اجناس کی خرید کم قیمت میں کرنے کی رعایت وسہولت رکھتا ہے۔ اس صورت میں یہ ذہن نشین کرنے کی ضرورت نہیں کہ وہ پھر خود بھی فروخت کنندہ بنے گا اس لیے کہ وہ خریدار بننے سے پہلے ہی فروخت کنندہ تھا گویا وہ پہلے ہی فروخت میں دس

---

(۱) کسی مصنوع کی معینہ قیمت میں اضافے سے فروخت کنندگان کو دولت حاصل نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ فروخت کنندہ کی حیثیت سے جو کچھ حاصل کرتے ہیں۔ ٹھیک اسی قدر خریدار کی حیثیت سے خرچ کر دیتے ہیں۔ (دولت اقوام کے بنیادی اصول وغیرہ لندن 1797ء صفحہ 66۔ (مصنف کا نوٹ)

(۲) مطلب یہ کہ جس طرح سونے کے سکے کے بجائے چاندی کی شکل میں قیمت کا اظہار صورتحال میں کوئی بنیادی فرق پیدا نہیں کرتا اسی طرح جو صورتحال اوپر زیر بحث آئی اس میں بھی جو تبدیلی ہوئی ہے اس سے صرف شکل کا فرق پیدا ہوا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ اُردو مترجم کا نوٹ)۔

روپے کا نقصان اٹھا چکا ہے قبل اس کے کہ دس فی صد کا خریدار کی حیثیت سے فائدہ اٹھاتا۔ تو یوں بھی صورتحال وہی رہی جو پہلے تھی۔

لہٰذا قدر زائد کی تخلیق اور اس طرح۔ زر۔ کے سرمائے میں انتقال کی توضیح نہ تو اس فرض کے تحت ہو سکتی ہے کہ اجناس اپنی قیمت سے زائد نرخ پر فروخت ہوں اور نہ اس مفروضے پر کہ وہ اپنی قیمت سے کم نرخ پر بکیں۔

کرنل ٹورنس کی طرح غیر متعلقہ مسائل کو لے آنے سے بھی صورتحال کی وضاحت میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ کرنل ٹورنس کہتے ہیں کہ ''موثر طلب صارفین کے اس رجحان یا طاقت کا موجود ہونا ہے کہ وہ اجناس کے لیے بلاواسطہ تجارت یا بالواسطہ بارٹر کے ذریعے اس سے زیادہ سرمایہ خرچ کرنے کے لیے تیار ہوں جتنا ان کی پیداوار پر لگا ہے(۱)۔

گردش کے رشتے میں پیداوار کنندگان اور صارفین خریدار اور فروخت کنندہ کی حیثیت سے ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ یہ کہنا کہ پیداوار کنندہ کو جو قدر زائد حاصل ہوتی ہے اس کا منبع یہ ہے کہ صارفین اجناس کی قیمت سے زائد روپیہ ادا کرتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یہ بات کہنا ہے کہ اجناس کے مالکین فروخت کنندہ کی حیثیت سے گراں تر فروخت کی رعایت وسہولت رکھتے ہیں۔ فروخت کنندہ نے خود ہی اجناس کو پیدا کیا ہے یا وہ پیدا کنندگان کی نمائندگی کرتا ہے لیکن خریدار نے بھی اجناس کی پیداوار میں جن کی نمائندگی اس کا روپیہ کرتا ہے کچھ کم حصہ نہیں لیا ہے یا وہ بھی کچھ کم اس کے پیدا کنندہ کی نمائندگی نہیں کرتا (۲) ان دونوں کے درمیان جو امتیاز ہے وہ یہ ہے کہ ایک

---

(۱) آر ٹورنس، پیدائش دولت کی بابت ایک مقالہ، لندن 1861 صفحہ 349)۔

(۲) یہاں انگریزی مترجم نے جرمن سے ترجمہ کرتے وقت جملے کو کافی الجھا دیا ہے۔ اُردو میں اس الجھن کو دور کر کے مفہوم واضح کر دیا گیا ہے۔ سید محمد تقی)۔

خرید کرتا ہے اور دوسرا فروخت کرتا ہے۔ یہ حقیقت کہ اجناس کا مالک پیداوار کنندہ کا منصب رکھنے کی حالت میں انہیں زائد نرخوں میں بیچتا ہے اور صارف کی حیثیت میں ان کے زیادہ دام ادا کرتا ہے ہمیں ایک قدم بھی آگے بڑھانے میں مدد نہیں دیتا (۱)۔

لہٰذا فکری طور پر بے ربطی سے بچنے کے لیے اس سراب زدہ خیال کے ماننے والوں کو کہ ۔قدر زائد۔ کا منبع نرخوں میں تھوڑا سا اضافہ یا وہ رعایت وسہولت ہوتی ہے جو فروخت کنندہ گراں فروشی کی رکھتا ہے۔ یہ فرض بھی کرنا چاہیے کہ ایک ایسا طبقہ موجود رہتا ہے جو صرف خریداری کیا کرتا ہے فروخت کچھ نہیں کرتا یعنی یوں کہیے کہ وہ صرف صارفین ہوتے ہیں۔ پیداوار کچھ نہیں کرتے ۔لیکن جس نقطہ نظر تک یعنی سادہ گردش تک ہم پہنچ چکے ہیں اس کی رو سے دیکھا جائے تو اس نوع کے طبقے کی موجودگی کی کوئی وضاحت نہیں کی جاسکتی۔ لیکن رکیئے ۔ہم ایک اور صورتحال کی پیش بینی کریں اس قسم کا طبقہ جس روپے کے ذریعے برابر خریداریاں کرتا رہتا ہے وہ روپیہ برابر کسی مبادلے بغیر اور مفت طاقت کے ذریعے ہو یا حق کے ذریعے خود اجناس ہی کے مالکوں کے پاس سے اس کی جیب میں آتا رہنا چاہیئے ۔اس قسم کے طبقے کے ہاتھ اجناس کو ان کی قیمت سے زیادہ پر فروخت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ پہلے اسے جو روپیہ دیا گیا تھا اس کا ایک جزو پھر اس سے واپس لے لیا گیا (۲) اس طرح مشرق وسطیٰ کے قصبات قدیم روم کو سالانہ

---

(۱) یہ تصور کہ منافع صارفین کو ادا کرنے پڑتے ہیں واضح طور پر احمقانہ ہے اس لیے کہ سوال یہ ہے کہ خود صارفین کون ہیں؟ (جی۔ ریمزے' تقسیم دولت پر ایک مقالہ' اڈنبرا 1836 صفحہ 183)۔

(۲) رکارڈو کے ایک غصیلے مرید نے جس نے اپنے مرید پارسن چامرس کی طرح اقتصادی طور پر خریدار اور صارف کے اس سیدھے سادھے کو طبقے کو بڑا آسمان پر چڑھایا ہے (ملاحظہ ہو' ان اصولوں سے متعلق تحقیقات جو طلب کی ماہیت اور صرف کی ضرورت کے بارے میں ہیں اور جن کو حال ہی میں مسٹر مالتھس نے پیش کیا ہے۔ لندن 1821 صفحہ 55) یہ سوال مسٹر مالتھس (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

خراج۔زر۔پیش کیا کرتے تھے۔اس روپے سے روم ان سے اجناس خریدتا تھا اور خریداری بھی گراں نرخوں پر کرتا تھا۔مگر یہ صوبائی لوگ روم والوں کو اس طرح لوٹ لیتے تھے کہ وہ تجارت کے دوران اپنے فاتحین سے اپنے خراج کا ایک حصہ واپس لے لیتے تھے۔لیکن اس تمام قصبے میں نتیجہ یہی نکلتا تھا کہ خود فاتحین ہی لٹتے تھے۔اس لیے کہ ان کے مال کے دام انہیں کے روپے سے ادا ہوتے تھے۔ظاہر ہے دولت مند بننے یا قدر زائد تخلیق کرنے کا یہ طریقہ تو ہے نہیں۔

بنابریں بہتر یہ ہے کہ ہم مبادلے کی حدود کے اندر محدود رہیں جہاں فروخت کنندگان خریدار بھی ہوتے ہیں اور خریدار فروخت کنندگان ہوتے ہیں۔ممکن ہے ہماری مشکل اس لیے پیدا ہوئی ہو کہ ہم نے ادکاروں کو افراد کے بجائے چند خصوصیات کا نمائندہ خیال کرلیا ہے۔

یہ ہوسکتا ہے کہ۔الف۔اتنا چالاک ہو کہ ب اورج۔سے فائدہ اٹھاتا ہو جبکہ وہ دونوں بدلہ لینے پر قادر نہ ہوں۔الف۔ب کے ہاتھ چالیس پونڈ کی شراب فروخت کرتا ہے اور مبادلے میں اس سے پچاس پونڈ کا غلہ حاصل کرتا ہے۔مطلب یہ ہوا کہ الف۔نے اپنے چالیس پونڈ کو پچاس میں بدل لیا۔گویا کم روپے کو زیادہ کرلیا اور اپنی اجناس کو سرمائے میں منتقل کرلیا۔آیئے اس معاملے کا ذرا اور قریب سے مطالعہ کریں۔

اس مبادلے سے پہلے الف کے پاس تو چالیس پونڈ کی شراب تھی اور ب۔کے پاس پچاس پونڈ کا غلہ تھا۔کل نوے پونڈ کی قیمت تھی۔مبادلے کے بعد بھی نوے پونڈ کی یہ قیمت باقی رہی۔گردش میں جو قیمت تھی وہ ذرہ برابر نہ بڑھی بلکہ صرف الف اور ب کے درمیان مختلف طور پر منقسم ہوگئی ب کو قیمت میں جو نقصان پہنچا وہ الف کے لیے

(بقیہ حاشیہ) سے پوچھا ہے کہ جب کوئی شخص طلب کی تلاش میں ہو تو کیا مسٹر مالتھس اسے یہ مشورہ دیں گے کہ وہ کسی اور آدمی کو کچھ روپیہ دے کر وہ اس کا مال خرید لے)۔

قدر زائد بن گئی۔ جو کچھ ایک کے لیے مقدار منفی بنی وہ دوسرے کے لیے مقدار جمع بن گئی۔ لیکن اس قسم کی تبدیلی اس صورت میں رونما ہوئی جب مثلاً الف مبادلے کے رسمی طریقے میں پڑے بغیر ب سے دس پونڈ چرا لیتا۔ نتیجہ یہ کہ گردش میں جو رقم ہے وہ اپنے انقسام میں کسی تغیر پیدا ہو جانے کی وجہ سے بڑھ نہیں جاتی جس طرح کسی ملک کی قیمتی دھاتیں اس بات سے نہیں بڑھ سکتیں کہ کسی یہودی نے ملکہ این کے فاردنگ (سب سے چھوٹا سکہ) کو اشرفی میں بیچ دیا۔ سرمایہ دار طبقہ کسی ملک میں مجموعی طور پر خود اپنی ذات سے آگے تو نہیں پھلانگ سکتا (۱)۔

بات کو کسی قدر الٹ پلٹ کیوں نہ کر دیا جائے مگر حقیقت اپنی جگہ باقی رہتی ہے اگر مساوی اشیاء کا تبادلہ کیا جائے تو پھر سرے سے قدر زائد پیدا ہی نہ ہوگی۔ لیکن اگر نامساوی اشیاء کا تبادلہ کیا جائے تو بھی قدر زائد پیدا نہ ہوگی اس لیے کہ گردش یا مبادلہ اجناس قیمت پیدا نہیں کرتا (۲)۔

تو اب اس بات کی وجہ بہ آسانی سمجھ میں آ سکتی ہے کہ سرمائے کی معیاری شکل کا جائزہ لیتے وقت یعنی اس شکل کا جائزہ لیتے وقت جس کے تحت یہ سرمایہ جدید سماج کی معاشی تنظیم کا تعین کرتا ہے ہم نے اس کی زیادہ مقبول و معروف بلکہ یوں کہیے کہ سب سے زیادہ دقیانوسی اشکال یعنی تاجروں اور مہاجنوں کے سرمائے کو کیوں اپنی بحث سے

---

(۱) ڈسٹٹ ڈی ٹریسی۔ اگرچہ غالباً اس لیے کہ وہ انسٹی ٹیوٹ کا رکن تھا مختلف نقطہ نظر رکھتا ہے۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ صنعتی سرمایہ دار اس لیے نفع کماتے ہیں کہ وہ پیداوار کو اس کی پیداواری قیمت سے زائد پر بیچتے ہیں۔ لیکن وہ یہ فروخت کسے کرتے ہیں۔ سب سے پہلے تو اپنے آپ ہی کو کرتے ہیں۔

(۲) مبادلہ۔ مصنوعات کو کسی قسم کی قیمت نہیں بخش سکتا۔ (ایف دے لینڈ۔ عناصر معاشیات۔ بوسٹن 1853 صفحہ 168)۔

خارج کردیا۔

دائرہ۔ز۔ج۔ز' اس لیے خریدا کہ گراں بیچا جائے زیادہ وضاحت کے ساتھ صحیح تاجرانہ سرمائے میں نظر آتا ہے۔لیکن یہ سارا دائرہ گردش کی حدود میں محدود رہتا ہے اب چونکہ صرف گردش سے تو یہ ممکن نہیں ہے کہ۔زر۔کو سرمائے میں بدلنے کی توجیہ ہوسکے۔قدر زائد کی تشکیل کی توجیہ کی جاسکے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ تاجر کا سرمایہ اس وقت تک وجود میں نہیں آسکتا جب تک مساوی اشیاء کا باہم تبادلہ (۱) ہو اور اس لیے اس کا منبع وہ دوہری رعایت وسہولت ہوتی ہے۔ جو تاجر کو خرید وفروخت کرنے والوں کے درمیان آجانے کی وجہ سے حاصل ہوجاتی ہے یہی ہے وہ مفہوم جس میں فرینکلن نے یہ بھی کہا ہے کہ جنگ نام ہے چوری کا اور تجارت عام طور پر دھوکے بازی کو کہتے ہیں (۲)' اگر تاجروں کے روپے سے سرمائے میں انتقال کی توضیح اس بات کے علاوہ کہ یہ عمل صرف پیدا کنندہ کو دھوکہ دے کر کیا جاتا ہے کسی اور طرح کی جائے تو پھر درمیان کی بہت سی کڑیوں پر گفتگو ضروری ہوگی جو کہ موجودہ مرحلے پر جبکہ اجناس کی سادہ سی گردش ہی ہمارا واحد مفروضہ ہے سامنے نہیں آتیں۔

تاجروں کے سرمائے کے سلسلے میں ہم نے جو کچھ کہا ہے وہ مہاجنوں کے

---

(۱) نا قابل تبدل مساوی اشیاء کے مبادلے کے اصول کے تحت تجارت وجود میں نہیں آسکتی (جی۔روپ ڈائیک) معاشیات پر ایک رسالہ نیویارک 1851 صفحہ 66،69) حقیقی قیمت اور مبادلاتی قیمت کے درمیان جو فرق ہے وہ اس بات سے پیدا ہوتا ہے کہ شے کی قیمت اس قیمت سے مختلف ہوتی ہے جو تجارت میں ایک نام نہاد مساوی شے کی وجہ سے اسے حاصل ہوتی ہے۔دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ یہ مساوی شے مساوی ہوتی ہی نہیں (ایف اینگلز۔بحوالہ سابقہ)

(۲) بنجامن فرینکلن۔مجلدات جلد دوئم (قومی دولت سے متعلق موتفوں کا جائزہ۔صفحہ 376)۔

سرمائے پر کچھ زیادہ ہی اطلاق رکھتا ہے۔ تاجروں کے سرمائے میں دونوں انتہاؤں ۔زر۔ جو منڈی میں لایا جاتا ہے اور وہ زیادہ شدہ ۔زر۔ جو بازار سے ہٹایا جاتا ہے (۱) میں کم سے کم خرید و فروخت کا رشتہ تو موجود رہتا ہے۔ بالفاظ دیگر ان میں گردش کا رشتہ تو ہوتا ہے مگر مہاجن کے سرمائے میں ز۔ج۔ز' کی شکل صرف دو انتہاؤں پر مشتمل ہو کر رہ جاتی ہے اور درمیان کی کڑی ٹوٹ جاتی ہے یعنی ز۔ز'۔زر۔ جو زیادہ ۔زر۔ میں بدلا جائے لیکن یہ شکل ایسی ہے جو ۔زر۔ کی اپنی ماہیت سے ہم آہنگی نہیں رکھتی اور اس لیے اجناس کی گردش کے نقطہ نظر سے اس کی توضیح بھی نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے ارسطو نے کہا ہے کہ "چونکہ کریمٹیکس (۔زر۔کشی) ایک دوہرا علم ہے جس کا ایک حصہ تجارت سے اور دوسرا معاشیات سے تعلق رکھتا ہے اور ثانی الذکر ضروری اور قابل تعریف ہے اور اول الذکر گردش پر مبنی ہوتی ہے لہٰذا جائز طور پر ناپسندیدہ ہے (اس لیے کہ وہ فطرت پر مبنی نہیں بلکہ دھوکے بازی پر مبنی ہے) لہٰذا سود خور کو صحیح طور پر بڑی نفرت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ وجہ یہ کہ اس کے نفع کا ماخذ خود ۔زر۔ ہی ہوتا ہے اور ۔زر۔ ان مقاصد کے لیے استعمال نہیں ہوتا جن کے لیے اس کی ایجاد کی گئی ہے۔ ۔زر۔ تو مبادلہ اجناس کے لیے وجود میں لایا گیا ہے۔ لیکن سود ۔زر۔ سے مزید ۔زر۔ پیدا کرتا ہے۔ اس لیے اس کا نام ہے (Tokos سود اور اولاد) اس لیے کہ مولود ٹھیک انہی کی طرح ہوتے ہیں جو انہیں پیدا کرتے ہیں۔ سود ۔زر۔ کے ۔زر۔ کا نام ہے اس لیے زندگی گذارنے کے تمام طریقوں میں جو طریقہ فطرت کے سب سے زیادہ مخالف ہے وہ سود خوروں کا طریقہ ہے (۲)۔

---

(۱) خرید شدہ غلے کو زیادہ دام پر بیچ کر جو روپیہ حاصل کیا جاتا ہے وہ پہلے سے زائد روپیہ ہوتا ہے۔ روپیہ منڈی سے ہٹ کر ایک شخص کی جیب میں آ جاتا ہے۔ سو پونڈ کے مال کو 110 پونڈ میں بیچنے کی مثال پیش نظر رہے۔ (اُردو مترجم)۔

(۲) ارسطو بحوالہ سابقہ۔

اپنے اس تحقیقاتی مطالعے کے دوران ہم یہ بات دیکھیں گے کہ تاجروں کا سرمایہ اور سود پر چلنے والا سرمایہ دونوں ہی استخراج شدہ شکلیں ہیں۔ ساتھ ہی یہ بات بھی واضح ہوگی کہ ایسا کیوں ہوا کہ یہ دونوں شکلیں تاریخ میں سرمائے کی موجودہ معیاری شکل سے پہلے وجود میں آئیں۔

یہ ہم پہلے دکھا چکے ہیں کہ قدر زائد گردش سے پیدا نہیں ہوتی اور اس لیے اس کی تشکیل میں کوئی اور چیز ہونی چاہئے جو پس منظر میں رہے اور خود گردش کے دوران نمایاں ہو کر نہ آئے (۱)۔ مگر سوال یہ ہے کیا یہ ممکن ہے کہ قدر زائد گردش کے علاوہ کہیں اور پیدا ہو جائے جبکہ گردش مجموعہ ہوتی ہے مالکان اجناس کے تمام باہمی رشتوں کا جہاں تک وہ رشتے ان کی اجناس سے متعین ہوتے ہیں۔ جنس کے مالک کو اگر گردش سے الگ رکھ کر دیکھا جائے تو بس وہ صرف اپنی ہی جنس سے رشتہ رکھتا ہے۔ جہاں تک قیمت کا تعلق ہے سو اس کا یہ رشتہ جس چیز سے محدود ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ جنس اس کی محنت کی مقدار پر ہی مشتمل ہوتی ہے اور محنت کی یہ مقدار ایک متعین سماجی معیار سے ناپی جاتی ہے۔ محنت کی یہ مقدار جنس کی قیمت سے ظاہر کی جاتی ہے اور چونکہ قیمت۔ زر۔ حساب سے شمار ہوتی ہے تو یہ مقدار بھی نرخ سے ظاہر ہوتی ہے جسے ہم دس پونڈ فرض کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کی محنت جنس کی قیمت اور اس قیمت پر جو کچھ زائد ہوتا ہے ان دونوں سے ظاہر نہیں ہوتی نہ دس کے نرخ سے جو گیارہ کا نرخ بھی ہو سکتا ہے ظاہر ہوتی ہے نہ اس قیمت سے جو اپنے آپ سے زیادہ ہوتی ہے ظاہر ہوتی ہے۔ مالک جنس اپنی محنت سے قیمت تو پیدا کر سکتا ہے لیکن خود توسیعی قیمت پیدا نہیں کر سکتا۔ البتہ وہ مزید محنت کر کے اپنی جنس کی قیمت بڑھا سکتا ہے اور اس طرح قیمت میں مزید قیمت کا اضافہ کر سکتا

---

(۱) بازار کی عام حالت میں نفع مبادلے سے حاصل نہیں ہوتا اگر وہ پہلے سے موجود نہ ہو تو معاملت کے بعد بھی وجود میں نہیں آ سکتا (ریمزے۔ بحوالہ سابقہ صفحہ 184)۔

ہے بطور مثال وہ چمڑے کو جوتوں کی شکل میں بدل سکتا ہے جس کا مطلب یہ کہ سابقہ مواد نئی قیمت حاصل کر لیتا ہے اس لیے کہ اب وہ پہلے سے زیادہ محنت پر مشتمل ہو گیا۔ معنی اس کے یہ ہوئے کہ جوتے چمڑے سے زیادہ قیمت رکھتے ہیں لیکن خود چمڑے کی وہی قیمت رہتی ہے جو پہلے تھی۔ وہ پھیلی نہیں اور جوتوں کے بننے کے دوران مزید قدر زائد حاصل نہ کر سکی۔ بنابریں یہ بالکل ناممکن ہے کہ اجناس کا پیدا کنندہ اجناس کے دوسرے مالکوں سے ارتباط میں آئے بغیر گردش کے دائرے کے باہر قیمت کو پھیلا سکے اور یوں ۔زر۔ یا اجناس کو سرمائے میں متبدل کر سکے لہٰذا یہ بھی ناممکن ہے کہ سرمایہ گردش سے پیدا ہو سکے اور اسی طرح یہ ممکن بھی نہیں کہ وہ گردش سے جدا رہ کر وجود میں آ سکے۔ مطلب یہ کہ وہ گردش میں اپنا منبع رکھتا بھی ہے اور نہیں بھی رکھتا۔

یہ تو عجیب صورتحال ہے کہ ہم دوہرے نتیجے پر پہنچ رہے ہیں۔ زر۔ کے سرمائے میں انتقال کی توضیح ان قوانین کی بنیاد پر ہونی چاہیئے جو اجناس کے مبادلے کا تعین کرتے ہیں اور وہ بھی اس طرح کہ نقطۂ آغاز مساوی اشیاء کا تبادلہ ہو(۱)۔ ہمارے

---

(۱) مذکورہ بحث ونظر کی روشنی میں قاری یہ دیکھے گا کہ یہ جو بات کہی گئی ہے اس کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ تشکیل سرمایہ ممکن ہونی چاہیے چاہے نرخ اور قیمت جنس ایک سی ہو اس لیے کہ یہ تشکیل ان میں سے کسی ایک کے دوسرے سے منحرف ہو جانے کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی۔ اگر نرخ فی الواقع قیمتوں سے مختلف ہو جائیں تو سب سے پہلے ہمیں نرخوں کو قیمتوں کی حد تک کم کر لینا چاہیئے۔ بالفاظ دیگر ہمیں اس فرق کو اتفاقی خیال کرنا چاہیے تاکہ اس صورتحال کو اس کی صحیح تر نوعیت میں دیکھا جا سکے اور ہمارے اس مطالعے کی راہ میں وہ حالات جو عمل زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں رکھتے توجہ ہٹانے کا سبب نہ بن جائیں۔ علاوہ بریں ہم یہ بات بھی جانتے ہیں کہ نرخوں کے قیمتوں کی حد تک گرانے کا یہ عمل صرف سائنسی عمل ہی نہیں ہے۔ نرخوں میں مسلسل اتار چڑھاؤ۔ ان کا بڑھنا اور گرنا

(باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دوست۔ منی بیگس (خیالی سرمایہ دار) جو ابھی تک شیر خوار قسم کے سرمایہ دار ہیں اپنی اجناس ان کی قیمتوں پر ہی دے دینے اور قیمتوں ہی پر بیچنے کے لیے مجبور ہیں؛ تاہم اس عمل کے اختتام پر وہ گردش سے اس سے زیادہ رقم واپس لے لیں گے جتنی وہ گردش میں ڈالیں گے۔ ان کا بڑھ کر بھرپور سرمایہ دار ہو جانا گردش کے دائرے کے اندر بھی رہ کر وقوع پذیر ہوگا اور اس سے باہر بھی۔ کیا کیا جائے مسئلے کی نوعیت ہی ایسی ہے۔

(بقیہ حاشیہ) آ جاتے ہیں۔ یہ اوسط ہی ان کا خفیہ ناظم ہوا کرتا ہے اور یہی تاجر یا کارخانہ دار کے لیے ہر اس کام میں جس کی تکمیل میں وقت لگتا ہے رہنمائی کا ستارہ بنتا ہے وہ جانتا ہے کہ اگر لمبے عرصے کو سامنے رکھ کر دیکھا جائے تو پھر اجناس نہ تو زائد دام پر فروخت ہوتی ہیں نہ کم پر بلکہ اپنی اوسط قیمت پر فروخت ہوتی ہیں۔ ایسے میں اگر وہ کبھی اس مسئلے پر غور کرتا ہے تو تشکیل سرمایہ کے مسئلے کو حسب ذیل انداز میں سامنے لاتا ہے۔ ہم اس مفروضے پر کہ نرخوں کا تعین ان کے اوسط سے ہوتا ہے یعنی مال کا اجناس کی قیمت سے ہوتا ہے کیونکر سرمائے کی ابتداء کی وضاحت کر سکیں گے؟ یہاں میں نے ''مال کار'' استعمال کیا ہے۔ اس لیے کہ اوسط نرخ اجناس کے نرخوں سے براہِ راست تطابق نہیں رکھتے جیسا آدم اسمتھ اور رکارڈو وغیرہ کا خیال ہے۔

باب ششم

قوت محنت کی خرید وفروخت

جس ۔زر۔ کو سرمائے میں منتقل کرنا مقصود ہو اس کی قیمت میں تبدیلی خود ۔زر۔ میں وقوع پذیر نہیں ہوتی اس لیے کہ ۔زر۔ کے اس کردار میں کہ وہ خرید وفروخت کا ذریعہ ہے وہ جو کچھ فرض ادا کرتا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ وہ اس جنس کے نرخ کو جو اس کے ذریعے خریدی اور بیچی جاتی ہے ادا کرتا ہے اور ۔زر۔ نقدی کے اعتبار سے وہ ایک منجمد قیمت ہے جو کبھی متبدل نہیں ہوتی (۱)۔ گردش کے عمل ثانی یعنی جنس کے باردگر فروخت میں بھی جو سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہوتی کہ اس میں شے اپنی جسمانی شکل سے بدل کر ۔زر۔ کی شکل میں آ جاتی ہے۔ ۔زر۔ کی قیمت میں تبدیلی کا رونما ہونا بہت کم ممکن ہے۔ لہٰذا یہ تبدیلی اس جنس میں رونما ہوتی ہے جو پہلے عمل یعنی ز۔ج۔ میں خریدی جاتی ہے۔ اس کی قیمت میں رونما نہیں ہوتی اس لیے کہ مبادلہ مساوی اشیاء کا ہوتا ہے اور جنس کی تو پوری قیمت ادا کی جاتی ہے۔ بنا بریں ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ مذکورہ تبدیلی خود جنس کی استعمالی قیمت یعنی اس کے استعمال ہی سے رونما ہوتی ہے۔ تو جنس کے استعمال سے قیمت حاصل کرنے کے لیے ہمارے دوست منی بیگس کو اتنا خوش قسمت ہونا

---

(۱) ۔زر۔ کی شکل میں...... سرمایہ کوئی نفع پیدا نہیں کرتا۔ (رکارڈو۔ اصول معاشیات۔ صفحہ (227

چاہیئے کہ گردش کے دائرے میں بازار کے اندر ایک ایسی جنس دریافت کرلے جس کی استعمالی قیمت یہ امتیازی خصوصیت رکھتی ہو کہ وہ قیمت کا ماخذ بن سکے اور اس کا واقعی استعمال بذات خود محنت کی مجسم شکل اور اس لیے محنت کی تخلیق ہو۔ زر۔ کا مالک بازار میں اس قسم کی مخصوص جنس معلوم کرلیتا ہے۔ یہ جنس محنت کی صلاحیت یا قوت (لیبر پاور) ہوتی ہے۔

قوت محنت کی صلاحیت سے مراد وہ تمام ذہنی اور جسمانی قابلیتیں ہیں جو کسی ایک فرد انسانی میں پائی جاتی ہیں اور جنہیں وہ کسی بھی قسم کی استعمالی قیمت پیدا کرنے میں استعمال میں لاتا ہے۔

لیکن مالک۔ زر۔ کا قوت محنت کو جنس کے طور پر بیچنے کے لیے حاصل کرسکنا کئی شرطوں کے پورے ہونے پر منحصر ہے۔ اجناس کا مبادلہ بذات خود باہمی انحصار کے کسی رشتے پر دلالت نہیں کرتا سوائے ان رشتوں کے جو اس کی اپنی ماہیت سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس مفروضے پر بات کو لیا جائے تو قوت محنت بازار میں جنس کے بطور صرف اس وقت اور اس حد تک ظاہر ہوتی ہے جب اس محنت کا مالک یعنی وہ فرد جس کی یہ محنت ہے اسے فروخت کے لیے پیش کرتا ہے یا بطور جنس اسے فروخت کردیتا ہے لیکن اس فرد کا ایسا کرسکنے کے قابل ہوجانا اس بات پر منحصر ہے کہ اس قوت محنت یعنی اپنی ذات کے استعمال کرنے کا حق اسے حاصل ہو۔ وہ اپنی محنت کی صلاحیت کے استعمال کا بلا کسی پابندی کے مجاز (۱) ہو۔ وہ اور۔ زر۔ کا مالک بازار میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے اس طرح معاملت کرتے ہیں جیسے دونوں یکساں حقوق رکھتے

---

(۱) کلاسیکی نوادر کی انسائیکلوپیڈیاؤں میں ہم اس قسم کی مہملات پاتے ہیں کہ عہد قدیم میں سرمایہ پوری طرح ترقی یافتہ تھا۔ بس اتنا ہی نہ تو آزاد مزدور کا وجود تھا اور نہ نظام قرض موجود تھا۔ مامسن نے بھی اپنی تاریخ روم میں اس باب میں پے درپے ٹھوکریں کھائی ہیں۔

ہوں البتہ ایک یہ فرق ضرور باقی رہتا ہے کہ ایک خریدار اور دوسرا فروخت کنندہ ہوتا ہے۔ یوں دونوں ہی قانون کی نظر میں یکساں درجہ رکھتے ہیں۔ اس رشتے کے جاری رہنے کا تقاضہ یہ ہے کہ قوت محنت کا مالک (مزدور) اپنی قوت کو ایک مقررہ مدت کے لیے فروخت کرے۔ ورنہ اگر وہ اسے پوری کی پوری بیچ دے اور وہ بھی دائمی طور پر تو وہ خود اپنے آپ کو بیچ ڈالے گا اور آزاد کے بجائے غلام ہو کر رہ جائے گا۔ گویا ایک مالک جنس کے بجائے خود جنس بن جائے گا۔ اپنی محنت کی قوت کو اسے ہمیشہ اپنی جائیداد کی طرح سمجھنا چاہیے۔ اپنی جنس خیال کرنا چاہیے اور ایسا وہ اسی وقت کر سکتا ہے کہ اس قوت محنت کے خریدار کے استعمال کے لیے وہ اسے عارضی مدت کے لیے دے۔ ایک متعین مدت کے لیے۔ صرف اسی طرح وہ اپنی ملکیت کے حقوق کی محرومی سے بچ سکتا ہے۔(۱)

---

(۱) اس لیے مختلف ملکوں میں قوانین بنائے گئے ہیں جن کے ذریعے محنت سے متعلقہ معاہدوں کی زیادہ سے زیادہ حد مقرر کی گئی ہے۔ جہاں جہاں آزاد مزدور موجود ہیں اس معاہدے کے اختتام کا طریقہ بھی تجویز کیا گیا ہے۔ بعض ملکوں خاص طور پر میکسیکو میں (امریکی خانہ جنگی سے قبل اور ان علاقوں میں بھی جو میکسیکو سے چھین لیے گئے تھے بلکہ فی الواقع ڈینیوب سے متعلقہ علاقوں میں۔ کوسا۔ کی بغاوت سے پہلے) غلامی موجود ہے جو بیگار کے پردے میں چھپی ہوئی ہے۔ یہ ان قرضوں سے متعلق ہوتی ہے جو پیشگی کی شکل میں دیے جاتے ہیں اور جن کی ادائیگی کام کی شکل میں ہوتی ہے۔ ایک صرف مزدور ہی نہیں اس کا خاندان بھی نسلاً بعد نسل۔ عملاً دوسرے افراد اور خاندانوں کی ملکیت بن جاتا ہے۔ جوارز نے بیگار کو قانوناً جرم قرار دے دیا مگر نام نہاد شہنشاہ میکسملین نے پھر اسے ایک فرمان کے ذریعے قائم کر دیا۔ واشنگٹن کے ایوان نمائندگان نے بڑے موزوں طریقے پر اس فرمان کو میکسیکو میں غلامی کی بحالی سے تعبیر کیا تھا'۔ یہ ہو سکتا ہے کہ میں ایک مقررہ مدت کے لیے اپنی چند خاص جسمانی اور ذہنی صلاحیتوں کو کسی اور کے استعمال کے لیے دے دوں۔ اس پابندی کی وجہ سے

مالک۔زر۔ بازار میں محنت کی قوت کو جنس کے بطور حاصل کر سکے اس کے لیے دوسری اہم شرط یہ ہے کہ مزدور بجائے اس کے کہ وہ اس جنس کو فروخت کرنے کی مقدرت رکھتا ہو جس میں اس کی محنت کی قوت سموئی ہوئی ہے اس بات کے لیے مجبور ہو کہ خود اس قوت محنت کو جو کہ اس کی ذات ہی میں موجود ہوتی ہے بطور جنس کے بیچنے کے لیے پیش کرے۔

کسی شخص کا اپنی قوت محنت کے بجائے دوسری اجناس کے فروخت کرنے کے قابل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے پاس ذرائع پیداوار بھی موجود ہوں مثلاً عام مال اور اوزار وغیرہ۔ چمڑے کے بغیر جوتے نہیں بنائے جاسکتے۔ پھر اس کے لیے ذرائع خورد و نوش کے مہیا ہونے کی ضرورت بھی ہے۔ کوئی شخص بھی ''مستقبل کا موسیقار'' بھی مستقبل کی مصنوعات پر زندہ نہیں رہ سکتا یا ایسی استعمالی قیمتوں پر جو عدم تکمیل کی حالت میں ہوں زندگی نہیں گذار سکتا۔ جب سے انسان اس دنیا کے اسٹیج پر نمودار ہوا ہے اس وقت سے لے کر اور اب بھی ایک صارف ہے یعنی اس وقت بھی صارف ہے جب وہ پیداوار نہ کر رہا ہو اور اس وقت بھی جب کر رہا ہو۔ ایک ایسی سماج میں جہاں تمام مصنوعات اجناس کی شکل اختیار کر لیتی ہوں اس میں ان اجناس کو تیار ہوتے ہی بیچ دینا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ فروخت کے بعد ہی وہ اپنے پیدا کنندگان کے مقاصد کی تکمیل کرتی ہیں۔ ان کی فروخت میں جو عرصہ لگتا ہے اسے اس مدت میں جو ان کے بنانے میں لگتا ہے بڑھانا ہوتا ہے۔

لہٰذا مالک۔زر۔ کو اپنے۔زر۔ کو سرمائے میں بدلنے کے لیے اس بات کی

(بقیہ حاشیہ) تمام محنت کے وقت اور اپنے تمام کام کو اپنے آپ سے جدا کر دینے کے نتیجے میں اس تمام مواد بالفاظ دیگر اپنی تمام سرگرمیوں اور اپنی ساری حقیقت یعنی ذات کو میں دوسرے کی جائیداد بنا دوں گا۔ (ہیگل۔فلاسفی ڈس رشٹ۔برلین 104۔67)

ضرورت ہے کہ اس کے لیے بازار میں آزاد محنت مہیا ہو جائے۔ آزاد محنت دوہرے مفہوم میں پہلے یہ کہ یہ آزاد مزدور اپنی قوت محنت کو بطور جنس کے فروخت کرنے میں آزاد ہو اور دوسرے یہ کہ اس کے علاوہ اور کوئی جنس اس کے پاس فروخت کے لیے نہ ہو۔ یعنی اپنی محنت کی قوت کو خارجی شکل دینے کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہے ان میں سے کوئی اس کے پاس نہ ہو۔

رہا یہ سوال کہ مالک۔زر۔ سے جو کہ بازار مزدور کو اجناس کے عام بازار کی شاخ خیال کرتا ہے اس آزاد مزدور کی بازار میں کیسے مڈبھیڑ ہو جاتی ہے ایک ایسا سوال ہے جس سے مالک۔زر۔ کو کوئی دلچسپی نہیں ہوتی اور اس مرحلے پر اس سوال سے خود ہمیں بھی بہت کم دلچسپی ہے۔ ہمیں تو اس معاملے سے نظریاتی دلچسپی ہے مگر اس کی دلچسپی عملی ہے۔ البتہ ایک چیز بالکل صاف ہے اور وہ یہ کہ ایسا تو ہوتا نہیں کہ فطرت ایک طرف تو ۔زر۔ اور اجناس کے مالکوں کو پیدا کرتی ہو اور دوسری طرف ایسے لوگوں کو پیدا کرتی ہو جو اپنی محنت کی قوت کے علاوہ اور کسی چیز کے مالک نہ ہوتے ہوں۔ اس لیے کہ یہ رشتہ کوئی فطری بنیاد تو رکھتا نہیں نہ اس کی سماجی بنیاد ہی کوئی ایسی چیز ہے جو تمام تاریخی ادوار میں یکساں طور پر رہی ہو۔ یہ تو واضح طور پر ماضی کے تاریخی ارتقاء کی پیداوار ہے اور متعدد معاشی انقلابوں اور سماجی پیداوار کی تمام قدیم اشکال کے طویل سلسلے کے معدوم ہو جانے کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے۔

اس طرح وہ معاشیاتی مقولے جن پر ہم نے پہلے بحث کی ہے تاریخ کی چھاپ رکھتے ہیں۔ کسی مصنوع کے جنس بننے کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ کچھ خاص قسم کے تاریخی حالات موجود ہوں۔ اسے پیدا کنندہ کے فوری ذرائع خورد و نوش ہونے کے لیے پیدا نہ کیا جانا چاہئے۔ اب اگر ہم مزید آگے بڑھ کر یہ جائزہ لیتے کہ کن حالات کے تحت تمام پیداوار یا ان کی اکثریت اجناس کا روپ دھارتی ہے تو ہم یہ دیکھتے

پیداوار کے ساتھ۔ لیکن یہ تحقیق و جائزہ اجناس کے تجزیے سے غیر متعلق ہوتا ہے۔ اجناس کا پیدا ہونا اور ان کا گردش میں آ جانا چاہے اشیاء کی بہت بڑی تعداد اپنے پیدا کنندگان کے فوری استعمال کے مقصد سے پیدا کی جائے اور اس لیے وہ اجناس کی شکل اختیار نہ کرے اور اس اجناس کی شکل اختیار نہ کرنے کی وجہ سے ساجی پیداوار کافی دیر تک اور اپنے تمام دائرے میں مبادلاتی قیمت کے تحت نہ آئے؛ تاہم اجناس کا گردش میں آنا ممکن ہے۔ دراصل اشیاء کا اجناس کے روپ میں آنا اس مفروضے پر قائم ہے کہ محنت کی ساجی تقسیم کا اس انداز پر ارتقاء ہو گیا کہ استعمالی قیمت کی مبادلاتی قیمت سے بالکل علیحدگی اور جدائی عمل میں آ گئی۔ یاد رہے یہ علیحدگی پہلے بارٹر (مبادلہ اجناس) سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن ارتقا کا یہ درجہ ساج کی بہت سی اشکال میں پایا جاسکتا ہے جو دوسرے اعتبارات سے بہت سی اور مختلف تاریخی خصوصیات کی حامل ہوں اس کے برعکس اگر ہم ۔زر۔ پر غور کریں تو اس کا وجود پذیر ہونا مبادلہ اجناس کے ایک خاص درجے کی موجودگی کا پتہ دیتا ہے۔ ۔زر۔ جو خاص فرائض انجام دیتا ہے یا تو اجناس کی محض مساوی اکائی ہونے کی حیثیت رکھتا ہے یا ذریعہ گردش یا ذریعہ ادائیگی کی حیثیت ۔ ذخیرہ اندوزی کا ذریعہ یا عالمگیر ۔زر۔ کی حیثیت ۔ سو وہ ان میں سے کسی ایک فرض کی وسعت اور اہمیت کی نسبت سے ساجی پیداوار کے عمل کے کافی مختلف مدارج کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن یہ بات ہمیں تجربات نے سکھائی ہے کہ اجناس کی ایک وہ گردش جو قدرے پرانے طرز کی ہو ان تمام مذکورہ اشکال کے وجود میں لانے کو کافی ہے لیکن سرمائے کے پیدا ہونے کی صورت مختلف ہے۔ اس کے وجود میں آنے کے لیے جن تاریخی حالات کا موجود ہونا ضروری ہے وہ صرف ۔زر۔ اور گردش کے وجود میں آ جانے سے پیدا نہیں ہو جاتے۔ سرمایہ صرف اسی وقت وجود پذیر ہوتا ہے جب کہ ذرائع پیداوار اور ذرائع خورد و نوش کا مالک بازار میں ایک ایسے آزاد مزدور کو پا سکے جو اپنی قوت محنت فروخت کر رہا ہو۔ لیکن یہی وہ تاریخی حالت ہے جو پوری عالمی تاریخ کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی

ہے۔ نتیجہ اس گفتگو کا یہ کہ سرمائے کا وجود میں آ جانا اس بات کا اعلان ہے کہ سماجی پیداوار کا ایک نیا دور وجود میں آ گیا ہے(۱)۔

اب ہم اس مخصوص قسم کی جنس یعنی قوت محنت (لیبر پاور) کا ذرا قریب سے جائزہ لیں گے۔ دوسری تمام اجناس کی طرح یہ جنس بھی قیمت رکھتی ہے(۲)۔ سوال یہ ہے اس کی قیمت کا تعین کیونکر ہو؟

دوسری ہر جنس کی طرح قوت محنت کی قیمت بھی اس وقت محنت سے متعین ہوتی ہے جو اس کے پیدا کرنے اور بحال کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ جس حد تک جنس قیمت رکھتی ہے تو سماج کی جو اوسط درجے کی محنت اس میں سمائی ہوئی ہوتی ہے بس وہ اس کی نمائندگی کرتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کی نمائندگی نہیں کرتی۔ قوت محنت صرف ایک صلاحیت کی حیثیت میں موجود ہوتی ہے یا ایک زندہ شخص کی قوت و توانائی کی صورت میں۔ اس کا عمل پیداوار کرنا یہ بتاتا ہے کہ وہ موجود ہے اب اگر یہ فرد موجود ہے تو قوت محنت کی پیداوار یا تو اپنی ذات کو دوبارہ پیدا کرنے کے لیے ہوتی ہے یا اپنے بقاء کے لیے۔ وہ ذرائع خورد و نوش کی ایک متعینہ مقدار کی حاجتمند ہوتی ہے۔ لہٰذا قوت۔ محنت پیدا کرنے کے لیے جو وقت محنت درکار ہے وہ اسی قدر ہوتا ہے جتنا مذکورہ ذرائع

---

(۱) لہٰذا عہد سرمایہ داری جس بات کی وجہ سے ممتاز ہے وہ یہ ہے کہ قوت محنت خود مزدور کی نظر میں بھی جنس کی شکل اختیار کر جاتی ہے جو کہ اس کی جائداد ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کی محنت اجرت کی محنت بن جاتی ہے۔ اس کے برعکس یہی وہ نقطہ ہوتا ہے جہاں سے محنت کی پیداوار عالمگیر طور پر جنس بن جاتی ہے۔

(۲) ایک شخص کی قیمت یا قدر دوسری تمام اشیاء کی طرح نرخ رکھتی ہے بالفاظ دیگر وہ اسی قدر ہوتی ہے جتنی اس کی قوت کے استعمال کے بدلے میں دی جاتی ہے۔ (ہابس۔ لے ویاتھن۔ در مجلدات۔ ایڈیشن مولس ورتھ۔ لندن۔ 1839-1844۔ جلد پانچ باب تین صفحہ 76)

خوردونوش کی پیدائش کے لیے ضروری ہے۔ بالفاظ دیگر قوت محنت کی وہی قیمت ہوتی ہے جو کہ ان ذرائع خوردونوش کی قیمت ہوتی ہے جو مزدور کے بقاء کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ قوت محنت صرف اسی وقت حقیقت بنتی ہے جب اس کو بار بار عمل میں لایا جائے اور وہ اس وقت عمل میں آتی ہے جب اس کا استعمال کیا جائے۔ لیکن اس استعمال کے نتیجے میں انسانی عضلات اعصاب اور دماغ وغیرہ کی ایک متعینہ مقدار ضائع ہو جاتی ہے جسے بحال کرنا پڑتا ہے۔ قوت کا یہ زائد صرف زیادہ آمدنی کا تقاضہ کرتا ہے (۱)۔ اگر قوت محنت کا مالک آج کام کرتا ہے تو کل بھی اسے اس قابل ہونا چاہیے کہ وہ اسی عمل کا انہیں حالات (صحت اور طاقت کے اعتبار سے) میں اعادہ کر سکے۔ لہٰذا اس کے ذرائع خوردونوش اتنے ہونے چاہئیں کہ وہ ایک محنت کش فرد کی حیثیت میں اپنی معمولی حالت برقرار رکھ سکے۔ اس کی فطری حاجتیں جیسے غذا۔ لباس۔ ایندھن اور رہائش اس کے ملک کے طبعی اور موسمی حالات کے ساتھ بدلتی ہیں۔ برعکس اس کے اس کی مذکورہ حاجات ضروریہ کی تعداد اور وسعت اور اس طرح ان کی تسکین کے طریقے بھی خود تاریخی ارتقاء کی پیداوار ہوتے ہیں اور اس لیے بڑی حد تک کسی ملک کے ارتقاء کے درجے پر مبنی ہوتے ہیں خاص طور پر ان حالات پر مبنی ہوتے ہیں جن میں آزاد مزدور کی عادات اور راحت و سکون کی حالت متعین ہوتی ہے (۲)۔ تو اس طرح دوسری اجناس کے برخلاف قوت محنت کی قیمت کے تعین میں ایک تاریخی اور اخلاقی عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے؛ تاہم کسی ایک ملک یا کسی ایک عہد میں ان ذرائع خوردونوش کی اوسط مقدار جو ایک مزدور

---

(۱) چنانچہ رومن ویلکس۔ زرعی غلاموں کی نگران ہونے کی وجہ سے کام کرنے والے غلاموں سے کم اجرت حاصل کرتا تھا اس لیے کہ اس کا کام ہلکا تھا۔ ماسن تاریخ روم (1856) صفحہ 810)۔

(۲) ملاحظہ ہو ڈبلیو۔ ایچ۔ تھارنٹن۔ کثرت آبادی اور اس کا علاج۔ لندن 1846۔

کے لیے ضروری ہوتے ہیں عملاً معلوم ہوتی ہے۔

قوت محنت کا مالک فانی ہوتا ہے۔اگر بازار میں اس کے آتے رہنے کا تسلسل باقی رہے اور۔زر۔کا سرمائے میں مسلسل بدلتے رہنا بازار میں اس کے آتے رہنے کے امکان کو پیش نظر رکھے تو قوت محنت کا فروخت کرنے والا ہمیشہ اپنے آپ کو باقی رکھے گا۔اسی طرح جیسے ہر زندہ فرد اپنے آپ کو باقی رکھتا ہے۔تولید کرتا رہتا ہے۔تھکن۔کمزوری اور موت کی وجہ سے جو قوت محنت بازار سے ہٹ جاتی ہے یہ ضروری ہے کہ مسلسل اس کی جگہ کم سے کم اس کی برابر مزید اور تازہ قوت محنت آتی رہے۔مطلب اس کا یہ کہ قوت محنت کی پیداوار باقی رکھنے کے لیے جن ذرائع خوردونوش کی موجودگی ضروری ہے ان میں مزدوروں کے جانشینوں یعنی اس کے بچوں کے زندہ رہنے کے ذرائع خوردونوش بھی شامل ہونے چاہئیں تاکہ یہ خاص قسم کی مالک اجناس والی مخلوق بازار میں اپنی آمد کا سلسلہ باقی رکھ سکے(۱)۔

جسم انسانی کو اس انداز پر بدلنے کے لیے کہ وہ کسی خاص صنعت کی شاخ میں چابکدستی دکھا سکے اور ایک خاص قسم کی قوت محنت بن جائے مزدور کو مخصوص نوع کی تعلیم یا تربیت دینی پڑتی ہے اور یہ تعلیم یا تربیت قیمت اجناس میں مساوی۔زیادتی یا کمی پیدا کر دیتی ہے۔اس کا انحصار قوت محنت کے پیچیدہ کردار پر ہوتا ہے جس کی نسبت سے یہ بدلتی ہے۔اس تعلیم کے مصارف (جو معمولی قوت محنت کے سلسلے میں بے حد کم ہوتے

---

(۱) اس کا (محنت کا) فطری نرخ.....زندگی کی ایسی سہولتوں اور ضرورتوں پر مشتمل ہوتا ہے جو موسم کی نوعیت اور متعلقہ ملک کی عادات کے پیش نظر مزدور کے زندہ رکھنے اور اس کے ایسے خاندان کے باقی رکھنے کے لیے ناگزیر ہوں جو بازار کے لیے محنت کی نہ کم ہونے والی رسد مہیا کرتا رہے (آر۔ٹورنس۔غیر ملکی تجارت غلہ سے متعلق ایک مقالہ' لندن 1815۔صفحہ 62) یہاں لفظ محنت۔قوت محنت۔کی جگہ غلط طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

ہیں) قوت محنت کی پیداوار کی مجموعی قیمت میں شامل ہو جاتے ہیں۔

قوت محنت کی قیمت ذرائع خورد ونوش کی ایک متعینہ مقدار کی قیمت کے تحت رہتی ہے چنانچہ وہ ان ذرائع کے تغیر کے ساتھ بدلتی ہے یا ان کے پیدا کرنے کے لیے جو محنت مطلوب ہوتی ہے اس کی مقدار کے ساتھ بدلتی ہے۔

چند ذرائع خورد ونوش جیسے غذا اور ایندھن۔ تو روزانہ صرف ہو جاتے ہیں۔ اور اس لیے ان کی روزانہ تازہ رسد ضروری ہے۔ دوسرے ذرائع جیسے کپڑا اور فرنیچر ذرا زیادہ لمبے عرصے چلتے ہیں اور طویل وقفوں کے بعد ان کا بدل خریدنا ہوتا ہے۔ ایک چیز کو روزانہ خریدنا ہوتا ہے۔ دوسری کو ہفتہ وار۔ کسی اور کو پندرہ روزہ وغیرہ۔ لیکن یہ تمام اخراجات سال پر جس طرح بھی منقسم ہوتے ہوں بہر حال اوسط آمدنی کے تحت رہنے چاہئیں جن میں ایک دن کی وہی اہمیت ہو جو دوسرے کی ہے۔ اگر قوت محنت کی پیداوار کے لیے روزانہ کل اجناس کی جو ضرورت ہو وہ الف کے بقدر ہو اور ہفتے بھر کے لیے ب۔ کے بقدر اور پندرہ روز کے لیے۔ ج کے بقدر وغیرہ تو ان اجناس کا روزانہ اوسط اس طرح ہوگا وغیرہ

$$\frac{365\text{الف} + 52\text{ب} + \text{ج}}{365}$$

فرض کیجئے کہ اجناس کے اس مجموعے میں جو کہ ایک دن کے صرف کے لیے ضروری ہے سماجی محنت جو 6 گھنٹے کے بقدر ہو سموئی ہوئی ہے تو پھر روزانہ قوت محنت میں اوسط درجے کی سماجی محنت کا نصف شامل ہے بالفاظ دیگر قوت محنت کی یومیہ پیداوار کے لیے آدھے دن کی محنت مطلوب ہوتی ہے۔ محنت کی یہ مقدار قوت محنت کی ایک دن کی قیمت ہے یا یوں کہہ لیجئے کہ روزانہ جو قوت محنت پیدا ہوتی ہے اس کی قیمت کے برابر ہوتی ہے۔ اب اگر ایک دن کا اوسط تین شلنگ کے برابر ہو تو تین شلنگ وہ دام ہوں گے جو ایک دن کی قوت محنت کی قیمت کے برابر ہوں گے۔ لہٰذا اگر اس کا مالک اسے تین شلنگ فی روز کے حساب سے فروخت کرنا چاہے تو اس کی ضرورت کا نرخ اس کی قیمت

کے برابر ہوگا اور ہمارے مفروضے کے مطابق ہمارا دوست منی بیگس جو اپنے تین شلنگ کو سرمائے میں بدلنے کا ارادہ رکھتا ہے تین شلنگ ادا کر کے اس کی قیمت ادا کرے گا۔

قوت محنت کی کم سے کم حد ان اجناس کی قیمت سے متعین ہوتی ہے جن کی روزانہ رسد مہیا نہ ہو تو مزدور اپنی قوت حیات کو دوبارہ بحال نہ کر سکے جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کی قیمتوں کا تعین ان ذرائع خورد و نوش کی قیمت سے ہوتا ہے جن کی موجودگی طبعی طور پر ضروری ہے۔ اگر قوت محنت کے دام اس کم سے کم حد تک آ گریں تو پھر وہ اپنی قیمت سے نیچے گر جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان حالات میں قوت محنت یا شکستہ صورت ہی میں باقی رکھی اور ترقی پا سکتی ہے مگر ہر جنس کی قیمت اس وقت محنت سے متعین ہوتی ہے جو اس جنس کے مقررہ خصوصیات کے ساتھ بنانے میں صرف ہوتا ہے۔

یہ کہنا بڑی سستے قسم کی جذباتیت پرستی کا شکار ہونا ہے کہ قوت محنت کی قیمت کے متعین کرنے کا یہ طریقہ جو کہ فی الواقع صورتحال کی خود اپنی ماہیت سے پیدا ہوا ہے ایک وحشیانہ طریقہ ہے یا روزی کے ہم زبان ہو کر یہ کہنا بھی محض جذبات پرستی ہے کہ (روزی کے الفاظ میں) ''محنت کی صلاحیت کو مزدور کے ان ذرائع محنت کی تجرید کر کے سمجھنا جو پیداوار کے دوران مزدور کے لیے ضروری ہوتے ہیں ایک سراب کو پکڑنے کے مترادف ہے۔ جب ہم محنت یا صلاحیت محنت کا ذکر کرتے ہیں تو ہم ساتھ ہی مزدور کا اس کی اجرتوں اور ذرائع خورد و نوش کا ذکر بھی کرتے ہیں'' (۱)۔ اس لیے کہ جب ہم صلاحیت محنت کا ذکر کرتے ہیں تو محنت کا ذکر نہیں کرتے جس طرح ہم صلاحیت ہضم کا ذکر کرتے وقت ہضم کا ذکر نہیں کرتے۔ ہضم کا عمل معدے کے اچھے ہونے سے زیادہ وسیع تر ہے۔ چنانچہ جب ہم صلاحیت محنت کا ذکر کرتے ہیں تو ہم ضروری ذرائع خورد و نوش کی تجرید نہیں کرتے۔ بلکہ برعکس اس کے ان ذرائع کی قیمت صلاحیت محنت

---

(۱) روزی معاشیات و سیاسیات کا نصاب۔ بروکسیلز 1842ء صفحہ 380۔

کی قیمت کے ساتھ ہی ظاہر ہوتی ہے اگر محنت کی یہ صلاحیت غیر فروخت شدہ رہے تو مزدور اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ امکان غالب یہ ہے کہ وہ اسے فطرت کا تھوپا ہوا ظلم خیال کرے گا کہ اس صلاحیت کے پیدا ہونے میں ذرائع خورد ونوش کی ایک معین مقدار خرچ ہوگئی اور یہ کہ اس کے باردگر پیدا ہونے میں ہی یہی صرف ہوتا رہے گا۔ ایسے میں وہ سسمانڈی کی اس رائے سے اتفاق کرے گا۔''محنت کی صلاحیت......اس وقت تک کوئی مفہوم پیدا نہیں کرتی جب تک وہ بکے نہیں (۱)''۔

جنس ہونے کی حیثیت سے قوت محنت کی مخصوص ماہیت کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ اس کی استعمالی قیمت خریدار اور فروخت کنندہ کے درمیان کے اس معاہدے کے اختتام پر فوراً ہی خریدار کے قبضے میں چلی جاتی ہے۔اس کی قیمت ہر دوسری جنس کی طرح گردش میں جانے سے پہلے ہی مقرر ہوتی ہے اس لیے کہ اس پر سماجی محنت کی متعین مقدار صرف ہوئی ہے۔لیکن اس کی استعمالی قیمت بعد میں اس کی قوت کے استعمال کی نوعیت پر مشتمل ہوتی ہے۔قوت محنت کی مزدور سے جدائی اور خریدار (یعنی وہ شخص جو مزدور کی محنت خریدتا ہے۔اردو مترجم) کا اس پر عملاً قبضہ اور استعمالی قیمت کی حیثیت سے اس کا کام میں لانا۔یہ دونوں باتیں تھوڑے وقفے کے فرق سے وقوع پذیر ہوتی ہیں۔لیکن ایسے حالات میں جب کسی جنس کی استعمالی قیمت کی فروخت کے ذریعے رسمی جدائی خریدار کو مال دینے کے ساتھ ساتھ ہوئی ہو تو خریدار کا روپیہ عام طور پر ذریعہ ادائیگی کا فرض انجام دیتا ہے (۲)۔ ہر اس ملک میں جہاں سرمایہ داری طرز پیداوار اقتدار میں ہے عام رواج یہ ہے کہ قوت محنت کا معاوضہ اس وقت تک نہ دیا جائے جب تک اس تمام مقررہ مدت

---

(۱) سسمانڈی نوو پرنس۔وغیرہ صفحہ 112۔

(۲) ہر قسم کی محنت ختم ہونے کے بعد اس کا معاوضہ ادا کیا جاتا ہے۔(طلب کی ماہیت سے متعلقہ اصولوں کا جائزہ صفحہ 104)۔

میں جو معاہدے کی رو سے طے ہے محنت پوری نہ کر لی جائے۔ مثلاً ایک ہفتہ معاہدے کی رو سے طے ہے تو اگر پورے ہفتے محنت کرائی جائے تو اس طرح قوت محنت کی استعمالی قیمت سرمایہ دار کو پیشگی حاصل ہو جاتی۔ گویا مزدور اپنی محنت کے خریدار (سرمایہ دار۔ مترجم) کو اس بات کی اجازت دے دیتا ہے کہ وہ اس کی محنت کو استعمال میں لائے قبل اس کے کہ وہ اپنا معاوضہ حاصل کرے۔ اس طرح وہ ہر جگہ سرمایہ دار کو قرض دیتا ہے۔ رہا یہ امر کہ یہ قرض محض ایک افسانہ نہیں ہے صرف ایک اس بات سے ہی ظاہر نہیں ہوتا کہ جب سرمایہ دار دیوالیہ ہو جاتا ہے تو مزدور کو اجرتوں کا نقصان اٹھانا پڑتا ہے بلکہ یہ بات متعدد دیرپا نتائج کے سلسلے سے بھی واضح ہوتی ہے(۱)۔ تاہم۔ زر۔ ذریعہ خرید ہو یا ذریعہ ادائیگی۔ اس سے مبادلہ اجناس کی ماہیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ قوت محنت کے دام

---

(۱) اس کی ایک مثال یہ ہے۔ لندن میں دو قسم کے نانبائی ہیں۔ پورے نرخوں والا۔ جو کہ نان کو پوری قیمت پر بیچتا ہے اور کم نرخوں والا جو اسے قیمت سے کم پر فروخت کرتا ہے۔ نانبائیوں کی کل تعداد کا تین چوتھائی کم نرخوں والے ہیں (ایچ۔ این۔ ٹریمن ہیری کمشنر کو پھیری کرنے والے نانبائیوں کی شکایت کی تحقیقات کرنے کے لیے مقرر کیا گیا تھا ان کی رپورٹ کا صفحہ 32 ملاحظہ ہو۔ لندن 1862) کسی استثناء بغیر تمام کے تمام کم نرخوں والے جو نان بیچتے تھے ان میں پھٹکری۔ صابن۔ پٹاشیم کاربونیٹ۔ کھریا مٹی۔ ڈربی شائر کا پسا ہوا پتھر اور اسی قسم کی قابل برداشت مزہ رکھنے والی اشیاء کی ملاوٹ کرتے تھے۔ (مذکورہ رپورٹ کے علاوہ نان میں ملاوٹ کے بارے میں 1855 کی کمیٹی کی رپورٹ اور ڈاکٹر ہسالی ملاوٹ کا انکشاف' دوسرا ایڈیشن 1862۔ ملاحظہ ہو)۔ 1855ء کی کمیٹی کے سامنے سر جان گارڈن نے بیان دیتے ہوئے کہا کہ "ان ملاوٹوں کے نتیجے میں غریب آدمی جس کی یومیہ خوراک ایک سیر نان ہوتا ہے وہ صحیح غذا تو ایک چوتھائی بھی نہیں حاصل کر پاتا' رہے وہ مضر اثرات جو اس خوراک سے پیدا ہوتے ہیں سو وہ اس کے علاوہ ہیں" یہ جاننے کے باوجود کہ نان میں پھٹکری اور پسا ہوا پتھر بھی شامل ہے پھر کیوں مزدوروں کی اکثریت اس نان کو خریدتی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

معاہدے سے طے ہوتے ہیں۔ حالانکہ یہ نرخ کرایہ دوکان کی طرح بعد میں وصول ہوتے ہیں۔قوت محنت بکتی تو ہے مگر اس کے دام بعد کو ادا ہوتے ہیں۔ اس لیے فریقین کے باہمی رشتے کو ٹھیک طرح سمجھنے کے لیے عارضی طور پر یہ فرض کر لینا بہتر ہے کہ قوت محنت کا مالک ہر خرید کے موقع پر وہ رقم فوری طور پر وصول کر لیتا ہے جو معاہدے کی رو سے اسے ملنی چاہئے۔

(بقیہ حاشیہ) ہے۔اس کی وجہ بتاتے ہوئے ٹریمن ہیری کہتا ہے کہ مزدوروں کے لیے یہ محض ناگزیر ہے کہ وہ اپنے نانبائی یا نان فرش کی دوکان سے وہی نان خریدیں جو وہ بیچتے ہیں۔ چونکہ پورا ہفتہ گزرنے سے پہلے انہیں اجرتیں نہیں ملتیں اس لیے وہ اور ان کے خاندان پورے ہفتے جو نان کھاتے ہیں ان کی قیمت ہفتے کے گذرنے سے پہلے ادا نہیں کر سکتے۔ٹریمن ہیری کے سامنے جو گواہ پیش ہوئے تھے ان کی شہادتوں کی روشنی میں اس نے لکھا ہے کہ ''یہ بات سب جانتے ہیں کہ مذکورہ اشیاء سے مرکب نان اسی انداز پر فروخت کرنے کے لیے تیار کیے جاتے ہیں'' انگلستان اور اس سے بھی زیادہ اسکاٹ لینڈ کے متعدد زرعی اضلاع میں اجرتیں پندرہ روز کے حساب سے ادا کی جاتی ہیں بلکہ ماہانہ بھی ادا کی جاتی ہیں۔ اجرتوں کی ادائیگی میں اتنے طویل وقفے ہونے کی وجہ سے زرعی مزدور قرضے پر خریداری کے لیے مجبور ہیں۔ اسے مجبوراً زیادہ نرخ ادا کرنے پڑتے ہیں بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ وہ اس دکان سے بندھ کر رہ جاتا ہے جس سے قرض پر خریدتا ہے چنانچہ ولٹس ہارنگھم میں جہاں اجرتوں کی ماہانہ ادائیگی کی جاتی ہے وہی آٹا سات سیر کے بقدر جو ہر جگہ ایک شلنگ دس پنس کا بکتا ہے اس مزدور کو 2 شلنگ 4 پنس کا ملتا ہے۔ (پریوی کونسل وغیرہ کے میڈیکل آفیسر کی پبلک صحت پر ''چھٹی رپورٹ'' 1824 صفحہ 224) ویزلی اور کلمارنک کے بلاک چھاپنے والے مزدوروں نے ہڑتال کر کے ماہانہ کے بجائے پندرہ روز میں اجرتوں کی ادائیگی کا مطالبہ منوالیا۔ (31 اکتوبر سنہ 1853ء سے متعلق فیکٹریوں کے انسپکٹروں کی رپورٹس صفحہ 34) مزدور سرمایہ دار کو جو قرض دیتے ہیں اس کا ایک اور نتیجہ بھی ہے۔ اس سلسلے میں ہم انگلستان کی کوئلے کی کانوں میں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تو اب ہم یہ سمجھ گئے کہ اس مخصوص قسم کی جنس۔قوت محنت کے مالک کو اس کا خریدار جو قیمت ادا کرتا ہے اس کا تعین کس طرح ہوتا ہے۔خریدار جو استعمالی قیمت مبادلے میں حاصل کرتا ہے وہ عملاً حق استفادہ میں ظاہر ہوتی ہے یعنی قوت محنت کے استعمال میں۔مالک۔زر۔اس مقصد کے لیے جو کچھ ضروری ہوتا ہے جیسے خام مال اسے بازار سے خرید لیتا ہے اور اس کے پورے دام ادا کر دیتا ہے۔قوت محنت کا استعمال پیداوار اجناس کا سبب بھی بنتا ہے اور قدر زائد کی پیدائش کا سبب بھی۔دوسری ہر جنس کی طرح قوت محنت کا استعمالی بھی بازار کی حدود یا گردش کے دائرے کے باہر ہی ہوا کرتا ہے۔لہٰذا اب ہم مسٹر منی بیگس اور قوت محنت کے مالک کے ساتھ اس پرشور دائرے سے تھوڑی دیر کے لیے رخصت لیتے ہیں کہ اس دائرے میں ہر چیز علانیہ ہوتی ہے۔سطح پر ہوتی ہے۔منی بیگس اور قوت محنت کے مالک کے ساتھ اب ہم پیداوار کے خفیہ مرکز کی طرف چلتے ہیں جہاں دروازے پر یہ تختی لگی ہوئی ہے ''کسی کام اور ضرورت بغیر داخلہ ممنوع ہے''۔یہاں ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ کس طرح سرمایہ پیداوار کرتا ہے کس طرح خود پیدا ہوتا ہے اور اس طرح آخر کار ہم اس نقطے پر پہنچ جائیں گے جہاں نفع آفرینی

(بقیہ حاشیہ) جو طریقہ رائج ہے اس کا ذکر کر سکتے ہیں۔طریقہ یہ ہے کہ مہینے کے ختم ہونے سے پہلے مزدور کو اجرت ادا نہیں کی جاتی اور درمیانی وقفے میں جزوی طور پر سرمایہ دار سے مزدور کو کچھ مل جاتا ہے اکثر تو سامان کی شکل میں اور اس سامان کی قیمت مزدور کو بازار کے نرخ سے زیادہ دینی پڑتی ہے (اسے ٹرک سسٹم کہتے ہیں) کوئلے کی کانوں کے مالکوں کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ مہینے میں صرف ایک بار ادائیگی کرتے ہیں اور ہر درمیانی ہفتے میں پیشگی کے طور پر نقد کچھ رقم دے دیتے ہیں۔یہ نقدی رقم دوکان میں دی جاتی ہے (مطلب یہ کہ وہ دکان جو مالک نے بنوا رکھی ہے) یہ مزدور اس دکان میں ایک جگہ سے نقدی لیتے ہیں اور دوسری جگہ اسے دے دیتے ہیں (اطفال کی ملازمت کا کمیشن۔تیسری رپورٹ۔لندن 1864 صفحہ 38 نمبر 129)

کے ماخذ کو اپنا راز اگلنا پڑے گا (کہ وہ کیسے نفع پیدا کرتا ہے۔مترجم)

یہ دائرہ جس سے ہم باہر آئے ہیں اور جس کے اندر قوت محنت کی خرید و فروخت کا کام ہوتا رہتا ہے فی الواقع انسان کے ''خلقی حقوق'' کی جنت ہے۔صرف اسی دائرے میں آزادی بھی ہے۔مساوات بھی' جائیداد بھی اور جناب بنتھام بھی۔ آزادی اس لیے کہ جنس مثلاً قوت محنت کا خریدنے اور بیچنے والا دونوں صرف اپنے آزاد ارادے کے پابند ہوتے ہیں۔وہ آزاد افراد کی طرح معاہدہ کرتے ہیں اور جو معاہدہ کرتے ہیں وہ ایک ایسی شکل ہے جس میں ان کے مشترکہ ارادے قانونی اظہار حاصل کرتے ہیں اور مساوات اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک دوسرے سے رشتہ قائم کرتا ہے جس طرح اجناس کے عام مالکوں کا رشتہ قائم ہوتا ہے اور وہ مساوی چیز کا مساوی سے مبادلہ کرتے ہیں۔اب رہی جائداد کی بات سو وہ اس لیے کہ ہر ایک وہی کچھ بیچتا ہے جس کا وہ مالک ہوتا ہے۔رہے جناب بنتھام سو ان کا معاملہ یہ ہے کہ اس دائرے میں ہر شخص صرف اپنے ہی آپ کو دیکھتا ہے۔وہ واحد طاقت جو ان سب کو ایک دوسرے سے ملاتی ہے اور سب کو ایک دوسرے کے رشتے میں رکھتی ہے وہ خود غرضی ہے یعنی ہر شخص کی ذاتی منفعت اور اس کا ذاتی فائدہ۔ہر ایک صرف اپنی طرف دیکھتا ہے اور کوئی دوسروں کی پرواہ نہیں کرتا اور چونکہ وہ ایسا کرتے ہیں اور کرتے بھی ہیں اشیاء کی قائم شدہ ہم آہنگی کے مطابق یا ایک نہایت چالاک قدرت کی نگرانی میں لہٰذا سب باہمی مفاد مشترکہ بہبود اور اپنے سب کے فائدے کو سامنے رکھ کر متحدہ طور پر کام کرتے ہیں۔

سادہ گردش یا مبادلہ اجناس کو جو ''آزاد تجارت کے بھونڈے حامی'' پیدا کرتی ہے جس کے اپنے خیالات اور نظریات ہوتے ہیں اور ایک خاص معیار ہوتا ہے جس سے آزاد تجارت کا یہ حامی سرمائے اور اجرتوں پر مبنی سماج کی بابت فیصلے دیتا ہے۔چھوڑ کر جب ہم آگے بڑھتے ہیں تو یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمارے ڈرامے کے کردار بدل گئے ہیں چنانچہ وہ جو پہلے مالک۔زر۔تھا اب اسٹیج پر ایک سرمایہ دار کی حیثیت سے نمودار

ہوتا ہے۔اورقوت محنت کا مالک اس کے پیچھے پیچھے مزدور کی طرح چلتا نظر آتا ہے۔ان میں سے ایک بڑے تبختر سے چلتا ہے۔مغرورانہ انداز میں مسکراتا ہوااور کاروبار کا عزم رکھے ہوئے -رہا وہ جو دوسرا ہے وہ سر جھکائے ہوئے ہے۔دبا ہوا ہے اور ایک اس شخص کی طرح ہے جو اپنی ہی کھال کو بازار میں فروخت کرنے لایا ہو اور اس کے علاوہ اس کی اور کوئی توقع نہ ہو کہ وہ اپنی کھال بھی فروخت کرتا رہے گا۔

حصہ سوئم

مطلق قدر زائد کی پیداوار

باب ہفتم

عمل محنت اور قدر زائد پیدا ہونے کا عمل

فصل اول۔ عمل محنت یا استعمالی قیمت کی پیداوار

سرمایہ دار قوت محنت اس لیے خریدتا ہے کہ اسے استعمال میں لائے اور قوت محنت جو استعمال میں آتی ہے خود محنت ہی ہوتی ہے۔ قوت محنت کا خریدار اس قوت کا استعمال اس طرح کرتا ہے کہ اس کے فروخت کنندہ کو کام پر لگاتا ہے اور کام پر لگ کر مزدور عملاً وہ کچھ بن جاتا ہے جو پہلے وہ صرف بالقوہ تھا یعنی قوت محنت حالت عمل میں۔ مختصراً وہ محنت کش بن جاتا ہے۔ اس کی محنت کے جنس کی صورت میں ظاہر ہونے کے لیے دوسری تمام چیزوں سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی محنت کو کسی مفید شے پر صرف کرے۔ کسی ایسی چیز پر صرف کرے جو کسی کی کسی حاجت کو پورا کرنے کی خصوصیت رکھتی ہو۔ چنانچہ سرمایہ دار مزدور کو جس چیز کے پیدا کرنے پر لگاتا ہے وہ کوئی خاص استعمالی قیمت، کوئی متعین شے ہوتی ہے۔ یہ امر کہ استعمالی قیمتوں یا مال کی پیداوار ایک سرمایہ دار کی نگرانی میں اور اس کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس پیداواری شے کے کردار کو نہیں بدلتی۔ لہٰذا ہمیں سب سے پہلے عمل پیداوار پر غور کرنا چاہیے بلا اس تعلق کے کہ اس کی وہ شکل کیا

ہے جو وہ متعین سماجی حالات میں اختیار کیے ہوئے ہے۔

سب سے پہلی بات یہ کہ محنت ایک عمل ہے جس میں انسان اور فطرت دونوں اشتراک کرتے ہیں۔ اس عمل میں انسان اپنی مرضی اور پسند سے اپنے ان تمام عمل و ردعمل کو شروع کرتا قابو میں رکھتا اور نگرانی میں رکھتا ہے جو اس کے اور فطرت کے درمیان ہوتے ہیں۔ انسان خود کو فطرت کے مقابلے میں لاتا ہے جیسے وہ خود اس کی قوتوں میں سے ایک قوت ہو۔ وہ اپنے دست و بازو، ٹانگوں، سر اور ہاتھ کو جو کہ اس کے جسم کی فطری قوتیں ہیں حرکت میں لاتا ہے تاکہ فطرت کی پیداوار کو اس انداز میں اپنے کام میں لائے کہ وہ اس کی حاجتوں کی تسکین کا وسیلہ بن جائیں۔ اپنی سوئی طاقتوں کو وہ ترقی دیتا ہے اور انہیں اپنے حکم کے تحت عمل کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہاں ہم محنت کی ان قدیم ترجبلی اشکال پر بات چیت نہیں کر رہے جو کہ محض حیوان کی یاد ہمیں دلاتی ہیں۔ ان حالات میں جب ایک شخص اپنی قوت محنت کو بازار میں جنس کی حیثیت سے لاتا ہے نیز ان حالات میں جب انسانی محنت اپنے جبلی مرحلے پر ہوتی ہے کافی وقفے کا فاصلہ ہوتا ہے۔ ہم محنت کو اس شکل میں فرض کرتے ہیں جب وہ صرف انسانی محنت بن چکی ہوتی ہے۔ جو کام جولاہا کرتا ہے اسی سے مشابہ کام مکڑی بھی کرتی ہے بلکہ شہد کی مکھی تو ایسے کمرے بناتی ہے کہ بڑے بڑے ماہرین تعمیرات اسے دیکھ کر شرم سے سر جھکا لیں۔ مگر خراب سے خراب معمار اور ماہر سے ماہر شہد کی مکھی کے درمیان جو فرق ہے وہ یہ ہے کہ معمار اپنے تعمیری نمونے کو پہلے خیال کی سطح پر مکمل کرتا ہے اس کے بعد اسے حقیقی دنیا میں منتقل کرتا ہے۔ اس طرح ہر عمل محنت کے اختتام پر جو نتیجہ سامنے آتا ہے۔ وہی وہی ہوتا ہے جو محنت کش کے تخیل میں اس عمل کے آغاز کے وقت سے موجود ہوتا ہے۔ یہ محنت کش اتنا ہی نہیں کرتا کہ جس مواد پر محنت کرتا ہے اس کی شکل ہی میں تبدیلی لے آئے بلکہ وہ ایک مقصد کو بھی عملی جامہ پہناتا ہے جو کہ اس کے طریقہ کار کا تعین کرتا ہے اور جس کے مطابق محنت کش کو خود بھی چلنا پڑتا ہے۔ وقتی طور پر ہی مزدور کو اس طریقہ کار کا اتباع کرنا نہیں ہوتا۔ اس

طریقے کا یہ تقاضہ بھی ہوتا ہے کہ اپنے اعضائے جسمانی کو حرکت میں لانے کے ساتھ ہی مزدور اس پورے عمل کے دوران اپنے ارادے کو بھی اس مقصد کے تابع رکھے جس کے معنی یہ ہیں کہ اسے پوری توجہ اور انہماک کا مظاہرہ کرنا ہوگا۔ کام کی جو ماہیت ہے اور وہ کام جس انداز میں ہو رہا ہے وہ جس قدر کم مزدور کی دلچسپی کا باعث ہوگا اور اس دلچسپی کی کمی کی وجہ سے وہ اس سے جتنا کم لطف اندوز ہوگا جو کہ اس کی ذہنی و جسمانی قوتوں کو حرکت میں لانے کا باعث ہوتا ہے اس قدر اسے کام پر ذرا زیادہ توجہ دینے پر مجبور ہونا پڑے گا۔

تو یوں عمل محنت کے ابتدائی عناصر یہ ہوتے ہیں: (۱) انسان کا اپنا عمل یعنی متعلقہ کام۔ (۲) اس کام کا موضوع و مقصد اور (۳) آلات۔

زمین (اور معاشی پہلو کو سامنے رکھیں تو اس میں پانی بھی شامل ہے)۔ اپنی اچھوتی حالت میں انسان سے آزادانہ طور پر موجود ہوتی ہے۔ وہ اس حالت میں انسان کو ضروریات مہیا کرتی ہے (۱)۔ یا ان ذرائع خورد و نوش میں شامل ہوتی ہے جو ہر وقت موجود ہیں۔ زمین انسانی محنت کا عالمگیر معمول بنتی ہے وہ ساری کی ساری اشیاء جنہیں محنت صرف ان کے فوری ماحول سے جدا کرتی ہے اس محنت کا معمول بنتی ہیں جو خود بخود فطرت کی طرف سے مہیا کی گئی ہے۔ اسی نوع میں مچھلی شامل ہے جسے ہم پکڑتے ہیں۔ پانی ہے۔ وہ شہتیر ہیں جنہیں ہم جنگل کی اچھوتی زمین پر گراتے ہیں اور کچی دھاتیں ہیں جنہیں ہم زمین کے پرتوں سے نکالتے ہیں۔ برعکس اس کے اگر محنت کا معمول یوں کہیے

---

(۱) زمین کی خود بخود اگنے والی پیداوار چونکہ کم تعداد میں ہوتی ہے اور انسان سے بالکل آزادانہ ہوتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے اور ہوتا بھی ایسا ہی ہے کہ یہ پیداوار فطرت نے مہیا کی ہے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے کسی نوجوان کو تھوڑی سی رقم دی جائے کہ وہ صنعت کے راستے پر پڑ جائے اور خود دولت کمانے لگے (فلسفہ معاشیات کے اصول۔ ایڈیشن ڈبلن 1770۔ جلد ایک صفحہ 116)

کہ سابقہ محنت سے چھن کر نکلا ہو تو ہم اسے خام مواد کہتے ہیں۔ کچی دھاتیں اس نوع میں شامل ہیں جو نکالی جا چکی ہیں اور صفائی کے لیے تیار ہیں۔ ہر قسم کا خام مواد محنت کا معمول ہوتا ہے خام پیداوار سے تعلق نہیں رکھتا۔ وہ معمول اس وقت بنتا ہے جب وہ محت کے ذریعے تھوڑا بہت متغیر ہو چکا ہو۔

آلہ محنت کسی شے یا اشیاء کے جتھے کا نام ہے جیسے کہ مزدور اپنے اور اپنی محنت کے معمول کے بیچ میں لے آتا ہے اور جو کہ اس کی سرگرمی کا موصل ہوتا ہے۔ مزدور بعض اشیاء کی میکانیکی' طبعی اور کیمیائی خصوصیات کو استعمال میں لاتا ہے تاکہ اور دوسرے موادوں کو اپنے مقاصد کے تحت لے آئے (۱)۔ اشیاء خورد و نوش میں ایسی اشیاء جیسے پھلوں سے قطع نظر جن کے جمع کرنے میں انسان کے اپنے ہاتھ آلات محنت بنتے ہیں۔ پہلی وہ چیز جس کا محنت کش مالک ہوتا ہے وہ اس کی محنت کا معقول نہیں ہوتا بلکہ اس کے آلات ہوتے ہیں۔ اس طرح خود فطرت اس کی سرگرمیوں کا ایک آلہ بن جاتی ہے۔ ایک ایسا آلہ جسے وہ اپنے جسمانی آلات میں شامل کر لیتا ہے جس سے اس کا قد بڑھ جاتا ہے چاہے بائبل اس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ چونکہ زمین انسان کا ابتدائی نعمت خانہ ہے اس لیے وہ اس کا ابتدائی آلہ بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ بطور مثال وہ اسے پتھر مہیا کرتی ہے جو پھینکنے۔ گھسنے۔ دبانے اور کاٹنے وغیرہ کا کام کرتے ہیں۔ خود زمین بھی آلہ محنت ہے مگر جس ۔زر۔اعت میں وہ آلہ محنت کی طرح استعمال میں آتی ہے تو

---

(۱) عقل جتنی چالاک ہوتی ہے اتنی ہی طاقتور بھی ہوتی ہے۔ اس کی چالاکی بنیادی طور پر اس کی غور و فکر کی سرگرمی پر مشتمل ہوتی ہے۔ غور و فکر کے ذریعے ہی عقل اشیاء کو ان کی اپنی فطرت کے مطابق ایک دوسرے پر عمل کرنے اور اس کا رد عمل پیدا کرنے پر مجبور کرتی ہے اور اس طرح عقل کی براہ راست مداخلت بغیر بھی اشیاء اسکے مقاصد اور ارادوں کو پورا کرتی ہیں۔ (ہیگل۔ انسائیکلو پیڈی [illegible] 1840 صفحہ 382)

بہت سے اور آلات محنت کے ایک پورے سلسلے پر بھی دلالت کرتی ہے اور محنت کی ایک نسبتاً ترقی یافتہ شکل پر بھی دلالت کرتی ہے (۱) جونہی محنت ذرا سی بھی ترقی کر جاتی ہے تو پھر اسے خاص طور پر تیار شدہ آلات کی ضرورت پیش آنے لگتی ہے۔ چنانچہ قدیم ترین پہاڑی غاروں میں ہمیں پتھر کے اوزار اور آلات ملتے ہیں۔ انسانی تاریخ کے ابتدائی دور میں سدھے ہوئے جانور یعنی وہ جانور جنہیں اسی مقصد کے لیے پالا گیا ہے اور جن میں محنت کے ذریعے تغیرات پیدا کر دیے گئے ہیں خاص طور پر بنے ہوئے پتھروں' لکڑی۔ ہڈیوں اور گھونگھوں کے ساتھ ساتھ آلات محنت ہونے کی حیثیت سے اہم کردار ادا کرتے ہیں (۲)۔ آلات محنت کا استعمال اور تشکیل کی صلاحیت گو ابتدائی حالت میں تمام جانوروں کی انواع میں پائی جاتی ہے مگر یہ خاص طور پر انسانی عمل محنت کی ہی خصوصیت ہوتی ہے اور اس لیے فرینکلن نے انسان کی تعریف یہ کی ہے کہ وہ آلات ساز جانور ہے۔ عہد قدیم میں جو آلات محنت استعمال ہوتے تھے ان کے آثار سماج کی معدوم اشکال کی تحقیق میں اسی اہمیت کے مالک ہیں جیسی معدوم حیوانی انواع کی تحقیق میں متحجر ہڈیوں کی اہمیت ہوتی ہے۔ اہم بات یہ نہیں ہے کہ اشیاء بنائی گئیں۔ اہم بات یہ ہے کہ وہ کیونکر بنائی گئیں۔ کن اوزاروں سے بنائی گئیں کہ اس طرح ہم مختلف معاشی ادوار کے دوران امتیاز پیدا کر سکتے ہیں (۳) آلات محنت صرف اس ارتقاء کے درجے ہی کو نہیں

---

(۱) ویسے کتاب تو اس کی گھٹیا ہے (تھیئری۔ڈی۔ایل۔اکانمکے۔پولاٹیکے پیرس 1819) تاہم اس میں گینھل نے بڑے دلچسپ انداز میں البتہ آزاد تجارت کے حامیوں کے برخلاف ان سرگرمیوں کے طویل سلسلے کی تفصیل بیان کی ہے جو زراعت کے صحیح معنی میں زراعت بننے سے پہلے عمل میں آتے ہیں۔ (۲) ٹرگٹ نے اپنی کتاب مطبوعہ 1766 میں سدھے ہوئے جانوروں کی اس اہمیت پر جو وہ قدیم تہذیبوں میں رکھتے تھے بڑی خوبی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ (۳) اشیاء تعیش اپنے صحیح تر معنی میں وہ چیزیں ہیں جو پیداوار کے مختلف ادوار کے ٹکنالوجیائی توازن (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بتاتے جس تک انسان کی محنت پہنچ گئی تھی بلکہ وہ ساتھ ہی ان سماجی حالات کا پتہ بھی دیتے ہیں جن میں یہ محنت کی گئی تھی۔ آلات محنت میں وہ جو میکانیکی ماہیت رکھتے ہیں جنہیں ہم من حیث المجموع پیداوار کی ہڈیاں اور پسلیاں کہہ سکتے ہیں۔ ایسے آلات ہوتے ہیں جو کسی خاص عہد پیداوار کے اختصاصات کو زیادہ طے شدہ انداز میں بتاتے ہیں بمقابلہ ان آلات کے جیسے پائپ۔ ٹب۔ ٹوکریاں اور مرتبان وغیرہ کہ جو محنت کے مواد بنتے ہیں اور جنہیں ہم ایک عام انداز میں جسم پیداوار کی عروق و نالیاں قرار دے سکتے ہیں۔ یہ آخرالذکر پہلے پہل کیمیائی صنعتوں میں اہم کردار ادا کرنا شروع کرتے ہیں۔

اگر وسیع تر مفہوم میں لیا جائے تو ہم آلاتِ محنت میں ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ جو محنت کو اس کے معمول تک پہنچانے کا وسیلہ بنتی ہیں اور اس لیے کسی نہ کسی طرح انتقالِ عمل کا موجب ہوتی ہیں ان تمام اشیاء کو شامل قرار دے سکتے ہیں جو محنت کے عمل کو جاری رکھنے کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ یہ اشیاء براہ راست تو اس عمل میں شرکت نہیں کرتیں لیکن ان کے بغیر یا تو عمل محنت کا وجود میں آنا محض ناممکن رہتا ہے یا ممکن ہوتا ہے تو جزوی طور۔ اس مرحلے پر پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ زمین اس نوع کے عالمگیر آلہ عمل کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے کہ وہی مزدور کے لیے نقطہ قیام اور اپنی سرگرمی دکھانے کا میدان بنتی ہے۔ ان آلات میں جو سابقہ محنت کا ثمرہ ہوتے اور اسی نوع سے

(بقیہ حاشیہ) کے سلسلے میں سب سے کم اہمیت کی حامل ہوتی ہیں۔ اب تک ہماری جو تاریخیں لکھی گئی ہیں وہ مادی پیداوار کو کتنی ہی کم اہمیت کیوں نہ دیں جبکہ یہ مادی پیداواریں ہی تمام سماجی زندگی اور اس لیے تمام تاریخ کی اساس ہوتی ہیں تاہم ماقبل تاریخ کے ادوار کی جو تقسیم کی گئی ہے وہ ان نتائج کے اعتبار سے ہوتی ہے جو مادیاتی تحقیقاتیوں نے مہیا کیے ہیں نہ وہ جو نام نہاد تاریخی تحقیقاتوں سے حاصل ہوئے ہیں۔ یہ ادوار اس طرح بانٹے گئے ہیں کہ ان موادوں سے مطابقت رکھیں جن سے آلات اور [illegible] جیسے پتھر کانسی اور آہن جن سے نسبت رکھنے والے عہد رکھے گئے ہیں

تعلق رکھتے ہیں۔ درکشاپیں۔ نہریں۔ سڑکیں وغیرہ شامل ہیں۔

نظر بریں۔ عمل محنت۔ میں۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان کی سرگرمی کار آلات محنت کی مدد سے اس مواد میں جس پر عمل کیا جاتا ہے تبدیلی پیدا کرتی ہے جو کہ ابتداء ہی سے مقصود ہوتی ہے لیکن خود پیدا شدہ چیز میں یہ بات مفقود ہوتی ہے کہ وہ تو استعمالی قیمت ہوتی ہے یعنی فطرت کا وہ مواد جو شکل کی تبدیلی کی وجہ سے حاجات انسانی کی تسکین کے لیے موزوں بنایا جاتا ہے۔ یوں کہیے کہ محنت خود کو اپنے معمول میں ضم کر دیتی ہے۔ محنت اپنا ایک جسم اختیار کر لیتی ہے جس سے فطرت کا مواد متبدل ہو جاتا ہے۔ وہ چیز جو محنت کش میں حرکت کی حیثیت میں ظاہر ہوتی ہے اس کی مصنوع میں ایک ایسی جامد خصوصیت کی حیثیت سے نمایاں ہوتی ہے جس میں حرکت نہیں ہوتی۔ لوہار ڈھالتا ہے اور اس کی مصنوع ڈھلتی ہے۔

اگر ہم اس تمام عمل کا اس کے مآل یعنی مصنوع کے نقطہ نظر سے جائزہ لیں تو یہ بالکل صاف بات ہے کہ آلات محنت اور محنت کا معمول دونوں ہی ذرائع پیداوار (۱) میں شامل ہیں اور یہ کہ خود محنت پیداواری محنت ہوتی ہے (۲)۔

ہر چند ایک استعمالی قیمت جب وہ مصنوع کی شکل میں آئے عمل محنت کا نتیجہ ہوتی ہے لیکن وہ دوسری استعمالی قیمتیں جو کہ سابقہ محنت کی مصنوعات ہوتی ہیں اس مصنوع کی پیدائش میں ذرائع پیداوار کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس طرح ایک ہی استعمالی

---

(۱) یہ کہنا متضاد سا معلوم ہوتا ہے کہ بے پکڑی مچھلی مثلاً مچھلی پکڑنے کی صنعت میں ذریعہ پیداوار کی حیثیت رکھتی ہے لیکن ابھی تک کسی نے کسی ایسے دریا میں جس میں مچھلی موجود ہی نہ ہو مچھلیاں پکڑنے کا فن دریافت نہیں کیا۔

(۲) صرف عمل محنت کے نقطہ نظر سے یہ تعین کرنے کا طریقہ کہ پیداواری محنت کیا ہوتی ہے۔ کسی طرح بھی سرمایہ داری عمل پیداوار کے معاملے پر براہ راست اطلاق نہیں رکھتا۔

قیمت سابقہ عمل کی پیداوار بھی ہوتی ہے اور مابعدی عمل کے لیے ذریعہ پیداوار بھی۔ مطلب یہ کہ مصنوعات نہ صرف یہ کہ ثمرہ محنت ہی ہوتی ہیں بلکہ محنت کے لیے ضروری حالات ہونے کی حیثیت بھی رکھتی ہیں۔

قدرتی پیداوار سے متعلقہ صنعتوں کے علاوہ جن میں مواد محنت فوری طور پر فطرت مہیا کر دیتی ہے جیسے معدنیات۔ شکار۔ ماہی بانی اور زراعت (جہاں تک زراعت اچھوتی زمین کے کھودنے سے تعلق رکھتی ہے) صنعتوں کی باقی تمام شاخیں خام پیداوار کو استعمال میں لاتی ہیں یعنی ان اشیاء کو جو پہلے ہی محنت سے چھن کر گذری ہیں اور محنت کی پیداوار پہلے ہی بن چکی ہیں۔ یہی صورت زراعت میں تخموں کی ہوتی ہے۔ حیوانات اور پودے جنہیں ہم فطرت کی پیداوار سمجھنے کے عادی رہے ہیں۔ اپنی موجودہ شکل میں نہ صرف یہ کہ مثلاً سال گزشتہ کی پیداوار ہیں بلکہ ثمرہ میں تدریجی تغیرات و تبدلات کا جو کئی پشتوں سے انسان کی نگرانی میں اور اس کی محنت کے ذریعے ہوتے آ رہے ہیں۔ بلکہ اس قسم کے زیادہ حالات میں آلات محنت ایک بالکل عام مبصر کی نظر میں بھی ادوار ماضیہ کی محنت کی موجودگی کا پتہ دیتے ہیں۔

خام اشیاء یا تو کسی مصنوع کا مواد خاص ہوتی ہیں یا اس مصنوع کی تشکیل میں معاون کا کردار انجام دیتی ہیں یہ معاون یا تو آلات محنت کے استعمال میں آتا ہے جیسے بوائلر میں کوئلہ۔ پہیے میں تیل۔ لدو جانور کے لیے چارہ یا وہ متعلقہ مصنوع کے خاص خام مواد میں ملایا جاتا ہے تاکہ اس میں کچھ تغیر و تبدل پیدا کر دے جیسے کلورائن کو نا صاف شدہ سوتی کپڑے۔ کوئلے کو لوہے۔ رنگ بنانے کے سامان کو اون کے ساتھ ملایا جاتا ہے یا پھر وہ خود اصل کام جاری رکھنے میں مدد دیتا ہے جیسے وہ مواد جو ورکشاپوں کے جلانے اور گرم کرنے میں استعمال میں آتا ہے۔ حقیقی کیمیائی صنعتوں میں بنیادی مواد اور معاون مواد کا فرق غائب ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ ان صنعتوں میں میں کوئی خام مواد اپنی ابتدائی ترکیبی شکل میں پیداوار کے مواد کے اندر ظاہر نہیں ہوتا۔

ہر شے متعدد خصوصیات کی حامل ہوتی ہے اور اس لیے اس میں مختلف مقاصد کے لیے استعمال ہونے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے اس لیے ایک ہی چیز مختلف اعمال میں خام پیداوار کے بطور استعمال میں آتی ہے۔ بطور مثال غلہ آٹے کی چکی چلانے والے کے کام میں بھی مواد بنتا ہے۔ نشاستہ بنانے والوں کے کام میں بھی اور مویشی پالنے والوں کے کام میں بھی۔ پھر وہ خود اپنی ہی پیداوار میں تخم بن کر مواد کی شکل میں استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح کوئلہ۔ کوئلے کی کانوں کی پیداوار بھی ہوتا ہے اور ذریعہ پیداوار بھی۔

علاوہ بریں ایک خاص پیداوار کسی ایک ہی عمل میں آلہ محنت کی حیثیت سے بھی استعمال ہوسکتی ہے اور خام مواد کے طور پر بھی۔ بطور مثال گائے کے موٹا کرنے کو لیجئے کہ گائے خام مواد کے طور پر بھی ہے اور ساتھ ہی وہ کھاد پیدا کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

کوئی ایک پیداوار۔ فوری استعمال کے قابل بھی ہو؛ تاہم کسی اور پیداوار کے لیے خام پیداوار کی حیثیت بھی رکھ سکتی ہے جیسے انگور۔ شراب کے لیے خام مواد بنتے ہیں۔ برعکس اس کے محنت اپنی پیداوار کو اس شکل میں ہی ہمیں دے سکتی ہے کہ ہم اسے صرف خام مواد کے طور پر استعمال کریں۔ جیسے روئی دوا اور دھاگے کا معاملہ ہے۔ اس نوع کا خام مواد گو بذات خود پیداوار ہوتا ہے تاہم مختلف عملوں کے سلسلے سے گزر کر پیداوار بنتا ہے۔ اور اس سلسلے سے ہر کڑی پر وہ مستقل طور پر بدلتی ہوئی اشکال میں خام مواد کے طور پر آتا رہتا ہے تا اینکہ اس سلسلے کی آخری کڑی پر وہ مکمل پیداوار بن جاتا ہے جو کہ انفرادی استعمال کے قابل ہوتی ہے یا آلہ محنت کے طور پر کام دیتی ہے۔

تو اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ایک استعمالی قیمت خام مواد خیال کی جائے یا آلہ محنت اور یا پیداوار ان تمام کا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ محنت کے عمل میں کیا کردار انجام دے رہی ہے۔ اس میں اس کی جگہ کیا ہے کہ جونہی یہ جگہ بدلتی ہے۔ اس کا کردار بھی بدل جاتا ہے۔

چنانچہ جب بھی کوئی پیداوار محنت کے عمل میں آلہ پیداوار کے طور پر شامل ہوتی ہے تو وہ پیداوار ہونے کے اپنے کردار سے محروم ہو جاتی ہے اور اس عمل محنت کا ایک جزو بن کر رہ جاتی ہے۔ جولاہا صرف اپنے تکلوں کو کاتنے کے آلات سمجھتا ہے اور روئی کو وہ مواد جسے وہ کاتتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے صحیح ہے کہ مواد اور تکلوں بغیر کاتنا ناممکن ہے اور اس لیے ان اشیاء کا بطور پیداوار کے موجود ہونا جبکہ کاتنے کا عمل شروع ہو ضروری ہے لیکن کاتنے کے عمل میں یہ حقیقت کہ مذکورہ اشیاء سابقہ محنت کی پیداوار ہیں قطعی غیر اہم بن جاتا ہے ٹھیک اسی طرح جیسے ہضم کے نظام میں اس بات کی سرے سے کوئی اہمیت نہیں ہوتی کہ روٹی۔ کاشتکار۔ چکی چلانے والے اور نانبائی کی سابقہ محنتوں کی پیداوار ہے۔ برعکس اس کے کسی بھی عمل کے دوران ذرائع پیداوار کا بطور پیداوار کے ناکمل ثابت ہونا ان کی پیداواری حیثیت کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔ اگر چاقو کھٹلا ہو یا دھاگہ کمزور ہو تو پھر ہمیں چاقو بنانے والے یا بننے والے کا خیال آتا ہے۔ جب پیداوار مکمل ہو جائے تو وہ محنت جو اسے مفید خصوصیات کا حامل بنانے کا باعث ہوئی ہے نمایاں نہیں ہوتی بلکہ ظاہر بظاہر غائب ہو جاتی ہے۔

جو مشین محنت کے مقاصد میں کام نہیں آتی وہ محض بیکار ہے۔ پھر وہ فطری قوتوں کے تباہ کن اثرات کی زد میں بھی آجاتی ہے۔ لوہے پر زنگ لگ جاتا ہے اور لکڑی گلنے لگتی ہے۔ جس تاگے سے ہم بنتے نہیں اس کی روئی محض ضائع جاتی ہے۔ زندہ محنت مذکورہ اشیاء کو کام میں لاتی اور انہیں موت کی نیند سے بیدار کرتی ہے۔ انہیں ایک ممکن استعمالی قیمت کے درجے سے اٹھا کر موثر استعمالی قیمت بنا دیتی ہے محنت کی آگ میں تپ کر اور محنت کے نظام کا جزو بن کر یا یوں کہہ لیجئے کہ عمل پیداوار میں اپنے فرائض انجام دینے کے لیے زندہ و تابندہ ہو کر مذکورہ اشیاء صحیح تر معنی میں استعمال میں آتی ہیں۔ اور استعمال میں بھی آتی ہیں کسی مقصد کے تحت جیسے مثلاً نئی استعمالی قیمتوں اور نئی پیداواروں کے ابتدائی اجزاء بن کر وہ انفرادی استعمال کے لیے ذرائع خورد ونوش یا کسی

نئے عمل محنت کے لیے ذریعہ پیداوار بننے کو تیار رہتی ہیں۔

تو اب اگر ایک طرف تیار شدہ اشیاء محنت کے عمل کا صرف ثمر ہی نہیں ہوتیں بلکہ اس کی ضروری شرائط بھی ہوا کرتی ہیں تو دوسری طرف ان کا عمل پیداوار میں آنا اور زندہ محنت سے رابطہ قائم کرنا ہی وہ خاص وسیلہ ہے جس سے استعمالی قیمت کا اپنا کردار باقی رکھنے اور استعمال میں آنے پر وہ مجبور ہو جاتی ہیں۔

محنت اپنے موادی عوامل اپنے معمول اور اپنے آلات کو استعمال میں لاتی ہے اور اس لیے محنت۔ خرچ کا عمل ہوتی ہے۔ اس قسم کا پیداواری خرچ انفرادی خرچ سے اس بات میں متمیز ہوتا ہے کہ انفرادی صرف پیداوار کو زندہ فرد کے ذریعہ خورد و نوش کی حیثیت میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں جبکہ سابق الذکر خرچ وہ ذریعہ ہے جس سے محنت ایک زندہ شخص کی قوت محنت۔ عمل کرنے کے قابل بنتی ہے۔ نتیجہ یہ کہ انفرادی صرف کی پیداوار خود اپنی صارف ہوتی ہے اور پیداواری استعمال کی پیداوار اپنے صارف سے ممتاز ہوتی ہے۔

جس حد تک محنت کے آلات اور معمولات (۱) خود پیداوار ہوتے ہیں تو محنت پیداواروں کو صرف کرتی ہے تاکہ اور پیداواریں پیدا کر سکے یا دوسرے الفاظ میں ایک قسم کی پیداواریں استعمال میں لاتی ہے تاکہ انہیں دوسری قسم کی پیداواروں کے لیے آلہ محنت کے طور پر استعمال کر سکے۔ لیکن جس طرح ابتداء میں محنت کے عمل کے شرکاء صرف انسان اور زمین ہوتی ہے جو کہ انسان سے آزادانہ طور پر زندہ رہتی ہے۔ اسی طرح موجودہ صورت میں عمل محنت میں بہت سے ان آلات کو استعمال میں لایا جاتا ہے جو براہ راست فطرت نے مہیا کیے ہیں اور جن میں فطری موادوں کا انسانی محنت سے کوئی

---

(۱) معمول کی جمع۔ معمول جس پر محنت صرف ہوتی ہے یعنی جو محنت کا محل و موضوع بنتا ہے۔ (اردو مترجم)

اختلاط نہیں ہوتا۔

عمل محنت کو اگر مذکورہ انداز میں ابتدائی عناصر پر منقسم کیا جائے تو وہ فی الواقع ایک ایسا انسانی عمل ہے جس کا مقصد استعمالی قیمتوں کا پیدا کرنا ہے یعنی فطری موادوں کا انسانی ضروریات کے لیے کام میں لانا۔ یہ انسان اور فطرت کے درمیان مادے کے مبادلے کی ضروری شرط ہے۔ یہ حیات انسانی کے زندہ رہنے کی ایسی شرط دائمی ہے جسے فطرت نے اپنی طرف سے تھوپا ہے اور اس لیے یہ ایک ایسی چیز ہے جو حیات انسانی کے ہر سماجی رُخ سے آزاد ہے یا یوں کہیے کہ اس کے ہر رُخ پر یکساں اطلاق رکھتی ہے اس لیے ہمارے محنت کش کو دوسرے محنت کشوں کی طرح بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔ ایک طرف انسان اور اس کی محنت ہے اور دوسری طرف فطرت اور اس کے مواد ہیں اور ان دونوں کی موجودگی عمل محنت کے وجود میں لانے کے لیے کافی ہے۔ جس طرح جو کے دلیے کا مزہ یہ نہیں بتاتا کہ کس نے جو پیدا کیے۔ اسی طرح مذکورہ سیدھا سادھا عمل بھی خود بخود یہ واضح نہیں کرتا کہ وہ سماجی حالات کیا ہیں جن میں یہ عمل رونما ہو رہا ہے۔ یعنی آیا یہ عمل محنت غلاموں کے مالک کے وحشیانہ کوڑے کے ڈر سے ہو رہا ہے یا سرمایہ دار کی متفکر آنکھوں کی نگرانی میں۔ آیا ایک عزلت نشین جاگیردار اپنی چھوٹی سی جاگیر کی کاشت کر کے یہ محنت کر رہا ہے یا ایک وحشی قبیلے کا آدمی پتھروں سے جنگلی جانوروں کو قتل کر کے **عمل محنت** انجام دے رہا ہے(۱)۔

آیئے اب ہم سرمایہ دار بننے والے دوست منی بیگس سے ملاقات کریں۔ ہم نے انہیں اس مرحلے پر چھوڑا تھا جب وہ کھلے بازار میں عمل محنت کے تمام ضروری اجزا خرید چکے تھے۔ اس کے معروضی اجزا جیسے ذرائع پیداوار اور موضوعی جزو بھی یعنی قوت

---

(۱) کرنل ٹورنس نے منطقی باریک بینی کا ایک کارنامہ انجام دیتے ہوئے وحشی آدمی کے اس پتھر میں سرمائے کی ابتدا دریافت کی ہے۔ اس پہلے پتھر میں جو اس وحشی نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

محنت۔ ایک ماہر کی تیز نظر سے اس نے ذرائع پیداوار اور اس نوع کی قوت محنت کو چنا ہے جو اس کی خاص تجارت کے لیے بالکل موزوں ہے چاہے وہ تجارت کتائی ہو کتاب سازی ہو یا اس قسم کی کوئی اور تجارت۔ اس کے بعد وہ اپنی جنس یعنی اس قوت محنت کو جسے اس نے ابھی خریدا ہے خرچ میں لاتا ہے اس طرح کہ محنت کش کو جس میں قوت محنت مجسم ہوگئی ہے مجبور کرتا ہے کہ وہ ذرائع پیداوار کو اپنی محنت کے ذریعے استعمال میں لائے۔ واضح طور پر عمل محنت کا عام کردار اس بات سے کہ محنت کش سرمایہ دار کے لیے محنت کرتا ہے اپنے لیے نہیں بدل جاتا۔ علاوہ بریں کفش سازی یا کتائی میں جو خاص طریقے کام میں لائے جاتے ہیں وہ بھی سرمایہ دار کے بیچ آ جانے کی وجہ سے فوری طور پر بدل نہیں جاتے۔ سرمایہ دار بازار میں جس قسم کی قوت محنت پاتا ہے اسی سے اسے کام کا آغاز کرنا پڑتا ہے اور اس لیے اسے اس نوع کی محنت پر قناعت کرنا پڑے گی جیسی سرمایہ داروں کے نہ ہونے سے کچھ پہلے موجود ہوتی ہے۔ محنت کے روپے کے ماتحت ہو جانے کی وجہ سے طریقہائے پیداوار میں جو تبدیلی پیدا ہوتی ہے وہ زیرِ نظر عہد سے بعد کی چیز ہے اور اس لیے بعد ہی کے کسی باب میں اسے زیر بحث لایا جائے گا۔

عمل محنت جب اس عمل میں منتقل ہو جائے جس کے ذریعے سرمایہ دار قوت محنت کو استعمال میں لاتا ہے تو وہ دو مخصوص مظاہر کا حامل ہوتا ہے۔ پہلے محنت کش ایک سرمایہ دار کی نگرانی میں کام کرتا ہے جس سے اس کی محنت متعلق ہوتی ہے اور ادھر سرمایہ دار

(بقیہ حاشیہ) اس جنگلی جانوروں پر پھینکا تھا جس کا وہ پیچھا کر رہا تھا۔ اور اس لکڑی میں جو اس نے اس لیے حاصل کی تھی کہ اس سے ان پھلوں کو گرا سکے جو اس کی گرفت سے اوپر لٹک رہے تھے ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ ایک چیز اس لیے حاصل کی گئی کہ وہ دوسری چیز کے حصول میں مدد دے اور اس طرح اس وحشی نے سرمائے کی ابتداء دریافت کر لی۔ (آر۔ ٹورنس۔ دولت کی پیداوار سے متعلق مقالہ۔ وغیرہ صفحہ 70-71)

اس بات کا پورا خیال رکھتا ہے کہ کام ٹھیک طرح ہو اور ذرائع پیداوار ہوشیاری کے ساتھ استعمال میں لائے جائیں تاکہ خام پیداوار کے غیر ضروری ضیاع سے بچا جا سکے اور ٹوٹ پھوٹ بھی ضرورت سے زیادہ نہ ہو۔

دوسرے پیداوار سرمایہ دار کی ملکیت ہوتی ہے۔ محنت کش کی نہیں جو اس کا فوری پیدا کنندہ ہوتا ہے۔ فرض کرو کہ ایک سرمایہ دار ایک دن کی قوت محنت کا معاوضہ اس کی قیمت کے مطابق دیتا ہے تو پھر اس دن کی قوت محنت کے استعمال کا حق اسے حاصل ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح کسی اور جنس کے استعمال کا حق اسے حاصل ہے جیسے مثلاً ایک گھوڑے کے استعمال کا حق جسے وہ ایک دن کے لیے کرائے پر لے۔ کسی جنس کا خریدار اسی کے استعمال کا حق رکھتا ہے اور قوت محنت کا فروخت کرنے والا اپنی محنت دے کر فی الواقع اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کرتا کہ وہ جس چیز کو بیچتا ہے اس کی استعمالی قیمت اپنے آپ سے جدا کر دیتا ہے۔ جس وقت سے محنت کش ورکشاپ میں داخل ہوتا ہے تو اس کی قوت محنت کی استعمالی قیمت اور اس لیے اس کا استعمال جو کہ خود محنت ہوتی ہے سرمایہ دار کی ملکیت ہو جاتی ہے۔ قوت محنت کو خرید کر سرمایہ دار محنت کو جو زندہ خمیر کی حیثیت رکھتی ہے پیداوار کے حیات نہ رکھنے والے اجزاء ترکیبی کے ساتھ ملا دیتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے عمل محنت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ خرید شدہ جنس یعنی محنت کا استعمال ہے لیکن اس کا یہ استعمال اس وقت تک نہیں کیا جا سکتا جب تک قوت محنت کے ساتھ ذرائع پیداوار بھی شامل نہ کیے جائیں۔ عمل محنت اس عمل کا نام ہے جو ان چیزوں کے درمیان ہوتا ہے جنہیں سرمایہ دار خریدتا ہے۔ جو سرمایہ دار کی ملکیت بن گئی ہیں۔ اس لیے اس عمل کی پیداوار بھی اس کی ہوتی ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح وہ شراب جو عمل تخمیر کی پیداوار ہوتی ہے اور اس کے شراب خانے میں تیار ہوتی ہے اس کی ملکیت ہوتی ہے(۱)۔

---

(۱) پیداوار سرمایہ بننے سے پہلے ملکیت ہوتی ہیں۔ اسکا سرمائے میں یہ انتقال اس ملکیت کی

وجہ سے پیدا نہیں ہوتا (چہ یولیز رچے آ ڈ باس بات کا کہ ہر محنت کش جو کچھ پیدا کرتا ہے اس کا پوری طرح مالک ہوتا ہے بالکل مخالف ہے (بحوالہ سابقہ صفحہ 58) جب محنت کش اپنی محنت کی اجرت حاصل کرتے ہیں......تو پھر سرمایہ دار نہ صرف سرمائے کا مالک ہوتا ہے (مراد ہے ذرائع پیداوار سے) بلکہ محنت کا مالک بھی ہوتا ہے۔ اگر اجرتوں کو بھی لیتا ہے۔ پیداواروں پر قبضے کا جو طریقہ ہے وہ وہی رہتا ہے جو پہلے تھا۔ جس معاہدے کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اس سے اس طریقے میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ پیداوار پوری طرح اس سرمایہ دار کی ملکیت ہوتی ہے جس نے کہ خام مواد اور ضروریات زندگی مہیا کی ہیں۔ قبضے اور ملکیت کے قانون کے یہ سخت قسم کے نتائج ہیں۔ یہ ایسا قانون ہے جس کا بنیادی اصول اسے میں شامل کیا سرمادرے۔ ایڈیشن۔ پیرس 1841 صفحہ 53-54) پرولتاریہ ضروریات زندگی کی ایک متعین مقدار کے بدلے جو اپنی محنت فروخت کرتا ہے تو اس طرح اس محنت کی پیداوار میں اس کا جو حصہ ہے اس سے وہ اپنے حق کو واپس لے جائے جیسا کہ عام طور پر کیا جاتا ہے تو پھر محنت کو سرمائے سے الگ شمار کرنا محض احمقانہ ہے۔ لفظ سرمایہ میں جس انداز پر وہ استعمال ہوتا ہے محنت اور سرمایہ دونوں شامل ہیں۔ جیمس مل۔ عناصر معاشیات۔ ایڈیشن 1821ء۔ صفحہ 70، 71)

فصل دوئم

قدر زائد کی پیداوار

جس پیداوار کا سرمایہ دار مالک ہوتا ہے وہ استعمالی قیمت ہوتی ہے جیسے مثلاً تاگا یا جوتے۔ اور گو جوتے ایک اعتبار سے ہر قسم کی سماجی ترقی کی اساس ہوتے ہیں اور ہمارا سرمایہ دار طے شدہ طور پر ترقی نواز ہوتا ہے لیکن وہ جوتے ان کی اپنی خوبی کی وجہ سے نہیں بنواتا۔ استعمالی قیمت اشیاء کی پیداوار میں مقصود بالذات نہیں ہوتی۔ استعمالی قیمتیں سرمایہ دار صرف اس لیے اور اس حد تک پیدا کرتے ہیں کہ وہ مبادلاتی قیمت کی اساس اور امین بن سکیں۔ سرمایہ دار کے سامنے دو مقاصد ہوتے ہیں۔ پہلے وہ ایسی استعمالی قیمت پیدا کرتا ہے جو مبادلے کے دوران قیمت رکھتی ہو۔ یعنی یوں کہیے کہ ایسی چیز جو فروخت ہو سکے۔ گویا ایک جنس ہو۔ دوسرے وہ ایک ایسی جنس پیدا کرتا ہے کہ جس کی قیمت ان اجناس کی مجموعی قیمتوں سے زائد ہو جو اس کی پیداوار کے دوران کام میں آئی ہیں۔ یعنی ذرائع پیداوار اور محنت دونوں سے جنہیں اس نے کھلے بازار میں خریدا ہے اس کی قیمت زائد ہو۔ اس کا مقصد صرف استعمالی قیمت پیدا کرنا نہیں ہوتا بلکہ جنس پیدا کرنا بھی ہوتا ہے اور ساتھ ہی قدر زائد پیدا کرنا بھی ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ ہم اس وقت اجناس کی پیداوار سے بحث کر رہے ہیں اور اب تک ہم نے اس عمل کے صرف ایک ہی پہلو پر روشنی ڈالی ہے۔ جس

طرح اجناس ایک ہی وقت میں استعمالی قیمتیں اور قیمتیں دونوں ہوتی ہیں اسی طرح انہیں پیدا کرنے کا عمل عمل محنت بھی ہوتا ہے اور ساتھ ہی قیمت تخلیق کرنے کا عمل بھی ہوتا ہے(۱)۔

آیئے اب ہم پیداوار پر اس پہلو سے غور کریں کہ وہ قیمت تخلیق کرنے کا عمل ہوتی ہے۔

یہ بات ہم جانتے ہیں کہ ہر جنس کی قیمت کا تعین اس محنت سے ہوتا ہے جو اس پر صرف ہوئی ہے۔ اور جو اس میں سما جاتی ہے اور جو ایک مقررہ وقت اور متعین حالات میں جو اس کی پیداوار کے لیے ضروری ہیں' کی جاتی ہے۔ سرمایہ دار کے لیے جو عمل محنت کیا جاتا ہے اس کے نتیجے میں جو پیداوار حاصل ہوتی ہے' مذکورہ اصول کا اس پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ اگر اس پیداوار کو ہم دس پونڈ سوت فرض کرلیں تو ہمارا پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ ہم اس محنت کو معلوم کریں جو اس سوت کے بنانے پر لگائی گئی۔

سوت کے لیے خام مواد کی ضرورت ہے۔ مذکورہ معاملے میں فرض کیجئے کہ دس پونڈ روئی کی ضرورت ہے۔ فی الحال اس روئی کی قیمت کی تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لیے کہ سرمایہ دار نے فرض یہ کیجئے کہ اس کی پوری قیمت دے کر اسے خریدا ہے یعنی دس شلنگ میں۔ اس نرخ میں روئی کی پیداوار کے لیے جو محنت مطلوب ہے وہ سماج کی اوسط درجے کی محنت کے پیمانے سے ظاہر ہوتی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی فرض

---

(۱) جیسا ایک پہلے نوٹ میں کہا جاچکا ہے (ملاحظہ ہو جلد اول کتاب ہٰذا اردو ایڈیشن۔ سید محمد تقی) محنت کے دو ممتاز پہلوؤں سے متعلق انگریزی زبان میں دو لفظ ہیں۔ سیدھے سادھے عمل محنت۔ استعمالی قیمت پیدا کرنے والے عمل کے لیے۔ لفظ ورک (کام) استعمال ہوتا ہے اور قیمت کی تخلیق کے عمل کے لیے۔ لیبر (محنت) استعمال میں آتا ہے۔ یاد رہے یہاں یہ لفظ محض معاشیاتی مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے۔ (انگریزی ایڈیٹر)

کیجئے کہ اس عمل پیداوار میں تکلا جو فی الحال تمام آلات کی نمائندگی کر رہا ہے دو شلنگ کے بقدر گھسا ہے۔ اب اگر 24 گھنٹے یا کام کے دو دن کی محنت 12 شلنگ کے برابر سوت پیدا کرتی ہو تو پھر یوں کہیے کہ سوت میں پہلے ہی دو دن کی محنت سوئی ہوئی ہے۔ لیکن اس بات سے کہ روئی نے نئی شکل اختیار کر لی ہے ہمیں دھوکا نہ کھانا چاہئے جبکہ تکلے کے مواد کا کچھ حصہ بھی ضائع ہو گیا ہے۔

قیمت کے عام قانون کی رد سے اگر چالیس پونڈ سوت کی قیمت (برابر =) چالیس پونڈ + تکلے کی تمام قیمت کے یعنی اس مساوات کے ہر جزو کے پیدا کرنے پر یکساں وقت صرف ہو۔ تو پھر دس پونڈ سوت دس پونڈ روئی اور ایک چوتھائی تکلے کے برابر ہوگا۔ جس معاملے پر ہم غور کر رہے ہیں اس میں دس پونڈ کی پیداوار پر اس قدر وقت صرف ہوتا ہے جتنا دس پونڈ روئی اور تکلے کے ایک جزو پر صرف ہوتا ہے۔ لہٰذا قیمت روئی میں نمایاں ہو کے آئے یا تکلے میں یا سوت میں۔ اس سے قیمت کی مقدار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ تکلا اور روئی خاموشی سے الگ پڑے رہنے کے بجائے اس عمل پیداوار میں مشترک طور پر شامل ہوتے ہیں۔ ان کی شکل بدلتی ہے اور وہ منتقل ہو کر سوت بن جاتے ہیں لیکن اس بات سے ان کی قیمت متاثر نہیں ہوتی جس طرح اگر وہ براہ راست سوت سے بدل کر لیے جاتے تو ان کی قیمت نہ بدلتی۔ روئی کی پیداوار کے لیے جو محنت مطلوب ہے وہ اس محنت کا ایک حصہ ہے جو سوت پیدا کرنے کے لیے مطلوب ہے اور اس لیے یہ محنت بھی سوت میں سموئی ہوئی ہے۔ اس کا اطلاق اس محنت پر ہوتا ہے جو تکلے میں مجسم ہے کہ تکلے کے ٹوٹ پھوٹ بغیر اس سے سوت بنانا ممکن نہ ہوتا۔

لہٰذا سوت کی قیمت کے تعین میں یعنی اس وقت محنت کے تعین میں جو اس کی پیداوار کے لیے مطلوب ہے ہمیں ان تمام مخصوص اعمال کو سامنے رکھنا ہوگا جو مختلف اوقات اور متعدد مقامات پر کیے جا چکے ہیں۔ سب سے پہلے ہمیں اس عمل کو سامنے رکھنا

اور تکلے کے سوت تیار کرنے کے عمل کو بھی سامنے رکھنا ہوگا کہ یہ سب مل کر دراصل ایک ہی عمل کے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ سوت میں جتنی بھی محنت کھپی ہے وہ سب گذشتہ محنت ہے۔ اس ضمن میں یہ بات کوئی اہمیت نہیں رکھتی کہ سوت کے اجزاءترکیبی کے پیدا کرنے میں جو اعمال کیے گئے وہ ایسے وقت کیے گئے جو حال کی نسبت سے کافی دور ہیں بمقابلہ کاتنے کے عمل کے جو حال میں کیا جارہا ہے۔ اگر محنت کی ایک متعین مقدار بطور مثال تین دن کہہ لیجئے اگر تین دن ایک مکان کی تعمیر کے لیے مطلوب ہیں تو اس مکان میں جو پوری محنت لگتی ہے وہ اس حقیقت سے نہیں بدل جاتی کہ آخری دن جو محنت کی گئی وہ پہلے دن کی محنت سے 29 دن بعد کی گئی۔ لہٰذا جو محنت خام مواد اور آلات محنت میں سموئی ہوتی ہے اسے یہی سمجھنا چاہئے جیسے وہ ایسی محنت ہے جو کاتنے کے عمل کے یعنی جب سے ٹھیک کا تنا شروع ہوا۔ ابتدائی درجوں میں لگائی گئی۔

لہٰذا ذرائع پیداوار یعنی روئی اور تکلے کی قیمتیں جو کہ 12 شلنگ کے نرخوں میں ظاہر ہوتی ہیں سوت کی قیمت کا اجزاءترکیبی ہیں بالفاظ دیگر وہ پیداوار کی قیمت کے اجزاءترکیبی ہیں۔

پہلے دو شرطوں کا پورا ہونا ضروری ہے۔ اولاً تو روئی اور تکلے کا استعمال قیمت پیدا کرنے میں متفق ہونا گویا انہیں موجودہ صورت میں سوت بننا چاہئے۔ قیمت اس مخصوص استعمالی قیمت سے آزادانہ وجود رکھتی ہے جس کے ذریعے اس کا اظہار ہوتا ہے تاہم اسے کسی نہ کسی استعمالی قیمت میں مجسم ضرور ہونا چاہئے۔ ثانیاً پیداوار میں جو محنت کی جائے اس میں وقت کا صرف اس سے زائد نہ ہونا چاہئے جتنا اس جیسے کام پر عام سماجی حالات میں لگنا ضروری ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر ایک پونڈ کی رقم ایک پونڈ سوت کاتنے کے لیے ضروری ہے تو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ایک پونڈ سوت کی پیدائش میں ایک پونڈ وزن سے زائد روئی صرف نہ ہو۔ اسی طرح تکلے کا بھی معاملہ ہے۔ ہر چند سرمایہ دار ایک پسندیدہ مشغلہ رکھتا ہے اور آہنی تکلے کے بجائے طلائی استعمال میں لاتا ہے مگر سوت کی

قیمت میں جو محنت کسی بھی اہمیت کی حامل ہے وہ وہی ہے جو آہنی تکلے کے پیدا کرنے کے لیے مطلوب ہے اس لیے کہ مقررہ سماجی حالات میں اس سے زائد کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اب ہم جان چکے ہیں کہ سوت کی قیمت کا وہ کون سا حصہ ہے جو روئی اور تکلے سے پیدا ہوا ہے۔ یہ 12 شلنگ یا دو دن کی محنت کے برابر ہوتا ہے۔ دوسرا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ سوت کی قیمت کا وہ کون سا حصہ ہے جو روئی میں کاتنے والے کی محنت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔

اب ہمیں اس محنت کو اس پہلو سے جو عمل محنت کے دوران ہوتا ہے ایک بالکل ہی مختلف پہلو کی روشنی میں زیر بحث لانا ہے۔ عمل محنت کے دوران تو ہم نے اس کا محض انسانی سرگرمی کی ایک ایسی خاص قسم کی حیثیت سے جائزہ لیا تھا جو کہ روئی کو سوت میں بدل دیتی ہے۔ اس طرح جس قدر بھی محنت کام سے زیادہ ہم آہنگ ہوگی اسی قدر سوت اچھا ہوگا بشرطیکہ دوسرے حالات یکساں رہیں۔ ایسے میں کاتنے والے کی محنت کو یہ سمجھا جائے گا کہ وہ دوسری قسم کی پیداواری محنتوں سے نوعی طور پر مختلف ہے۔ پہلے تو اپنے مخصوص مقصد یعنی کاتنے میں مختلف ہے اور دوسرے اپنے طریقہ کار کے خاص کردار میں۔ ذرائع پیداوار کی خاص ماہیت اور اس کی پیداوار کی مخصوص استعمالی قیمت میں۔ کاتنے کے سلسلے میں روئی اور تکلے کی ضرورت پڑتی ہے لیکن توپ کے بنانے میں روئی اور تکلے کسی بھی کام کے نہیں۔ یہاں اس کے برعکس۔ جب ہم صرف کاتنے والے کی محنت پر ہی غور کریں اس اعتبار سے کہ وہ تخلیق قیمت کا فرض انجام دیتی ہے یعنی قیمت کا ماخذ ہے تو اس کی محنت اس شخص کی محنت سے کسی اعتبار سے مختلف نہیں جو توپ ڈھالتا ہے یا (یہاں جس چیز سے ہمیں سب سے زیادہ دلچسپی ہے) روئی اگانے والے یا تکلا بنانے والے کی اس محنت سے جو ذرائع پیداوار میں سموئی ہوئی ہے کسی طرح بھی مختلف نہیں

ایک مجموعے کی حیثیت یعنی سوت کی قیمت کے اجزائے ترکیبی ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور ان میں سے ایک دوسرے میں کوئی اختلاف ہے تو صرف کمی اعتبار سے ہے۔ یہاں ہمیں کیفی پہلو یعنی محنت کے خاص کردار کی نوعیت سے بحث نہیں بلکہ صرف اس کی مقدار سے بحث ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جسے گنا جا سکتا ہے۔ ہم اس فرض کو سامنے رکھتے ہیں کہ کاتنا سیدھی سادھی غیر ہنرمندانہ محنت ہے۔ سماج کے ایک خاص درجے کی اوسط قسم کی محنت۔ اس کے بعد ہم یہ دیکھیں گے کہ اگر اس کے برعکس مفروضہ ہم قائم کریں تو بھی صورتحال میں کوئی تبدیلی رُونما نہ ہوگی۔

جب مزدور کام پر ہوتا ہے تو اس کی محنت برابر متغیر ہوتی رہتی ہے۔ وہ حرکت کی شکل سے ایک ایسی چیز کا روپ دھارتی ہے جو حرکت نہیں ہے۔ یعنی وہ محنت کش کے کام کرنے کی حالت سے بدل کر ایک پیدا شدہ چیز بن جاتی ہے۔ ایک گھنٹہ کی کتائی کے بعد کتائی کا یہ کام سوت کی ایک مقررہ مقدار میں متبدل ہو جاتا ہے بالفاظ دیگر محنت کی ایک معینہ مقدار یعنی ایک گھنٹے کی محنت روئی میں مجسم ہوگئی ہے۔ ہم نے کہا ہے محنت یعنی کاتنے والی کی قوت حیات کا صرف کاتنے کی محنت نہ کہا۔ اس لیے کہ یہاں کاتنے کا خاص کام صرف اس حد تک اہمیت کا حامل ہے کہ وہ محنت بحالت عموماً کا صرف ہے نہ اس اعتبار سے کہ وہ کاتنے والے کا خاص کام ہے۔

عمل کی جس نوعیت پر ہم اس وقت غور کر رہے ہیں۔ اس میں یہ بات زیادہ اہمیت کی حامل ہے کہ روئی کو سوت بنانے کے کام میں اس سے زیادہ وقت صرف نہ ہو جتنا متعینہ سماجی حالات کے تحت صرف ہونا ضروری ہے۔ اگر معمولی حالات کے تحت یعنی پیداوار کے عام سماجی حالات کے اندر الف پونڈ روئی۔ ایک گھنٹے کی محنت میں ب پونڈ سوت بن جانی چاہئے تو ایک دن کی محنت اس وقت تک 12 گھنٹے کی محنت شمار نہ ہوگی جب تک 12 الف پونڈ روئی 12 ب پونڈ سوت نہ بن جائے اس لیے کہ قیمت کی تخلیق میں وہ وقت ہی گنا جاتا ہے جو سماجی طور پر ضروری ہوتا ہے۔

اب صرف محنت ہی نہیں بلکہ خام مواد اور پیداوار بھی ایک نئے انداز میں سامنے آ رہی ہے جو اس سے بالکل مختلف ہے جسے ہم نے عمل محنت میں سادہ اور خالص انداز میں دیکھا تھا۔ اب خام مواد صرف ایک مقررہ مقدار محنت کو جذب کرنے کا کام کر رہا ہے اور محنت کے اس جذب کرنے کی وجہ ہی سے وہ سوت میں مبدل ہو گیا اس لیے کہ اسے کاتا گیا ہے۔ اس لیے کہ کاتنے کی شکل میں قوت محنت اس میں بڑھا دی گئی ہے لیکن پیداوار یعنی سوت اب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے کہ وہ اس محنت کا پیمانہ ہے جو روئی نے جذب کر لی ہے۔ اگر ایک گھنٹے میں 2/3 1 پونڈ روئی 2/3 1 پونڈ سوت بن سکتی ہے تو دس پونڈ سوت 6 گھنٹے کی محنت کے جذب کا پتہ دیتی ہے پیداوار کی یہ متعین مقداریں ہیں۔ یہ مقداریں تجربے سے متعین ہوتی ہیں۔ یہ مقداریں سوائے محنت کی مقداروں کے اور کسی چیز کی نمائندگی نہیں کرتیں۔ یہ اوقات محنت کے مجسم حجم ہیں۔ وہ خاص اوقات اور سماجی محنت کے خاص ایام کے مادی لباس اختیار کر لینے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہیں۔

یہاں ہم ان حقائق سے کہ محنت کاتنے کا خاص کام ہوتی ہے اس کا مقصد روئی اور اس کی پیداوار سوت ہوتا ہے اس سے زیادہ دلچسپی نہیں لے رہے ہیں جتنی اس بات سے لے رہے ہیں کہ یہ مقصد یعنی روئی خود پیداوار ہے اور اس لیے خام مواد ہے۔ اگر کاتنے والا کاتنے کے بجائے کوئلے کی کان میں کام کرے تو اس کی محنت کا مقصود یا معمول۔ کوئلہ۔ خود فطرت نے مہیا کیا ہے تاہم نکالے ہوئے کوئلے کی ایک خاص مقدار یعنی مثلاً سو من جذب شدہ محنت کی ایک خاص مقدار کی نمائندگی کر چکی۔

اس کی فروخت کے وقت ہمارا مفروضہ یہ تھا کہ ایک دن کی قوت محنت کی قیمت تین شلنگ ہے اور یہ کہ 6 گھنٹے کی محنت اس رقم میں سموئی ہوئی ہے لہٰذا یہ مقدار محنت ان روزمرہ کی ضروریات زندگی پیدا کرنے کے لیے مطلوب ہے جن کی اوسطاً ایک

پونڈ روئی کو 2/3 1 پونڈ سوت میں مبدل کر سکتا ہے (یہ اعداد محض فرضی ہیں) تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ 6 گھنٹے میں وہ دس پونڈ وزنی روئی کو دس پونڈ سوت میں مبدل کر سکتا ہے۔ مطلب اس کا یہ نکلا کہ کاتنے کے عمل کے دوران روئی 6 گھنٹے کی محنت جذب کرتی ہے۔ اور محنت کی اسی قدر مقدار سونے کے اس ٹکڑے میں مجسم ہوتی ہے جو تین شلنگ کی قیمت کے برابر ہوتا ہے۔ لہٰذا صرف کاتنے کی محنت کے ذریعے تین شلنگ کی قیمت روئی میں بڑھ گئی۔

آیئے اب پیداوار دس پونڈ سوت کی پوری قیمت کا جائزہ لیں۔ اس میں ڈھائی دن کی محنت مجسم ہے جس میں سے دو دن کی روئی میں اور تکلے کے اس مادے میں شامل ہے جو گھس گیا ہے اور آدھے دن کی جذب ہے کاتنے کے عمل میں۔ اس ڈھائی دن کی محنت کی نمائندگی سونے کا وہ ٹکڑا بھی کرتا ہے جو پندرہ شلنگ کی قیمت رکھتا ہے لہٰذا 15 شلنگ سوت کا مناسب نرخ ہے یا یوں کہیے کہ ایک پونڈ کا نرخ 18 پنس ہے۔

ہمارا مذکورہ سرمایہ دار بھی حیرت و تعجب میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ پیداوار کی قیمت اس سرمائے کے ٹھیک ٹھیک برابر ہوتی ہے جو صرف کیا جاتا ہے۔ اس طرح جو قیمت پیدا ہوتی ہے وہ پھیلتی نہیں ہے اور کوئی قدر زائد پیدا نہیں ہوتی اور نتیجے میں زر سرمائے میں منتقل نہیں ہوتا۔ سوت کا نرخ 15 شلنگ ہے اور 15 شلنگ ہی کھلے بازار میں اجزاء ترکیبی کی خرید پر خرچ کیے گئے تھے یا یوں کہہ لیجئے کہ عمل محنت کے اجزاء پر جو مصارف ہوئے تھے دس شلنگ تو روئی کی قیمت ادا ہوئی تھی۔ دو شلنگ تکلے کے گھسنے کے رکھے گئے تھے اور تین شلنگ قوت محنت کے ہوئے۔ سوت کی زائد قیمت کا کوئی علاج نہیں اس لیے کہ یہ مجموعہ ہے ان سابقہ قیمتوں کا جو روئی تکلے اور قوت محنت میں پہلے موجود تھیں۔ ان قیمتوں کی سیدھی سادھی جمع سے کوئی قدر زائد پیدا ہونی ممکن نہیں (۱)

---

(۱) یہی وہ اساسی قضیہ ہے جس پر آزاد تجارت کے حامیوں کا نظریہ مبنی (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ جدا جدا قیمتیں اب ایک چیز میں جمع ہیں لیکن اسی طرح وہ 15 شلنگ کے مجموعے میں جمع ہیں قبل اس کے کہ وہ تین حصوں میں ان اجناس کی خرید کے ذریعے منقسم ہوتی ہیں۔

واقعہ یہ ہے جو نتیجہ نکلا ہے اس میں کوئی بات حیرت انگیز نہیں ہے ایک پونڈ سوت کی قیمت 18 پنس ہے۔ اب اگر سرمایہ دار دس پونڈ سوت بازار سے خریدتا ہے تو اسے 15 شلنگ ادا کرنے ہوں گے۔ بالکل صاف سی بات ہے اگر کوئی شخص بنا بنایا گھر خریدے یا اسے خود بنائے۔ دونوں ہی صورتوں میں حصول مکان کا طریقہ اس رقم میں اضافہ نہ کرے گا جو اس نے مکان کے لیے رکھی ہے۔

لیکن ہمارا یہ سرمایہ دار جو بھونڈی معاشیات سے واقفیت رکھتا ہے یہ سب کچھ سن کر چیختا ہے کہ ''ارے میں نے تو اس لیے روپیہ لگایا تھا کہ اس سے مزید روپیہ پیدا کروں'' یہ تو نیک ارادوں کے ساتھ جہنم کا راستہ بنانے کی بات ہوئی مگر وہ تو کچھ پیدا کیے بغیر بھی روپیہ پیدا کرسکتا تھا (۱) وہ ہر قسم کی دھمکیاں دیتا ہے۔ اب وہ یوں دھوکے میں نہیں آئے گا۔ آئندہ وہ اشیاء خود پیدا کرنے کے بجائے انہیں کھلے بازار سے خریدے گا لیکن اگر اس کے تمام بھائی سرمایہ دار بھی یہی کچھ کرنے لگیں تو پھر وہ بازار سے کیسے ان اشیاء کو خریدے گا۔ رہا روپیہ سو سرمایہ دار اسے کھانے سے تو رہا۔ اب وہ دوسروں کو مائل کرنے کی باتیں کرتا ہے۔ ذرا میری اس جزرسی و کم خرچی کو دیکھئے۔ میں

(بقیہ حاشیہ) ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جو صنعت زرعی نہیں ہے وہ تخلیقی نہیں ہوتی۔ یہ دلیل قدامت پرست معاشئین کے خیال میں ناقابل جواب ہے۔

(۱) چنانچہ 1844ء و 1847ء میں اس نے اپنے سرمائے کا ایک حصہ روزگار مہیا کرنے کے کام سے ہٹالیا تا کہ اسے ریلوے کے سٹے میں لگا سکے اور اس طرح امریکی خانہ جنگی کے دوران اس نے اپنی فیکٹری بند کردی اور اس کے ملازموں کو الگ کردیا تا کہ لیور پول کے سٹے میں روپیہ لگا سکے۔

اپنے 15 شلنگ کو ایسے بھی تو بہا سکتا تھا لیکن یوں روپیہ ضائع کرنے کی بجائے اسے پیداواری مقاصد کے لیے استعمال کیا اور سوت بنانے پر لگا دیا۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ اس کا یہ بدلہ تو ملا کہ اب اس کے پاس بہتر سوت ہے بجائے اس کے کہ بس ایک مجروح ضمیر اس کے ساتھ ہوتا۔ رہا یہ امر کہ وہ کنجوسی برتتا تو ایسا برا طریقہ اختیار کرنے سے اسے کوئی فائدہ نہ ہوتا۔ اس قسم کی رہبانیت جن نتائج تک پہنچاتی ہے ان کا ہم پہلے ہی اندازہ لگا چکے ہیں۔ علاوہ بریں جہاں کچھ نہیں ہوتا وہاں بادشاہ بھی اپنے حقوق سے محروم ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دار کی اس جزرسی میں جو بھی خوبی ہو مگر اس کا معاوضہ دینے کے لیے کچھ موجود ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ پیداوار کی قیمت ان اجناس کی قیمتوں کا مجموعہ ہی تو ہے جو عمل پیداوار میں خرچ میں آئی ہیں۔ لہٰذا اب سرمایہ دار کو یہ خیال کر کے دل کو مطمئن کر لینا چاہئے کہ نیکی خود اپنا معاوضہ ہوتی ہے لیکن نہیں۔ سرمایہ دار یوں مطمئن نہیں ہوتا۔ وہ کہتا ہے کہ "سوت میرے کسی کام کا نہیں۔ میں نے تو اسے فروخت کے لیے بنایا ہے"۔ لیکن ایسا ہے تو پھر اسے اس سوت کو فروخت کر دینا چاہئے یا اس سے بھی بہتر بات یہ ہے کہ آئندہ اسے صرف ایسی اشیاء بنانی چاہئیں جو اس کی انفرادی حاجات کو پورا کر سکیں۔ مگر یہ حل ایسا ہے جسے اس کے معالج مسٹر میک کلاک نے ضرورت سے زیادہ پیداوار روکنے کا بہترین نسخہ قرار دیا ہے۔ اب وہ اپنی بات پر اڑ جاتا ہے وہ پوچھتا ہے "کیا مزدور صرف اپنے ہاتھ پاؤں کی مدد سے عدم سے کوئی چیز پیدا کر سکتا ہے کیا میں نے اسے مواد مہیا نہ کیا تھا؟ اسی مواد کے ذریعے اور اسی مواد میں اس کی محنت مجسم ہو کر آئی ہے۔ اور چونکہ سماج کی اکثریت اس قسم کے محتاجین پر مشتمل ہے تو کیا میں نے اپنے آلات محنت مہیا کر کے سماج کی بے اندازہ خدمت سرانجام نہیں دی۔ آلات محنت یعنی روئی اور تکلا مہیا کر کے سماج کی بے اندازہ خدمت نہیں کی بلکہ خود مزدوروں کی خدمت بھی انجام دی ہے اور ضروریات زندگی مہیا کر کے تو ان کی مزید خدمت انجام دی ہے۔ کیا اس تمام خدمت کے بدلے مجھے کسی قسم کا معاوضہ نہ ملنا چاہئے۔ یہ تو صحیح مگر کیا مزدور

نے اس کی روئی اور تکلے کو سوت میں بدل کر اس کی اسی قدر خدمت انجام نہیں دی؟ علاوہ بریں یہاں سوال خدمت کا ہے ہی نہیں (۱) خدمت سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ وہ ایک استعمالی قیمت کے مفید اثرات سے عبارت ہے چاہے وہ استعمالی قیمت جنس کی ہو یا محنت کی ہو (۲)۔ سرمایہ دار نے مزدور کو تین شلنگ کے بقدر قیمت ادا کی اور اس کے بدلے میں مزدور نے بھی اسے تین شلنگ کے بقدر قیمت دی۔ یہ قیمت وہ ہے جو مزدور نے روئی میں اضافہ کی۔ گویا اس نے قیمت کے بدلے میں قیمت دی۔ لیکن ہمارا دوست سرمایہ دار جواب تک اپنی دولت پر اتنا مغرور تھا اب محنت کار کا انداز اختیار

---

(۱) اپنا درجہ بڑھاؤ۔ اچھا پہنو اور اپنے مرتبے میں اضافہ کرو لیکن جو شخص اس سے زیادہ اور اچھا دوسرے سے لیتا ہے جتنا اس نے اس دوسرے کو دیا ہے۔ یعنی سود لیتا ہے۔ وہ خدمت نہیں کرتا بلکہ اپنے ہمسائے کو نقصان پہنچاتا ہے جیسے اس نے دوسرے کی چوری کر لی ہو۔ ہر وہ چیز جسے خدمت کہا جاتا ہے ہمسائے کی خدمت یا اسے فائدہ پہنچانا نہیں ہوتا۔ یوں تو زانیہ اور زانی بھی ایک دوسرے کی خدمت کرتے ہیں ایک گھوڑ سوار ایک لٹیرے کی خدمت کرتا ہے کہ وہ مسافروں کو لوٹنے۔ زمینوں اور مکانوں پر ڈاکے ڈالنے میں اس کی مدد کرتا ہے۔ رومن کیتھولک عقیدے کا ایک عیسائی بھی ہماری بڑی خدمت کرتا ہے کہ وہ نہ تو ہم سب کو سمندر میں ڈبوتا ہے آگ میں جلاتا ہے نہ جیل میں ڈال کر سڑاتا ہے۔ ہمیں زندہ رہنے دیتا ہے ہاں جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ چھین کر ہمیں نکال ضرور دیتا ہے۔ خود شیطان بھی اپنے ماننے والوں کی بڑی خدمت کرتا ہے...... مختصراً دنیا ان عظیم اور شاندار خدمات اور فوائد پہنچانے کے کاموں سے بھری ہوئی ہے جو روزانہ کیے جاتے ہیں۔ (مارٹن لوتھر کی کتاب وٹن برگ 1540)

(۲) ''تنقید معاشیات'' صفحہ 34 پر اس سلسلے میں حسب ذیل خیالات کا میں نے اظہار کیا تھا۔ یہ سمجھنا مشکل نہیں ہے کہ خدمت نامی چیز جے۔ بی۔ سے اور ایف۔ بسطیاٹ قسم کے معاشئین کی کیا خدمت انجام دیتی ہے۔

کر لیتا ہے اور کہتا ہے کہ کیا خود میں نے محنت نہیں کی ہے۔کیا میں نے کاتنے والے کی اور کام کی نگرانی کر کے محنت نہیں کی ہے۔اور کیا یہ محنت قیمت پیدا نہیں کرتی'' اس کے یہ جملے سن کر اس کے منیجر اور مزدوروں کے نگران اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ادھر سرمایہ دار ایک لمبا قہقہہ لگا کر پھر اپنے عادی انداز پر لوٹ آتا ہے۔ہر چند اس نے معاشئین کے پورے کے پورے نظریوں کو ہمارے سامنے دہرا ڈالا۔لیکن فی الواقع وہ جو کچھ کہتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ اس کے معاوضے میں ایک چھوٹی کوڑی بھی ادا نہ کرے گا۔اب وہ اس قسم کے تمام معمون اور لفظی ہیر پھیر کو معاشیات کے پروفیسروں کے لیے چھوڑ دیتا ہے جنہیں معاوضہ ہی اس کام کا دیا جاتا ہے۔سرمایہ دار تو خود عملی آدمی ہے۔ہر چند اپنے کاروباری دائرے سے باہر وہ جو کچھ کہتا ہے تو ہمیشہ یہ خیال نہیں رکھتا کہ کیا کہہ رہا ہے لیکن اپنے کاروبار کے اندر رہ کر وہ پوری پوری طرح جانتا ہے کہ کیا کچھ کہہ رہا ہے۔

آیئے اس معاملے پر ذرا اور قریب سے غور کریں۔ایک دن کی قوت محنت تین شلنگ کے بقدر ہوتی ہے اس لیے کہ ہم نے یہ فرض کیا تھا کہ آدھے دن کی محنت اتنی مقدار کی قوت محنت میں مجتسم ہے۔بالفاظ دیگر چونکہ ذرائع خورد ونوش جو روزانہ قوت محنت پیدا کرنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں آدھے دن کی محنت کے صرف کا باعث بنتے ہیں۔لیکن ماضی کی محنت جو قوت محنت میں مجتسم ہے اور وہ زندہ محنت جسے مزدور عمل میں لاتا ہے۔اس محنت کو باقی رکھنے کا روزانہ صرف اور کام میں اس کا روزانہ صرف دو بالکل ہی مختلف چیزیں ہیں اول الذکر قوت محنت کی مبادلاتی قیمت متعین کرتی ہے اور ثانی الذکر اس کی استعمالی قیمت ہے۔یہ حقیقت کہ آدھے دن کی محنت مزدور کو 24 گھنٹے زندہ رکھنے کے لیے ضروری ہے۔اسے سارے دن کام کرنے سے نہیں روکتی۔لہٰذا قوت محنت کی قیمت جو وہ قوت محنت عمل محنت کے دوران پیدا کرتی ہے وو یکسر مختلف مقداریں ہیں اور دونوں قیمتوں کا یہ فرق ہی وہ چیز ہے جسے سرمایہ دار اپنے ذہن میں رکھتا ہے جب وہ قوت محنت کو خریدتا ہے۔قوت محنت جن مفید خصوصیات کی حامل ہوتی ہے اور جن کی وجہ

ہے وہ تاگے یا بوٹ بناتی ہے وہ سرمایہ دار کے لیے شرط اول وضروری شرط کی حیثیت رکھتی ہے اس لیے کہ قیمت کی تخلیق کے لیے یہ ضروری ہے کہ محنت مفید انداز میں استعمال کی جائے۔ جس چیز نے سرمایہ دار کو متاثر کیا تھا وہ فی الواقع وہ استعمالی قیمت ہے جو جنس میں موجود ہے۔ یعنی یہ کہ وہ نہ صرف یہ کہ قیمت کا ماخذ ہے بلکہ جتنی قیمت اس میں ہے اس سے زیادہ قیمت کی مالک ہے۔ یہی تو وہ خاص خدمت ہے جو سرمایہ دار یہ توقع رکھتا ہے کہ قوت محنت اس کی سرانجام دے گی اور اس معاملت میں وہ اجناس کے مبادلے کے ابدی قوانین کے مطابق عمل پیرا ہوتا ہے۔ ہر دوسری جنس کے فروخت کنندہ کی طرح قوت محنت کا فروخت کرنے والا بھی اس کی قیمت مبادلہ تو حاصل کر لیتا ہے اور اس کی قیمت استعمال بیچ دیتا ہے۔ دوسری کو بیچے بغیر وہ پہلے حاصل نہیں کرسکتا۔ قوت محنت کی استعمالی قیمت بالفاظ دیگر محنت۔ اس کے فروخت کنندہ سے اسی قدر کم تعلق رکھتی ہے جس طرح تیل کی استعمالی قیمت تیل کی فروخت کے بعد تیل بیچنے والے تاجر سے تعلق رکھتی ہے۔ روپے کے مالک نے چنانچہ اب وہ ایک دن اس کا استعمال کرسکتا ہے۔ گویا ایک دن کی محنت اس کی ہے اب نوعیت یہ ہے کہ ایک طرف قوت محنت کا روزانہ کا خورد ونوش کا خرچ صرف آدھے دن کی محنت سے پورا ہو جاتا ہے اور دوسری طرف یہی قوت محنت پورے ایک دن تک کام کرسکتی ہے یعنی نتیجہ یہ کہ اس کا استعمال ایک دن میں جو قیمت پیدا کرتا ہے وہ اس قیمت کا دوگنا ہوتا ہے جو وہ اس کی ادا کرتا ہے۔ یہ نوعیت کسی شبہے بغیر خریدار کے لیے ایک خوش قسمتی ہے مگر اسے کسی بھی اعتبار سے فروخت کنندہ کا نقصان نہیں کہہ سکتے۔

سرمایہ دار نے حالات کی اس نوعیت کا پہلے سے اندازہ لگا لیا تھا اور یہی سبب تھا اس کے قہقہے کا۔ تو مزدور کو ورکشاپ میں وہ آلات پیداوار ملتے ہیں جو 6 گھنٹے کے کام کے لیے ہی نہیں 12 گھنٹے کے کام کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جیسے 6 گھنٹے کے عمل میں ہماری دس پونڈ روئی نے 6 گھنٹے کی محنت جذب کر لی اور وہ دس

پونڈ سوت بن گئی۔ اب دس پونڈ روئی 12 گھنٹے کی محنت جذب کرے گی اور 20 پونڈ سوت بن جائے گی۔ آیئے اب اس طویل ترعمل کی پیداوار کا جائزہ لیں۔ اس بیس پونڈ سوت میں 5 دن کی محنت متجسم ہے جن میں سے 5 دن کی محنت روئی کی وجہ سے اور تکلے کا جولوہا گھس کر ضائع ہوا ہے اس کی وجہ سے ہے اور باقی ایک دن کی محنت روئی نے کاتے جانے کے عمل کے دوران جذب کی ہے۔ اس قیمت کو سونے کی شکل میں ظاہر کیا جائے تو 5 دن کی محنت تیس شلنگ کی ہوئی۔ تو گویا یہ دام ہوئے بیس پونڈ سوت کے۔ یعنی پہلے کی طرح 18 پنس دام فی پونڈ کے ہوئے لیکن اس تمام عمل میں جو اجناس شامل ہوئیں ان کی قیمت کا مجموعہ 27 شلنگ ہوا۔ سوت کی قیمت تیس شلنگ ہے لہٰذا پیداوار کی قیمت اس قیمت سے جو اس کی ادا ہوئی 1/9 زیادہ ہوئی۔ مطلب یہ کہ 27 شلنگ اپنا چولا بدل کر تیس شلنگ ہو گئے جس سے تین شلنگ کی قدر زائد وجود میں آئی۔ داؤ آخر چل گیا اور روپیہ سرمائے میں بدل گیا۔

اس مسئلے سے متعلق جتنی شرطیں تھیں پوری ہو گئیں اور اجناس کے مبادلے کے جو قوانین تھے ان کے خلاف ورزی بھی نہ ہوئی۔ مساوی چیزیں مساوی اشیاء سے بدل لی گئیں اس لیے کہ سرمایہ دار نے خریدار کی حیثیت سے ہر جنس کے پورے دام دیئے۔ روئی کے تکلے کے اور قوت محنت کی پوری قیمت ادا کی۔ پھر اس نے وہی کچھ کیا جو جنس کا خریدار کرتا ہے یعنی ان اجناس کی استعمالی قیمت وہ کام میں لایا۔ قوت محنت کا استعمال جو کہ اجناس کے پیدا کرنے کا عمل ہے بیس پونڈ سوت پیدا کرنے کا سبب بنا جس کی قیمت 30 شلنگ ہے۔ پہلے سرمایہ دار خریدار تھا اب وہ بازار میں اجناس کے فروخت کنندہ کی حیثیت سے آتا ہے۔ وہ اپنا سوت 18 پنس فی پونڈ بیچتا ہے جو اس کی صحیح قیمت ہے لیکن اس کے باوجود وہ گردش سے اس رقم سے تین شلنگ کے بقدر زائد واپس لے لیتا ہے جتنی اس نے گردش میں دی تھی۔ یہ قلب ماہیت' یہ روپے کا سرمائے میں منتقل ہونا۔ گردش کے دائرے کے اندر بھی ہوتا ہے اور باہر بھی۔ اندر اس لیے کہ وہ بازار میں قوت محنت کی

خریداری سے شروع ہوتا ہے اور باہر اس لیے کہ اندر جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف قدر زائد پیدا کرنے کا اولین قدم ہوتا ہے اور یہ چیز بالکل گردش کے دائرے کے اندر رہتی ہے۔

اپنے روپے کو ان اجناس میں بدل کر جو نئی پیداوار کے مادی عناصر کی حیثیت رکھتے ہیں اور عمل محنت میں اجزاء کے بطور کام کرتے ہیں۔ نیز زندہ محنت کو مردہ مواد کے ساتھ ملا کر سرمایہ دار بیک وقت قیمت یعنی گزشتہ مجتسم شدہ اور مردہ محنت کو سرمائے میں بدل ڈالتا ہے۔ اس قیمت میں بدل ڈالتا ہے جو قیمت کی وجہ سے بڑی ہوتی ہے۔ یوں خیال کیجئے ایک زندہ عفریت ہوتا ہے جو ثمر خیز بھی ہوتا ہے اور بڑھتا بھی چلا جاتا ہے۔

اب اگر ہم قیمت پیدا کرنے اور قدر زائد پیدا کرنے کے ان دو عملوں کو ایک دوسرے سے متوازن کریں تو یہ محسوس کریں گے کہ قدر زائد دراصل قیمت کا ہی تسلسل ہوتا ہے جو ایک خاص نقطے سے آگے نکل گیا ہے۔ اگر یہ صورت ہو کہ یہ عمل ایک خاص نقطے سے آگے نہ جائے یعنی سرمایہ دار عمل محنت کے لیے جو کچھ ادا کرتا ہے اس کی جگہ اس کی مساوی چیز ہی آ جائے تو پھر یہ عمل صرف قیمت پیدا کرنے کا عمل ہی رہے گا۔ لیکن برعکس اس کے اگر وہ اس نقطے سے آگے نکل جائے تو پھر یہ عمل قدر زائد کی تخلیق کرنے کا عمل بن جائے گا۔

اگر ہم مزید آگے بڑھیں اور تخلیق قیمت کے عمل کو عمل محنت سے جو سادہ اور خالص ہو متوازن کریں تو یہ دیکھیں گے کہ عمل محنت۔ مفید محنت۔ پر مشتمل ہوتا ہے اس کام پر جو استعمالی قیمت پیدا کرتا ہے۔ یہاں ہم محنت کو کوئی خاص شے پیدا کرتے دیکھتے ہیں۔ گویا یہاں ہم اسے صرف اس کی کیفی حیثیت میں دیکھتے ہیں جس میں ایک مقصد اور مدعا سامنے ہوتا ہے۔ لیکن تخلیق قیمت کے عمل کی حیثیت سے اس کے دیکھنے کی صورت میں یہی عمل محنت صرف اپنی کمی حیثیت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ پھر اس صورت میں سوال صرف وقت کی اس مقدار کا ہوتا ہے جو مزدور اپنے کام کی تکمیل کے لیے لیتا ہے۔ یعنی وقت کی وہ مقدار جس میں عمل محنت مفید طور پر صرف میں آتا ہے۔ اس صورت میں

جو اجناس اس عمل میں حصہ لیتی ہیں وہ کسی خاص اور مفید چیز کی پیداوار میں عمل محنت کے ضروری شرکاء کی حیثیت نہیں رکھتیں۔ ان کا مقام صرف اس قدر ہوتا ہے کہ وہ صرف مقرر اخذ شدہ یا متجسم محنت کی امین ہوتی ہیں۔ محنت چاہے آلات محنت میں پہلے سے متجسم ہو یا عمل محنت کے کام میں آنے کی وجہ سے پہلی بار اس عمل کے دوران ان میں متجسم ہوگئی ہو۔ یہ محنت چند گھنٹوں یا چند دنوں میں صورت جو بھی ہو ظاہر ہوتی ہے۔

علاوہ بریں کسی چیز کے پیدا کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے اس کا صرف اتنا ہی حصہ گنا جاتا ہے جتنا موجودہ سماجی حالات میں گننا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے متعدد نتیجے برآمد ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ محنت معمولی حالات میں کی جائے۔ اگر کاتنے کے عمل میں خود متحرک مشین بطور آلے کے استعمال ہوتی ہے تو پھر یہ بالکل احمقانہ بات ہوگی کہ کاتنے والے کو پھرکی اور چرخہ مہیا کیا جائے۔ نیز روئی بھی اتنی گندی نہ ہونی چاہیے کہ کاتنے کے دوران اس کی زیادہ مقدار ضائع ہو جائے۔ لہٰذا وہ مناسب حد تک اچھی ہونی چاہیے ورنہ کاتنے والا ایک پونڈ سوت سماجی طور پر ضروری وقت سے زیادہ مدت میں کاٹے گا اور اس حالت میں جو زیادہ وقت صرف ہوگا وہ نہ تو قیمت پیدا کرے گا نہ روپیہ۔ لیکن اس عمل کے مادی اجزاء معمولی درجے کے ہیں یا نہیں ہیں۔ اس کا انحصار مزدور پر نہیں ہے بلکہ یہ بات پوری طرح سرمایہ دار پر منحصر ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ خود قوت محنت بھی اوسط درجے کی صلاحیت کی حامل ہو۔ جس کاروبار میں یہ قوت محنت استعمال میں آ رہی ہے اس کی اوسط درجے کی واقفیت اسے حاصل ہونی چاہیے یا آسانی سے حاصل ہو جائے اور متعلقہ کاروبار میں جو مستعدی مروج ہے وہ اس میں موجود ہونی چاہیے اور ہم نے جس سرمایہ دار کو اپنے سامنے رکھا ہے اس نے اس بات کا خاص خیال رکھا ہے کہ اسی قسم کے اوسط درجے کی خوبیوں کی حامل قوت محنت بازار سے خریدے قوت محنت کے استعمال میں مروجہ درجے کی کدوکاوش اور سعی وشدت ہونی چاہیے اور سرمایہ دار اس بات کا پورا خیال رکھتا ہے کہ ایسا ہو' تاآنکہ اس کے مزدور

ایک لمحے کے لیے خالی نہ بیٹھ سکیں۔ اس نے قوت محنت کو ایک مقررہ مدت کے لیے خریدا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے حقوق پر پورا اصرار کرتا ہے۔ وہ لٹنے کے لیے تیار نہیں اور آخری بات یہ کہ خام مواد یا آلات محنت کا ضیاع ممنوع ہوتا ہے اور اس مقصد کے لیے سرمایہ دار خود اپنی تعزیرات بنالیتا ہے اس ضیاع کا امتناع اس لیے ہوتا ہے کہ جو کچھ ضائع جاتا ہے وہ نمائندگی کرتا ہے اس محنت کی جو غیر ضروری طور پر صرف ہوئی۔ یعنی وہ محنت جو نہ تو پیداوار میں شامل ہوتی ہے اور نہ اس کی قیمت میں (۱) اس بحث سے جو چیز سامنے آئی

---

(۱) غلاموں کی محنت کے قیمتی ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے جو اوپر بیان ہوا۔ غلاموں کی اس محنت کے باب میں قدماء نے ایک بڑی دلچسپ بات کہی تھی۔ انہوں نے کہا تھا کہ غلام مزدور۔ آلہ ناطق۔ ہوتا ہے اور حیوان آلہ نیم ناطق اور اوزار۔ آلہ صامت۔ جہاں تک خود غلام مزدور کا تعلق ہے وہ اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ جانور اور اوزار یہ بات محسوس کرتے رہیں کہ وہ ان میں شامل نہیں ہے بلکہ وہ انسان ہے۔ وہ اپنے آپ کو یقین دلاتا ہے اور اس سے بے حد خوش ہوتا ہے کہ وہ ایک مختلف وجود ہے اور اس یقین دلانے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جانور کے ساتھ بے رحمی برتتا ہے اور اوزار کو توڑتا پھوڑتا ہے۔ چنانچہ یہ اصول بنایا گیا ہے جو کہ اس طریقہ پیداوار میں عالمگیر سطح پر عمل میں آتا ہے کہ صرف بدنما اور بھاری اوزار استعمال میں لائے جائیں۔ یعنی ایسے اوزار جو بدقوارہ ہونے کی بنا پر مشکل سے ٹوٹ سکیں۔ خلیج میکسیکو کے کنارے کنارے جو علاقے ایسے ہیں جہاں خانہ جنگی کے زمانے تک غلام رکھے جاتے رہے۔ قدیم چینی نمونے پر ہل بنائے گئے تھے وہ زمین کو سور یا چھچھوندر کی طرح کھود دیتے تھے اور درمیان میں نالیاں بناتے تھے۔ بس اسی قسم کے ہل وہاں موجود تھے۔ ملاحظہ ہو جے سی۔ کیرنس۔ غلاموں کی قوت۔ لندن 1862 صفحہ 46-49 اولمسٹڈ نے اپنی کتاب۔ ساحلی علاقوں کے غلام رکھنے والے ممالک۔ میں بتایا ہے کہ "مجھے یہاں ایسے اوزار دکھائے گئے جنہیں کوئی بھی بہ سلامتی ہوش وحواس اس مزدور کو نہ دے گا جسے وہ اجرت ادا کرتا ہے کہ وہ اس پر بارگراں ثابت ہوں گے۔ ان کا بے حد وزن اور بدنما نوعیت کام کو ان اوزاروں کے مقابل (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وہ یہ ہے کہ ایک طرف اگر محنت کو مفید اشیاء پیدا کرنے والے عنصر کی حیثیت میں سمجھا جائے اور دوسری طرف تخلیق قیمت کرنے والا خیال کیا جائے تو اس میں جو فرق ہے یعنی وہ فرق جو ہمارے تجزیے کے نتیجے میں سامنے آیا ہے وہ فی الواقع عمل پیداوار کے دونوں پہلوؤں کا فرق ہے۔

عمل پیداوار کو اگر ایک طرف عمل محنت اور تخلیق قیمت کے عمل کا اتحاد سمجھا جائے تو وہ اجناس کی تخلیق کا عمل ہوتا ہے اور دوسری طرف عمل محنت اور قدر زائد پیدا کرنے والے عمل کا اتحاد خیال کیا جائے تو وہ سرمایہ دارانہ طرز پیداوار ہوتا ہے۔ یعنی

(بقیہ حاشیہ) جو ہمارے یہاں استعمال ہوتے ہیں دس گنا مشکل بنا دیتا ہے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ چونکہ غلام انہیں انتہائی بے پرواہی کے ساتھ اور بے ڈھنگے طور پر استعمال کرتے ہیں اس لیے کم ہلکے یا اچھے اوزار اگر انہیں مہیا کیے جائیں تو منفعت بخش کاروبار ممکن نہیں۔ وہ اوزار جو ہم اپنے مزدور کو مسلسل مہیا کرتے ہیں اور اس سے نفع کماتے ہیں وہ ورجینا کے غلے کے کھیتوں میں ایک دن بھی سالم نہ رہیں۔ چاہے وہ کسی قدر بھی ہلکے کیوں نہ ہوں اور ہمارے اوزاروں کے مقابل کسی قدر کم پتھروں پر کیوں نہ مشتمل ہوں اسی طرح جب میں نے یہ سوال کیا کہ کھیتوں پر گھوڑوں کے بجائے خچر کیوں استعمال کیے جاتے ہیں تو پہلا سبب یہ بتایا گیا جو سب سے اہم سبب تھا کہ گھوڑے اس سلوک کو برداشت نہیں کر سکتے جو غلام خچروں کے ساتھ کرتے ہیں۔ گھوڑوں کو تو وہ جلد ہی لنگڑے۔ لولے کر ڈالیں گے جب کہ خچر ڈنڈوں کی مار سہہ لیتے ہیں۔ ایک ایک دو دو وقت کا کھانا کھائے بغیر کام کرتے ہیں اور ان کی صحت متاثر نہیں ہوتی۔ نہ انہیں بخار آتا ہے نہ وہ بیمار پڑتے ہیں چاہے ان کی طرف سے غفلت برتی جائے یا کتنا ہی زیادہ کام ان سے لیا جائے۔ مگر میں جس کمرے میں بیٹھا لکھ رہا ہوں اس کی کھڑکی سے باہر جانے کی ضرورت نہیں کہ حیوانوں کے ساتھ جو سلوک کیا جاتا ہے وہ کھڑکی سے جھک کر ہر وقت دیکھ سکتا ہوں۔ یہ سلوک ایسا ہے کہ امریکہ کے شمالی حصوں میں اگر کوئی ہنکانے والا یہ سلوک کرے تو کاشتکار جو جانوروں کا مالک ہے فوراً ڈرائیور کو ملازمت سے الگ کر دے۔

اجناس کے پیدا کرنے کا سرمایہ داری طریقہ ہوتا ہے۔

اب سے کچھ پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ قدر زائد کی تخلیق میں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے کہ جس محنت کو سرمایہ دار نے اپنے لیے حاصل کیا ہے وہ سادہ غیر ہنرمندانہ محنت ہے جو اوسط درجے کی ہو یا بہت زیادہ پیچیدہ قسم کی مگر ہنرمندانہ محنت ہے۔ اوسط درجے سے زیادہ اونچے درجے کی اور انتہائی پیچیدہ قسم کی تمام محنت فی الاصل زیادہ مہنگی قسم کی قوت محنت کے خرچ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ وہ قوت محنت ہے جس کی تولید پر زیادہ محنت اور وقت صرف ہوا ہے اور اس لیے اس کی قیمت بھی غیر ہنرمندانہ اور سادہ قوت محنت سے زیادہ ہوتی ہے۔ چونکہ یہ قوت زیادہ قیمت رکھتی ہے تو اس کا خرچ بھی اونچے درجے کی محنت کا خرچ ہے۔ جو یکساں وقت میں غیر ہنرمند محنت کے مقابل زیادہ اونچے درجے کی قیمت پیدا کرتی ہے۔ کاتنے والے کی محنت اور جوہری کی محنت کے درمیان ہنرمندی کا جو فرق بھی موجود ہو جوہری کی محنت کا وہ حصہ جس سے وہ صرف اپنی قوت محنت کا اعادہ کرتا ہے اس زائد حصے سے جس سے وہ قدر زائد پیدا کرتا ہے کسی طرح بھی اپنی کیفیت میں مختلف نہیں ہوتا۔ زیور اور موتی بنانے میں' جیسے کاتنے میں' قدر زائد تو صرف محنت کی مقدار کے زیادہ ہونے ہی سے پیدا ہوتی ہے گویا ایک ہی عمل محنت ہوتا ہے جو طویل تر ہو گیا ہے ایک جگہ زیور بنانے میں اور دوسری جگہ سوت بنانے میں (۱)۔

---

(۱) ہنرمند اور غیر ہنرمند محنت کا فرق جزوی طور پر تو محض سراب کی حیثیت رکھتا ہے یا یہ کہیے کہ یہ فرق ایسا ہے جو کافی عرصے سے حقیقی نہیں رہا اور صرف ایک روایتی رواج کی وجہ سے زائد ہے۔ جزوی طور پر یہ مبنی ہے بعض مزدور طبقات کے مایوس کن حالات پر۔ ان حالات کی وجہ سے وہ اپنی قوت محنت کا دوسروں کے مقابل یکساں معاوضہ نہیں حاصل کر پاتے۔ اس معاملے میں اتفاقات اتنا اہم کردار انجام دیتے ہیں کہ بعض اوقات محنت کی یہ دونوں اقسام ایک دوسرے سے بدل جاتی ہیں۔ بطور مثال اس بات کو لیجیے کہ یہاں مزدور طبقے کی جسمانی حالت گر گئی ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لیکن دوسری طرف تخلیق قیمت کے ہر عمل میں یہ بالکل ضروری ہے کہ ہنرمندانہ محنت کو مروج سماجی محنت کی نسبت سے نکالا جائے۔ جیسے مثلاً ایک دن کی

(بقیہ حاشیہ) یانسبتاً تھک چکی ہے جیسا کہ ان تمام ممالک کا حال ہے جہاں نظام سرمایہ داری کافی ترقی کرگیا ہے تو محنت کی گری ہوئی قسم کو جس میں اعصاب کے زائد استعمال کی ضرورت پڑتی ہے ہنرمندانہ خیال کیا جاتا ہے جبکہ زیادہ نازک قسم کی محنت کو غیر ہنرمندانہ میں شامل کردیا جاتا ہے۔ چنانچہ انگلستان میں صورتحال یہ ہے کہ اینٹیں چننے کے کام کو مشجر ریشمی کپڑا بننے کے مقابل زیادہ معاوضے کا کام سمجھا جاتا ہے یا مثلاً دھوتر کو کاٹنے کا کام لیجئے جس میں کافی سخت جسمانی محنت کرنی پڑتی ہے اور ساتھ ہی یہ کام غیر صحت مندانہ بھی ہے کہ اسے ناہنرمندانہ محنت میں شامل کیا جاتا ہے یہاں یہ بات بھولنے کی نہیں ہے کہ نام نہاد ہنرمندانہ محنت۔قومی محنت۔کے میدان میں بہت بڑے دائرے کو نہیں گھیرتی۔لینگ نے اندازہ لگایا ہے کہ انگلستان (اور ویلز) میں 11,300,000 افراد کی روزی کا دارومدار ناہنرمندانہ محنت پر ہے۔اب اگر 18,000,000 کل آبادی میں سے جو لینگ کے زمانے میں انگلستان کی تھی 1,000,000 کو ہم نکال دیں۔ جو ''شرفاء'' پر مشتمل تھی اور 1,500,000 فقراء خانہ بدوش' مجرم اور طوائف وغیرہ کی آبادی ہو اور طبقہ وسطی ہو 4,650,000 تو پھر وہی مذکورہ 11,000,000 آبادی بچی لیکن اس طبقہ وسطی میں لینگ نے ان تمام لوگوں کو شامل کیا ہے جو چھوٹے درجے کے سرمایہ کاری کے سود پر زندہ ہوں۔یا حکام ہوں۔اہل قلم' فن کار' اور اسکول ماسٹر۔وغیرہ ہوں۔طبقہ وسطی کی تعداد بڑھانے کے لیے اس نے 4,650,000 میں کارخانوں کے زیادہ تنخواہ پانے والے ملازم بھی شامل کر لیے ہیں۔اینٹیں چننے والے معمار بھی اسی میں شامل کیے گئے ہیں۔(ایس۔لینگ۔نیشنل ڈسٹرس (قومی مصیبت) لندن سنہ 1844ء''عظیم طبقہ جو اپنی خوراک کو محنت کے علاوہ کسی اور چیز سے نہیں خریدتا وہی آبادی میں سب سے زیادہ اکثریت میں ہوتا ہے'' (جیمس مل۔آرٹ کے بارے میں۔کالونی انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا کاضمیمہ سنہ 1831ء)

ہنر مندانہ محنت کو 6 دن کی ناہنر مندانہ محنت کے برابر کرلیا جائے۔ اس طرح غیر ضروری کام سے بچنے اور تجزیے کو سہل کرنے کے لیے یہ فرض کرلینا چاہیے کہ ایک اس اوسط درجے کے مزدور کی محنت جسے سرمایہ دار ملازم رکھتا ہے اوسط درجے کی ناہنر مندانہ محنت ہوتی ہے (۱)۔

❖ ❖

(۱) جہاں محنت کو قیمت کا پیمانہ کہا گیا ہے تو وہاں لازمی طور پر اس کا مطلب ہے ایک خاص قسم کی محنت ...... دوسرے اقسام کی محنتیں اس محنت سے جو نسبت رکھتی ہیں اسے بہ آسانی نکالا جاسکتا ہے (فلسفۂ معاشیات کے خاکے، لندن 1832 صفحہ 32، 22)۔

باب ہشتم

سرمایہ باقی اور سرمایہ متغیر

عمل محنت کے متعدد عوامل۔ پیداوار کی قیمت کی تشکیل میں مختلف کردار انجام دیتے ہیں۔

مزدور اپنے معمول یا مصنوع پر مزید متعین محنت صرف کر کے اس کی قیمت میں مزید اضافہ کرتا ہے۔ چاہے اس محنت کی افادیت اور نوعیت کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ دوسری طرف اس عمل میں جو آلات محنت کام میں آتے ہیں ان کی قیمتیں محفوظ رہتی ہیں اور مصنوع کی قیمت کے اجزاء ترکیبی کی حیثیت سے ازسرنو کام میں آتی ہیں۔ چنانچہ روئی اور تکلے کی قیمتیں بارہ گز سوت کی قیمت میں ظاہر ہوتی ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ آلات محنت کی قیمت محفوظ رہتی ہے اور نئی پیداوار میں منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ انتقال محنت ان آلات کے پیداوار میں بدل جانے کی صورت میں رونما ہوتا ہے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ یہ انتقال محنت۔ عمل محنت کے دوران ہوتا ہے۔ یہ انتقال محنت کے ذریعے ہوتا ہے مگر سوال یہ ہے کس طرح؟

یہ تو نہیں ہوتا کہ مزدور دو عمل ایک ساتھ کرتا ہو ایک تو روئی کی قیمت میں اضافہ کرنے کا اور دوسرے آلات محنت کی قیمت کو محفوظ کرنے کا یا اس بات کو یوں کہہ لیجیے کہ سوت یعنی پیداوار میں اس روئی کی قیمت کو جس پر وہ کام کرتا ہے اور تکلے کی قیمت کے ایک جزو کو منتقل کرنے کا فرض انجام دے کر وہ دو عمل نہیں کرتا بلکہ صرف نئی قیمت بڑھانے کا کام کر کے ہی وہ ان کی سابقہ قیمتوں کو محفوظ کرتا ہے۔ اب چونکہ جس مصنوع

پر وہ کام کرتا ہے اس میں نئی قیمت کا اضافہ اور اس کی سابقہ قیمت کا تحفظ دو بالکل مختلف نتائج ہیں گو ایک ہی ساتھ مزدور کے ہاتھوں انجام پاتے ہیں اور ایک ہی عمل میں تو یہ ظاہر ہے کہ اس کی محنت کے نتائج کی یہ دوگونہ نوعیت بھی خود اس کی محنت کی دوگونہ نوعیت کی وجہ سے ہی ممکن ہوسکتی ہے۔ یوں کہئے ایک پہلو سے وہ قیمت پیدا کرتا ہے اور دوسرے پہلو سے قیمت محفوظ کرتا یا منتقل کرتا ہے اور یہ دونوں کام ایک ہی ساتھ اور ایک ہی قیمت میں انجام کو پہنچتے ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ مزدور کس طرح نئی محنت کرتا اور اس نئی محنت کے ذریعے نئی قیمت وجود میں لاتا ہے؟ واضح طور پر ایک خاص انداز میں تخلیقی پیداوار کر کے ہی وہ یہ فرض انجام دیتا ہے۔ کاتنے والا کات کر۔ بننے والا بن کر اور لوہار ہتوڑے مار کر۔ لیکن اس طرح محنت کو متجسم کر کے یعنی قیمت پیدا کر کے جو کام کیا جاتا ہے وہ محنت کی کسی خاص قسم سے انجام پاتا ہے۔ کاتنے سے۔ بننے سے۔ یا ہتوڑوں سے کوٹنے سے اس خاص انداز کی وجہ سے آلات پیداوار روئی اور تکلا۔ سوت اور کرگھا۔ لوہا اور سندان پیداوار یعنی نئی استعمالی قیمت کے اجزاء ترکیبی بنتے ہیں (۱) ہر استعمالی قیمت ناپید ہو جاتی ہے مگر صرف دوبارہ ایک نئی استعمالی قیمت کی شکل میں ظاہر ہونے کے لیے بہر حال جب ہم قیمت کی تخلیق کی عملی نوعیت پر غور کر رہے تھے تو ہم نے یہ دیکھا تھا کہ اگر ایک استعمالی قیمت ایک نئی استعمالی قیمت کے پیدا کرنے میں مؤثر طور پر صرف ہو جائے تو محنت کی جو مقدار استعمال شدہ چیز کی پیدائش پر صرف ہوگی وہ محنت کی اس تعداد کا ایک حصہ ہوگی جو نئی استعمالی قیمت کی تخلیق پر صرف ہوئی ہے لہٰذا یہ حصہ ایک ایک ایسی محنت ہے جو آلات محنت سے منتقل ہو کر نئی مصنوع میں آ گیا ہے۔ مطلب اس کا یہ کہ مزدور استعمال شدہ

---

(۱) محنت ختم شدہ محنت کے بدلے میں ایک نئی چیز کو جنم دیتی ہے (اقوام کے فلسفہ معاشیات

آلات محنت کی قیمتوں کو محفوظ کرتا ہے یا انہیں دوسری قیمتوں میں ان کے ایک جزو کی حیثیت سے منتقل کر دیتا ہے۔ لیکن وہ ایسا مزید محنت کے ذریعے نہیں کرتا کہ جسے مجرد انداز میں سمجھا جائے بلکہ اس محنت کے ایک مخصوص مفید کردار کی وجہ سے کرتا ہے اس کے متعین پیداواری کردار کی بناء پر کرتا ہے تو جس حد تک محنت اس قسم کی پیداواری سرگرمی ہے۔ یعنی جس حد تک وہ کاتنے۔ بننے یا آہن گری کی سرگرمی ہے تو وہ صرف ارتباط سے آلات محنت کو ان کی مردگی کی حالت سے زندگی کی طرف لے آتی ہے۔ انہیں عمل محنت کا زندہ عنصر بنا دیتی ہے اور ان سے مخلوط ہو کر نئی مصنوعات کی تخلیق کرتی ہے۔

اگر عامل کی خاص پیداواری محنت کتائی نہ ہو تو وہ روئی کو سوت میں نہ بدل سکے گا اور اس لیے روئی اور تکلے کی قیمتوں کو بھی سوت میں متشکل نہ کر سکے گا۔ فرض کیجئے یہی عامل اپنا پیشہ بدل کر بڑھئی بن جائے تو بھی ایک مہینے کی محنت کے ذریعے وہ اس مواد میں جس پر محنت کرتا ہے مزید قیمت کا اضافہ کرے گا۔ تو اس طرح پہلے تو ہم یہ دیکھتے ہیں کہ نئی قیمت کا اضافہ اس لیے نہیں ہوتا کہ اس کی محنت خاص طور پر کتائی تھی یا بڑھئی کا کام تھا بلکہ اس لیے کہ وہ محنت تھی۔ محنت مجرد حالت میں۔ سماج کی مجموعی محنت کا ایک حصہ۔ پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ جس قیمت کا اضافہ کیا گیا وہ ایک متعین مقدار کی حامل تھی اور اس لیے ایسی نہ تھی کہ وہ ایک خاص فائدہ رکھنے والی محنت تھی بلکہ اس لیے کہ وہ ایک معین وقت میں صرف ہونے والی محنت تھی۔ تو ایک طرف تو صورت یہ ہے کہ اپنے عام کردار کی وجہ سے یعنی انسانی قوت محنت (بحالت تجرید) کے خرچ کی حیثیت سے یہ محنت کتائی۔ روئی اور تکلے کی قیمتوں میں مزید قیمت کا اضافہ کرتی ہے اور دوسری طرف چونکہ وہ ایک خاص کردار رکھتی ہے ایک محسوس اور مفید عمل ہوتی ہے تو آلات پیداوار کی قیمتوں کو پیداوار میں منتقل کرتی اور نئی مصنوع میں انہیں محفوظ کر دیتی ہے۔

محنت کی ایک خاص مقدار کے محض اضافے سے ایک نئی محنت پیدا ہو جاتی ہے اور اس اضافہ شدہ محنت کی نوعیت کی وجہ سے آلات محنت کی اصلی قیمتیں۔ پیداوار میں

محفوظ ہو جاتی ہیں یہ دوگونہ اثر جو محنت کے دوگونہ کردار سے پیدا ہوتا ہے مختلف مظاہر میں معلوم کیا جاسکتا ہے۔

آیئے یہ فرض کریں کہ کسی ایجاد کی وجہ سے کاتنے والا 6 گھنٹے میں اتنی ہی روئی کات لیتا ہے جتنی وہ پہلے 36 گھنٹے میں کاتتا تھا تو اب اس کی محنت مفید پیداوار کے لیے پہلے کے مقابل چھ گنا زیادہ موثر ہوگئی ہے۔ چھ گھنٹے کی محنت سے جو پیداوار ہوئی ہے وہ چھ گنا ہوگئی ہے۔ چھ پونڈ سے بڑھ کر 36 پونڈ ہوگئی ہے۔ اب 36 پونڈ روئی اتنی ہی محنت کو جذب کرے گی جتنی پہلے 6 پونڈ روئی جذب کرتی تھی۔ ہر ایک پونڈ روئی 1/6 محنت جذب کرے گی اور نتیجے میں محنت ہر پونڈ میں جو قیمت بڑھائے گی وہ پہلے کے مقابل 1/6 ہوگی۔ اس کے برعکس پیداوار میں یعنی 36 پونڈ سوت میں روئی سے منتقل ہو کر جو قیمت آئے گی وہ سابق کے مقابل چھ گنا زیادہ ہوگی۔ چھ گھنٹے کی کتائی سے خام مواد کی جو قیمت محفوظ رہی اور پیداوار میں منتقل ہوئی وہ سابقہ کی بہ نسبت چھ گنا زائد ہے حالانکہ کاتنے والے کی محنت سے اس خام مواد کے ہر پونڈ میں جو نئی قیمت بڑھی وہ پہلے کی نسبت سے 1/6 ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محنت کی وہ دو خصوصیات جن کی وجہ سے محنت ایک تو قیمت محفوظ رکھ سکی اور دوسرے قیمت پیدا کر سکی وہ جوہری طور پر مختلف ہیں۔ ایک طرف تو وہ وقت جو روئی کی خاص مقدار کو سوت میں بدلنے کے لیے ضروری ہے جتنا زیادہ ہوگا اسی قدر مواد میں زیادہ نئی قیمت بڑھے گی اور دوسری طرف جتنی زیادہ روئی ایک معینہ وقت میں کتے گی اتنی ہی زیادہ قیمت پیداوار میں منتقل ہو جانے کی بنا پر محفوظ ہوگی۔

آیئے اب ہم یہ فرض کریں کہ کاتنے والے کی پیداواری صلاحیت متغیر ہونے کے بجائے یکساں باقی رہتی ہے اور اس لیے یہ کاتنے والا ایک پونڈ روئی کو سوت بنانے میں اتنی ہی مدت خرچ کرتا ہے جتنی پہلے خرچ کرتا تھا مگر روئی کی قیمت مبادلہ متغیر ہوئی ہے یا تو سابق قیمت کے مقابل چھ گنا بڑھ کر یا چھ گنا کم ہو کر۔ ان دونوں صورتوں میں

کاتنے والا ایک پونڈ روئی میں اتنی ہی محنت لگاتا ہے اور اس لیے اتنی ہی قیمت کا اضافہ کرتا ہے جتنی روئی کی قیمت میں تبدیلی سے پہلے لگایا تھا اور اسی قدر سوت پیدا کرتا ہے جتنا پہلے پیدا کرتا تھا لیکن باوجود اس کے وہ جو قیمت روئی سے سوت میں منتقل کرتا ہے وہ یا تو تبدیلی سے پہلے کی قیمت سے 1/6 کم ہوتی ہے یا بعد کو قیمت سے چھ گنا زائد ہوتی ہے اگر آلات کی قیمت میں اضافہ ہو جائے تو بھی یہی صورت پیدا ہوتی ہے جبکہ عمل محنت میں ان کی افادیت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

پھر اگر کاتنے کے عمل کے تکنیکی حالات غیر متبدل رہیں اور آلات پیداوار کی قیمت میں بھی تبدیلی رونما نہ ہو تو کاتنے والا یکساں اوقات کار میں یکساں خام مواد صرف کرے گا اور غیر مبدل قیمت کی یکساں مشینری کی تعداد استعمال میں لائے گا۔ پیداوار میں جس قیمت کو وہ محفوظ کرتا ہے وہ اس نئی قیمت کے جو وہ پیداوار میں بڑھاتا ہے ٹھیک ٹھیک متناسب ہوتی ہے۔ دو ہفتے میں وہ ایک ہفتے کی بہ نسبت دوگنی محنت اس میں مجسم کر دیتا ہے اور اس لیے دوگنی قیمت بھی پیدا کر دیتا ہے اور اس دو ہفتے کی مدت میں دوگنا خام مواد بھی خرچ میں لے آتا ہے اس طرح مشینری میں دوگنی گھسن بھی پیدا ہوتی ہے۔ مختصراً ہر چیز دوگنی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا وہ دو ہفتے کی محنت کی پیداوار میں ایک ہفتے کی نسبت سے دوگنی محنت محفوظ کر پاتا ہے جب تک پیداوار کے حالات یکساں رہیں تو مزدور اپنی تازہ محنت سے قیمت میں جتنا اضافہ کرے گا اسی قدر قیمت وہ منتقل کرے گا اور محفوظ کرے گا۔ لیکن ایسا وہ صرف اسی لیے تو کر پاتا ہے کہ نئی قیمت کا یہ اضافہ ایسے حالات میں رونما ہوا جو متبدل نہیں ہوئے اور اس کی اپنی محنت سے غیر متعلق رہے البتہ ایک اعتبار سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ محنت پرانی قیمتوں کو اس نسبت سے محفوظ کرتی ہے جس نسبت سے وہ نئی قیمت کی مقدار میں اضافہ کرتی ہے۔ روئی کی قیمت ایک شلنگ سے بڑھ کر دو شلنگ ہو جائے یا گر کر چھ پنس رہ جائے۔ عامل ایک گھنٹے کی پیداوار میں ہمیشہ دو گھنٹے میں جتنی قیمت محفوظ کرتا ہے اس سے آدھی قیمت محفوظ کرتا ہے۔ اسی طرح اگر

اس کی اپنی محنت کی پیداواری صلاحیت گھٹنے بڑھنے کی وجہ سے بدلتی رہے تو ایک گھنٹے میں وہ پہلے کے مقابل یا کم روئی کاتے گا یا زیادہ اور اس کے نتیجے میں ایک گھنٹے کی محنت کی پیداوار میں زیادہ یا کم روئی کی قیمت محفوظ کرے گا۔ تاہم دو گھنٹے کی محنت کے ذریعے وہ لازماً ایک گھنٹے کی محنت کے مقابل دوگنی قیمت محفوظ (یا پیدا) کرے گا۔

قیمت استعمال کی چیزوں۔ یعنی اشیاء میں وجود رکھتی ہے علامتوں کے ذریعے قیمت کی جو محض ایمانی نمائندگی ہوتی ہے اسے ہم یہاں زیر بحث نہیں لا رہے (خود انسان کو اگر قوت محنت کا مجسمہ سمجھا جائے تو وہ بھی طبعی شے ہوتا ہے۔ ایک چیز۔ گو وہ چیز ایک زندہ اور باشعور چیز ہے اور محنت اس قوت کا اظہار ہے جو کہ انسان میں ہوتی ہے) تو اگر کوئی چیز اپنی افادیت کھو بیٹھے تو پھر وہ اپنی قیمت بھی کھو بیٹھتی ہے۔ آلات پیداوار اپنی استعمالی قیمت سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ کیوں اپنی قیمت سے محروم نہیں ہوتے اس کا سبب یہ ہے کہ وہ عمل محنت کے دوران استعمالی قیمت کی ابتدائی و اصلی شکل کھو بیٹھتے ہیں اور نئی پیداوار میں نئی استعمالی قیمت میں ظاہر ہوتے ہیں لیکن قیمت کے لیے یہ امر کہ اس میں کسی قسم کا فائدہ ضرور پنہاں ہو کسی قدر بھی اہم کیوں نہ ہو تاہم اس بات کی بالکل کوئی اہمیت نہیں ہے کہ یہ فائدہ کون سی چیز مہیا کر رہی ہے۔ یاد رہے اس بات کو ہم نے اجناس کے قلب ہیئت پر بحث کے دوران محسوس کیا تھا۔ اس سے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ عمل محنت کے دوران آلات پیداوار۔ پیداوار میں اپنی قیمت اس حد تک منتقل کرتے ہیں جس حد تک وہ اپنی استعمالی قیمت کے ساتھ ساتھ اپنی مبادلاتی قیمت سے بھی محروم ہو جاتے ہیں۔ وہ پیداوار کو صرف وہی قیمت منتقل کرتے ہیں جس سے وہ خود آلات پیداوار کی حیثیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مگر اس معاملے میں عمل محنت کے مادی عوامل یکساں انداز میں عمل نہیں کرتے۔

بوائلر میں جو کوئلہ جلتا ہے وہ راکھ ہو جاتا ہے اور اپنا کوئی نشان نہیں چھوڑتا۔ اسی طرح جو چکنائی پہیوں کے دھرے میں لگائی جاتی ہے وہ بھی غائب ہو جاتی ہے۔ رنگ کا

سامان اور دوسری امدادی اشیاء بھی ناپید ہو کر پیداوار کی خصوصیات میں اپنا ظہور کرتی ہیں۔ خام اشیاء پیداوار کا مواد بن جاتی ہیں لیکن اسی وقت جب وہ اپنی شکل بدل لیتی ہیں تو مطلب یہ ہے کہ خام اشیاء اور امدادی مواد وہ مخصوص اشکال کھو بیٹھتی ہیں جو وہ عمل محنت میں شرکت کرتے وقت رکھتی ہیں۔ لیکن آلات پیداوار کی صورت اس سے مختلف ہے۔ اوزار مشینیں ورکشاپ اور برتن عمل محنت کے دوران کام میں آتے ہیں مگر اس وقت تک جب تک وہ اپنی ابتدائی شکل باقی رکھتے ہیں اور ہر صبح کو اپنی غیر مبدل شکل کے ساتھ عمل محنت کو از سر نو شروع کرنے کے لیے موجود ہوتے ہیں اور جس طرح اپنی زندگی کے دوران یعنی اس جاری عمل محنت کے دوران جس میں وہ کام آتے ہیں پیداوار سے غیر متعلق رہ کر اپنی شکل باقی رکھتے ہیں اسی طرح اپنی موت کے بعد بھی پیداوار سے غیر متعلق رہتے ہیں۔ مشینوں' اوزاروں اور ورکشاپوں وغیرہ کی لاشیں ہمیشہ اس پیداوار سے جداگانہ اور ممتاز رہتی ہیں جسے وجود میں لانے میں وہ مدد دیتی ہیں۔ اب اگر ہم کسی آلہ محنت کی نوعیت کا اس کی پوری کارکردگی کے دوران جائزہ لیں یعنی اس دن سے جب وہ ورکشاپ میں آتا ہے اس دن تک جب وہ اشیاء فرسودہ کے کمرے میں پھینک دیا جاتا ہے تو ہم یہ دیکھیں گے کہ اس مدت کے دوران اس کی استعمالی قیمت پوری طرح خرچ ہو چکی ہے اور اس لیے اس کی مبادلاتی قیمت پوری طرح پیداوار میں منتقل ہو گئی ہے۔ لہٰذا ایک آلہ محنت کی پوری زندگی ایک عمل کے زیادہ یا کم دہراتے رہنے میں گزر جاتی ہے۔ اس کی زندگی کو انسانی زندگی سے مشابہت دی جا سکتی ہے۔ ہر نیا دن انسان کو اس کی موت سے 24 گھنٹے قریب لا کے گذرتا ہے۔ لیکن یہ امر کہ موت تک پہنچنے میں وہ کتنا فاصلہ طے کرے گا کوئی صرف اسے دیکھ کر اس کے بارے میں ٹھیک ٹھیک کچھ نہیں کہہ سکتا مگر یہ دشواری بیمہ کمپنیوں کی راہ میں حائل نہیں ہوتی اور وہ اوسط کے قانون سے بالکل صحیح اور بڑے مفید نتائج نکالنے میں کامیاب ہو جاتی ہیں۔ یہی حالت آلات محنت کی ہے۔ تجزیے سے یہ بات معلوم رہتی ہے کہ ایک خاص قسم کی مشین اوسطاً کتنے عرصے چلے گی۔ فرض کیجئے کہ عمل محنت کے دوران اس کی استعمالی قیمت صرف

چھ دن باقی رہے تو وہ روزانہ اوسطاً اپنی استعمالی قیمت کے 1/6 حصے سے محروم ہوتی رہے گی اور اس لیے روزانہ کی پیداوار کو اپنی قیمت کا 1/6 حصہ دیتی رہے گی۔ تمام آلات کا بھیگنا اور خراب ہونا روزانہ ان کی استعمالی قیمت کا خرچ اور اس کی نسبت سے قیمت کی مقدار کا پیداوار میں آتے رہنا بھی اسی اساس پر گنا جاتا ہے۔

تو یوں یہ بات پوری طرح واضح ہے کہ ذرائع پیداوار۔ پیداوار میں اس سے زیادہ قیمت منتقل نہیں کرتے جتنی خود اپنی استعمالی قیمت کو تباہ کر کے عمل محنت کے دوران وہ کم کرتے ہیں۔ اب اگر آلہ پیداوار میں خود ہی قیمت موجود نہ ہو جسے وہ کم کر سکے بالفاظ دیگر وہ انسانی محنت کا پیدا شدہ ہی نہ ہو تو پھر وہ پیداوار کو کوئی قیمت بھی منتقل نہیں کرتا۔ استعمالی قیمت پیدا کرنے میں تو وہ مدد دیتا ہے مگر مبادلاتی قیمت کی تشکیل میں کوئی مدد نہیں کرتا۔ اس زمرے میں وہ تمام ذرائع پیداوار شامل ہیں جو فطرت انسان کی امداد کے بغیر مہیا کرتی ہے جیسے زمین، ہوا، پانی معدنیات نکالے جانے سے پہلے اور شہتیر۔ جنگلات کے کٹنے سے پہلے

یہاں ایک اور دلچسپ بات بھی سامنے آتی ہے۔ فرض کیجئے ایک مشین کی قیمت ایک ہزار پونڈ ہے اور وہ ایک ہزار دن میں گھس جاتی ہے۔ تو پھر اس کی قیمت کا ہزارواں حصہ روزانہ کی پیداوار میں منتقل ہو جاتا ہے ساتھ ہی مشین من حیث المجموع عمل محنت میں حصہ دار بنی رہتی ہے گو تقلیل پذیر اثریت کے ساتھ۔ اس طرح یہ واضح ہوتا ہے کہ عمل محنت کا ایک عنصر آلہ پیداوار۔ من حیث المجموع اس عمل میں شامل رہتا ہے۔ ہر چند کہ تشکیل قیمت میں وہ صرف جزاء جزاء حصہ لیتا ہے۔ دونوں عملوں میں جو فرق ہے وہ ان کے مادی عناصر میں منعکس ہوتا ہے۔ ایک ہی آلہ پیداوار من حیث المجموع عمل محنت میں حصہ لیتا ہے جبکہ ساتھ ہی تشکیل قیمت میں ایک عنصر کی حیثیت سے جزاً جزاً شرکت بھی کرتا (۱) ہے۔

دوسری طرف ایک ذریعہ پیداوار تشکیل قیمت میں مجموعی طور پر شرکت کرتا ہے جبکہ عمل محنت میں وہ صرف جزاجزاً شامل ہوتا ہے۔فرض کرو کہ روئی کاتنے میں ہر 115

(بقیہ حاشیہ) مشین کی درستی ہو رہی ہو وہ آلے کے بطور کام نہیں کرتی بلکہ وہ خود محنت کا معمول ہوتی ہے (اس لیے کہ کوئی کاریگر اسے درست کرتا ہے۔اردو مترجم) اگر ہم یہ فرض کریں تو کر سکتے ہیں کہ جو محنت آلات کی درستی پر لگائی جاتی ہے وہ اس محنت میں شامل ہوتی ہے جو ابتداء میں اس آلے کے بنانے کے لیے ضروری تھی۔متن کتاب میں ہم آلے کے اس گھسنے سے بحث کر رہے ہیں جس کی اصلاح کوئی معالج نہیں کر سکتا اور جو آہستہ آہستہ اسے موت کی طرف لے جاتا ہے۔"گفتگو" اس گھسنے سے ہے جو وقفوں کے گذرنے کے ساتھ ساتھ درست نہ ہوتی رہے اور جو بطور مثال چھری کو لیجئے۔ایسی ہو کہ کاتنے والا یہ کہے کہ اب اس چھری میں پھلکا نہیں لگ سکتا"۔متن میں ہم نے یہ بات بھی ظاہر کی ہے کہ مشین ہر عمل محنت میں ایک بنیادی جزو کے طور پر شریک رہتی ہے لیکن اس کے ساتھ پیداوار قیمت کا جو عمل ہوتا ہے اس میں جزاجزاً شرکت بھی کرتی ہے۔اس صورت حال کے پیش نظر جب آپ حسب ذیل اقتباس کو پڑھیں تو اندازہ لگائیں گے کہ لوگوں میں کس قدر انتشار ذہنی پایا جاتا ہے"مسٹر رکارڈو کہتے ہیں کہ انجینئر موزہ سازی کی جو مشین تیار کرتا ہے اس کی محنت کا ایک جزو" بطور مثال موزے کے ایک جوڑے کی قیمت میں موجود ہوتا ہے"لیکن مجموعی محنت جس نے موزے کے ہر ایک جوڑے کو پیدا کیا ہے وہ مشتمل ہوتی ہے انجینئر کی ساری محنت پر نہ اس کے جزو پر اس لیے کہ ایک مشین بہت سے جوڑے پیدا کرتی ہے اور ان جوڑوں میں سے کوئی مشین کے کسی ایک ٹکڑے بغیر نہیں بن سکتا" (ملاحظہ ہو فلسفہ معاشیات میں چند لفظی مباحثہ بالخصوص قیمت سے متعلق صفحہ 54 مصنف جو غیر معمولی طور پر مطمئن قسم کے بقراط ہیں اپنے اس انتشار ذہنی میں صحت پر ہیں اور اس لیے ان کا یہ کہنا بھی صحیح ہے۔مگر صرف یہی کہ نہ رکارڈو نہ کوئی اور ماہر معاشیات اس سے پہلے یا بعد محنت کے ان دونوں پہلوؤں کو ٹھیک طرح سمجھ سکا ہے۔رہا دہ کردار جو محنت ان دونوں پہلوؤں میں تشکیل قیمت کے سلسلے میں انجام دیتی ہے سو اسے تو وہ بطور بھی کم سمجھ سکے ہیں۔

پونڈ پر جو ضیاع ہوتا ہے وہ 15 پونڈ کے بقدر ہوتا ہے یہ 15 پونڈ سوت نہیں بنتا بلکہ ''شیطان کی دھول'' بن جاتا ہے۔ ہر چند یہ 15 پونڈ کبھی بھی سوت کا جزو ترکیبی نہیں بن پاتا لیکن یہ فرض کرتے ہوئے کہ کتائی کے عام حالات میں اسی قدر رُوئی عموماً ضیاع کی نذر ہو جاتی ہے اس کی قیمت بھی ٹھیک اسی قدر سوت کی قیمت میں منتقل ہو جاتی ہے جس طرح اس سو پونڈ روئی کی قیمت جو سوت کا مواد بنتی ہے اس میں منتقل ہو جاتی ہے۔ 15 پونڈ سوت کی استعمالی قیمت کا ہوا میں اُڑ جانا ضروری ہے جبھی سو پونڈ روئی سوت بنے گی۔ یوں اس روئی کی تباہی سوت کی پیداوار کے لیے ضروری شرط کی حیثیت رکھتی ہے اور چونکہ یہ شرط ضروری ہے لہٰذا صرف اس کی وجہ سے اس روئی کی قیمت بھی سوت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ یہی اصول ہر اس پھوک (درد) پر صادق آتا ہے جو عمل محنت کا نتیجہ ہوتا ہے کم سے کم اس حد تک ضرور اس پر صادق آتا ہے جس حد تک پھوک نئی اور آزاد استعمالی قیمتوں میں مزید ذرائع پیداوار کے طور پر استعمال نہ ہو سکے۔ مانچسٹر کے بڑے بڑے کارخانوں میں اس پھوک کا استعمال ہوتے دیکھا جا سکتا ہے۔ وہاں فولاد کے ریزوں کے پہاڑ شام کو گاڑیوں میں بھر کر فاؤنڈریوں میں لے جائے جاتے ہیں تاکہ دوسرے دن فولاد کے بڑے بڑے حجم والے ٹکڑوں میں منتقل ہو کر وہ پھر ورکشاپوں میں استعمال کے لیے لے آئے جائیں۔

ہم نے یہ بات دیکھی کہ آلات پیداوار اس حد تک کہ جس حد تک وہ عمل محنت کے دوران اپنی پرانی استعمالی قیمت سے محروم ہوتے ہیں۔ نئی پیداوار میں قیمت منتقل کر دیتے ہیں۔ اس انتقال کے دوران جس زیادہ سے زیادہ قیمت سے وہ محروم ہوتے ہیں وہ واضح طور پر اس ابتدائی قیمت کی نسبت سے متعین ہوا کرتی ہے جو عمل محنت میں شرکت کے وقت ان میں موجود ہوتی ہے یا بالفاظ دیگر یہ قیمت اس وقت کار سے متعین ہوتی ہے جو نئی پیداوار کے بنانے میں صرف ہوتا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ کہ وسائل پیداوار۔ پیداوار میں قیمت کا جو اضافہ کرتے ہیں وہ اس سے زیادہ نہیں ہوتا جتنی خود ان میں اس عمل سے

آزادانہ طور پر موجود ہوتی ہے جس کی تکمیل میں وہ مدد کرتے ہیں۔کوئی بھی خام مواد۔ مشین یا کوئی اور وسیلہ پیداوار کسی قدر بھی مفید کیوں نہ ہو۔ چاہے اس پر 150 پونڈ خرچ ہوں یا 5 سو دن کی محنت۔لیکن کسی بھی حالت میں وہ پیداوار میں 150 پونڈ سے زیادہ قیمت کا اضافہ نہ کر سکے گا۔ اس کی قیمت اس عمل محنت سے متعین نہیں ہوتی جس میں وہ وسیلہ پیداوار کے طور پر شرکت کرتا ہے بلکہ صرف اس عمل محنت سے متعین ہوتی ہے جس کے نتیجے میں خود اس کا اپنا وجود ممکن ہوا ہے۔عمل محنت میں تو وہ صرف ایک استعمالی قیمت کی حیثیت رکھتا ہے۔ایک ایسی چیز جس کی مفید خصوصیات ہیں اور صورت جب یہ ہے تو اگر وہ پہلے سے یہ قیمت نہ رکھتا ہو تو پیداوار کو بھی کوئی قیمت منتقل نہ کر سکے گا (ا)۔

(ا) مسٹر جے۔بی سے' نے جو کچھ کہا ہے مذکورہ بحث سے اس کی لغویت ظاہر ہو سکتی ہے۔مسٹر سے' یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں جیسے وہ قدر زائد (سود۔نفع۔کرایہ) کی تشریح ان پیداواری خدمات سے کر سکتے ہیں جو وسائل پیداوار۔زمین۔آلات اور خام مواد اپنی استعمالی قیمتوں کے ذریعے سرانجام دیتے ہیں۔مسٹر ڈبلیو۔ایم روشر جو اپنی عجیب قسم کی معذرت آمیزانہ خیال آفرینیوں کا تحریری ذکر کرنے سے بھی نہیں چوکتے' بیان کرتے ہیں کہ ''مسٹر جے۔بی۔سے' نے بالکل صحیح لکھا کہ جو قیمت تیل کا کارخانہ سارے اخراجات نکال کر پیدا کرتا ہے وہ ایک نئی چیز ہے۔ایک ایسی چیز جو اس محنت سے بالکل مختلف ہے جو اس تیل کے کارخانے کی تنصیب میں صرف ہوئی ہے''۔ بالکل صحیح جناب پروفیسر صاحب جو تیل اس کارخانے نے پیدا کیا ہے فی الواقع ایک ایسی چیز ہے جو بالکل ہی مختلف ہے اس محنت سے جو اس کی تنصیب پر صرف ہوئی ہے۔ قیمت سے مسٹر روشر کی مراد اس قسم کی چیز ہے جیسے تیل اس لیے کہ تیل قیمت رکھتا ہے چاہے فطرت بھی پیٹرول پیدا کرتی ہو''گو کم ہی مقدار'' میں سہی غالباً اسی طرف انہوں نے اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے کہ ''(وہ فطرت) بمشکل ہی کوئی مبادلاتی قیمت پیدا کرتی ہے''۔مسٹر روشر کی فطرت اور وہ مبادلاتی قیمت جو وہ پیدا کرتی ہے ایک اس بے وقوف کنواری کی طرح ہے جو یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ اس نے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

جب پیداواری محنت آلات پیداوار کو نئی پیداوار کے اجزاء ترکیبی میں بدل رہی ہوتی ہے تو آلات پیداوار کی قیمت میں قلب ہیئت رونما ہو جاتا ہے۔ قیمت استعمال شدہ جسم کو چھوڑ کر نئے تخلیق شدہ جسم میں آ جاتی ہے۔ لیکن یہ قلب ماہیت یوں کہیے کہ مزدور کے پس پشت رونما ہوتا ہے۔ مزدور نئی محنت میں اضافہ کرنے اور نئی قیمت پیدا کرنے کے قابل نہیں ہوتا مگر یہ کہ ساتھ ہی وہ پرانی قیمتیں بھی محفوظ بناتا ہے اور ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ جس محنت کا وہ اضافہ کرتا ہے وہ لازماً ایک خاص قسم کی محنت ہونی چاہیے اور وہ مفید قسم کا کام نہیں کر سکتا مگر یہ کہ وہ پیداواروں کو نئی نئی پیداوار کے طور پر استعمال کرے اور اس طرح ان کی قیمت پیداوار میں منتقل کرے۔ لہٰذا وہ خصوصیت جو محنت حالت عمل میں یعنی زندہ محنت قیمت محفوظ رکھنے کے سلسلے میں رکھتی ہے جبکہ ساتھ ہی وہ اس قیمت میں اضافہ کرتی ہے۔ تو وہ فطرت کا ایک عطیہ ہے جس پر مزدور کو کچھ خرچ کرنا نہیں پڑتا مگر جو سرمایہ دار کے لیے بڑا منافع خیز ہوتا ہے اس لیے کہ وہ اس کے سرمائے کی موجود قیمت کو برقرار رکھتا ہے (۱)۔ جب تک تجارت ٹھیک رہتی ہے تو سرمایہ دار

(بقیہ حاشیہ) بچہ تو جنا ہے یہ بھی کہتی ہے کہ "وہ تو چھوٹا سا بچہ ہے" یہ عالم تبحر آگے چل کر مزید فرماتے ہیں کہ "رکارڈو کے مدرسے والے یہ عادت رکھتے ہیں کہ سرمائے کو محنت کے ضمن میں جمع شدہ محنت کی حیثیت سے شامل کر لیتے ہیں یہ نادانشمندانہ بات ہے اس لیے کہ فی الواقع سرمائے کا مالک صرف اسے پیدا یا محفوظ ہی نہیں کرتا' اس سے بھی کچھ زیادہ ہی کرتا ہے یعنی یہ کہ وہ ان مسرتوں سے بچا رہتا ہے جو اس سے حاصل ہوتی ہیں اور اس لیے وہ مثلاً سود کا مطالبہ کرتا ہے "فلسفہ معاشیات کا یہ" تشریحی عضویاتی انداز بحث" کس قدر دانشمندانہ ہے جو کہ صرف ایک خواہش کو قیمت کے ماخذ میں بدل ڈالتا ہے۔

(۱) کاشتکار کے کام میں جو آلات استعمال ہوتے ہیں ان میں سے انسان کی محنت وہ ہے جس پر کاشتکار اپنے سرمائے کی ادائگی پر سب سے زیادہ بھروسہ کرتا ہے۔ باقی (باقی حاشیہ اگلے صفحے پر)

روپے میں اتنا منہمک رہتا ہے کہ محنت کے اس ملت کے عطیے پر توجہ دینے کی اسے مہلت ہی نہیں ملتی البتہ کسی بحران کی وجہ سے عمل محنت میں جو شدید تعطل پیدا ہو جاتا ہے تو وہ اس عطیے کی موجودگی سے باخبر ہوتا ہے۔(۱)

جہاں تک ذرائع پیداوار کا تعلق ہے ان میں جو کچھ خرچ ہوتا ہے وہ ان کی

(بقیہ حاشیہ) دوسرے دو آلات محنت کام کرنے والے مویشی اور نقل گاڑیاں ہل اور بیلچہ وغیرہ بالکل بیکار رہیں اگر پہلے کا یعنی محنت کا ایک جز دان میں شامل نہ ہو (ایڈمنڈ برک) قحط سالی سے متعلق چند خیالات اور تفصیلات۔ جو کہ ابتداء آنریبل۔ ڈبلیو۔ پٹ کی خدمت میں نومبر 1795ء میں پیش کیے گئے۔ ایڈیشن لندن 1800ء صفحہ 10)

(۱) 26 نومبر 1862ء کے اخبار ٹائمز کے پرچے میں ایک کارخانہ دار نے جس کی مل میں 8 سو مزدور کام کرتے ہیں اور اوسطاً ایسٹ انڈیز کی 150 روئی کی بوریاں یا امریکی روئی کی 130 بوریاں صرف ہوتی ہیں بڑے مظلومانہ انداز میں اپنی فیکٹری کے ان اخراجات کی شکایت کی ہے جو فیکٹری کے کام نہ کرنے کی صورت میں اسے اٹھانے پڑتے ہیں۔ اس کا اندازہ یہ ہے کہ یہ مصارف 6 ہزار پونڈ (تقریباً 75 ہزار روپے) سالانہ ہوتے ہیں۔ ان مصارف میں چند ایسی مدات بھی شامل ہیں جن پر ہمیں یہاں بحث نہیں کرنی۔ یہ مدات ہیں کرایہ نرخ اور ٹیکس۔ بیمہ۔ منیجر۔ کھاتوں کے نگران۔ انجینئر اور دوسروں کی تنخواہیں۔ پھر اس کارخانہ دار نے بتایا ہے کہ 150 پونڈ (تقریباً دو ہزار روپے) کبھی کبھی مل گرم کرنے یا کبھی کبھی انجنوں کو چلانے پر خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ علاوہ بریں وہ اجرتیں بھی اس میں شامل ہیں جو ان لوگوں کو دینی پڑتی ہیں جو بیکار اوقات میں مشینوں کو چالو حالت میں رکھنے کا کام کرتے ہیں۔ آخر میں اس نے 12 سو پونڈ (کوئی 16 ہزار روپے) مشینری کی فرسودگی کے رکھے ہیں اس لیے کہ "موسم اور فرسودگی کا فطری اصول تو اس لیے کام کرنا نہیں چھوڑ دیتا کہ دخانی انجن نے حرکت کرنی بند کر دی ہے"۔ اس نے پرزور انداز میں کہا ہے کہ میں فرسودگی کو 12 سو پونڈ کی مختصر سی رقم سے زائد خیال نہیں کرتا اس لیے کہ میری مشینیں پہلے ہی سے کافی گھسی پٹی ہیں۔

استعمالی قیمت ہوتی ہے۔ اس قیمت کو خرچ کر کے محنت نئی پیداوار کو وجود میں لاتی ہے۔ یہ ان کی قیمت (ا) کا صرف نہیں ہوتا لہٰذا یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ قیمت دوبارہ پیداوار ہوتی ہے۔ وہ تو محفوظ رہتی ہے اور اس لیے محفوظ نہیں رہتی کہ وہ ایک عمل سے گذرتی ہے بلکہ اس لیے محفوظ رہتی ہے کہ جس چیز میں وہ ابتداء میں ہوتی ہے وہ غائب تو البتہ ہو جاتی ہے مگر وہ غائب ہوتی ہے کسی اور چیز میں لہٰذا پیداوار کی قیمت میں ذرائع پیداوار کی قیمت دوبارہ ظاہر ہوتی ہے لیکن ٹھیک بات کہی جائے تو اس قیمت کا دوبارہ ظہور نہیں ہوتا کہ جو پیدا ہوتی ہے۔ وہ نئی استعمالی قیمت ہوتی ہے جس میں پرانی مبادلاتی قیمت دوبارہ ظاہر ہوتی ہے (۲)۔

(ا) پیداواری استعمال...... جہاں ایک جنس کا استعمال عمل پیداوار کا حصہ ہو...... ان جیسی مثالوں میں قیمت کا استعمال نہیں ہوتا (ایس۔ پی نیومین بحوالہ سابقہ صفحہ 296)

(۲) ایک امریکی کتاب میں جس کے غالباً 20 ایڈیشن چھپ چکے ہیں حسب ذیل جملہ بھی آتا ہے ''اہمیت اس بات کی نہیں ہے کہ سرمایہ کس شکل میں دوبارہ ظاہر ہوتا ہے'' اس کے بعد پیداوار کے ان تمام ممکن اجزاء ترکیبی گنانے کے بعد جو پیداوار میں دوبارہ ظاہر ہوتے ہیں مذکورہ جملہ اس طرح اختتام کو پہنچتا ہے۔ خوراک' لباس اور مکان کی مختلف اقسام جو انسانی زندگی کے بقاء اور آرام کے لیے ضروری ہیں وہ بھی متبدل ہو جاتی ہیں۔ وہ مختلف اوقات میں استعمال ہوتی رہتی ہیں اور ان کی قیمت اس نئی توانائی میں ظاہر ہوتی ہے جو مزدور کے ذہن و جسم کو مذکورہ اشیاء سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ توانائی سرمایہ مزید بن جاتی ہے اور یہ سرمایہ مزید پھر پیداوار کے کام میں لگا دیا جاتا ہے (ایف۔ وے۔ لینڈ۔ بحوالہ سابقہ صفحہ 31 و 32) اس میں جو عجوبہ باتیں کہی گئی ہیں ان سے قطع نظر یہاں صرف اسی قدر کہہ دینا کافی ہے کہ نئی توانائی میں جو چیز دوبارہ ظاہر ہوتی ہے وہ روئی کے دام نہیں ہوتے بلکہ اس کے خون آفرین مواد ہوتے ہیں برعکس اس کے اس توانائی کی قیمت میں جو چیز دوبارہ ظاہر ہوتی ہے وہ وسائل خورد و نوش نہیں ہوتے بلکہ ان کی قیمت ہوتی ہے۔ یہی ضروریات زندگی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

عمل محنت کے موضوعی عامل کی صورت ذرا مختلف ہے جب قوت محنت عمل کی حالت میں ہوتو مزدور کی محنت کے ایسی خاص قسم کی محنت ہونے کی وجہ سے جو ایک خاص مقصد سامنے رکھتی ہے جب وہ (مزدور) پیداوار کو محفوظ رکھتا اور اس میں ذرائع پیداوار کی قیمت منتقل کرتا ہے تو اسی کے ساتھ صرف اس لیے کہ وہ کام کر رہا ہے ہر لمحے مزید یا نئی قیمت بھی پیدا کرتا ہے۔ فرض کیجئے عمل پیداوار ٹھیک اس وقت بند ہو جائے جب عامل اپنی قوت محنت کے برابر پیداوار کر چکا ہو یعنی مثلاً چھ گھنٹے کی محنت سے تین شلنگ کے بقدر قیمت کا اضافہ کر چکا ہو تو مذکورہ نئی قیمت۔ پیداوار کی مجموعی قیمت پر مزید ہوگی۔ یعنی مطلب یہ کہ پیداوار کی اس قیمت کے حصے پر مزید ہوگی جو ذرائع پیداوار وجود میں لائے ہیں۔ اس عمل کے دوران قیمت کا صرف یہی وہ ابتدائی ٹکڑہ ہے جو وجود میں آیا ہے۔ یعنی پیداوار کی قیمت کا وہ واحد حصہ جو اس عمل سے وجود پذیر ہوا ہے۔ البتہ ہمیں یہ بات نہیں بھلانی چاہئے کہ یہ نئی قیمت صرف اس روپے کی جگہ لیتی ہے جو سرمایہ دار نے قوت محنت کی خرید میں صرف کیا ہے اور مزدور نے ضروریات زندگی پر خرچ کیا ہے۔ صرف شدہ روپے کی حد تک یہ نئی قیمت محض پیداوار تو ہے تاہم یہ بھی ایک عملی حقیقت ہے نہ یہ کہ ذرائع پیداوار کی طرح محض ایک ظاہری پیداوار نو ہو یہاں ایک ایک قیمت کی جگہ دوسری قیمت کا آنا نئی قیمت کی تخلیق کے ذریعے ممکن ہوا ہے۔

اب تک جو بحث ہوئی اس سے ہم نے یہ دیکھا کہ عمل محنت اس وقت سے

(بقیہ حاشیہ)۔ آدھی قیمت پر بھی اسی قدر عضلات اور ہڈیاں بنائیں گی۔ اسی قدر توانائی پیدا کریں گی مگر یہ توانائی سابقہ قیمت کی مالک نہ ہوگی "قیمت" اور توانائی کے بارے میں جو یہ ذہنی انتشار پیدا کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ مصنف کا منافقانہ عدم تعین یہ ظاہر کرتا ہے کہ اس نے اس بات کی کوشش کی ہے۔ چاہے وہ ناکام ہی ہو۔ کہ سابق میں موجود قیمتوں سے قدر زائد کے وجود میں آنے کی تشریح کر ڈالے۔

زیادہ مدت تک جاری رہ سکتا ہے جو پیداوار میں قوت محنت کی قیمت کے مساوی حصے کو دوبارہ پیدا کرنے اور پیداوار میں ودیعت کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ آخر الذکر کے لیے جو چھ گھنٹے کی محنت ضروری ہے اس کے بجائے عمل محنت 12 گھنٹے جاری رہ سکتا ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ قوت محنت کا عمل نہ صرف یہ کہ اپنی قیمت پیدا کرتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ قیمت پیدا کرتا ہے۔ یہ قدر زائد (یا زائد قیمت۔ مترجم) وہ فرق ہے جو پیداوار کی قیمت اور ان عناصر کی قیمت کے درمیان ہوتا ہے جو اس پیداوار کے وجود میں لانے کے دوران خرچ ہوتے ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ فرق ذرائع پیداوار اور قوت محنت کی قیمت کے درمیان ہوتا ہے۔

پیداوار کی قیمت کی تشکیل میں عمل محنت کے مختلف عوامل جو متعدد پارٹ ادا کرتے ہیں ان کی تشریح کے ذریعے ہم نے فی الواقع ان مختلف فرائض کے کرداروں کی نقاب کشائی کی جو سرمائے کے مختلف عناصر اپنی قیمت بڑھانے کے عمل کے دوران سرانجام دیتے ہیں۔ پیداوار کی مجموعی قیمت کا وہ حصہ جو اس کے اجزائے ترکیبی کی قیمتوں سے زائد ہوتا ہے۔ دراصل وہ زائد حصہ ہے جو ابتداء میں جو سرمایہ لگایا گیا تھا اس سے زائد پھیل کر پیدا ہوا ہے۔ ایک طرف ذرائع پیداوار اور دوسری طرف قوت محنت۔ تو صرف ابتدائی سرمائے کے زندہ رہنے کے وہ مختلف روپ ہیں جو اس سرمائے نے اختیار کر لیے ہیں کہ وہ۔ زر۔ سے متبدل ہو کر عمل محنت کے مختلف عناصر میں منقلب ہو گیا تو سرمائے کا وہ حصہ جس کی نمائندگی ذرائع پیداوار کرتے ہیں خام مواد۔ امدادی مواد اور آلات محنت وہ عمل پیداوار میں کسی کمی تبدیلی قیمت سے نہیں گزرتے۔ لہٰذا میں انہیں سرمائے کا جاری حصہ کہتا ہوں یا مختصراً جاری سرمایہ کی اصطلاح سے یاد کرتا ہوں۔

دوسری طرف سرمائے کا وہ حصہ جس کی نمائندگی قوت محنت کرتی ہے۔ عمل پیداوار کے دوران تغیر قیمت سے گذرتا ہے۔ وہ اپنی قیمت کے مساوی کو بھی پیدا کرتا ہے اور کچھ زائد کو بھی پیدا کرتا ہے۔ قدر زائد کو پیدا کرتا ہے لیکن خود یہ قدر زائد بھی بدل سکتی

ہے۔ حالات کے مطابق کم یا زائد ہو سکتی ہے۔ سرمائے کا یہ حصہ برابر جاری سے بدل کر متغیر مقدار میں بدلتا رہتا ہے۔ اس لیے میں اسے سرمائے کا متغیر حصہ یا متغیر سرمایہ کہتا ہوں۔ سرمائے کے وہی عناصر جو عمل محنت کے نقطہ نظر سے معروضی اور موضوعی عناصر کی شکل میں علی الترتیب ظاہر ہوتے ہیں' ذرائع پیداوار اور قوت محنت کی حیثیت میں نمایاں ہوتے ہیں۔ قدر زائد کی تخلیق کے عمل کے نقطہ نظر سے جاری اور متغیر سرمائے کی حیثیت میں ظاہر ہوتے ہیں۔

اوپر جاری سرمائے کی جو تعریف کی گئی ہے اس سے سرمائے کے عناصر کی قیمت میں تبدیلی کا امکان کسی طرح ختم نہیں ہوتا۔ فرض کرو ایک دن روئی کا نرخ چھ پنس فی پونڈ ہو اور دوسرے دن روئی کی فصل کے خراب ہو جانے کی وجہ سے ایک شلنگ فی پونڈ ہو جائے تو روئی کا ہر وہ پونڈ جو چھ پنس میں خریدا گیا ہے اور قیمت میں اضافے کے بعد کام میں لایا گیا ہے پیداوار میں ایک شلنگ کی قیمت منتقل کرتا ہے اور قیمت میں اضافے سے پہلے جو روئی کاتی گئی ہے اور غالباً بازار میں سوت کی حیثیت میں گردش کر رہی ہے۔ وہ اپنی ابتدائی قیمت کے بجائے دوگنی قیمت۔ پیداوار میں منتقل کرے گی۔ اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ قیمت میں یہ تبدیلیاں اس اضافے یا قدر زائد سے غیر متعلق ہیں جو روئی کی قیمت میں کتائی کی وجہ سے بڑھتی ہے۔ اگر سابقہ روئی کاتی ہی نہ جائے تو اضافہ قیمت کے بعد وہ ایک شلنگ فی پونڈ پر بکے گی چھ پنس فی پونڈ پر نہ بکے گی۔ مزید برآں روئی جتنے کم عملوں سے گذرتی ہے اسی قدر یقینی مذکورہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے۔ اسی لیے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سٹے بازوں نے یہ اصول بنا لیا ہے کہ جب قیمت میں یہ اچانک تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں تو وہ اس مال پر بولی لگاتے ہیں جس پر محنت کی کم سے کم مقدار صرف ہوئی ہو۔ یعنی مطلب یہ کہ کپڑے کے بجائے سوت پر اور سوت کے بجائے روئی پر بولی لگائیں گے۔ اس معاملے میں جس پر ہم غور کر رہے ہیں قیمت کی تبدیلی۔ اس عمل کے دوران نہیں پیدا نہیں ہوتی جس میں روئی ذریعہ پیداوار کا کردار انجام دیتی اور اس لیے

جاری سرمایہ ہونے کا فرض انجام دیتی ہے بلکہ یہ تبدیلی قیمت کے اس عمل میں پیدا ہوتی ہے جس کے نتیجے میں خود روئی پیدا ہوئی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ایک جنس کی قیمت اس محنت سے پیدا ہوتی ہے جو اس میں ودیعت ہوتی ہے لیکن محنت کی یہ تعداد خود سماجی حالات سے متعین ہوتی ہے۔ اگر کسی جنس کی پیداوار کے لیے جو وقت ضروری ہے وہ بدل جاتا ہے۔ اور ایک بڑی فصل کے بعد روئی کا ایک متعین وزن زیادہ محنت لیتا ہے بمقابلہ اس محنت کے جو ایک اچھی فصل کے بعد کی جائے، تو اس جنس کے طبقے کی جتنی اجناس پہلے سے موجود ہیں ان سب کے نرخ متاثر ہو جائیں گے۔ اس لیے کہ اجناس صرف ایک نوع کے افراد ہیں اور ان کی قیمت کسی بھی مفروضہ وقت میں اس محنت سے ناپی جائے گی جو سماجی طور پر اس کے پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے یعنی اس محنت سے ناپی جائے گی جو اجناس کے پیدا کرنے کے لیے متعلقہ وقت میں جو موجود سماجی حالات میں ان میں ضروری ہوتی ہے۔

اگر خام مواد کی قیمت بدل جائے اور اسی طرح آلات محنت اور اس مشینری وغیرہ کی قیمت بھی بدل جائے جو عمل پیداوار میں کام میں آتی ہے تو اس کے نتیجے میں پیداوار کی قیمت کے اس حصے کی قیمت بھی بدل جائے گی جو ان آلات نے اس میں منتقل کی ہے۔ اگر کسی نئی ایجاد ہونے کی وجہ سے ایک خاص قسم کی مشینری محنت کے کم خرچ سے وجود میں آ جائے تو پرانی مشین کے نرخ تھوڑے بہت کم ہو جائیں گے اور اس کے نتیجے میں وہ اسی قدر کم قیمت پیداوار میں منتقل کرے گی۔ مگر اس صورت میں بھی قیمت میں تبدیلی اس عمل کے باہر ہی پیدا ہوگی جس میں مشین ذریعہ پیداوار کے بطور استعمال میں آ رہی ہے۔ جب ایک بار مشین اس عمل میں لگ جاتی ہے تو وہ اس سے زیادہ قیمت منتقل نہیں کر سکتی جتنی اس عمل کے علاوہ ضروری ہے۔

ٹھیک اسی طرح جیسے ذرائع پیداوار کی قیمت میں تبدیلی ان ذرائع کے عمل محنت میں اشتراک ہونے کے بعد بھی ان کے جاری سرمایہ ہونے کے کردار کو نہیں بدلتی۔

اسی طرح جاری اور متغیر سرمائے کے تناسب میں تبدیلی بھی سرمائے کی ان دونوں قسموں کے متعلقہ فرائض پر اثر انداز نہیں ہوتی عمل محنت کی تکنیکی حالت میں اس حد تک انقلاب برپا کیا جاسکتا ہے کہ جہاں پہلے دس آدمی دس آلات کو جو کم قیمت کے ہوں استعمال کر کے خام مواد کی نسبتاً کم مقدار خرچ کرتے تھے وہاں اب ایک آدمی ایک قیمتی مشین کو چلا کر پہلے کی بہ نسبت سو گنا خام مواد استعمال میں لاسکتا ہے۔ اس آخر الذکر صورت میں جاری سرمائے میں کافی بڑا اضافہ ہوگیا جس کی نمائندگی ان آلات پیداوار کی مجموعی قیمت کرتی ہے جو استعمال میں آئے ہیں۔ اسی کے ساتھ متغیر سرمائے میں جو کہ قوت محنت میں لگایا گیا ہے کمی ہوئی ہے تاہم اس جیسا انقلاب صرف جاری سرمائے اور متغیر سرمائے کے کمی رشتہ کو بدلتا ہے یا یوں کہئے کہ ان نسبتوں کو بدل دیتا ہے جو مجموعی سرمائے کے جاری اور متغیر اجزاء کے درمیان ہوتی ہیں۔ لیکن اس سے ان دونوں کے درمیان جو جوہری فرق ہوتا ہے اس پر کسی قسم کا کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔

باب نہم
قدر زائد کا نرخ
فصل اوّل
قوت محنت کے استحصال کا درجہ و مقدار

پیداوار کے عمل کے دوران ۔ج۔ وہ سرمایہ جو لگایا گیا ہے نے جو قدر زائد پیدا کی ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ سرمایہ۔ج۔ کی قیمت میں جو خود توسیع ہوئی ہے وہ پہلے پہل ہمارے سامنے قدر زائد کی شکل میں یعنی اس رقم کی شکل میں آتی ہے جو سرمائے کے اجزاء ترکیبی کی قیمت سے زائد ہے۔ سرمایہ۔ج۔ دو اجزائے ترکیبی سے بنا ہے پہلے وہ مجموعہ زر۔ک۔ جو ذرائع پیداوار پر صرف کیا گیا اور دوسرا وہ مجموعہ زر۔و۔ ہے جو قوت محنت پر لگایا گیا۔ اس میں ۔ک۔ اس حصے کی نمائندگی کرتا ہے جو جاری سرمایہ بن گیا ہے اور ۔و۔ نمائندہ ہے اس حصے کی جو سرمایہ متغیر ہے لہٰذا پہلے پہل تو ج = ک + و۔ کے بطور مثال اگر پانچ سو روپیہ وہ سرمایہ ہو جو شروع میں لگایا گیا تو اس کے اجزاء ترکیبی اس انداز کے ہوں گے۔ پانچ سو روپے = 410 سرمایہ جاری + 90 سرمایہ متغیر کے۔ جب پیداوار کا عمل تکمیل کو پہنچے گا تو ایک ایسی جنس وجود میں آئے گی جس کی قیمت = (ک + و) + ق۔ اور یاد رہے یہاں ۔ق۔ قدر زائد کی نمائندگی کر رہا

ہے۔ یا اگر ہم سابقہ اعداد میں بات کہیں تو یوں کہیں گے کہ اس جنس کی قیمت (410 روپیہ سرمایۂ جاری +90 روپے سرمایہ متغیر) +90 روپیہ قدر زائد ہوگی۔ اس طرح ابتدائی سرمایہ۔ ج۔ ج (ا) میں بدل گیا۔ یعنی پانچ سو روپے پانچ سو نوے روپے ہوگئے جو فرق ہوا وہ۔ ق۔ یا نوے روپے قدر زائد کا ہے اب چونکہ پیداوار کے اجزاء ترکیبی کی قیمت ابتدائی سرمائے کے برابر ہے تو پھر یہ کہنا کہ اپنے اجزاء ترکیبی سے زیادہ پیداوار کی جو قیمت بڑھی وہ ابتدائی سرمائے کی توسیع یا اس قدر زائد کے برابر ہے جو پیدا ہوئی ہے تکرار لفظی کے علاوہ اور کچھ نہ ہوگا۔

تاہم اس تکرار لفظی کا بھی ہمیں ذرا زیادہ قریب سے جائزہ لینا چاہئے۔ دو چیزیں جن کا توازن کیا جا رہا ہے یہ ہیں۔ پیداوار کی قیمت اور اس کے ان اجزاء ترکیبی کی قیمت جو اس پیداوار کے دوران استعمال میں آئے۔ یہ بات ہم نے دیکھی کہ جاری سرمائے کا وہ حصہ جو آلات محنت پر مشتمل ہے پیداوار کو اپنی قیمت کا صرف ایک جزو منتقل کرتا ہے اور اس کی قیمت کا باقی حصہ انہیں آلات میں جاگزین رہتا ہے۔ چونکہ یہ باقی حصہ قیمت کی تشکیل میں کوئی کردار انجام نہیں دیتا لہٰذا فی الحال ہم اس سے صرف نظر کرتے ہیں کہ اگر حساب میں اس کو بھی شامل کر لیا جائے تو اس سے صورتحال میں کوئی فرق رونما نہ ہوگا۔ آیئے پھر سابقہ مثال ہی کو لیجئے۔ ک=410 روپے۔ فرض کرو 312 روپے خام پیداوار کی قیمت ہے۔ 44 روپے امدادی مواد کی قیمت ہے اور 54 روپے مشین کے اس حصے کی قیمت ہے جو فرسودگی کی نظر ہوا اور یہ بھی فرض کرو کہ جو مشین کام میں لائی گئی اس کی قیمت 1054 روپے ہے۔ تو اس آخر الذکر رقم میں سے 54 روپے ہم نے پیداوار کرنے کے لیے صرف کیے۔ یہ 54 روپے مشین کی فرسودگی کی قیمت

(ا) ج۔ ج' میں یعنی پہلی سادہ جیم اور دوسری اس جیم میں جس پر الٹا کاما لگا ہوا ہے یہ فرق ہے کہ پہلی ابتدائی سرمائے کو اور دوسری سرمایہ مع قدر زائد کو ظاہر کرتی ہے۔ مترجم

ہے۔ مشین نے جس قیمت کو اپنے آپ سے جدا کیا وہ اسی قدر ہے۔ تو اب اگر ہم مشین میں جو قیمت 1000 روپے کے بقدر باقی رہی اسے بھی یہ فرض کریں کہ وہ پیداوار میں منتقل ہوگئی تو ہمیں اس رقم میں جو پیداوار کے وجود میں لانے کے لیے لگائی گئی اس دس سو روپے کو بھی شمار کرنا پڑے گا اور آمد و خرچ دونوں میں اس کا ذکر کرنا ہوگا۔ مطلب اس کا یہ کہ ایک جانب 15 سو روپے کی رقم آئے گی اور اس کے مقابل دوسری جانب 1590 روپے کی رقم مگر اس صورت میں بھی ان دونوں کا فرق یعنی جو قدر زائد آئے گی وہ 90 روپے ہی ہوگی (ا)۔ اس تمام کتاب میں پیدائش قیمت کے لیے جو جاری سرمایہ لگایا جاتا ہے اس سے ہم جو مراد لیتے ہیں تا آنکہ متن میں اس سے مختلف مراد لی جائے۔ وہ ان آلات پیداوار کی قیمت ہوتی ہے جو فی الواقع عمل پیداوار میں استعمال میں آتے ہیں یہ اور صرف یہی قیمت ہوتی ہے جس سے ہم مراد لیتے ہیں۔

اور جب صورت حال یہ ہے تو پھر آیئے ہم سابقہ فارمولے پر بھی غور کریں۔ سابقہ فارمولہ ہے۔ ج = ک + و۔ کے (یاد رہے۔ک۔ جاری قیمت اور۔و۔ متغیر قیمت کی نمائندگی کرتا ہے) یہ فارمولہ جیسا کہ ہم نے دیکھا اب منتقل ہوگیا ہے اس فارمولے میں۔ج= (ک+و)+ق۔ (یاد رہے ق۔قدر زائد کی نمائندگی کرتا ہے۔

اس طرح ۔ج۔ج۔ میں بدل گئی۔ ہم جانتے ہیں کہ جاری سرمائے کی قیمت۔ پیداوار میں منتقل ہو جاتی اور اس میں ظاہر ہوتی ہے لہٰذا اس عمل کے دوران جو نئی قیمت فی الواقع تخلیق کی گئی ہے۔ جو قیمت پیدا ہوئی ہے یا پیدا شدہ قیمت وہ وہی نہیں

(ا) اس لیے کہ اگر مشین کی پوری رقم خرچ کے حساب میں دکھائی جائے گی تو پھر آمد یا نفع کے حساب میں بھی دکھانی ہوگی اس لیے کہ بہر حال پیداوار کے پیدا ہو جانے کے بعد بھی وہ باقی اور محفوظ رہتی ہے لہٰذا اس کا آمد میں بھی ذکر ضروری ہوگا جس کے معنی یہ ہوئے کہ ایک فضول کی تکرار کی گئی۔ مختصراً قدر زائد کی نوعیت پر اس کا کوئی اثر نہ پڑے گا۔ (اردو مترجم)

نہیں ہے جو پیداوار کی قیمت ہے۔ وہ (ک + و) + ق ۔ یا 10 روپے جاری + 90 روپے متغیر + 90 روپے زائد نہیں ہے جیسا کہ پہلی نظر میں معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ و + ق یا 90 روپے متغیر + 90 روپے زائد ہے۔ یعنی 90 روپے نہیں ہے 180 روپے ہے۔ اگر ک = 0 یا دوسرے لفظوں میں صنعت کی ایسی شاخیں بھی موجود ہیں جن میں سرمایہ دار ان تمام آلات پیداوار کو جو سابقہ محنت سے وجود میں آئے ہیں چاہے خام مواد ہو یا امدادی مواد یا آلات محنت استعمال کرنے کے بعد بچا لے اور صرف وہ قوت محنت اور مواد استعمال میں لائے جو فطرت نے مہیا کیا ہے تو اس صورت میں جاری سرمایہ موجود نہ ہوگا جو پیداوار میں منتقل کیا جا سکے۔ پیداوار کی قیمت کا یہ جز و یعنی زیر نظر مثال میں 410 روپے موجود نہ ہوگا تاہم 180 روپے کی رقم یعنی نئی قیمت جو تخلیق ہوئی ہے یا جو قیمت پیدا ہوئی ہے جو 90 روپے زائد پر بھی مشتمل ہے وہ اتنی ہی زیادہ رہے گی جس قدر اس وقت زیادہ ہوتی جب ۔ک۔ حد سے زیادہ بڑھی ہوئی رقم پر مشتمل ہوتا۔ صورت یہی ہوتی کہ ۔ج = (0 + و) = و کے یا ج۔ جو توسیع شدہ سرمایہ ہے = و + ق کے اور اس لیے ج ۔ ج = ق کے جیسی پہلے صورت تھی۔ دوسری طرف اگر ۔ق = 0 یا بالفاظ دیگر اگر قوت محنت جس کی قیمت متغیر سرمائے کی شکل میں لگائی گئی ہے صرف اپنے مساوی مقدار پیدا کرتی تو یہ صورت ہوتی ج = ک + و کے یا ج۔ پیداوار کی قیمت = (ک + و) + 0 یا ۔ج = ج کے اس صورت میں جو سرمایہ آغاز میں لگایا گیا ہے اس نے اپنی قیمت میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔

اب تک جو بحث ہوئی اس سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ قدر زائد۔ خالصا و (یاد رہے یہ متغیر سرمائے کی نمائندگی کرتی ہے۔ مترجم) کی قیمت میں تغیر کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ سرمائے کے اس حصے سے پیدا ہوتی ہے جو قوت محنت میں منتقل ہوتا ہے۔ نتیجہ اس کا یہ کہ ۔ و + ق = و + و۔ یا یوں کہیے کہ و۔ جمع ۔ و کا اضافہ لیکن یہ حقیقت کہ یہ صرف ۔ و۔ ہی ہے جو متغیر ہوتی ہے اور اس کے تغیر کے حالات اس بات کی وجہ سے پردے میں

رہتے ہیں کہ سرمائے کے جز و متغیر میں اضافے کی وجہ سے آغاز میں جو سرمایا لگایا گیا ہے خود اس کی مجموعی مقدار میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ آغاز میں 5 سو روپے تھا جو 590 روپے ہو گیا۔ لہٰذا صحیح نتیجے تک پہنچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم پیداوار کی قیمت کے اس حصے کی جس میں صرف جاری سرمایہ ہی نمایاں ہوتا ہے تجرید کریں اور اس لیے جاری سرمائے کو صفر کے برابر رکھیں یا یوں کہیے کہ۔ ک+ 0 - کے یہ صرف ایک ریاضیاتی اصول کا اطلاق ہے جو ہر اس جگہ استعمال میں آتا ہے جہاں ہم ان جاری اور متغیر مقداروں سے بحث کریں جو ایک دوسرے سے صرف جمع یا تفریق کی علامتوں سے وابستہ ہوں۔

سرمایہ متغیر کی جو ابتدائی شکل ہوتی ہے اس سے بھی مزید دشواری پیدا ہوتی ہے ہماری سابقہ مثال میں ج+ 410 روپے جاری +90 روپے متغیر +10 روپے زائد کے۔ لیکن 90 روپے کی رقم موجود رہتی ہے اور اس لیے جاری مقدار ہے لہٰذا اسے متغیر قرار دینا محض احمقانہ ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ 90 روپے متغیر کی اصطلاح تو یہاں محض ایک علامت ہے جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ رقم ایک عمل سے گذری ہے۔ قوت محنت کی خرید میں سرمائے کا جو حصہ کھپایا گیا ہے وہ مادی وجود اختیار کرنے والی محنت کی ایک متعینہ مقدار ہے۔ ایک اسی طرح کی جاری قیمت جس طرح کی قوت محنت کی خرید کردہ قیمت۔ لیکن عمل پیداوار کے دوران 99 روپے کی جگہ وہ قوت محنت لے لیتی ہے جو حالت فعل میں ہو گویا مردہ محنت کی جگہ زندہ محنت لے لیتی ہے۔ ایک جامد شئے کی جگہ متحرک اور جاری کی جگہ متغیر چیز آ جاتی ہے۔ نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ۔ و۔ جمع اضافہ۔ و۔ وجود میں آ جاتی ہے۔ تو سرمایہ داری پیداوار کے نقطہ نظر سے یہ تمام عمل ابتدائی طور پر جاری قیمت کے خود بخود درونما ہونے والے تغیر سے عبارت ہے جو کہ قوت محنت میں بدل گیا ہے۔ یہ عمل اور اس کا نتیجہ دونوں اسی قیمت کی بنا پر وجود میں آتے معلوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر یہ فقرہ ''نوے روپے متغیر سرمایہ'' یا ''اس قدر توسیع پذیر قیمت'' متضاد سے

فقرے معلوم ہوتے ہیں۔ تو اس کا سبب صرف یہ ہے کہ وہ ایک ایسے تضاد کو سطح پر لے آتے ہیں جو سرمایہ داری پیداوار میں ودیعت ہوتا ہے۔

پہلی نظر میں یہ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے کہ جاری سرمائے کو صفر کے برابر قرار دیا جائے۔ لیکن یہی چیز ہے جو ہم روزانہ کرتے ہیں اگر بطور مثال ہم یہ چاہیں کہ روئی کی صنعت سے انگلستان کو جو فائدہ ہوتا ہے اس کا شمار کریں۔ تو پہلے پہل جو بات ہم کرتے ہیں وہ یہ ہوتی ہے کہ ریاستہائے متحدہ مصر، ہندوستان اور دوسرے ملکوں کو روئی کے سلسلے میں انگلستان جو کچھ رقم دیتا ہے اس کی تفریق کر لیتے ہیں۔ بالفاظ دیگر اس سرمائے کی قیمت جو صرف پیداوار کی قیمت میں ظاہر ہوتا ہے برابر کر دی گئی ہے۔ صفر کے۔

اس میں شبہ نہیں کہ قدر زائد کی نہ صرف اس سرمائے سے نسبت جس سرمائے سے وہ فوری طور پر پیدا ہوتا ہے اور جس کی قیمت میں تبدیلی کی نمائندگی کرتا ہے بلکہ سرمائے کی اس مجموعی رقم سے نسبت بھی جو شروع میں لگایا گیا تھا معاشی طور پر بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ چنانچہ تیسری کتاب میں ہم اس نسبت پر تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالیں گے۔ سرمائے کے ایک حصے کو قوت محنت میں بدل کر اپنی قیمت میں توسیع کرنے کے قابل بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ سرمائے کا ایک اور حصہ آلات پیداوار میں متبدل کیا جائے۔ متغیر سرمائے کو اپنے فرائض کے انجام دینے کے قابل بنانے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جاری سرمائے کو مناسب مقدار میں لگایا جائے اس مناسب مقدار کا تعین ان مخصوص تکنیکی حالات سے ہوتا ہے جن میں عمل محنت انجام دیا جاتا ہے۔ لیکن یہ صورت حال کہ قرنبیق اور دوسرے ظروف کیمیائی عمل کے لیے ضروری ہیں۔ کیمسٹ کو اس بات کے لیے مجبور نہیں کرتی کہ وہ اپنے تحلیل و تجزیے میں ان ظروف کو بھی خیال میں رکھے۔ اگر ہم آلات پیداوار پر نظر ڈالیں۔ تخلیق قیمت میں ان کے رشتے کو اور قیمت کی مقدار

ظاہر ہوں گے جس میں قوت محنت۔ خالق قیمت۔ اپنے آپ کو مجسم کر لیتی ہے۔ فطرت اور اس مواد کی قیمت بجائے خود کسی اہمیت کی حامل نہیں ہوتی۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اس محنت کو جو عمل محنت میں لگتی ہے جذب کرنے کے لیے کافی رسد موجود ہو۔ اگر یہ رسد موجود ہے تو مواد قیمت میں بڑھے یا گھٹے یا زمین اور سمندر کی طرح وہ کوئی ذاتی قیمت ہی نہ رکھتا ہو لیکن اس کا نہ تو تخلیق قیمت پر کوئی اثر پڑے گا نہ قیمت کی مقدار میں تغیر پر کوئی اثر مترتب ہوگا(۱)۔

تو سب سے پہلے تو ہم جاری سرمائے کو صفر کے برابر قرار دیتے ہیں۔ لہٰذا جو سرمایہ لگایا جاتا ہے وہ ک+ و سے گر کر صرف۔ و۔ رہ جاتا ہے اور پیداوار کی قیمت یعنی (ک+و) +ق۔ کے بجائے اب جو قیمت سامنے آتی ہے وہ (و+ق) ہوتی ہے۔ اب جو نئی قیمت پیدا ہوئی ہے وہ =180 روپے کے اور اس لیے یہ رقم اس تمام محنت کی نمائندگی کرتی ہے جو عمل کے دوران صرف ہوئی ہے۔ پھر اس میں سے 90 روپے جو کہ متغیر سرمایہ کی قیمت ہے نکال لی جائے تو 90 روپے باقی رہتے ہیں جو کہ قدر زائد کی رقم ہے 90 روپے کی رقم یا۔ ق۔ پیدا شدہ۔ قدر زائد کی قطعی مقدار کو بتاتی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ وہ اضافی مقدار جو پیدا ہوئی یا متغیر سرمائے میں فی صد اضافہ قدر زائد کی متغیر سرمائے سے جو نسبت ہے اس سے متعین ہوتی ہے۔ یا یوں کہیے کہ و/ق سے ظاہر ہوتی ہے۔ زیر نظر مثال میں یہ نسبت 90/90 ہے جو سو فی صد اضافے کو بتاتی ہے۔ سرمایہ متغیر میں یہ نسبتی اضافہ یا قدر زائد کی نسبتی مقدار کو میں ''قدر زائد کے نرخ'' سے تعبیر کرتا ہوں(۲)۔

---

(۱) لیوکریشیس نے ایک ایسی بات کہی ہے جو بدیہی ہے کہ عدم سے کوئی چیز وجود میں نہیں آ ئی۔ قیمت کی تخلیق قوت محنت کے محنت میں منتقل ہونے کو کہتے ہیں اور خود قوت محنت نام ہے توانائی کا جو غذا کے ذریعے انسانی جسم میں منتقل ہوتی ہے۔

ہم نے یہ دیکھا کہ مزدور۔ عمل محنت کے ایک حصے کے دوران صرف اپنی قوت محنت کی قیمت پیدا کرتا ہے یعنی اپنے ذرائع خورد ونوش کی قیمت پیدا کرتا ہے اب چونکہ اس کا کام ایک اس نظام کا جزو ہوتا ہے جو کہ محنت کی سماجی تقسیم پر مبنی ہے اس لیے براہ راست وہ واقعی ضروریات زندگی جنہیں وہ خود استعمال کرتا ہے پیدا نہیں کرتا۔ بجائے اس کے وہ کوئی خاص جنس بطور مثال دھاگا بناتا ہے جس کی قیمت ان ضروریات زندگی یا اس زر کے برابر ہوتی ہے جس سے اشیاء ضروریہ کی خریداری کی جاتی ہے۔

اس کے ایک دن کی محنت کا وہ حصہ جو اس مقصد کے لیے مخصوص ہے اسی سے گھٹتا بڑھتا ہے جس نسبت سے ان ضروریات زندگی کی قیمت جن کی اسے روزانہ ضرورت پڑتی ہے گھٹتی بڑھتی ہے یا اس بات کو یوں کہہ لیجئے کہ اس نسبت سے جس نسبت سے اس کا وقت محنت جو ان اشیاء کے پیدا کرنے پر اوسطاً صرف ہوتا ہے گھٹتا بڑھتا ہے۔ اگر ان ضروریات کی قیمت اوسطاً 6 گھنٹے کی محنت کی نمائندگی کرتی ہے تو مزدور کو مذکورہ قیمت پیدا کرنے کے لیے اوسطاً 6 گھنٹے کام کرنا چاہیے۔ اگر سرمایہ دار کے لیے کام کرنے کے بجائے مزدور خود اپنے لیے کام کرے تو بھی وہ اتنے ہی گھنٹے کام کرنے کے لیے مجبور ہوگا بشرطیکہ دوسرے تمام عناصر یکساں رہیں تا کہ اپنی قوت محنت کی قیمت پیدا کرے کہ اس کے ذریعے وہ اشیاء خورد ونوش حاصل کرے جو اس کی بقاء اور مسلسل تولید کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ لیکن ہم نے یہ بات بھی دیکھی کہ اپنی دن بھر کی محنت کے اس حصے کے دوران جس میں وہ اپنی قوت محنت کی قیمت پیدا کرتا ہے یوں کہیے کہ تین شلنگ تو وہ صرف اپنی قوت محنت کی ایک قیمت کے برابر پیدا کرتا ہے جو سرمایہ دار پہلے ہی لگا

(بقیہ حاشیہ) اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔ ہم تیسری کتاب میں یہ دیکھیں گے کہ نفع کا نرخ۔ کوئی راز باقی نہ رہے گا جونہی ہم قدر زائد کے قوانین سے واقف ہو جائیں گے۔ اگر ہم صورت حال کو منعکس کر کے دیکھیں تو پھر ہم نفع کے نرخ سے واقف ہو کر ... قدر زائد کے قوانین سے

چکا ہے۔ اب جو نئی قیمت پیدا ہوتی ہے وہ متغیر سرمائے کی جگہ لے لیتی ہے جو لگایا جا چکا ہے۔ اسی حقیقت کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ تین شلنگ کے بقدر نئی قیمت کی تخلیق محض پیداوار نو کی شبیہ بن جاتی ہے۔ کام اور محنت کا وہ حصہ جن میں یہ پیداوار نو وجود میں آتی ہے اسے میں ضروری وقت محنت سے تعبیر کرتا ہوں (ا) اور اس وقت کے دوران جو محنت لگائی جاتی ہے اسے میں ''ضروری'' محنت سے تعبیر کرتا ہوں۔ ضروری مزدور کے اعتبار سے اس لیے کہ وہ محنت کی مخصوص سماجی شکل سے علیحدہ اپنا مقام رکھتی ہے اور ضروری سرمائے اور سرمایہ داروں کی دنیا کے اعتبار سے اس لیے کہ مزدور کے مسلسل زندہ رہنے پر خود سرمایہ داروں کی زندگی کا انحصار ہے۔

عمل محنت کے دوسرے وقفے میں جس میں مزدور کی محنت ضروری محنت کے طور پر نہیں رہتی۔ یہ صحیح ہے کہ مزدور اپنی قوت محنت صرف کرتا ہے۔ محنت کرتا ہے مگر اس کی محنت پھر ضروری محنت نہیں رہتی اس لیے کہ وہ اپنے لیے کوئی قیمت پیدا نہیں کرتا۔ وہ قدر زائد پیدا کرتا ہے اور یہ قدر زائد سرمایہ دار کے لیے عدم سے تخلیق پانے والی شے میں جو دلچسپی ہوتی ہے وہ پوری دلچسپی رکھتی ہے۔ یوم محنت کا یہ حصہ وہ ہے جسے میں زائد وقت محنت کا نام دیتا ہوں اور اس مدت میں جو محنت لگائی جاتی ہے اسے میں زائد محنت کا نام دیتا ہوں۔ قدر زائد سے صحیح واقفیت حاصل کرنے کے لیے یہ بات بڑی ضروری

(ا) اس کتاب میں اب تک ہم نے ''ضروری وقت محنت'' کی اصطلاح اس وقت کو بتانے کے لیے استعمال کی جو متعین سماجی حالات میں جنس کے پیدا کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے اب آئندہ ہم اس اصطلاح کو اس وقت کے لیے بھی استعمال کریں گے جو مخصوص جنس قوت محنت پیدا کرنے کے لیے صرف کرنا ضروری ہے۔ ایک ہی اصطلاح کا مختلف مفاہیم میں استعمال کرنا باعث زحمت ہوتا ہے۔ لیکن دنیا کا کوئی علم ایسا نہیں جس میں اس سے بالکل بچا جا سکے۔ بطور مثال ریاضیات

ہے کہ اسے محض زائد وقت محنت کا انجماد قرار دیا جائے۔ اسے تجسم پذیر زائد محنت کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھا جائے۔ اسی طرح قیمت سے صحیح واقفیت حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسے متعلقہ ساعات محنت کا انجماد تجسم پذیر محنت کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھا جائے۔ سماج کی مختلف اشکال کے درمیان بطور مثال ایک ایسی سماج کے درمیان جو غلاموں کی محنت پر قائم ہو یا جو اجرتی مزدوروں کی محنت پر کھڑی ہو جو ہری فرق ہوتا ہے وہ صرف اس طریقے کا فرق ہے جو حقیقی پیدا کنندہ یعنی مزدور کی اس زائد محنت کے کام میں لانے کے انداز میں ہوا کرتا ہے(۱)۔

اب چونکہ ایک طرف تو صورت یہ ہے کہ متغیر سرمائے کی قیمتیں اور اس سرمائے سے جو قوت محنت خرید کی جاتی ہے وہ مساوی ہوتی ہیں اور اس قوت محنت کی قیمت یوم محنت کے ضروری حصے کو متعین کرتی ہے اور پھر چونکہ دوسری طرف قدر زائد یوم محنت کے زائد حصے سے متعین ہوتی ہے تو اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قدر زائد متغیر سرمائے سے وہی نسبت رکھتی ہے جو زائد محنت ضرری محنت سے رکھتی ہے یا بالفاظ دیگر

---

(۱) ہر ولیم تھیوسی ڈائیڈلیس روشر نے ایک بڑا عجیب انکشاف کیا ہے۔ انہوں نے یہ اہم دریافت کی ہے کہ اگر ایک طرف قدر زائد یا زائد پیداوار کی تشکیل اور اس کے نتیجے میں سرمائے کا اجتماع۔ اس وقت سرمایہ دار کی کفایت شعاری کی وجہ سے ممکن ہو رہا ہے تو ادھر تہذیب کے بالکل نچلے ماحول پر عموماً طاقتور کمزور کو مجبور کر دیتا ہے کہ وہ خرچ کم کرے (بحوالہ سابقہ) خرچ کہاں کم کرے؟ محنت؟ یا زائد دولت میں جو موجود نہیں ہے؟ آخر وہ کیا چیز ہے جو روشر جیسے لوگوں کو قدر زائد کی اس انداز میں تشریح کرنے پر اکساتی ہے کہ وہ سرمایہ داروں کے ان اعتراضات کو نت نئے انداز میں بیان کریں جو وہ قدر زائد حاصل کرنے کے جواز میں پیش کرتے ہیں۔ سبب اس کا ان حضرات کی مکمل جہالت کے علاوہ قیمت اور قدر زائد کے سائنسی تجزیہ کرنے سے ان کا خوف ہے اور ان نتائج تک پہنچنے سے ان کا ڈر ہے جو ممکن ہے کہ طاقتور طبقوں کے لیے خوشگوار ثابت نہ ہوں۔

قدر زائد کا نرخ ق/او = زائد محنت/ضروری محنت کے۔ دونوں نسبتیں ق/او اور زائد محنت/ضروری محنت مختلف طریقوں سے ایک ہی بات پر دلالت کرتی ہیں۔ پہلی صورت میں مجسم شدہ ودیعت شدہ محنت کے حوالے سے اور دوسری صورت میں زندہ اور متحرک محنت کے حوالے سے۔

لہٰذا قدر زائد کا نرخ استحصال کے اس ذریعے کی صحیح وضاحت کرتا ہے جو سرمایہ دار قوت محنت کا کیا کرتا ہے یا یوں کہیے کہ جو استحصال سرمایہ دار مزدور کا کیا کرتے ہیں(۱)۔

ہم نے اپنی مثال میں یہ فرض کیا تھا کہ پیداوار کی قیمت = 410 روپے (۲) + 90 روپے متغیر + 90 روپے زائد۔ اور یہ کہ جو سرمایہ لگایا گیا تھا وہ = 500 روپے کے۔ چونکہ قدر زائد = 90 روپے کے اور جو سرمایہ لگایا گیا تھا وہ = 500 روپے کے تو مروجہ طریقہ حساب کی رُو سے قدر زائد کا جو نرخ حاصل ہوتا ہے (جسے عام طور پر منافع کے نرخ سے خلط ملط کر دیا جاتا ہے) 18 فیصد ہوتا ہے۔ لیکن یہ نرخ اس قدر گرا ہوا ہے کہ یہ مسٹر کیری اور دوسرے ان جیسے مفاہمت کیشوں کے لیے ایک خوشگوار تحیر ثابت ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قدر زائد کا نرخ ق/اج یا ق/ک + و کے برابر نہیں ہے بلکہ

---

(۱) ہر چند قدر زائد کا نرخ استحصال کے اس درجے کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی کرتا ہے جو سرمایہ قوت محنت کا کرتا ہے تاہم اس کا یہ مطلب بالکل نہیں ہے کہ وہ استحصال کی قطعی مقدار کی وضاحت کرتا ہے۔ بطور مثال اگر ضروری محنت = 5 گھنٹے کے اور زائد محنت ہو = 5 گھنٹے کے تو استحصال سو فیصد کے درجے تک پہنچے گا۔ یہاں استحصال کی تعداد 5 گھنٹے سے ناپی گئی ہے۔ اب اگر دوسری طرف ضروری محنت = 6 گھنٹے کے اور زائد محنت بھی = 6 گھنٹے کے تو بھی استحصال کا درجہ سو فیصد ہوگا جب کہ استحصال کی واقعی مقدار صرف بیس فیصد بڑھی ہے یعنی 5 گھنٹے کی جگہ 6 گھنٹے ہو گئی ہے۔

ق/و کے برابر ہے۔ اس طرح قدر زائد 90/500 نہیں بلکہ 90/90 ہے یا سو فیصد ہے جو کہ استحصال کے ظاہری درجے سے 5 گنا زیادہ ہے۔ ہرچند ہم نے جس مثال کو اپنے پیش نظر رکھا ہے اس میں یوم کار واقعی کس قدر ہے اس کا ہمیں کوئی علم نہیں۔ اسی طرح عمل محنت دنوں یا ہفتوں کی کتنی مدت پر حاوی ہے اس سے بھی ہم ناواقف ہیں۔ نہ ہمیں ان مزدوروں کی تعداد ہی کا علم ہے جو کام پر لگائے گئے ہیں۔ تاہم قدر زائد کا نرخ ق/و اپنے جیسے ذریعہ اظہار یعنی زائد محنت/ضروری محنت۔ کے تو سط سے ٹھیک ٹھیک طرح اس رشتے کو بتاتا ہے جو یوم کار کے دونوں حصوں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ یہاں یہ رشتہ مساوات کا ہے۔ یعنی نرخ سو فیصد ہے للہذا یہ بات واضح ہے کہ ہماری اس مثال میں مزدور دن کا نصف حصہ تو اپنے لیے اور باقی نصف حصہ سرمایہ دار کے لیے کام کرتا ہے۔

یوں قدر زائد کا نرخ ناپنے کا طریقہ مختصراً یہ ہے پہلے پیداوار کی قیمت لے لی اور جاری سرمائے کی قیمت جو صرف اس میں دوبارہ نمایاں ہوتی ہے صفر کے برابر قرار دی۔ اب جو کچھ باقی رہا وہ صرف وہ قیمت ہے جو جنس پیدا کرنے کے عمل کے دوران فی الواقع تخلیق کی گئی ہے۔ اگر قدر زائد کی مقدار معلوم ہو تو پھر اسے اس باقی سے تفریق کرنے کا کام باقی رہ جاتا ہے تاکہ سرمایہ متغیر کا پتہ چلایا جا سکے اور اگر آخر الذکر چیز معلوم ہو اور ہم قدر زائد معلوم کرنا چاہتے ہوں تو اس کے برعکس عمل کرنا پڑے گا۔ جب کہ اگر اوّل الذکر اور آخر الذکر دونوں ہی معلوم ہوں تو پھر آخری مرحلے کا عمل کرنا ہوگا یعنی ق/و کو شمار کرنا ہوگا وہ نسبت دیکھنی ہوگی جو قدر زائد اور متغیر سرمائے کے درمیان پائی جاتی ہے۔

گو یہ طریقہ تو بڑا سیدھا سادھا ہے تاہم نامناسب نہ ہوگا اگر چند مثالیں دے کر قاری کو اس کے پس منظری اصول سمجھنے اور ان کے اطلاق کرنے میں مدد دی جائے۔

سب سے پہلے کتائی کے ایک کارخانے کی مثال لیجیے جس میں دس ہزار تکلے

چل رہے ہوں اور امریکی روئی سے 32 نمبر کا دھاگا ایک پونڈ (تقریباً آدھا سیر) دھاگا فی ہفتہ فی تکلا تیار کر رہے ہوں۔ فرض کیجئے چھانٹن اور کترن چھ فیصد جاتی ہے۔ تو ان حالات میں جو دس ہزار چھ سو پونڈ روئی ہر ہفتے استعمال میں آئے گی۔ اس میں سے چھ سو پونڈ چھانٹن اور کترن میں ضائع ہو جائے گی۔ اپریل 1971 میں روئی کا نرخ 7-3/4 پنس فی پونڈ تھا۔ تو یوں کہہ لیجئے کہ خام مال پر 342 پونڈ صرف ہوتا تھا۔ (پونڈ کوئی سوا تیرہ روپے کے برابر ہوتا ہے اردو مترجم) یہ دس ہزار تکلے جن میں ابتدائی کام کرنے والی مشینری بھی شامل ہے اور وہ توانائی جو مشینوں کو چلاتی ہے۔ فرض کیجئے فی تکلا ایک پونڈ پڑتی ہے تو یہ کل رقم دس ہزار پونڈ ہو جائے گی۔ ٹوٹ پھوٹ دس فیصد رکھ لیجئے۔ گویا ایک ہزار پونڈ سالانہ جو = بیس پونڈ ہفتے کے۔ مکان کا کرایہ ہم تین سو پونڈ سالانہ یا 6 پونڈ ہفتہ رکھتے ہیں۔ رہا کوئلہ جو صرف ہوا (ہر سو ہارس پاور پر چار پونڈ کوئلہ فی ہارس پاور فی گھنٹہ 60 گھنٹوں کے دوران اس میں وہ قوت بھی شامل ہے جو مل کے گرم کرنے میں استعمال میں آتی ہے) 11 ٹن فی ہفتہ 8 ڈالر 6 پنس فی ٹن کے حساب سے صرف ہو تو 4-1/2 پونڈ کی قیمت کا فی ہفتہ صرف ہوگا۔ گیس ایک پونڈ فی ہفتہ اور تیل وغیرہ 4-1/2 پونڈ فی ہفتہ صرف آئے گا۔ مذکورہ امدادی مواد کی کل قیمت دس پونڈ فی ہفتہ ہوگی۔ لہٰذا ہر ہفتے کی پیداوار کی قیمت کا جاری حصہ 378 پونڈ کی قیمت کا ہوگا۔ اجرتیں 52 پونڈ فی ہفتہ ہوں گی۔ دھاگے کا نرخ ہے 12-1/4 پنس فی پونڈ جس سے دس ہزار پونڈ وزنی مال کی قیمت 510 پونڈ ہوگی۔ لہٰذا اس مثال میں قدر زائد 430-510 یعنی اسی پونڈ کے برابر ہوگی۔ اب ہم پیداوار کی قیمت کے جاری سرمائے کے حصے کو صفر کے برابر رکھتے ہیں جیسے کہ وہ تخلیق قیمت میں کوئی کردار ہی انجام نہ دے رہا ہو۔ تو 132 پونڈ بچے جو ہفتہ وار پیدا ہونے والی قیمت ہے۔ جو کہ برابر ہے 52 پونڈ متغیر۔ جمع۔ اسی پونڈ زائد کے تو قدر زائد کا نرخ 80/52 = 153/13 فیصد ہوا۔ ایک یوم کار میں جس میں اوسط

2/32-6(1) کے۔

ایک اور مثال لیجئے۔ جیکب نے 1815ء سے متعلق حسب ذیل حسابات دیئے ہیں۔ ہر چند مدات میں ردو بدل ہو جانے کی وجہ سے یہ حسابات بالکل نامکمل ہیں تاہم ہمارے مقاصد کے لیے کفایت کرتے ہیں۔ ان حسابات میں جیکب نے یہ فرض کرلیا ہے کہ گیہوں کا نرخ 8 شلنگ فی کوارٹر (ایک کوارٹر 8 بشل کا ہوتا ہے) اور فی ایکڑ گیہوں کی پیداوار 62 بشل ہے۔

(۱) مذکور اعداد و شمار جن پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے مانچسٹر کے ایک کتائی کے کارخانے کے مالک نے دیئے ہیں۔ انگلستان میں اب سے پہلے ایک انجن کی ہارس پاور اس انجن کے سلنڈر کے قطر سے گنی جاتی تھی لیکن اب جو انڈیکیٹر حقیقی ہارس پاور بتاتا ہے اس سے حساب لگایا جاتا ہے۔

فی ایکڑ پیداشدہ قیمت

شلنگ	محصول (عشر) شلنگ
تخم 0-9-1 پونڈ	ریٹ اور ٹیکس 0-1-1 پونڈ
کھاد 0-10-6 پونڈ	کرایہ 0-8-1 پونڈ
اجرتیں 0-10-3 پونڈ	کاشتکار کا نفع اور سود 0-2-1 پونڈ
مجموعہ 0-9-7 پونڈ	مجموعہ 0-11-3 پونڈ

اب اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ پیداوار کا نرخ وہی ہے جو اس کی قیمت ہے تو ہم یہ دیکھیں گے کہ قدر زائد نفع سود اور کرائے کے مختلف عنوانات کے اندر بٹی ہوئی ہے۔ ان کی تفصیلات کیا ہیں اس سے ہمیں بحث نہیں۔ ہم تو صرف ان کو ایک جگہ جمع کر لیتے ہیں اور مجموعہ تین پونڈ گیارہ شلنگ قدر زائد آتا ہے تین پونڈ 19 شلنگ جو تخم اور کھاد پر صرف کیے گئے جاری سرمایہ ہیں جسے ہم صفر کے برابر رکھتے ہیں۔ اب تین پونڈ دس شلنگ کی رقم باقی رہی جو وہ سرمایہ متغیر ہے جو لگایا گیا ہے اور ہم یہ دیکھتے ہیں کہ تین پونڈ دس شلنگ + تین پونڈ 11 شلنگ کی نئی قیمت اس کی جگہ پیدا ہوگئی ہے۔ لہٰذا ق/ د = تین پونڈ 11 شلنگ / تین پونڈ 10 شلنگ کے جس سے قدر زائد کا جو ریٹ آتا ہے وہ سو فیصد سے زیادہ ہوتا ہے۔ مزدور۔ قدر زائد پیدا کرنے میں اپنے یوم کار کا آدھے سے زیادہ وقت لگا دیتا ہے جسے مختلف افراد مختلف اعتذارات سے اپنے درمیان بانٹ لیتے ہیں (۱)۔

---

(۱) متن میں جو اعداد و شمار دیے گئے ہیں وہ محض توضیح کے لیے ہیں۔ فی الواقع ہم نے فرض کر لیا ہے کہ نرخ برابر ہیں قیمتوں کے۔ لیکن تیسری جلد میں ہم یہ دیکھیں گے کہ اوسط نرخوں کے معاملے میں بھی اتنے آسان طریقے سے مفروضات قائم نہیں کیے جا سکتے۔

فصل دوئم

پیداوار کی قیمت کے اجزاء کی خود پیداوار کے مماثل متناسب حصوں کے ذریعے نمائندگی

آیئے اب ہم پھر اس مثال کو لیں جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ سرمایہ دار زر کو سرمائے میں کیوں کر تبدیل کرتا ہے۔ ایک یوم کار جو 12 گھنٹے کا ہو اس کی پیداوار 20 پونڈ وزنی سوت ہوتی ہے جس کی قیمت تیس شلنگ ہے۔ اس قیمت کا 10/8 واں حصہ یا 24 شلنگ صرف اس میں آلات پیداوار کی قیمت کے نمود ثانی کی وجہ سے ہوتا ہے۔ (بیس پونڈ روئی۔ قیمت بیس شلنگ۔ تکلے کا گھسنا۔ 4 شلنگ) لہٰذا یہ جاری سرمایہ رہا باقی 2/10 واں حصہ یعنی 6 شلنگ سو وہ نئی قیمت ہے جو کتائی کے دوران پیدا ہوئی ہے۔ اس میں سے آدھی۔ دن کی قوت محنت یا متغیر سرمائے کو بحال کرتی ہے اور باقی آدھی قدر زائد بنتی ہے جو تین شلنگ کے بقدر ہے۔ اس طرح بیس پونڈ دھاگے کی مجموعی قیمت حسب ذیل انداز میں بنتی ہے۔

تیس شلنگ دھاگے کی قیمت = 24 جاری + تین شلنگ متغیر + تین شلنگ زائد کے۔

چونکہ ساری کی ساری قیمت بیس پونڈ پیدا شدہ دھاگے میں جمع ہے تو نتیجہ اس کا یہ ہے کہ اس قیمت کے متعدد اجزاءِ ترکیبی کو پیداوار کے مماثل حصوں میں علی الترتیب جمع ہونے کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

اگر تیس شلنگ کی قیمت بیس پونڈ دھاگے میں جمع ہے تو اس قیمت کا 8/10 واں یا 24 شلنگ جو اس کا جاری حصہ ہوتا ہے وہ پیداوار کے 8/10 واں حصے یا 16 پونڈ وزنی دھاگے میں جمع ہوتا ہے اور اس 16 پونڈ دھاگے میں سے 13-3/1 پونڈ دھاگہ خام مواد کی نمائندگی کرتا ہے یعنی 20 شلنگ کی قیمت کی کتی ہوئی روئی کو بتاتا ہے اور 2-3/2 پونڈ تکلے وغیرہ کی 4 شلنگ قیمت کے بقدر گھسائی کی نمائندگی کرتا ہے۔

اس طرح وہ تمام روئی جو بیس پونڈ دھاگہ کاتنے میں استعمال ہوئی اس کی نمائندگی 13-3/1 پونڈ وزنی دھاگہ کرتا ہے اور اس آخرالذکر وزنی دھاگے میں یہ صحیح ہے کہ وزن کے اعتبار سے 13-3/1 پونڈ سے زیادہ وزن کی روئی جو 13-3/1 شلنگ قیمت کی تھی شامل نہ تھی۔ لیکن اس میں جو 6-3/2 شلنگ کی مزید قیمت شامل ہے وہ برابر ہے اس روئی کے جو 6-3/2 پونڈ دھاگے کی کتائی میں لگی ہے۔ مگر اس طرح صورت حال وہی رہی جو اس وقت ہوتی جب یہ 6-3/2 دھاگہ کسی روئی پر مشتمل نہ ہوتا اور ساری کی ساری بیس پونڈ روئی 13-3/1 پونڈ دھاگے میں جمع ہوتی یہ آخری وزن دوسری طرف یہ صورت بھی ہے کہ نہ تو امدادی مواد اور آلات پر مشتمل ہے اور نہ اس نئی قیمت پر جو اس عمل کے دوران پیدا ہوئی ہے۔

اس طرح 3-3/2 دھاگہ جس میں بقیہ چار شلنگ جاری سرمایہ مجسم ہے سوائے امدادی مواد اور ان آلات محنت کی قیمت کے جو بیس پونڈ دھاگہ بنانے میں صرف ہوئی ہے اور کسی چیز پر مشتمل نہیں ہے۔

تو ہم جس نتیجے پر پہنچے وہ یہ ہے کہ اگرچہ پیداوار کا دس میں سے آٹھواں حصہ یا 16 پونڈ وزنی دھاگہ اپنے اس کردار کی حیثیت میں کہ وہ قابل استعمال چیز ہے اسی طرح کاتنے والی محنت کا نتیجہ ہے جس طرح اس پیداوار کے باقی حصے تاہم جب اس زاویے سے دیکھا جائے تو وہ نہ تو مشتمل ہی ہے اور نہ اس میں کوئی وہ محنت ہی جذب ہوئی ہے جو کتائی کے عمل کے دوران صرف ہوئی ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے روئی نے خود کو کسی کی امداد بغیر دھاگے میں بدل لیا ہو جیسے گویا اس کی ہیئت جو اس نے اختیار کر لی ہے ایک محض سراب اور دھوکا ہو اس لیے کہ جونہی سرمایہ دار اسے 24 شلنگ میں بیچتا ہے اور اپنے اس روپے سے ذرائع پیداوار کو بدل لیتا ہے تو یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ 16 پونڈ دھاگہ اس سے زیادہ کچھ اور نہیں تھا کہ وہ روئی اور ضائع شدہ تکلے کی ایک چھپی ہوئی شکل تھی۔

دوسری طرف پیداوار کا 2/10 واں حصہ یا 4 پونڈ دھاگہ سوائے اس نئی 6 شلنگ قیمت کے اور کسی چیز کی نمائندگی نہیں کرتا جو کہ کتائی کے 12 گھنٹے کے عمل کے دوران پیدا ہوئی ہے۔ ان چار شلنگ میں جو قیمت استعمال شدہ خام مواد اور آلات محنت سے منتقل ہوئی ہے۔ یوں کہیے کہ وہ درمیان میں رُک گئی تاکہ ان 6 پونڈ میں جو سب سے پہلے کاتے گئے ودیعت ہو سکے۔ اس صورت میں بات کچھ ایسی ہے جیسے کاتنے والے نے 4 پونڈ دھاگہ ہوا سے کاتا ہو یا جیسے اس نے اس رُوئی اور تکلوں کی مدد سے اسے کاتا ہو جو فطرت کا عطیہ ہوں اور اسے اس نے پیداوار کو کسی قسم کی قیمت منتقل نہ کی ہو۔

اس چار پونڈ وزنی دھاگے میں سے جس میں عمل محنت کے دوران کی تمام نوتخلیق قیمت جمع ہے۔ نصف استعمال شدہ محنت کی نمائندگی کرتی ہے یا تین شلنگ متغیر سرمائے کی نمائندگی کرتی ہے اور باقی آدھی تین شلنگ قدر زائد کی نمائندہ ہے۔

اب چونکہ کتائی کرنے والے کے 12 گھنٹے کی محنت 6 شلنگ میں موجود ہے تو نتیجہ یہ ہے کہ تیس شلنگ قیمت کے دھاگے میں ساٹھ گھنٹوں کی محنت جمع ہوگی اور وقت

محنت کی یہ مقدار دراصل بیس پونڈ وزنی دھاگے میں موجود ہے اس لیے کہ 8/10 ویں حصے میں یا 16 پونڈ میں 48 گھنٹے کی محنت مجتسم ہے جو کہ کتائی کا عمل شروع ہونے سے پہلے آلات پیداوار پر صرف کی گئی تھی اور باقی 2/10 حصے یا 4 پونڈ میں 12 گھنٹے کی وہ محنت جمع ہے جو اس عمل کے دوران کی گئی ہے۔

اب سے کچھ ہی پہلے ہم نے یہ دیکھا تھا کہ دھاگے کی قیمت اس نئی قیمت کی رقم کے برابر ہے جو اس دھاگے کی پیداوار کے دوران پیدا ہوئی اور جو پہلے سے ذرائع' پیداوار میں موجود ہے۔

اب تک یہ واضح کیا گیا کہ کیونکر پیداوار کی قیمت کے اجزاء ترکیبی کی ان اجزاء کی جو اپنے فرائض میں ایک دوسرے سے مختلف نہیں خود پیداوار کے متناسب مماثل اجزاء سے نشاندہی کی جا سکتی ہے۔

اس طرح پیداوار کو مختلف حصوں میں بانٹ دینا جن میں سے ایک محض اس محنت کی نمائندگی کرے جو پہلے ذرائع پیداوار پر صرف کی جا چکی ہے یا یوں کہیے کہ جاری سرمائے کی نمائندگی کرے اور دوسرا صرف اس ضروری محنت کی نمائندگی کرے جو عمل پیداوار کے دوران صرف ہوئی یا متغیر سرمائے کی نمائندگی کرے اور تیسرا اور آخری حصہ اس زائد محنت کی نمائندگی کرے جو اس عمل کے دوران صرف ہوئی ہے یعنی قدر زائد کی نمائندگی کرے یہ ایک ایسا طریقہ ہے جیسا کہ آگے چل کر اس وقت معلوم ہوگا جب اس کا اطلاق پیچیدہ تر اور تاحال ناقابل حل سوالات پر ہوگا کہ جو سادہ بھی ہے مگر بے حد اہم بھی۔

سابقہ بحث میں ہم نے مجموعی پیداوار کو 12 گھنٹے کے یوم کار کا آخری نتیجہ خیال کیا ہے۔ ایک ایسی چیز سمجھا ہے جو فوری استعمال کے لیے تیار ہو۔ البتہ اگر ہم چاہیں تو اس پیداوار کو اس کے تمام مدارج پیداوار سے گذرتے بھی دیکھ سکتے ہیں لیکن اس طرح بھی ہم اسی نتیجے پر پہنچیں گے جس پر پہلے پہنچے تھے۔ یعنی اگر ہم جزواً جزواً پیداوار کے حصوں کو لیں اور مختلف مدارج پر ان کا جائزہ و یہ سمجھ کر لیں کہ ان میں سے ہر ایک آخری اور مجموعی پیداوار

کے مختلف درمانی حصے ہیں تو بھی اسی نتیجے پر پہنچیں گے جس پر پہلے پہنچے تھے۔

کاتنے والا 12 گھنٹے کی محنت میں 20 پونڈ دھاگہ کاتتا ہے یا ایک گھنٹے میں 1-2/3 پونڈ کاتتا ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ 8 گھنٹے میں 13-1/3 پونڈ یا ایک جزوی پیداوار جو کہ قیمت میں اس تمام روئی کے برابر ہے جو پورے دن میں کاتی جاتی ہے۔ اس طرح بعد کے ایک گھنٹے 36 منٹ کی جزوی پیداوار 2-2/3 پونڈ دھاگہ ہے اور یہ ان تمام آلات محنت کی قیمت کی نمائندگی کرتی ہے جو پورے دن کی محنت کے دوران استعمال میں آئے ہیں۔ پھر اس کے بعد کے گھنٹے اور 12 منٹ میں کاتنے والا دو پونڈ وزنی سوت جو تین شلنگ کی قیمت کا ہے پیدا کرتا ہے اور یہ وہ قیمت ہے جو اس تمام قیمت کے برابر ہے جو 6 گھنٹے کی ضروری محنت میں وہ پیدا کر پاتا ہے۔ اور آخر میں یہ کہ اختتامی گھنٹے اور 12 منٹ میں وہ مزید دو پونڈ دھاگہ پیدا کرتا ہے جس کی قیمت قدر زائد کے برابر ہوتی ہے جو کہ وہ اپنی زائد محنت سے نصف دن کے وقفے میں پیدا کرتا ہے۔ حساب و شمار کا یہ طریقہ انگریزی کارخانہ داروں کے روزانہ استعمال میں آتا ہے۔ کارخانہ دار یہ کہتا ہے کہ اس طریقے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ابتدائی آٹھ گھنٹوں میں یا یوم کار کے 2/3 حصے میں وہ اپنی روئی کی قیمت حاصل کر لیتا ہے اور اسی طرح باقی گھنٹوں میں پھر یہ ایک بالکل صحیح طریقہ بھی ہے اور سب سے پہلا طریقہ بھی یہی طریقہ ہے جو اوپر بیان کیا گیا محض اتنے سے فرق کے ساتھ کہ یہ مکان پر اطلاق کے بجائے جہاں پیداوار کے مختلف حصے مکمل شدہ حالت میں ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ رکھے ہوتے ہیں زمان پر اطلاق رکھتا ہے جس کے دوران پیداوار کے مختلف اجزاء درجہ بدرجہ وجود میں آتے رہتے ہیں لیکن یہ طریقہ انتہائی بربریت آمیز تصورات کے ساتھ بھی وابستہ ہوسکتا ہے خاص طور پر ان لوگوں کے دماغوں میں جو کہ تخلیق قیمت کے اس عمل میں جو کہ مزید قیمت پیدا کرتا ہے اتنی ہی دلچسپی رکھتے ہیں جتنی اس عمل کی اپنی نظریاتی نوعیت سے ناواقفیت رکھتے ہیں۔ مذکورہ حضرات یہ خیال اپنے دماغ میں بٹھا لیتے ہیں کہ بطور مثال

ایک کاتنے والا اپنے یوم کار کے پہلے آٹھ گھنٹے میں روئی کی قیمت پیدا کرتا یا بحال کر لیتا ہے اور بعد کے ایک گھنٹے اور 36 منٹ میں گھسے ہوئے آلات پیداوار کی قیمت پیدا کر دیتا ہے۔اس کے بعد کے گھنٹے اور 12 منٹ میں اجرتوں کی قیمت اور صرف آخری گھنٹے میں کارخانہ دار کے لیے قدر زائد پیدا کرنے پر اپنی توجہ مبذول کرتا ہے۔اس طرح اس غریب کتائی والے کی بابت یہ فرض کیا جاتا ہے کہ وہ دوگونہ معجزے دکھا رہا ہے۔نہ صرف یہ کہ وہ روئی تکلے۔اسٹیم انجن۔کوئلہ اور تیل وغیرہ پیدا کرتا ہے اور ساتھ ہی ان کی مدد سے کتائی بھی کرتا ہے بلکہ ساتھ ہی ایک یوم کار کو پانچ میں بدل دیتا ہے۔اس لیے کہ جس مثال پر ہم غور کر رہے ہیں اس کے تحت خام مواد اور آلات محنت کی پیداوار 12-12 گھنٹے کے چار ایام کار کی محنت کا تقاضہ کرتے ہیں اور پھر دھاگے میں ان کا تقلب وتبدیلی اسی قسم کے ایک اور یوم کار کا تقاضہ کرتی ہے۔ہاں مال وزر کی محبت اس قسم کے معجزات پر بہ آسانی اعتقاد پیدا کر دیتی ہے اور پھر خوشامدی نظریہ نواز بھی تو کم نہیں ہیں جو ایسے نظریے ثابت کرنے میں تساہل نہیں برتتے چنانچہ حسب ذیل تاریخی واقعے سے یہ سب کچھ واضح ہوتا ہے اور یہ واقعہ بڑی شہرت کا مالک ہے۔

فصل سوئم

سینئر کا ''آخری گھنٹہ''

1836ء کی ایک سہانی صبح کا ذکر ہے کہ نساؤ ڈبلیو۔ سینئر جسے آپ انگریزی ماہرین معاشیات کا مسخرہ کہہ سکتے ہیں اور جو اپنی معاشیاتی سائنس اور اپنے خوبصورت اسلوب دونوں کے لیے شہرت رکھتا ہے آکسفورڈ سے مانچسٹر بلایا گیا تاکہ وہ مانچسٹر میں اس فلسفہ معاشیات کا علم حاصل کر سکے جس کی تعلیم وہ آکسفورڈ میں دیتا تھا۔ کارخانہ داروں نے اسے نہ صرف نئے پاس شدہ فیکٹری ایکٹ کے خلاف بلکہ دس گھنٹے کی ڈیوٹی مقرر کرنے کی پریشان کن مزدور تحریک کے خلاف بھی اپنا قائد تسلیم کر لیا۔ کارخانہ داروں نے اپنی متعارف عملی ذہانت کے پیش نظر یہ بات معلوم کر لی کہ یہ ''لائق پروفیسر۔ عمارت میں بجلی وغیرہ لگانے کا ایک اچھا ٹھیکہ طے کرنا چاہتا ہے'' چنانچہ یہ دریافت کر کے انہوں نے پروفیسر کو خط لکھا۔ اس کے بدلے میں پروفیسر نے کارخانہ داروں کی طرف سے جو لیکچر اسے ملا اسے ایک پمفلٹ میں مرتب کر دیا اور اس کا عنوان رکھا ''فیکٹری ایکٹ کا جو اثر روئی کے کارخانہ داروں پر پڑتا ہے اس کے متعلق خطوط'' لندن 1837ء۔

اس میں اور چیزوں کے علاوہ حسب ذیل پرشکوہ عبارت بھی آتی ہے

''موجودہ قانون کے تحت کوئی مل جس میں 18 سال سے کم عمر کے لوگ کام کر رہے ہوں ایک دن میں 1/2-11 گھنٹے سے زیادہ کام نہیں کر سکتی۔ مطلب یہ کہ ہفتے کے 5 دنوں

میں 12 گھنٹے اور سنیچر کو 9 گھنٹے۔

اب حسب ذیل تجزیہ یہ ظاہر کرے گا کہ جو مِل اس طرح چلے اس میں جو بھی خالص بچت ہوتی ہے وہ بس آخری گھنٹے میں ہوتی ہے۔ اب میں اگر یہ فرض کروں کہ ایک کارخانہ دار نے ایک لاکھ پونڈ کا سرمایہ مِل میں لگایا۔ اسی ہزار مِل اور مشینری میں اور بیس ہزار پونڈ خام مواد اور اجرتوں میں۔ اس مِل کی پیداوار یہ فرض کرنے کی صورت میں کہ پورے سال میں سرمایہ لوٹ آئے گا نیز اس کا نفع بھی 15 فیصد ہو۔ تو ایک لاکھ 15 ہزار پونڈ کی قیمت کے سامان پر مشتمل ہوگی۔ اس ایک لاکھ 15 ہزار پونڈ میں سے کام کے تیئس آدھے گھنٹوں میں سے ہر ایک 5/115 یا تیئسویں کا ایک حصہ پیدا کرے گا۔ اس 23/23 ویں (جو مشتمل ہے پورے ایک لاکھ 15 ہزار پونڈ پر) میں سے۔ 20 یعنی ایک لاکھ 15 ہزار میں سے ایک لاکھ تو صرف سرمائے کو بحال کرتا ہے۔ 23 ویں کا ایک (یا 115000 پونڈ میں سے 5 ہزار پونڈ) مِل اور مشینری کی ٹوٹ پھوٹ کو پورا کرتا ہے اور 23 ویں کا باقی 2 یا ہر دن کے تیئیسویں آدھے گھنٹوں میں آخری دو۔ دس فیصد خالص نفع پیدا کرتے ہیں' لہٰذا۔ اگر (نرخ یکساں رہیں) کارخانہ ساڑھے گیارہ گھنٹے کے بجائے 13 گھنٹے کام پر لگا رہے تو مزید دو ہزار 6 سو پونڈ یعنی گردش کرنے والے سرمائے کی مدد سے خالص نفع دوگنے سے زیادہ ہو جائے گا۔ دوسری طرف اگر اوقات کار ایک گھنٹہ یومیہ کے حساب سے کم ہو جائیں (نرخ یکساں ہی رہیں تو) خالص نفع ہی ختم ہو جائے گا اور اگر اوقات کار پر 5 گھنٹہ کم ہو جائیں تو گراس نفع بھی باقی نہ رہے گا (ا)۔

پروفیسر نے اس کا نام ''تجزیہ'' رکھا ہے۔ اگر کارخانہ داروں کے شور و غوغا

(ا) ہم اس قسم کے عجیب تر تصورات کو اپنی بحث کے سلسلے میں غیر اہم ہونے کی بناء پر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مثلاً اس خیال کو کہ کارخانہ دار اس رقم کو اپنے نفع خالص (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

میں صداقت سمجھتے ہوئے سینئر کو یقین ہے کہ مزدور دن کا بڑا حصہ پیداوار میں صرف کرتے ہیں یعنی عمارتوں ۔مشینری ۔روئی اور کوئلہ وغیرہ کی نو پیداواری یا بحالی میں صرف کرتا ہے تو پھر اس کا تجزیہ محض سطحی ہے۔ پروفیسر کو تو صرف اس قدر جواب دے دینا چاہئے تھا کہ حضرات اگر آپ اپنی ملوں کو 11-1/2 گھنٹے کے بجائے دس گھنٹے چلائیں تو دوسرے تمام عوامل کے یکساں ہونے کی صورت میں روئی اور مشینری وغیرہ کو روزانہ خرچ بھی اسی نسبت سے کم ہو جائے گا۔آپ کو جس قدر نفع ہوگا اسی قدر نقصان بھی ہوگا اور آپ کے مزدور مستقبل میں ڈیڑھ گھنٹہ کم وقت صرف کریں گے اس سرمائے کے پیدا کرنے یا بحال کرنے میں جو شروع میں لگایا گیا تھا۔اور اگر اس کے برخلاف وہ مزید تحقیق و تجسس بغیر ان اعداد و شمار پر یقین نہیں رکھتا تو ایک ایسے مسئلے میں جو مخصوص طور پر خالص نفع کے یوم کار کی طوالت سے تعلق رکھتا ہے اس کا فرض یہ ہے کہ وہ تمام چیزوں

(بقیہ حاشیہ) یا گر اس کا جزو خیال کرتے ہیں جو مشینری کی ٹوٹ پھوٹ کے کام میں آتا ہے یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ جو سرمائے کے ایک حصے کو بحال کرتا ہے ہم نظر انداز کرتے ہیں۔اس طرح ان اعداد و شمار کی صحت کی بحث کو بھی ہم یہاں نہیں چھیڑتے۔لیونا ڈ ہارنر نے ''مسٹر سینئر کو ایک خط'' وغیرہ لندن 1837ء میں یہ واضح کیا ہے کہ یہ اعداد و شمار نام نہاد ''تجزیے'' سے زیادہ قیمت نہیں رکھتے۔ لیونارڈ ہارنر 1833ء میں فیکٹری انکوائری کمشنروں میں سے ایک تھا اور انسپکٹر بلکہ 1859ء تک کارخانوں کا سنسر تھا۔اس نے انگریز مزدور کی یادگار خدمات انجام دی ہیں اور تمام عمر صرف ناراض کارخانہ داروں ہی سے نہیں بلکہ کابینہ کے ان ارکان سے ابھی مقابلہ جاری رکھا جن کے خیال میں ایوان زیرین میں مالکان کارخانہ کے ووٹوں کی تعداد ان گھنٹوں کی تعداد سے جن میں مزدور ملوں میں کام کرتے ہیں کہیں زیادہ اہمیت کی حامل ہے۔سینئر نے جو اصولی غلطیاں کی ہیں ان سے قطع نظر اس کا پورا بیان الجھا ہوا ہے۔اسے فی الواقع جو کچھ کہنا تھا وہ یہ تھا کہ کارخانہ دار مزدور کو روزانہ 11-1/2 گھنٹے یا 23 آدھے گھنٹے کام پر رکھتا ہے۔اب جس طرح یوم کار ہے۔اسی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سے پہلے کارخانہ داروں سے یہ پوچھے کہ وہ محتاط رہیں اور ایسا نہ کریں کہ تمام مشینری ورکشاپوں۔ خام مواد اور محنت کو ایک ہی زمرے میں شامل کریں بلکہ از راہ کرم اس جاری سرمائے کو بھی جو عمارات۔ مشینوں اور خام مواد وغیرہ میں لگایا گیا ہے حسابات کے ایک جانب رکھیں اور جو سرمایہ اجرتوں میں رکھا ہے اسے دوسری جانب رکھیں۔ اگر پھر پروفیسر کو یہ معلوم ہو کہ کارخانہ داروں کے شمار کے مطابق مزدور اپنی اجرتیں 2 آدھے گھنٹوں میں دوبارہ پیدا کر دیتا یا بحال کر دیتا ہے تو پھر اسے اپنے تجزیے کو حسب ذیل انداز پر جاری رکھنا چاہئے۔

آپ کے اعداد و شمار کے مطابق مزدور آخری گھنٹے سے پہلے میں اپنی اجرتیں اور بالکل آخری میں قدر زائد یا خالص نفع پیدا کرتا ہے۔ اب چونکہ وہ یکساں اوقات میں یکساں قیمتیں پیدا کرتا ہے تو آخری سے پہلے گھنٹے کی پیداوار کی بھی اسی قدر قیمت ہونی چاہئے جتنی سب سے آخری گھنٹے کی علاوہ بریں مزدور جب کام کرتا ہے تو کوئی

(بقیہ حاشیہ) طرح سال کار بھی ہے۔ اگر یوم کار کو اس طرح سمجھا جائے کہ وہ 11-1/2 گھنٹے یا 23 آدھے گھنٹوں پر مشتمل ہوتا ہے تو سال کار۔ سال کے ایام کار سے ضرب دے کر معلوم کیا جا سکتا ہے۔ اس مفروضے کے تحت 23 آدھے گھنٹے 115000 پونڈ مالیت کی پیداوار سالانہ پیدا کرتے ہیں اور ایک آدھا گھنٹہ 1/23 × 115000 پونڈ پیدا کرے گا۔ بیس آدھے گھنٹے 20/23 × 115000 پونڈ = 10000 پونڈ پیدا کریں گے۔ گویا وہ ابتداء میں جو سرمایہ لگا تھا اس سے زائد پیدا نہ کریں گے۔ اب تین آدھے گھنٹے باقی رہے جو 3/23 × 115000 = 115000 یا گراس نفع پیدا کریں گے۔ ان تین آدھے گھنٹوں میں سے ایک 1/23 × 115000 = 500 پونڈ پیدا کرتا ہے یعنی وہ مشینری کی ٹوٹ پھوٹ کو بحال کرتا ہے۔ باقی 2 آدھے گھنٹوں میں آخری گھنٹے میں 2/23 × 115000 = 10000 پونڈ کی مالیت پیدا ہوگی جو خالص نفع ہے۔ متن میں سینئر نے پیداوار کے آخری 2/23 حصے کو خود یوم کار کے حصوں میں تبدیل کر دیا ہے۔

قیمت بھی پیدا کرتا ہے اور اس کی محنت کی مقدار اس کے وقت محنت سے متعین ہوتی ہے۔ اسے آپ یوں کہیے کہ یہ 11-1/2 گھنٹے یومیہ ہوتی ہے ان ساڑھے گیارہ گھنٹوں میں کا ایک حصہ وہ اپنی اجرتیں پیدا کرنے یا بحال کرنے میں صرف کرتا ہے اور باقی حصہ آپ کا خالص نفع پیدا کرنے میں لگاتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اور کچھ نہیں کرتا۔ لیکن چونکہ خود آپ کے فرض کے مطابق اس کی اجرتیں اور جو قدر زائد وہ پیدا کرتا ہے وہ یکساں قیمت کی حامل ہیں تو یہ واضح ہے کہ وہ اپنی اجرت پہلے 5-3/4 گھنٹے اور آپ کا خالص نفع بقیہ 5-3/4 گھنٹے میں پیدا کرتا ہے۔ مزید برآں چونکہ دو گھنٹے میں جو دھاگہ پیدا ہوتا ہے اس کی قیمت اس کی اجرت اور آپ کے خالص نفع کے مساوی ہوتی ہے۔ اس دھاگے کی قیمت کا پیمانہ 11-1/2 گھنٹے کا وقت محنت ہونا چاہیے جس میں 5-3/4 گھنٹے اس دھاگے کی قیمت کا پیمانہ ہے جو آخری سے پہلے گھنٹے میں پیدا ہوا ہے اور 5-3/4 اس دھاگے کا پیمانہ ہے جو بالکل آخری گھنٹے میں پیدا ہوا ہے۔ تو اب ہم ایک عجیب نقطے پر پہنچ گئے ہیں۔ اس پے ذرا توجہ کیجیے۔ آخری سے پہلا گھنٹہ۔ بالکل آخری گھنٹے کی طرح ایک عام قسم کا ساعت کار ہے جو نہ زیادہ ہے نہ کم۔ اب یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ایک کاتنے والا ایک گھنٹے کے اندر دھاگے کی شکل میں ایک ایسی قیمت پیدا کرے جو 5-3/4 گھنٹے کی محنت پر مشتمل ہو؟ واقعہ یہ ہے کہ مزدور اس قسم کا کوئی معجزہ نہیں دکھاتا۔ ایک گھنٹے کے اندر جو استعمالی قیمت وہ پیدا کرتا ہے وہ دھاگے کی ایک متعین مقدار ہے اس دھاگے کی قیمت 5-3/4 ساعت کار سے بنتی ہے جن میں سے 4-3/4 اس کی اپنی سعی بغیر پہلے سے آلات پیداوار یعنی روئی میں اور مشین وغیرہ میں مجسم ہوتی ہے۔ بس باقی ایک گھنٹے کی محنت ایسی ہے جو مزدور خود اپنی طرف سے بڑھاتا ہے۔ لہٰذا چونکہ اس کی اجرت 5-3/4 گھنٹے میں پیدا ہوتی ہے اور ایک گھنٹے کے اندر جو دھاگہ پیدا ہوتا ہے اس میں بھی 5-3/4 گھنٹے کام چھپا ہوتا ہے تو جو نتیجہ برآمد ہوتا ہے اسے ساحرانہ سمجھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یعنی اس نتیجے میں کہ جو قیمت اس کے 5-3/4 گھنٹے کی کتائی سے

پیدا ہوتی ہے وہ اس قیمت کے برابر ہوتی ہے جو ایک گھنٹے کی کتائی سے پیدا ہوئی ہے۔ اگر آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ مزدور اپنے یوم کار کا ایک لمحہ بھی ضائع کرتا ہے جس وقت وہ روئی اور مشینری وغیرہ کی قیمتوں کو دوبارہ پیدا کرتا ہوتا یا بحال کرتا ہوتا ہے تو پھر آپ بالکل غلط سمت میں سوچ رہے ہیں برخلاف اس کے چونکہ اس کی محنت روئی اور تکلوں کو دھاگے میں بدلتی ہے۔ چونکہ وہ کاتتا ہے اس لیے تو روئی اور تکلوں کی قیمتیں خود بخود دھاگے میں منتقل ہو جاتی ہیں لہٰذا نتیجہ اس کی محنت کی کیفی حیثیت سے پیدا ہوتا ہے کسی حیثیت سے نہیں۔ یہ تو صحیح ہے کہ وہ ایک گھنٹے کے اندر دھاگے میں۔ روئی کی شکل میں آدھ گھنٹے کی محنت کی بہ نسبت زیادہ قیمت منتقل کرتا ہے لیکن ایسا صرف اس لیے ہوتا ہے کہ وہ ایک گھنٹے میں آدھ گھنٹے کے مقابلے میں زیادہ روئی کات لیتا ہے۔ اس بحث سے آپ یہ دیکھیں گے کہ آپ کا یہ کہنا کہ مزدور آخری گھنٹے سے پہلے میں اپنی اجرت کی قیمت پیدا کرتا ہے اور بالکل آخری گھنٹے میں آپ کا نفع اس کے علاوہ اور کوئی مفہوم پیدا نہیں کرتا کہ جو دھاگہ مزدور نے دو ساعات کار میں پیدا کیا ہے چاہے یہ دو گھنٹے یوم کار کے آخری گھنٹے ہوں یا پہلے اس میں 11-1/2 گھنٹے کی محنت یا پورا دن کا کام مجسم ہے یعنی دو گھنٹے اس کے اپنے کام کے اور 9-1/2 گھنٹے دوسرے لوگوں کی محنت کے۔ اور میرا یہ کہنا کہ پہلے 5-3/4 گھنٹے میں وہ اپنی اجرت پیدا کرتا ہے اور دوسرے 5-3/4 گھنٹے میں آپ کے لیے خاص منافع پیدا کرتا ہے جو کچھ نتیجہ پیدا کرتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ سابق الذکر کی ادائیگی تو انہیں کر دیتے ہیں مگر آخر الذکر کی نہیں کرتے۔ مزدور کو ادائیگی کی بات کرتے ہوئے جب میں قوت محنت کی ادائیگی کی بات نہیں کرتا تو دراصل آپ کا اسلوب بیان استعمال کرتا ہوں۔ اب اگر آپ حضرات اس وقت کار کا جس کا آپ معاوضہ ادا کرتے ہیں اس وقت کار سے تقابل کریں جس کا معاوضہ آپ ادا نہیں کرتے تو آپ یہ دیکھیں گے کہ ان میں ایک دوسرے سے وہی نسبت ہے جو آدھے دن کی

مزید برآں۔ اس میں ذرہ برابر شبہ نہیں کہ اگر آپ ان مزدوروں سے 1/2-11 کے بجائے 13 گھنٹے کام کرائیں اور جیسی کہ آپ سے توقع ہے۔ آپ اس مزید ڈیڑھ گھنٹے کی محنت کو خالص زائد محنت سمجھیں تو پھر یہ زائد محنت 3/4-5 گھنٹوں کی محنت کے بجائے سات گھنٹوں کی محنت بن جائے گی اور قدر زائد کا اوسط سو فیصد سے بڑھ کر 2/23-126 فیصد ہو جائے گا۔ اب اگر آپ یہ توقع رکھیں کہ یوم کار میں اس ڈیڑھ گھنٹے کے اضافے سے نفع کا اوسط سو فیصد سے بڑھ کر دوسو فیصد یا اس سے زائد ہو جائے گا بالفاظ دیگر نفع دوگنا ہو جائے گا تو آپ غیر ضروری طور پر پرامید ہونے کا ثبوت دیں گے۔ برخلاف اس کے (انسان کا دل ایک بڑی ہی عجیب چیز ہے خاص طور پر اس وقت جب یہ دل روپے کے بٹوے میں بند ہو)۔ آپ اس وقت بڑا ہی قنوطیت پسندانہ نقطہ نظر قائم کریں گے جب آپ کو یہ خوف ہو کہ اوقات کار کے 1/2-11 سے گر کر دس گھنٹے ہونے کی صورت میں آپ کا سارا نفع ہی ختم ہو کر رہ جائے گا۔ ایسا بالکل نہیں ہے۔ اگر دوسرے تمام حالات یکساں رہیں تو زائد محنت 3/4-5 گھنٹے سے گر کر 3/4-4 گھنٹے ہو جائے گی لیکن اس کم مدت میں بھی کافی قدر زائد حاصل ہو گی 14/32-82 فیصد مگر دہشت ناک ساعت آخر جس کی بابت آپ نے اس سے زیادہ کہانیاں تصنیف کرلی ہیں جتنی جنت کا خیال باندھنے والوں نے یوم حساب کے متعلق۔ سو یہ سب محض احمقانہ ہیں۔ اگر یہ ساعت آخر باقی نہ رہے تو اس سے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ نہ آپ کا خالص نفع ختم ہو گا اور نہ ان لڑکیوں اور لڑکوں کو جنہیں آپ ملازم رکھتے ہیں۔ صفائے ذہن۔ سے محروم ہونا پڑے گا (ا)۔ جب بھی آپ کا یہ ''آخری گھنٹہ'' بجے آپ

(ا) اگر ایک طرف سینئر نے یہ ثابت کیا ہے کہ کارخانہ دار کا خالص نفع۔ انگلستان کی روئی کی صنعت اور عالمی منڈیوں پر انگلستان کا قبضہ اس ''آخری ساعت کار'' پر منحصر ہے تو دوسری طرف ڈاکٹر اینڈرے آر نے یہ بتایا ہے کہ اگر بچے اور 8 سال سے کم عمر کے نوجوان۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آکسفورڈ کے پروفیسر کو یاد کریں اور اب حضرات رخصت ممکن ہے اب ہماری ملاقات آخرت کی بہتر منزل میں ہو۔ مگر اس سے پہلے نہ ہوگی''۔

(بقیہ حاشیہ) کارخانے کے گرم اور خالص اخلاقی ماحول میں 12 گھنٹے رہنے کے بجائے ایک گھنٹے پہلے باہر کی ظالم اور خرافات سے پر دنیا میں بھیج دیے جائیں تو کاہلی اور برائی میں پھنسنے کی وجہ سے وہ اپنی روحانی نجات کی ہر امید سے محروم ہو جائیں گے۔ 1848ء کے بعد سے کارخانوں نے انسپکٹروں نے اس ''آخر'' اس مہلک'' گھنٹے کا ذکر کر کے دق کرنے کی کوشش نہیں کی۔ چنانچہ مسٹر ہاول نے اپنی 31 مئی 1855ء کی رپورٹ میں کہا ہے کہ ''اگر حسب ذیل عجیب حساب (سینئر کا حوالہ دیتے ہوئے) صحیح ہو تو برطانیہ کا روئی کا ہر کارکانہ 1855 سے برابر نقصان میں چل رہا ہے'' (کارخانے کے انسپکٹر کی رپورٹ بابت سال نصف تا 30 اپریل 1855ء صفحات 19 و 20) 1848ء میں جب دس گھنٹے کے کام کا بل پاس ہو گیا تو سن کے کارخانوں کے جو کہ ڈورسٹ اور سامرسٹ کے کناروں پر ایک دوسرے سے فاصلے پر واقع ہیں۔ چند مالکوں نے اس بل کے خلاف ایک پٹیشن اپنے چند مزدوروں کے کاندھوں پر رکھ کر پیش کیا۔ اس پٹیشن کی ایک شق یہ تھی ''پٹیشن پیش کرنے والے۔ باپ ہونے کی حیثیت میں اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ آرام کا ایک مزید ہفتہ بچوں کے اخلاق کو بگاڑنے کا باعث بنے گا اچھا نہ بنائے گا اس لیے کہ نٹھلوا ہونا برائی کی جڑ ہے'' اس شق کی بابت 31 اکتوبر 1848ء فیکٹری رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''سن کی ان ملوں کا ماحول جن میں نرم دل اور نیک ماں باپ کے بچے کام کرتے ہیں اس قدر بوجھل ہوتا ہے خام مواد کے ٹکڑوں اور گرد و غبار سے کہ کتائی کے کمروں میں دس منٹ کھڑا ہونا بھی انتہائی درجہ ناخوشگوار معلوم ہوتا ہے۔ سخت تکلیف وہ احساس بغیر آپ دس منٹ کھڑے نہیں ہو سکتے اس لیے کہ آپ کی آنکھیں کان اور نتھنے اور منہ سن کے غبار سے فوری طور پر بھر جائیں گے اور اس سے بچنے کا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ یہاں جو محنت کی جاتی ہے وہ بھی مشین کی مجنونانہ جلد بازی کی وجہ سے اس بات کا تقاضہ کرتی ہے کہ برابر آپ کی توجہ اور غور اس

سینئر نے ''آخری گھنٹے'' کا جن کی نعرہ 1836ء میں وضع کیا تھا(ا)۔

(بقیہ حاشیہ) معلوم ہوتی ہے کہ باپ اپنے بچوں کے لیے جو پورے دس گھنٹے اوقات طعام کے علاوہ اس قسم کے کام میں اس قسم کے ماحول کے اندر مقید رہیں تو ان کے لیے ٹھلوا ہونے کی اصطلاح استعمال کریں۔ یہ بچے قریب دیہات میں کام کرنے والے مزدوروں سے زیادہ وقت کام کرتے ہیں...... لہٰذا ''ٹھلواپن اور برائی'' سے متعلق جو بے رحمانہ گفتگو کی جاتی ہے اسے محض بکواس قرار دینا چاہیے۔ ایک شرمناک منافقت سمجھنا چاہیے...... عوام کا وہ حصہ جسے 12 سال پہلے تک بڑے ذمہ دارانہ انداز میں یہ یقین دلایا گیا تھا کہ مالکان کارخانہ کا سارا نفع آخری گھنٹے کی محنت سے حاصل ہوتا ہے اور اس لیے یوم کار میں ایک گھنٹے کی کمی ان کے اس خالص نفع کو ختم کر کے رکھ دے گی اس یقین دہانی سے بڑا متاثر ہوا تھا لیکن عوام کا یہ حصہ بمشکل ہی اپنی آنکھوں پر بھروسہ کر سکے گا جب کہ وہ یہ دیکھے گا کہ اس ''آخری گھنٹے'' کی جو خوبیاں گنائی جاتی تھیں۔ اب ان میں گذشتہ بارہ سال کے مقابل اتنا اضافہ ہو گیا ہے کہ اب ان میں نفع کے ساتھ اخلاقیات بھی شامل ہو گئی ہے لہٰذا بچوں کی محنت کی مدت اگر کم کر کے پورے دس گھنٹے کر دی جائے تو ان کے مالکان کارخانہ کے نفع کے ساتھ ان کی اخلاقی حالت بھی تباہ ہو کر رہ جائے گی اس لیے کہ وہ بھی اس آخری اور اہم گھنٹے پر منحصر ہے۔ (ملاحظہ ہو کارخانوں کے انسپکٹر کی رپورٹ بابت 31 اکتوبر 1948ء صفحہ 101)

(ا) اس کے بعد اس رپورٹ نے خالص الدماغ کارخانہ داروں کی نیکی۔ اخلاق نیز ان پھکیتیوں۔ چالبازیوں۔ خوشامدوں۔ دھمکیوں اور فریب کاریوں کی چند مثالیں دی ہیں جو یہ حضرات کرتے رہتے ہیں تا کہ ایک تو چند بے سہارا مزدوروں کو مذکورہ قسم کے پٹیشنوں پر دستخط کرنے کے لیے مجبور کیا جائے اور پھر ان پٹیشنوں کو پارلیمنٹ پر اس طرح تھوپا جائے جیسے وہ ایک صنعت کی پوری شاخ یا پورے ملک کی طرف سے پیش کردہ پٹیشن ہوں۔ آج کے نام نہاد علم معاشیات کی بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ خود سینئر بھی جس نے کچھ دن بعد اور یہ اس کے لیے اعزاز کی بات تھی بڑے جوش کے ساتھ قانون کارخانہ کی حمایت کی از اول تا آخر اس قابل نہ ہو سکا کہ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اخبار لندن اکانمسٹ 1848ء میں اس نعرے کو جیمس ولیم نے جو کہ بڑے اونچے درجے کے معاشی افسر ہیں بلند کیا تھا اس بار انہوں نے دس گھنٹے کے بل کے خلاف یہ نعرہ بلند کیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ) ''ابتدائی انکشاف'' کی فریب کارانہ نوعیت واضح کرسکتا۔ یہ حضرات عملی تجربے کا حوالہ تو دیتے ہیں مگر اس کے آغاز و اسباب سے ناواقف ہیں (صفحہ 220 کا نوٹ) تاہم فاضل پروفیسر نے اپنے سفر مانچسٹر سے کچھ فائدہ ضرور اٹھایا ''فیکٹری ایکٹ سے متعلقہ چند خطوط'' میں انہوں نے ساری کی ساری منفعت کو جس میں 'نفع' اور 'سود' بلکہ اس سے زائد بھی کچھ شامل ہے'' کو محنت کے آخری سارے گھنٹے کا نتیجہ قرار دے دیا۔ اس سے ایک سال پہلے اپنی کتاب ''فلسفہ معاشیات کے خاکے'' میں جو کہ آکسفورڈ کے طلباء اور باذوق زر پرستوں کے لیے لکھی گئی تھی۔ اس نے رکارڈو کی اس رائے کی مخالفت میں کہ قیمت محنت سے متعین ہوتی ہے یہ انکشاف کیا تھا کہ نفع سرمایہ دار کی محنت اور سود اس کی کفایت شعاری بالفاظ دیگر اس کی پرہیزگاری سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ چال خاصی پرانی ہے البتہ 'پرہیزگاری' کی اصطلاح نئی ہے۔ ہر روشر نے اس کا ترجمہ ''انتھالٹسنگ'' سے بالکل صحیح کیا ہے۔ اس کے چند ہم وطنوں۔ براؤنس۔ جونس اور رابسن نے جو جرمنی کے ہیں اور لاطینی اس قدر اچھی نہیں

فصل چہارم

پیداوار زائد

پیداوار کا وہ حصہ جو زائد پیداوار کی نمائندگی کرتا ہے۔(بیس پونڈ کا 1/10 یا دو پونڈ دھاگہ اس مثال کے تحت جو فصل دوئم میں پیش کی گئی) وہ چیز ہے جسے ہم ''پیداوار زائد'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ٹھیک اسی طرح جیسے قدر زائد کا نرخ اس کے اس رشتے سے متعین ہوتا ہے جو وہ سرمایہ متغیر سے رکھتی ہے نہ مجموعی سرمائے سے۔ پیداوار زائد کی نسبتی مقدار بھی اس اوسط سے متعین ہوتی ہے جو یہ پیداوار سرمائے کے اس حصے سے رکھتی ہے جس میں ضروری محنت متجسم ہوتی ہے نہ مجموعی پیداوار کے بقیہ حصے سے اب چونکہ قدر زائد کی پیداوار سرمایہ داری طرز پیداوار کا خاص مقصد اور مدعاء ہوتی ہے تو یہ ظاہر ہے کہ ایک فرد یا قوم کی دولت کی زیادتی ناپی جانی چاہئے۔ مجموعی پیداوار سے نہیں بلکہ پیداوار زائد کی مقدار سے (۱)۔ضروری محنت اور زائد محنت کا مجموعہ یعنی وقت کے

---

(۱) ایک اس فرد لیجے جس کا سرمایہ بیس ہزار پونڈ کی قیمت کا ہو اور جس کا منافع دو ہزار پونڈ سالانہ کے بقدر ہو یہ بات بالکل غیر اہم ہے کہ اس کے سرمائے سے سو آدمی کام پر لگتے ہیں یا ہزار آدمی۔ نیز جو جنس اس نے پیدا کی ہے وہ دس ہزار پونڈ میں فروخت ہوتی ہے یا بیس ہزار پونڈ میں البتہ شرط یہ ہے کہ ان تمام صورتوں میں اس کا منافع 2 ہزار پونڈ سے کم نہ ہو۔ پھر (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس وقفے کا مجموعہ جس میں مزدور قوت محنت کی قیمت کو بحال کرتا ہے اور زائد پیداوار پیدا کرتا ہے۔ دراصل وہ مجموعہ ہے جو اس حقیقی وقت کو بتاتا ہے جس میں مزدور نے کام کیا۔ بالفاظ دیگر وہ یوم کار کو بتاتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ) کیا قوم کا نفع بھی اس کے نفع سے ہم آہنگ نہیں؟ اس کی خالص آمدنی اس کی مالگواری اور منافع یکساں رہیں تو اس سے اسے کوئی دلچسپی نہیں کہ اس کی اس قوم کے باشندے دس ہوں یا ایک کروڑ بیس لاکھ (رکارڈو بحوالہ سابقہ صفحہ 416) رکارڈو سے کافی پہلے آرتھر ینگ نے جو پیداوار زائد کا مجنون قسم کا حمایتی ہے اور ویسے بھی بے تکے قسم کا اہل قلم ہے اور جس کی شہرت اس کی صلاحیت سے برعکس نسبت میں رہی ہے۔ حسب ذیل خیالات رکھتا ہے ''ایک جدید طرز کی حکومت میں ایک پورا صوبہ جو اس طرح منقسم ہو کس کام کا (قدیم رومی انداز پر کاشتکاروں میں بنتا ہو چاہے اس کی کاشت کسی قدر بھی اچھی کیوں نہ ہو۔ سوائے اس کے کہ اس کا مقصد انسانوں کا پالنا ہو اور اگر مقصد صرف یہی سمجھا جائے تو یہ محض احمقانہ مقصد ہے۔ آرتھر ینگ۔ سیاسی ریاضی۔ وغیرہ۔ لندن 1774ء صفحہ 47) لیکن اس سے بھی زیادہ عجیب بات ''خالص بچت کو مزدور طبقے کے لیے مفید ثابت کرنے کا رجحان ہے...... حالانکہ یہ واضح ہے کہ یہ رجحان اس بچت کے خالص ہونے کی وجہ سے نہیں ہے (ہاپکنس۔ زمین کی مالگواری وغیرہ لندن 1823ء صفحہ 126)

باب دہم

یوم کار

فصل اوّل

یوم کار کے اوقات

ہم نے اس مفروضے کے ساتھ اپنی بحث کا آغاز کیا تھا کہ قوت محنت کو اس کی قیمت کے مطابق خریدا اور بیچا جاتا ہے۔ دوسری تمام اجناس کی طرح اس کی قیمت بھی اس وقت سے متعین ہوتی ہے جو اس کے پیدا کرنے میں لگتا ہے۔ اگر مزدور کے اوسط درجے کے ذرائع خوردونوش کی پیداوار میں 6 گھنٹے صرف ہوتے ہیں تو اوسطاً اسے روزانہ 6 گھنٹے کام کرنا چاہئے تا کہ وہ اپنی یومیہ قوت محنت پیدا کر سکے۔ یا یوں کہئے کہ قوت محنت کی فروخت سے جو قیمت حاصل ہوتی ہے اس کے دوبارہ پیدا کرنے کے لیے اسے 6 گھنٹے کام کرنا چاہئے۔ اس کے یوم کار میں سے ضروری محنت کا وقت 2 گھنٹے ہوتا ہے اور اگر دوسری تمام باتیں یکساں رہیں تو وہ ایک متعین مقدار ہوتی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ خود یوم کار کی وسعت ابھی تک متعین نہیں ہوئی۔

آیئے فرض یہ کریں کہ ا۔ب۔ ضروری یوم کار کی طوالت کی نمائندگی کرتے

ہیں اور یہ ضروری یوم کار 6 گھنٹے ہے۔اب اگر محنت اس۔ا۔ب۔سے ایک گھنٹہ۔تین گھنٹے یا چھ گھنٹے بڑھ جائے تو مزید تین خطوط پیدا ہو جائیں گے یوم کار۔ا۔یوم کار۔۲۔یوم کار۔۳۔ا۔ب۔ج۔ا۔ب۔ج۔ا۔ب۔ج جو تین مختلف ایام کار۔۷۔۹ اور ۱۲ گھنٹوں کی نمائندگی کریں گے۔اس ا۔ب۔کے خط میں ب۔ج کی جو توسیع ہوئی ہے وہ زائد محنت کی نمائندگی کرتی ہے۔اب چونکہ یوم کار۔ب ج + یا ا ج ہے تو وہ متغیر مقدار۔ب ج۔کے ساتھ بدلتی ہے۔ا۔ب۔تو جاری اور باقی مقدار ہے لہٰذا ب ج کو ا۔ب سے جو نسبت ہے وہ ہمیشہ ناپی جا سکتی ہے یوم کار نمبر 1 میں وہ 1/6 ہے۔یوم کار نمبر 2 میں 3/6 اور یوم کار نمبر 3 میں ا۔ب کا 6/6 ہے۔مزید یہ کہ زائد وقت کار/ضروری وقت کار کی نسبت۔قدر زاید کے نرخ کا تعین کرتی ہے۔قدر زائد۔ب۔ج۔کی۔ا۔ج۔کی نسبت میں دی ہوئی ہے اور یہ مختلف ایام کار میں علی الترتیب اس انداز پر ہوتی ہے 12-2/3۔50 اور 100 فیصد دوسری طرف قدر زائد کا نرخ ہی صرف یوم کار کے طول کا پتہ نہیں دیتا۔اب اگر یہ نرخ مثلاً سو فیصد ہو تو یوم کار کے دو ترکیبی حصے ضروری محنت اور زائد وقت محنت اپنے طول میں مساوی ہیں لیکن اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ان حصص ترکیبی میں سے ہر ایک کا طول کیا ہے۔

یوم کار ایک دائمی مگر متغیر مقدار ہے۔اس کے حصوں میں سے ایک البتہ متعین ہوتا ہے اس وقت کار سے جو خود مزدور کی اپنی قوت محنت کے از سر نو پیدا کرنے کے لیے مطلوب ہوتا ہے مگر اس کی مجموعی مقدار زائد محنت کے وقفے کے تغیر کے ساتھ بدلتی ہے۔لہٰذا یوم کار قابل تعین تو ہے مگر جوہری طور پر وہ غیر متعین ہوتا ہے (ا)۔ہر چند یوم کار

(ا) ایک دن کی محنت یہ جملہ مبہم ہے۔یہ محنت کم بھی ہو سکتی ہے اور چھوٹی بھی (کاروبار اور غیر ملکی تجارت سے متعلق ایک مقالہ جس میں ٹیکسوں پر مباحث بھی شامل ہیں۔وغیرہ لندن 1770ء صفحہ 78)۔

غیر متبدل چیز نہیں ہے بلکہ ایک بہتی ہوئی چیز ہے تاہم اس کا یہ بہاؤ یا تغیر چند حدود کے اندر محدود رہتا ہے۔ البتہ اس کی کم سے کم حد قابل تعین نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اگر ہم توسیع شدہ خط ب۔ج۔ یا محنت زائد کو صفر کے برابر قرار دیں تو ہم ایک کم سے کم حد پالیں گے۔ یعنی دن کا وہ حصہ جس میں مزدور کو اپنے بقاء کے لیے لازمی طور پر کام کرنا چاہئے البتہ سرمایہ داری طرز پیداوار کی بنیاد پر یہ ضروری محنت یوم کار کا صرف ایک حصہ ہی ہوسکتی ہے اور خود یوم کار اس کم سے کم حد پر نہیں لایا جاسکتا۔ دوسری طرف یوم کار کی ایک زیادہ سے زیادہ حد ہے۔ وہ ایک خاص حد سے آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔ زیادہ سے زیادہ کی یہ حدود شرائط سے محدود ہوتی ہے۔ پہلی تو ہے قوت محنت کی طبعی حدود۔ فطری دن کے 24 گھنٹوں کے اندر ایک انسان اپنی قوت حیات کا ایک متعین حصہ ہی خرچ کرسکتا ہے۔ اسی طرح ایک گھوڑا روزانہ صرف 8 گھنٹے کام کرسکتا ہے۔ دن کے ایک حصے میں قوت حیات کو آرام ملنا چاہئے۔ سونے کا وقت ملنا چاہئے۔ کھانے۔ ہاتھ منہ دھونے اور کپڑے بدلنے کا وقت ملنا چاہئے۔ ان خالص طبعی پابندیوں کے علاوہ یوم کار کے طول کی راہ میں کچھ اخلاقی رکاوٹیں بھی ہیں۔ مزدور کی حاجت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے ذہنی اور سماجی تقاضوں کو پورا کرے۔ ان ذہنی اور سماجی تقاضوں کی وسعت اور تعداد کا انحصار سماج کے ارتقاء کی نوعیت پر ہے۔ نتیجہ یہ کہ یوم کار کا تغیر طبعی اور سماجی حدود میں محدود رہتا ہے۔ لیکن یہ دونوں حد بندیاں خود بڑی لچکدار ہوتی ہیں اور اس لچک کی وجہ سے کافی دائرہ تغیر کامل جاتا ہے۔ اس لیے یوم کار 8 گھنٹے کا بھی ہوتا ہے 10-12-14-16 اور 18 گھنٹے کا بھی یعنی متعدد قسم کے طول ہیں۔ یوم کار کے۔

سرمایہ دار نے قوت محنت۔ یومیہ نرخ۔ سے خریدی ہے۔ اس کے لیے اس قوت محنت کی استعمالی قیمت صرف ایک یوم کار سے تعلق رکھتی ہے اس طرح سرمایہ دار نے مزدور سے ایک دن کام کرانے کا حق حاصل کرلیا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ خود یوم کار کسے کہتے ہیں؟ (ا) (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یوم کار۔ کچھ بھی ہو مگر طبعی دن سے چھوٹا ہی ہوتا ہے کس قدر چھوٹا ہوتا ہے؟ سرمایہ دار اس آخری حد کی بابت جو یوم کار کی حد ہے اپنے مخصوص خیالات رکھتا ہے۔ سرمایہ دار اس حیثیت میں کہ وہ سرمایہ دار ہے صرف سرمایہ مجسم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کی رُوح سرمائے کی رُوح ہے۔ مگر سرمایہ صرف ایک حیاتیاتی رجحان رکھتا ہے یعنی یہ رجحان کہ قیمت اور قدر زائد پیدا کرے قیمت کے جاری عنصر آلات پیداوار۔ محنت مزید۔ جذب کرنے میں مدد دے (۱)

سرمایہ مردہ محنت کو کہتے ہیں۔ وہ ایک عفریت نما چیز ہے جو زندہ محنت کو چوس کر زندہ رہتا ہے اور جتنا زیادہ اسے چوستا ہے اتنا زیادہ رہتا ہے۔ وہ وقفہ جس میں مزدور کام کرتا ہے وہ وقت ہے جس میں سرمایہ دار اس قوت محنت کو جسے اس نے مزدور سے خریدا ہے استعمال (۲) کرتا ہے۔

اگر مزدور اپنا قابل فروخت وقت اپنے لیے خرچ کرے تو وہ سرمایہ دار کو لوٹ لیتا ہے۔

---

(۱) (حاشیہ پچھلے صفحہ کا) سر رابرٹ پیل نے برمنگھم کے ایوان تجارت میں جو مشہور سوال اٹھایا تھا یہ سوال اس سے زیادہ اہم ہے۔ ایک پونڈ کیا ہوتا ہے؟ یہ سوال صرف اس لیے پیدا ہوا کہ پیل بھی زر کی ماہیت سے اسی قدر بے خبر تھے جس قدر برمنگھم کے افراد۔

(۱) سرمایہ دار کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے صرف شدہ سرمائے سے زیادہ سے زیادہ قوت محنت خریدے۔ جے۔ پی کورسل

(۲) ایک دن کے صرف ایک گھنٹے کی محنت کا ضیاع ایک تجارتی ریاست کا بہت بڑا نقصان ہے...... اس مملکت کے مزدور طبقے میں سامان عیاشی کا استعمال بہت بڑھ گیا ہے خاص طور پر کارخانے داروں میں اس عیاشی میں وہ اپنا وقت بھی ضائع کرتے ہیں۔ جو سب سے زیادہ مہلک خرچ ہے (کاروبار اور غیر ملکی تجارت وغیرہ سے متعلق مقالہ صفحہ 47'153)

پھر سرمایہ دار بھی اجناس کے تبادلے کے قانون کو اپنا موقف بناتا ہے۔ دوسرے تمام خریداروں کی طرح اپنی جنس کی استعمالی قیمت سے زیادہ سے زیادہ ممکن فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ اچانک مزدور کی وہ آواز جو پیداوار کے شوروغوغا میں دبی رہتی ہے بلند ہوتی ہے۔

میں نے جو چیز آپ کے ہاتھ فروخت کی ہے وہ دوسری اجناس سے مختلف ہے اس لیے کہ اس کا استعمال قیمت کی تخلیق کرتا ہے اور ایک ایسی قیمت کی تخلیق جو اس کی اپنی قیمت سے زیادہ ہوتی ہے۔ یہ نہ ہوتا تو آپ اسے خریدتے کیوں؟ آپ کے اعتبار سے دیکھنے کی صورت میں جو چیز سرمائے کی خود بخود تخلیق نظر آتی ہے وہ میری قوت محنت کے زائد صرف سے پیدا ہوئی ہے۔ آپ اور میں بازار میں محض ایک قانون سے واقف ہیں۔ یہ قانون ہے قانون تبادلہ اجناس اور جنس کا استعمال فروخت کنندہ سے تعلق نہیں رکھتا جو اپنے آپ سے اسے جدا کرتا ہے بلکہ خریدار سے تعلق رکھتا ہے جو اسے حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا میری یومیہ قوت محنت کو آپ استعمال میں لاتے ہیں۔ پھر ہر روز آپ جو رقم مجھے دیتے ہیں اس کے ذریعے مجھے اس قابل ہونا چاہئے کہ میں اپنی قوت محنت کو روزانہ بحال کرسکوں اور اسے آپ کے ہاتھ فروخت کرسکوں۔ عمر وغیرہ کی بنا پر جو طبعی انحلال رونما ہو جاتا ہے اس سے قطع نظر مجھے ہر صبح اسی اوسط درجہ کی قوت صحت اور تازگی کے ساتھ کام کرنا چاہئے جس سے میں آج کام کر رہا ہوں۔ آپ مجھے ہمیشہ ''محبت'' اور ''پرہیزگاری'' کا سبق دیتے رہتے ہیں۔ یہ تو ٹھیک ہے۔ میں بھی ایک ہوشمند کفایت شعار مالک کی طرح اپنی دولت قوت محنت کو محفوظ رکھوں گا اور اسے ضائع ہونے سے بچاؤں گا۔ میں روزانہ اس کا فقط اس قدر حصہ خرچ کروں گا اور اپنے مصرف میں لاؤں گا کہ جو اس کے متعارف وقفہ زندگی کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکے اور صحت مندانہ ارتقاء کا ساتھ دے سکے۔ مگر یوم کار کی طوالت لامحدود کر کے آپ ایک ہی دن میں قوت محنت کی اتنی مقدار استعمال میں لے آتے ہیں جتنی میں تین دن کے اندر بحال کر پاتا ہوں۔

آپ محنت کی صورت میں جو حاصل کرتے ہیں میں جوہر حیات کی شکل میں کھو دیتا ہوں۔ میری قوت محنت کا استعمال اور اس کا تباہ کرنا دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اگر وہ اوسط مدت (جبکہ معقول مقدار کار انجام دی جاتی ہے) جس میں ایک اوسط درجے کا مزدور زندہ رہتا ہے تیس سال ہو تو میری قوت محنت کی قیمت جسے آپ روزانہ ادا کرتے رہتے ہیں 30×1/360 یا 1/10950 ہوگی کل قیمت کا لیکن اگر آپ اسے دس سال میں استعمال کرلیں۔ تو آپ مجھے کل قیمت کا 1/10950 دیں گے بجائے 1/3650 کے۔ یعنی روزانہ کی قیمت کا 1/3 حصہ۔ لہٰذا آپ میری جنس کا 2/3 روزانہ مجھ سے لوٹ لیں گے۔ آپ مجھے ایک دن کی قوت محنت کا معاوضہ ادا کرتے ہیں جبکہ استعمال میں تین دن کی قوت محنت لاتے ہیں۔ اور یہ بات ہمارے آپ کے معاہدے کے خلاف بھی ہے اور مبادلوں کے خلاف بھی۔ لہٰذا میرا یہ مطالبہ ہے کہ یوم کار مناسب وقفے کا مقرر کیا جائے اور میں آپ کے دل سے اپیل کیے بغیر یہ مطالبہ کر رہا ہوں اس لیے کہ روپے کے معاملات میں ایسی جذبات اپیلوں کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہوسکتا ہے کہ آپ ایک مثالی شہری ہوں۔ ممکن ہے آپ جانوروں پر بے رحمی کے انسداد کی انجمن کے ممبر بھی ہوں اور ساتھ ہی تقدس کے حامل بھی ہوں۔ لیکن میرے مقابل ہوکر ایک ایسی چیز کی نمائندگی کرتے ہیں جس کے سینے میں دل نہیں ہوتا۔ آپ کے سینے میں جو کچھ دھڑک رہا ہے وہ خود میرے دل کی دھڑکن ہے۔ میں اوسط درجے کا یوم کار کا مطالبہ کرتا ہوں اس لیے نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہر فروخت کنندہ کی طرح اپنی جنس کی قیمت کا مطالبہ کروں (۱)

---

(۱) لندن کے تعمیراتی کارکنوں کی ہڑتال کے دوران 1861ء 1886ء میں جو کہ اوقات کار کو 9 گھنٹے تک کم کرنے کے لیے کی گئی تھی۔ ان کارکنوں کی کمیٹی نے ایک منشور شائع کیا تھا جس میں بڑی حد تک ہمارے مزدوروں کا جو استدلال ہے وہ موجود تھا۔ اس منشور میں تھوڑی سی ستم ظریفی کا

تو اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بے حد لچکدار حدود سے قطع نظر۔ مبادلہ اجناس کی اپنی ماہیت یوم کار پر کوئی پابندی نہیں لگاتی۔ نہ زائد محنت پر کوئی پابندی لگاتی ہے۔ جب سرمایہ دار یوم کار کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا چاہتا ہے تو وہ خریدار کی حیثیت سے اپنا حق استعمال کرتا ہے اور جب بھی ممکن ہوتا ہے دو دن کے یوم کار کا ایک دن بنا دیتا ہے۔ ادھر دوسری طرف صورت یہ ہے کہ فروخت شدہ جنس کی مخصوص نوعیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خریدار جو اس کا استعمال کرے گا اس کی چند حدود ہیں اور مزدور فروخت کنندہ کی حیثیت سے اپنے اس حق کو باقی رکھتا ہے کہ جب چاہے یوم کار کو متعین مناسب وقفے سے آگے نہ بڑھنے دے تو اس صورت میں ایک متضادسی نوعیت پیدا ہوگئی ہے۔ ایک حق دوسرے حق کے خلاف کھڑا ہوگیا ہے اور ان دونوں میں سے ہر حق مبادلے کے قوانین کی مہر اپنے اوپر لگائے ہوئے ہے۔ جب یکساں حقوق آمنے سامنے آجائیں تو پھر طاقت ہی فیصلہ کرنے والی رہ جاتی ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ سرمایہ داری پیداوار کی تاریخ میں اس بات کا تعین کہ یوم کار کتنا ہوتا ہے ایک جدوجہد کے طور پر ممکن ہوتا ہے یہ جدوجہد مجموعی سرمائے یعنی طبقہ سرمایہ دار اور مجموعی محنت یعنی طبقہ مزدور کے درمیان ہوتی رہی ہے۔

❖❖

(بقیہ حاشیہ) ایک صاحب سربیٹو بھی شامل تھے جو تقدس کے حامل بھی تھے (یہی بیٹو صاحب 1767ء کے بعد اسٹراسبوگ میں اپنے اختتام کو پہنچے)۔

فصل دوئم

محنت زائد کی حرص کارخانہ دار اور ارکان امراء

سرمائے نے محنت زائد کی اختراع نہیں کی ہے۔ جب سوسائٹی کے ایک طبقے کے پاس ذرائع پیداوار کی اجارہ داری ہوتی ہے تو مزدور آزاد ہو یا نہ ہو مجبور ہوتا ہے کہ اس وقت کار میں جو اس کی زندگی کے لیے ضروری ہوتا ہے کچھ اور وقت محنت کا اضافہ کرے تاکہ ذرائع پیداوار کے مالک کے لیے وسائل خوردونوش مہیا کرے۔ چاہے یہ مالک یونانی امیر ہو۔ اڑاسکائی کا فقیہ۔ روم کا دولت مند۔ نارمن سردار۔ امریکہ کا غلاموں کا مالک۔ ویلیشا کا رئیس۔ جدید عہد کا زمیندار اور سرمایہ دار ہو (ا)۔ یہ بات بالکل صاف ہے کہ سماج کے کسی بھی نظام میں جہاں پیداوار کی مبادلاتی قیمت کے بجائے استعمالی قیمت کا رواج ہو۔ محنت زائد حاجات کے ایک نظام سے جو بڑا بھی ہوسکتا ہے اور چھوٹا بھی محدود ہوتی ہے اور اس ضمن میں زائد محنت کے لیے جو لامحدود بھوک

(ا) پائے بوہراپنی ''تاریخ روم'' میں بڑے طفلانہ انداز میں لکھتا ہے ''یہ بالکل ظاہر ہے کہ وہ تعمیرات جو اٹرسکنون نے بنائی تھیں وہ اپنے کھنڈروں کی شکل میں یہ بتاتی ہیں کہ اس زمانے میں آقا اور غلام موجود تھے۔ سانڈی نے اس بات کو زیادہ مناسب انداز میں کہا ہے کہ بروسلز کپڑے کی جھالریں یہ بتاتی ہیں کہ آجر بھی تھے اور غلام مستاجر بھی۔

ہوتی ہے وہ پیداوار کی اپنی ماہیت سے پیدا نہیں ہوتی۔ اسی لیے ازمنہ قدیمہ میں کثرت کار اسی وقت دہشتناک بنتی ہے جب مقصد قیمت مبادلہ کا اس کی خاص آزادانہ شکل زر میں وصول ہوتا تھا۔ یعنی جب مقصد قیمت مبادلے کا حصول۔ سونے اور چاندی کے نکالنے کی شکل میں ہوتا تھا۔ کثرت کار سے تھک کر مر جانا۔ موت کی سماجی طور پر متعارف شکل تھی۔ ڈیوڈ واس سیکولس۔ کا مطالعہ اس مقصد کے لیے کافی ہے(۱)۔ تاہم ازمنہ قدیمہ میں بھی یہ واقعات مستثنیات میں شامل تھے مگر جونہی وہ قوم جس کا طرز پیداوار غلام مزدوروں اور بیگار کرنے والے مزدوروں سے چلنے والا پست درجے کا طرز ہو۔ بین الاقوامی بازار کے ہنگاموں میں جس میں سرمایہ داری طرز پیداوار رائج ہوتا ہے آ پھنستی ہے اور برآمد کے لیے پیداواروں کی فروخت ان کا مقصود بن جاتا ہے تو مہذب عہد کی کثرت کار کی دہشت ناکیاں۔ غلامی اور چاکری وغیرہ کے عہد کے وحشیانہ مظالم پر مستزاد ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ امریکی یونین کی جنوبی ریاستوں کے نیگروں مزدور اس وقت تک جب تک ان کی پیداوار فوری مقامی استعمال کے لیے مخصوص رہی تو ان کا کردار ایک ایسے معاشرے کے مزدوروں کی طرح کا رہا جو قبائلی طرز کا ہو اور جس کا ایک سردار ہو لیکن جونہی ان امریکی ریاستوں کو روئی کی برآمد سے دلچسپی پیدا ہوگئی تو نیگرو مزدور کی کثرت کار اور بعض اوقات کثرت کار کی وجہ سے سات سال تک ان کا خون چوس کر اسے مار دینا اس سازشی نظام کی خصوصیت بن گیا۔ پھر سوال یہ نہ رہا کہ مزدور سے چند مفید پیداواروں کی

---

(۱) ان بدبختوں کو (مصر۔ حبشہ اور عرب کے درمیان کی سونے کی کانوں میں) جن کے جسم گندے اور کپڑوں سے محروم ہیں جو بھی دیکھے گا ان کے حال زار پر رحم کرے گا ان کانوں میں نہ تو بیمار کے لیے معافی نہ بوڑھے کے لیے اور نہ عورتوں کی کمزوری کے لیے۔ سب کو مار اور پٹائی سے ڈر کر کام کرنا پڑتا ہے۔ تا آنکہ موت ان کے مصائب و مشکلات کا خاتمہ کر دے۔ (ڈیوڈ واس سیکولس تاریخ بائبل)

ایک متعین مقدار حاصل کی جائے۔ اب تو سوال خود زائد پیداوار کے حصول کا سامنے آ گیا۔ یہی صورت بیگار کرنے والوں کی ہوئی مثلاً دریائے ڈینیوب کے قریبی علاقوں کی (جواب رومانیہ کے نام سے مشہور ہیں)۔

ڈینیوبی علاقوں میں زائد پیداوار کی جو حرص تھی اس کا توازن انگلستانی کارخانوں میں زائد پیداوار کی جو حرص ہے اس سے کرنا ایک خاص دلچسپی کا حامل ہے اس لیے کہ بیگار کرنے والے مزدوروں کی زائد پیداوار اپنی ایک نمایاں اور واضح شکل رکھتی ہے۔

فرض کرو۔ یوم کار 6 گھنٹے کی محنت اور 6 گھنٹے کی زائد محنت پر مشتمل ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ آزاد مزدور سرمایہ دار کو فی ہفتہ 6×6 یعنی 36 ہفتے زائد محنت کے دیتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے مزدور ہفتے میں تین دن سرمایہ دار کے لیے مفت کام کرے۔ سطحی طور پر یہ بات اتنی واضح نہیں ہوتی۔ زائد محنت اور ضروری محنت ایک دوسرے میں مخلوط ہو کر رہ جاتی ہیں۔ لہٰذا میں اس رشتے کو اس طرح ظاہر کرسکتا ہوں کہ مزدور ہر گھنٹے میں تیس منٹ اپنے لیے کام کرتا ہے اور تیس منٹ سرمایہ دار کے لیے مگر بیگار کرنے والے کی صورت اس سے مختلف ہے۔ ویلشیا کا کسان اپنی بقا کے لیے جو محنت کرتا ہے وہ اس زائد محنت سے پوری طرح متمیز ہوتی ہے جو وہ اپنے مالک کے لیے کرتا ہے۔ پہلا کام وہ اپنی کھیتی پر کرتا ہے اور دوسری محنت مالک کے کھیتوں پر کرتا ہے تو یوں وقت محنت کے دونوں حصے جداگانہ طور پر مگر ایک دوسرے کے شانہ بشانہ موجود ہوتے ہیں۔ بیگار میں زائد محنت ٹھیک ٹھیک طرح ضروری محنت سے ممتاز ہوتی ہے۔ تاہم اس سے ضروری محنت اور زائد محنت کے درمیان جو کمی رشتہ ہوتا ہے اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا اس لیے کہ ہفتے میں تین دن کی زائد محنت تین دن ہی کی رہتی ہے جو کہ خود کسان کو کوئی مساوی چیز نہیں دیتی چاہے اسے بیگاری محنت کہا جائے یا اجرتی محنت سرمایہ دار میں زائد محنت کی حرص اس شکل میں

کے دن براہ راست بڑھانے کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے(۱)۔

ڈینیوب کے صوبجات میں بیگار لگان بالعکس اور غلامی کے دوسرے متعلقات کے ساتھ خلط ملط ہو کر رہ گیا ہے۔ تا آنکہ ان طبقوں کو جو کچھ پیش کیا جاتا ہے یہ اس میں سب سے اہم خیال کیا گیا ہے۔ جہاں صورتحال یہ ہوتی ہے وہاں بیگار غلامی کے درجے سے کم ہی اوپر اٹھتی ہے ادھر غلامی عام طور پر بیگار سے پیدا ہوتی ہے یہی وہ صورتحال تھی جو رومانیہ کے صوبوں میں رونما ہوئی۔ ان کے یہاں ابتدائی طرز پیداوار اشتراک زمین پر مبنی تھا لیکن اس کی شکل سلافی یا ہندوستانی انداز کی نہ تھی۔ زمین کا ایک حصہ برادری کے ارکان جدا جدا آزاد ملکیت کے طور پر کاشت کرتے تھے اور باقی ایک حصے کو سب مشترک طور پر زیر کاشت لاتے تھے۔ اس مشترک محنت کی پیداواروں کا ایک حصہ خراب فصل کے زمانے یا دوسرے حوادث سے مقابلے کے لیے رکھا جاتا تھا اور کچھ حصہ جنگ مذہب اور دوسرے مشترک مقاصد کے اخراجات کے لیے رکھا جاتا۔ کچھ عرصے بعد فوج اور مذہب سے تعلق رکھنے والے ارباب بست وکشاد نے اس زمین اور اس پر جو محنت صرف کی گئی تھی اس کو غصب کرلیا۔ آزاد کاشتکار اپنی مشترک ملک والی زمین پر جو محنت کرتا تھا اس زمین کے چرانے والوں کے لیے بیگار کا کام کرنے لگا اور جلد ہی یہ بیگار کرنے والے عملاً گو قانوناً نہیں غلام بن گئے تا آنکہ روس نے دنیا کو آزادی دلانے والے کی حیثیت سے غلامی کی تنسیخ کا عذر کر کے اس رشتے کو قانونی حیثیت دے دی۔ بیگار کے جس قانون کا روس کی مجلس مقننہ نے 1831ء میں اعلان کیا وہ واضح طور پر جاگیرداروں کے زیر اثر بنا تھا۔ اس طرح روس نے ایک ہی ضرب میں صوبجات ڈینیوب کے رؤسا کو بھی فتح کرلیا اور ساتھ ہی یورپ بھر کے فاتر العقل لبرلوں کی تحسین و

---

(۱) کریمیا کی جنگ نے جو تبدیلی پیدا کی اس سے پہلے رومانیہ کے صوبوں میں جو صورتحال تھی مابعد کی بحث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

توصیف بھی حاصل کر لی۔

بیگار کے قانون کو ''رگلیمنٹ آرگینک'' کہا جاتا ہے اس کی رو سے ویلیشیا کا ہر کاشتکار نام نہاد زمیندار کو اجناس کی شکل میں جو تفصیلی ادائیگیاں کرے گا ان کے علاوہ (۱) 12 دن کی عام محنت کرے گا (۲) ایک دن کھیت میں کام کرے گا (۳) ایک دن لکڑیاں اٹھانے کا کام کرے گا۔ یوں مجموعی فی سال 14 دن کی محنت کرے گا۔ فلسفہ معاشیات کی مہارت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ حضرات یوم کار کو عام مفہوم میں نہیں لیتے۔ بلکہ یوم کار کو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ وہ دن نہیں ہے جو ایک اوسط درجے کی یومیہ پیداوار وجود میں لانے کے لیے ضروری ہوتا ہے اور وہ اوسط یومیہ پیداوار ایسی چالاکی کے ساتھ متعین کی گئی ہے کہ ایک جن بھی 24 گھنٹے میں پورا نہ کر سکے۔ خشک تر الفاظ میں رگلیمنٹ نے خود پروشیائی ستم ظریفی کے ساتھ یہ کہا ہے کہ 12 ایام کار سے 36 دن کی جسمانی محنت مراد لینی چاہیے اور ایک دن کی کھیت محنت سے تین دن کی محنت سمجھنی چاہئے اور اسی طرح ایک دن کی لکڑیاں اٹھانے کی محنت سے تین گنی محنت سمجھی جانی چاہئے۔ یہ مجموعی طور پر 42 دن کی بیگار کی محنت ہوئی۔ اب اس پر مستزاد ہے نام نہاد۔ جوباگی خدمت۔ یہ وہ خدمت ہے جو غیر معمولی مواقع پر آقا کی کی جاتی ہے ہر گاؤں اپنی آبادی کی نسبت سے اس بات پر مجبور تھا کہ وہ جوباگی کے لیے ایک متعین جماعت مخصوص کرے۔ یہ مستزاد بیگار ویلیشیا کے ہر کاشتکار پر 14 دن فی سال کے حساب سے پڑتی تھی اور اس طرح سالانہ مقررہ بیگار 56 دن کی ہو جاتی تھی لیکن ویلیشیا میں موسم کی سختی کی وجہ سے زرعی سال صرف 200 دن کا ہوتا ہے جن میں چالیس دن سنڈے کے اور چھٹیوں کے ہوتے تھے۔ 30 دن اوسطاً خراب موسم کے گویا ستر دن تو شمار میں رہتے ہی نہیں۔ اب باقی رہے 140 دن۔ ضروری محنت سے بیگار کا اوسط 56/84 یا 66-3-6/3% ہوا جو کہ قدر زائد کا اس اوسط سے بہت کم اوسط باقی رکھتا ہے جو انگلستان کے کاشتکار کی محنت سے

انگلستان کے کارخانوں کے قوانین کے مقابل کہیں معتدلانہ ہے رگلیمنٹ آرگینک کو یہ اندازہ بھی تھا کہ اس کی پابندیوں سے بچنے کا کیا طریقہ ہے چنانچہ 12 دن کو 56 بنا کر بیگار کے ان 56 دنوں کے کام کو اس طرح رکھا گیا کہ اس کا ہر حصہ ایک دن کے فرق سے ہوتا رہے مثلاً ایک دن کھیت کو خس وخاشاک سے صاف کرنے کے لیے رکھا گیا تھا لیکن یہ کام خاص طور پر مکئی کی بوائی کے زمانے میں اس سے دوگنے وقت میں مکمل ہوسکتا تھا۔ بعض قسم کی زرعی محنتوں کے لیے ایک قانونی دن کے کام کی ان انداز میں تشریح ہوسکتی تھی کہ یہ دن شروع تو ہوتا مئی کے مہینے میں اور ختم ہوتا اکتوبر کے مہینے میں اور مولڈیویا میں تو حالات اس سے بھی خراب تھے چنانچہ ایک جاگیردار نے بڑے فاتحانہ انداز میں کہا کہ رگلیمنٹ آرگینک کے مقرر کردہ ایام بیگار سال میں 325 دن کے برابر ہوتے ہیں (ا)۔

اب اگر یہ سمجھا جائے کہ صوبہ جات ڈینیوب کا یہ رگلیمنٹ آرگینک زائد محنت کی وہ مثبت حرص تھی جس کو ہر پیراگراف میں قانونی شکل دی گئی تھی تو انگلستان کے قوانین کارخانہ کو اس حرص کی منفی شکل قرار دینا پڑے گا یہ قوانین قوت محنت کے لامحدود غصب کے لیے سرمائے کی جو حرص ہوتی ہے اس پر پابندی لگاتے ہیں اس طرح کہ وہ ان ریاستی قوانین کے ذریعہ یوم کار پر جبریہ پابندیاں عائد کرتے ہیں جو ایک ایسی حکومت نے بنائے ہیں جسے سرمایہ دار اور جاگیردار چلا رہے تھے۔ مزدوروں کی اس تحریک سے قطع نظر جو روزانہ خطرناک تر ہوتی چلی جارہی ہے کارخانوں میں محنت کے اوقات پر پابندی اسی ضرورت سے لگانی پڑی جس ضرورت نے انگلستانی کھیتوں میں کھاد ڈالنے پر مجبور کردیا۔ لوٹ کے لیے ایک اندھی خواہش نے زمین کو بھی بنجر بنادیا اور اسی نے قوم کی زندہ قوتوں کو جڑوں

(ا) اس کی مزید تفصیلات ای ریگنالٹ کی کتاب ہسٹری پولٹیک اٹ سوشل ڈس پرسپاٹے ڈینیوبینز پیرس 1855 میں ملیں گی۔

سے اکھاڑ پھینکا۔ یہ جو آئے دن وبائیں پھیلتی ہیں یہ اسی بات کو بتاتی ہیں جسے جرمنی و فرانس کے فوجی معیار کے گر جانے کی صورتحال بتاتی ہے(۱)۔

1858ء کا فیکٹری ایکٹ جواب نافذ العمل ہے۔(1867ء) اوسطاً دس گھنٹے کے یوم کار کی اجازت دیتا ہے۔یعنی ہفتے کے پہلے 5 دن میں 12 گھنٹے کا دن۔صبح 6 بجے سے شام کے 6 بجے تک۔جس میں آدھا گھنٹہ صبح کے ناشتے کا بھی شامل ہے اور ایک گھنٹہ دوپہر کے کھانے کا بھی۔اس طرح ساڑھے دس گھنٹے یوم کار کے ہوئے اور آٹھ گھنٹے سنیچر کے 6 بجے صبح سے دوپہر کے دو بجے تک جس میں سے آدھا گھنٹہ صبح کے

---

(۱) ایک عام اصول یہ ہے جو چند حدود کے اندر صحیح ہے کہ ذی حیات کے بعض افراد کا اپنے اوسط سے زائد حجم کا ہونا ان کی خوشحالی کا پتہ دیتا ہے جہاں تک انسان کا تعلق ہے اس کی جسمانی طوالت کم ہو جاتی ہے اگر اس کے نشوونما میں طبعی یا سماجی حالات کی بنا پر رکاوٹ پڑ جائے ان تمام یورپی ممالک میں جہاں جبریہ بھرتی جاری ہے جب سے اس بھرتی پر عمل شروع ہوا ہے نوجوانوں کا اوسط قد اور عام طور پر فوج کے لیے ان کی موزونیت کم ہوگئی ہے انقلاب سے پہلے (1789ء) فرانس میں پیدل فوج کے جوانوں کی لمبائی 165 سینٹی میٹر تھی۔ 1818ء میں (دس مارچ کا قانون) 157 اور 1852ء کے قانون کی رو سے 156 سینٹی میٹر تھی۔فرانس میں اوسطاً آدھے سے زیادہ امیدوار قد کی کمی یا جسمانی کمزوری کی بنا پر مسترد کر دیے جاتے تھے۔1789ء میں سیکسنی میں فوجی معیار 178 سینٹی میٹر تھا اور اب 145 ہے پروشیا میں 157 ہے۔بویریا کے گزٹ 9 مئی 1864ء میں ڈاکٹر میئر نے کہا ہے کہ 9 سال کے دوران جو اوسط نکال کر دیکھا گیا تو نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ پروشیا میں جو ایک ہزار افراد بھرتی کیے گئے ان میں سے 716 فوجی خدمت کے لیے ناموزوں ثابت ہوئے۔317 قد کی کمی کی وجہ سے اور 399 جسمانی خرابیوں کی وجہ سے...... برلین 1858ء میں مناسب افراد بھرتی نہ کر سکا۔ 156 آدمیوں کی کمی رہی۔ جے فان لائبک کی کتاب ساتواں ایڈیشن جلد اول صفحہ 117-118۔

ناشتے کا کم کر دینا چاہئے۔ اس طرح 60 گھنٹے بچے۔ ساڑھے دس گھنٹے تو پہلے پانچ دن میں سے ہر ایک دن کے اور ساڑھے سات گھنٹے آخری دن کے (۱) کے۔ ان قوانین کے نفاذ کے لیے بعض نگہبان بھی مقرر کیے گئے ہیں یعنی فیکٹری انسپکٹران جو براہ راست ہوم سیکرٹری کی نگرانی میں ہوتے ہیں اور ان کی رپورٹ ہر چھ ماہ میں پارلیمنٹ کے حکم کے تحت شائع ہوتی رہتی ہے۔ یہ رپورٹیں زائد محنت کے لیے سرمایہ داروں کی جو حرص ہوتی ہے اس کے متعلق باقاعدہ سرکاری اعداد و شمار مہیا کرتی رہتی ہیں۔

آیئے ذرا فیکٹری کے ان انسپکٹروں کی باتیں سنیں (۲)

---

(۱) 1950ء کے فیکٹری ایکٹ کی تاریخ اسی باب کے دوران ملے گی۔

(۲) میں نے انگلستان میں جدید صنعت کے ارتقاء سے لے کر 1845ء کے زمانے تک کا یہاں مختلف مقامات پر ذکر کیا ہے۔ اس عہد کے واقعات کے مطالعے کے لیے میں قاری کی توجہ کتاب بعنوان ''ڈائی لاگے ڈر آرہائی ٹنڈن کلاسے ان انگلینڈ'' کی طرف مبذول کراؤں گا جس کے مصنف فریڈرک اینگلز ہیں۔ لیپزگ 1845ء اینگلز نے کتنے مکمل انداز میں سرمایہ داری طرز پیداوار کو سمجھا تھا اس کا ثبوت فیکٹریوں کی رپورٹوں سے اور کانوں وغیرہ کی رپورٹوں سے ہوسکتا ہے جو کہ 1845ء سے شائع ہو رہی ہیں اور متعلقہ حالات کو اس نے کتنے عجیب و غریب انداز میں تفصیل سے بیان کیا ہے وہ اس کتاب کے چلڈرنس ایمپلائمنٹ کمیشن کی ان سرکاری رپورٹوں سے سطحی موازنے کے بعد ہی ظاہر ہو جائے گا جو 18-20 سال کے بعد (1863۔1867ء) میں شائع ہوئیں۔ یہ رپورٹیں خاص طور صنعت کی ان شاخوں سے تعلق رکھتی ہیں جن میں فیکٹری کے قوانین کا 1862ء تک بلکہ فی الواقع اب تک اطلاق نہیں ہوا۔ یہاں اینگلز نے جو تصویر کشی کی ہے اس سے متعلق حالات کی حکام نے یا تو کوئی اصلاح نہیں کی اور یا کی تو بہت کم۔ میں نے اپنی مثالیں 1848ء کے بعد کے آزاد تجارت کے دور سے لی ہیں اور یہ وہ بہشت آسا دور ہے جس کی بابت آزاد تجارت کے مداحین جو اودھم باز بھی ہیں اور جاہل بھی اتنی بے سرو پا کہانیاں سناتے ہیں باقی دوسری (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دھوکے باز مل مالک صبح چھ بجے سے پاؤ گھنٹے (کبھی کم کبھی زیادہ) پہلے کام شروع کرتا ہے۔ اور چھ بجے شام کے کچھ دیر بعد (کچھ پہلے یا کچھ بعد) کام ختم کرتا ہے۔ ناشتے کے لیے جو آدھ گھنٹہ برائے نام دیا جاتا ہے وہ اس کے آغاز اور اختتام سے پانچ منٹ اور لے لیتا ہے اور دوپہر کے کھانے کے لیے جو برائے نام ایک گھنٹہ دیا جاتا ہے اس کے آغاز اور اختتام سے بھی دس منٹ کم کر دیتا ہے۔ وہ سنیچر کے دن دو بجے کے بعد 15 منٹ کام کرتا ہے (کبھی زیادہ کبھی کم) اس طرح اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے۔

6 بجے سے پہلے		15 منٹ
6 بجے کے بعد		15 منٹ
ناشتے کے وقت		10 منٹ
دوپہر کے کھانے کے وقت		20 منٹ
		60 منٹ
پانچ دن	300 منٹ	
سنیچر کے دن 6 بجے سے پہلے		15 منٹ
صبح کے ناشتے کے وقت		10 منٹ
دو بجے کے بعد		15 منٹ
		40 منٹ
مجموعی ہفتہ وار	340 منٹ	

یا یوں کہئے کہ ہفتہ وار پانچ گھنٹے چالیس منٹ جسے اگر سال کے پچاس ہفتہ

(بقیہ حاشیہ) چیزوں میں انگلستان سب سے پیش پیش ہے اس لیے کہ وہ سرمایہ داری پیداوار کی کلاسیکی مثال ہے اور صرف انگلستان ہی ہے جہاں ان اشیاء کے سرکاری اعداد و شمار موجود ہیں جن پر ہم یہاں غور کر رہے ہیں۔

ہائے کار سے ضرب دیا جائے (جن میں سے دو ہفتے تعطیلات اور اتفاقی طور پر کام بند ہو جانے کے رکھے جائیں) تو 27 ایام کار کے برابر مدت پڑتی ہے(۱)

''ایک دن پانچ منٹ زیادہ کام کیا جائے اور اسے پچاس ہفتوں سے ضرب دی جائے تو وہ سال بھر میں ڈھائی دن کی محنت کی پیداوار کے برابر ہوتی ہے(۲)''۔

''چھ بجے سے پہلے اور بعد جو پانچ منٹ زائد کام کو اور طعام کے لیے جو برائے نام وقت رکھا جاتا ہے اس کے آغاز و اختتام پر جو مستزاد کام ہو وہ سال میں 13 مہینے کام کرنے کے برابر ہوتا ہے(۳)۔''

وہ بحران جن میں کام رک جاتا ہے اور وہ زمانہ جب کارخانے کم وقت کام کرتے ہیں یعنی ہفتے کے صرف ایک حصے میں کام کرتے ہیں۔ اس سے فطرتاً یوم کار میں اضافے کے رجحان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جتنا کاروبار کم ہوگا اتنا ہی اس کاروبار پر زیادہ فائدہ لیا جائے گا۔ کام پر جتنا کم وقت صرف ہوگا اتنا ہی اس کام کا زیادہ حصہ زائد وقت محنت میں بدلا جائے گا۔

1857ء سے 1858ء کے درمیان کی بحرانی مدت کے بارے میں فیکٹریوں کے انسپکٹروں نے بتایا ہے۔

یہ بات کچھ بے ربط سی معلوم ہوتی ہے کہ ٹھیک اسی زمانے میں کثرت کار ہو جب کاروبار اس قدر بری حالت میں ہو۔ لیکن بری حالت میں کاروبار کا ہونا بھی غیر محتاط افراد کو قانون شکنی پر آمادہ کرتا ہے۔ چنانچہ وہ زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنا چاہتے

---

(۱) فیکٹری ریگولیشنز ایکٹ میں مسٹر ایل ہارنر انسپکٹر آف فیکٹریز کے مشورے ایوان عام کے حکم سے یہ 19 اگست 1859ء کو چھپے صفحہ 4-5

(۲) فیکٹریوں کے انسپکٹر کی رپورٹیں بابت نصف سال اکتوبر 1856ء صفحہ 35

(۳) رپورٹیں وغیرہ اپریل 1858ء صفحہ 9

ہیں۔ لیونارڈ ہارنر نے کہا ہے کہ گزشتہ سال میں میرے ضلع میں 122 ملیں بند رہیں اور 143 بیکار کھڑی رہیں تاہم کثرت کار مقررہ قانونی اوقات سے برابر زیادہ ہی رہی (۱)۔

''مسٹر ہاول کہتے ہیں کہ وقت کے کافی بڑے حصے میں کاروبار کے مندہ پڑ جانے کی وجہ سے بہت سی فیکٹریاں بالکل بند رہیں اور ان میں سے بھی زیادہ تعداد میں ایسی فیکٹریاں تھیں جو کم وقت کام کرتی رہیں۔ تاہم مجھے حسب معمول برابر شکایات ملتی رہیں کہ دن کے آدھے یا پون گھنٹے کو مزدوروں سے چھین لیا گیا اور جو وقت ظاہر بظاہر آرام یا تفریح کے لیے مزدوروں کو دیا جاتا ہے اس پر ڈاکہ ڈالا گیا (۲)۔''

یہی صورتحال ذرا کم پیمانے پر 1861ء سے 1865ء تک کے روئی کے دہشتناک بحران کے زمانے میں بھی رونما ہوئی (۳)۔ بعض وقت بطور عذر کے یہ کہا جاتا ہے کہ جب لوگ کسی کارخانے میں کھانے کے گھنٹے میں یا کسی اور غیر قانونی وقت پر کام کرتے دیکھے جائیں تو مقررہ وقت پر وہ مل سے باہر نہیں جاتے اور کام بند کرنے کے لیے ان پر جبر کرنا پڑتا ہے (تاکہ ان کی مشینری وغیرہ کو صاف کیا جاسکے) خاص طور پر یہ صورتحال سنیچر کی شام کو پیش آتی ہے۔ لیکن اگر مزدور مشین کے بند ہونے کے بعد بھی کارخانے میں رہیں...... تو وہ اس طرح کام میں نہ لگے رہتے اگر چھ بجے سے پہلے

---

(۱) رپورٹیں وغیرہ بحوالہ سابقہ صفحہ 43۔

(۲) رپورٹیں وغیرہ بحوالہ سابقہ صفحہ 25

(۳) اپریل 1861ء کو ختم ہونے والے نصف سال سے متعلق رپورٹیں ملاحظہ ہو صفحہ نمبر 2 رپورٹیں وغیرہ 31 اکتوبر 1862ء صفحہ 7-52-53-1823ء کے آخری نصف سال میں قوانین کی خلاف ورزیوں کا سلسلہ کافی بڑھ گیا۔ 31 اکتوبر 1863ء کو ختم ہونے والے زمانے سے متعلق رپورٹیں وغیرہ

(نقل مطابق اصل) یا دو بجے کے بعد سنیچر کے دن صفائی وغیرہ کے مقصد کے لیے مناسب وقت رکھا جاتا (ا)۔

(ا) رپورٹ وغیرہ 31 اکتوبر 1860 صفحہ 23 عدالت میں مالکان کارخانہ نے جو گواہیاں دی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ مزدور کارخانے میں جو محنت ہوتی ہے اس میں رکاوٹ پیدا ہونے کی کس قدر مخالفت کرتے ہیں۔ حسب ذیل واقعہ سے اس بات کا اظہار ہوگا۔ جون 1836ء کے آغاز میں ڈیوسبری (یارک شائر) کے مجسٹریٹوں کو اطلاع ملی کہ مضافات بیٹلی کے آٹھ کارخانوں کے مالکوں نے قوانین کارخانہ کی خلاف ورزی کی ہے۔ ان میں سے بعض بزرگواروں نے 12 اور 15 سال کی عمر کے درمیان کے 5 بچوں سے جمعہ کی صبح کے 6 بجے سے سنیچر کی شام کے 4 بجے تک کام کرایا اور اس دوران میں صرف کھانا کھانے کی مہلت دی اور رات کے وقت صرف ایک گھنٹے سونے دیا۔ اوران بچوں کو 30 گھنٹے مسلسل یہ کام ''گندے کمروں'' میں کرنا پڑا۔ ان کمروں کو گندے کمروں کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان کمروں میں اون کے ٹکڑے کیے جاتے ہیں اور اس لیے سارا ماحول اون کے ٹکڑوں اور گرد وغبار سے اس قدر بوجھل رہتا ہے کہ جوان مزدور بھی کام کرتے وقت اپنے منہ رومال سے ڈھانکے رہتے ہیں۔ تا کہ پھیپھڑوں کو ان کے مضر اثرات سے محفوظ رکھیں۔ ملزم حضرات نے قسم کھانے کے بجائے اس لیے کہ گروہ کوئیکرس سے متعلق ہونے کی بنا پر وہ اتنے مذہبی ہیں کہ قسم کھانے پر راضی نہ ہوئے۔ اس بات کا دعویٰ کیا کہ انہوں نے ان بدقسمت بچوں پر رحم کرتے ہوئے انہیں چار گھنٹے سو جانے کی اجازت دے دی تھی۔ لیکن یہ قیدی بچے سونے پر راضی نہ ہوئے چنانچہ ان مذہبی حضرات کو بیس پونڈ کی آمدنی ہوئی اسی قسم کے شرفاء کے پیدا ہونے کی ڈرائیڈن نے پیش بینی کی ہوگی جب یہ کہا کہ

لومڑی جو تقدس سے بھری ہوئی تھی قسم کھانے سے ڈری مگر شیطان کی طرح جھوٹ بولی۔

وہ پاکیزگی سے بھری نظر آرہی تھی اور اس کی نیکیاں مقدس تھیں اور گناہ کرنے کی جرأت نہ رکھتی تھی تا آنکہ وہ پہلے دعائے مقدس پڑھ لے۔

اس سے (قانون توڑ کر زیادہ کام کرانے سے) جو نفع حاصل ہوتا وہ بہت سے لوگوں کو اتنا خود غرض بنا دیتا اور وہ اس غرض کے دباؤ میں آجاتے کہ ذہن میں خیال یہ ہوتا کہ ممکن ہے ان کا یہ جرم نہ پکڑا جائے اور جب یہ بات بھی سامنے ہو کہ جرم پکڑا جائے گا تو جرمانہ جو پکڑے جانے والوں کو ادا کرنا پڑتا ہے ایسا زیادہ نہیں ہے۔ لہٰذا وہ یہ سوچتے کہ اگر پکڑے بھی گئے اور جرمانہ بھی ہوا تو بھی رہیں گے نفع ہی میں (۱)۔ ایسے معاملات میں جن میں مزید وقت دن کے مختلف اوقات کی چوری سے حاصل ہوتا ہے انسپکٹروں کے لیے بڑی مشکل ہوتی تھی کہ وہ اپنا مقدمہ کیسے بنائیں (۲)۔

مزدور کے کھانے اور آرام کے وقت میں سے سرمائے کی ان ''چھوٹی چھوٹی چوریوں'' کو تو کارخانوں کے انسپکٹروں نے بھی ''لمحات کی چھوٹی چوریاں'' قرار دیا ہے (۳)۔ ''چند منٹ کو کھسکا لینا (۴)''۔ یا جیسا کہ مزدور کہتے ہیں ''طعام کے اوقات کو کتر لینا (۵)''۔

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ زائد محنت سے قدر زائد کی یہ تشکیل کوئی راز نہیں ہے۔ ایک بہت ہی باعزت مالک کارخانہ نے مجھ سے کہا کہ ''اگر آپ مجھے روزانہ دس منٹ مزید کام کرانے کی اجازت دے دیں تو آپ سالانہ ایک ہزار پونڈ میری آمدنی میں بڑھا دیں گے (۶)''۔ ''لمحے وہ عناصر ہیں جن سے منافع وجود میں آتا ہے (۷)۔''

---

(۱) رپورٹیں 31 اکتوبر 1856ء صفحہ 34

(۲) بحوالہ سابقہ صفحہ 35

(۳) بحوالہ سابقہ صفحہ 48

(۴) بحوالہ سابقہ صفحہ 48

(۵) بحوالہ سابقہ صفحہ 48

(۶) بحوالہ سابقہ صفحہ 48 (۷) انسپکٹروں وغیرہ کی رپورٹیں 30 اپریل 1860ء صفحہ 56

اس نقطہ نظر سے آپ دیکھیں تو اس سے زیادہ نا قابل ذکر بات اور کوئی نہیں کہ وہ مزدور جو پورے وقت کام کرتے ہیں انہیں ''کل وقتی'' کہا جاتا ہے اور 13 سال سے کم عمر کے بچے جنہیں صرف 6 گھنٹے کام کرنے کی اجازت دی جاتی ہے انہیں ''نصف وقتی'' کہا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کے صاف معنی یہ ہیں کہ مزدور۔ مجسم ہونے والے وقت محنت۔ سے عبارت ہیں۔ سارے کے سارے انفرادی امتیازات ''کل وقتیوں'' اور ''نصف وقتیوں'' میں تحلیل ہو کر ختم ہو گئے (۱)۔

---

(۱) کارخانوں میں بھی اور رپورٹوں میں بھی سرکاری انداز بیان یہی ہے۔

فصل سوئم

انگلستانی صنعت کی وہ شاخیں جن میں استعمال پر کوئی قانونی پابندی عائد نہیں ہے

اب تک یوم کار کی تطویل سے متعلق جو رجحان پایا جاتا ہے اس پر ہم نے غور کیا ہے۔ یعنی انسان نما بھیڑیئے کی ایک اس شعبے میں زائد محنت کی بھوک کے متعلق جس میں انگلستان کے ایک بورژوا ماہر معاشیات کے بقول جو زیادتیاں کی جاتی ہیں وہ ان مظالم سے کم نہیں ہیں جو اسپین والے سرخ کھال والے (۱) امریکنوں سے کرتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مال کار سرمائے پر حد بندیاں عائد ہو گئیں۔ آیئے اب پیداوار کے

---

(۱) مل مالکوں نے نفع کے حصول کی خواہش میں جو مظالم اور زیادتیاں کی ہیں وہ بمشکل ان مظالم سے کم ہیں جو اسپین والوں نے سونا نکالنے کی دوڑ میں امریکہ کی فتح کی دوران کی ہیں'' جان ویڈ کی طبقہ وسطی اور مزدوروں سے متعلق تاریخ۔ تیسرا ایڈیشن۔ لندن 1835ء صفحہ 114۔ اس کتاب کا نظریاتی حصہ جو فلسفہ معاشیات کی ہینڈ بک کی حیثیت رکھتا ہے کتاب کی اشاعت کے وقت کو دیکھتے ہوئے اپنے بعض حصوں میں یعنی مثلاً تجارتی بحرانوں کے سلسلے میں محض تخلیقی ہے۔ تاریخی حصہ بڑی حد تک سر۔ایف۔ایم۔ایڈن کی'' تاریخ غرباء'' لندن 1799ء کے شرمناک ... کی حیثیت رکھتا ہے

بعض ان شعبوں پر غور کریں جن میں مزدور کا استحصال اب تک تمام پابندیوں سے آزاد ہے یا ابھی کچھ عرصے پہلے تک آزاد تھا۔

مسٹر براؤٹن چارلٹن نے جو ضلع مجسٹریٹ ہیں ناٹنگھم 14 جنوری 1860ء اسمبلی رومز میں جلسے کے صدر کی حیثیت سے اعلان کیا ہے کہ "آبادی کے اس حصے میں جو ڈوری فیتے کی تجارت سے تعلق رکھتا ہے اتنی مصیبت اور احتیاج موجود ہے جو ملک کے دوسرے حصوں میں ناپید ہے بلکہ تمام مہذب دنیا میں ناپید ہے...... نو یا دس سال کے بچوں کو ان کے ٹوٹے پھوٹے پلنگوں سے رات کے دو یا چار بجے کھینچ لیا جاتا ہے اور محض قوت لایموت حاصل کرنے کے لیے دوسری رات کے دس گیارہ یا بارہ بجے تک کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں جب کہ ان کے ہاتھ پاؤں تھک چکے ہوتے ہیں ان کا جسم گرنے لگتا ہے ان کے چہرے پیلے پڑ جاتے ہیں اور ان کی انسانیت پتھر کے سکوت میں ڈوب جاتی ہے حقیقت یہ ہے کہ صورتحال قطعی طور پر دہشت ناک ہوگئی ہے...... ہمیں تعجب نہ ہونا چاہئے کہ مسٹر میلٹ یا کوئی اور مالک کارخانہ کھڑے ہو کر اس گفتگو کے ہونے پر احتجاج کرے۔ یہ نظام محترم مانٹیگ والپی کے بیان کے مطابق بے رحمانہ سماجی جسمانی اخلاقی اور رُوحانی غلامی کی حیثیت رکھتا ہے...... آخر ایک اس شہر کے متعلق کیا سوچا جائے جو ایک عوامی جلسہ کر کے یہ اپیل کرتا ہے کہ مردوں کے لیے مدت محنت 18 گھنٹے یومیہ ہونا چاہئے...... ہم ورجینیا اور کیرولینا کے روئی اگانے والوں کے خلاف تقریریں کرتے ہیں...... سوال یہ ہے کیا ان کی چور بازاری ان کا کوڑا اور انسانی گوشت کی ان کی تجارت زیادہ قابل نفرت ہے بمقابلہ انسانیت کی مسلسل اور خاموش قربانی کے جو اس لیے ہوتی ہے کہ سرمایہ داروں کے لیے نقابیں اور کالر بنائے جاسکیں۔ (ڈیلی ٹیلی گراف 17 جنوری 1860ء)۔

اسٹافرڈ شائر کے مٹی کے برتنوں کے کارخانوں کے پچھلے 22 سال کے اندر پارلیمنٹ کی طرف سے تین بار تحقیقات کرائی گئی ہے۔ ان تحقیقاتوں کے نتائج ایک تو

مسٹر اسکریون کی 1841ء کی اس رپورٹ میں ہیں جو ''چلڈرنس امپلائمنٹ کمشنرس'' کو پیش کی گئی۔ دوسرے ڈاکٹر گرین ہاؤ کی 1860ء کی رپورٹ میں جو پرائیوی کاؤنسل کے میڈیکل آفیسر کی ہدایت پر شائع کی گئی۔ (پبلک ہیلتھ تیسری رپورٹ 112-113) اور آخر میں مسٹر لانگ کی 1864ء کی رپورٹ میں جو ''چلڈرنس امپلائمنٹ کمیشن کی پہلی رپورٹ 13 جون 1863ء میں شامل ہے۔ میرے مدعاء کے لیے یہ کافی ہے کہ 1860ء اور 1863ء کی رپورٹوں سے استحصال کے مارے ان بچوں کی حالت کا کچھ بیان کروں۔ ان بچوں ہی سے ہم جوانوں کی حالت کا اندازہ بھی لگا سکتے ہیں۔ خاص طور پر لڑکیوں اور عورتوں کی حالت کا اور وہ بھی صنعت کی اس شاخ میں جس کے سامنے روئی کی کتائی کا کام بڑا دل خوش کن اور صحت مندانہ کام معلوم ہوتا ہے (ا)۔ ایک لڑکا ولیم ووڈ عمر دس سال اس وقت سات سال دس ماہ کا تھا جب اس نے کام شروع کیا۔ وہ مٹی کے برتنوں کے سانچے لانے اور لے جانے کا کام کرتا تھا (جو اشیاء سانچے میں ٹھیک ہو جاتی تھیں انہیں گیلے برتن خشک کرنے کے کمرے میں لے جاتا تھا اور برتن پہنچا کر سانچے میں واپس لے جاتا تھا) شروع سے ہی وہ یہ کام کرتا تھا۔ ہفتے کے ہر روز صبح 6 بجے وہ آتا اور رات کے 9 بجے واپس جاتا۔ ''میں ہفتے کے چھ دنوں میں رات کے 9 بجے تک کام کرتا ہوں۔ سات یا آٹھ ہفتے سے میں یہ کام کر رہا ہوں''۔ 7 سال کے ایک بچے کا 15 گھنٹے روزانہ کام کرنا۔! ۔ جے مرے نے جس کی عمر 12 سال تھی بتایا ''میں پیالے بناتا ہوں اور سانچے لے جاتا ہوں۔ صبح 6 بجے میں آتا ہوں اور کبھی چار بجے بھی کل میں نے رات بھر کام کیا۔ آج صبح 6 بجے تک پرسوں سے میں سویا نہیں ہوں۔ رات 8 یا 9 لڑکوں نے کام کیا۔ ایک کے علاوہ سب ہی آج صبح آئے ہیں۔ مجھے تین شلنگ 6 پنس ملتے ہیں۔ رات کے کام کے لیے مجھے کچھ مستزاد نہیں ملتا پچھلے ہفتے بھی میں نے دو

---

(1) ملاحظہ [illegible] صفحہ [illegible]

راتیں کام کیا تھا'' قرنی ہف جس کی عمر دس سال ہے کہتا ہے''ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ مجھے ایک گھنٹہ بھی ملتا ہو (طعام کے لیے بعض اوقات صرف آدھ گھنٹہ ملتا ہے۔یعنی جمعرات۔ جمعہ اور ہفتے کو(۱)''۔

ڈاکٹر گرین ہاؤ بیان کرتے ہیں کہ اسٹوک آن ٹرنٹ اور وولٹیٹن کے اضلاع میں اوسط عمر حیرت انگیز طور پر بہت کم ہے۔اگرچہ ضلع اسٹوک میں 6,36% اور ودلٹیٹن میں 4,30% فیصد جوان مرد جن کی عمر 20 سال سے زیادہ ہے برتن سازی کے ان کارخانوں میں ملازم ہیں۔ان کارخانوں میں کام کرنے والے پہلے ضلع کے اس عمر کے مردوں میں آدھی سے زیادہ اور دوسرے ضلع کی 6/3 سے زیادہ اموات پھیپھڑے کے امراض سے ہوتی ہیں۔ڈاکٹر بوتھ رائڈ جو ہینلی میں علاج کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ''مٹی کے برتن بنانے والے کارخانوں میں کام کرنے والی ہر آنے والی نسل اپنی سابقہ نسل کے مقابل زیادہ چھوٹے قد کی اور کم حجم والی ہوتی ہے'اسی طرح ایک اور ڈاکٹر مسٹر ایم بیین کا بیان ہے کہ''اب سے 25 سال پہلے میں نے ان کارخانوں میں کام کرنے والوں میں علاج معالجہ شروع کیا۔اس وقت سے اب تک میں نے یہ بات خاص طور پر دیکھی کہ ان کے قد اور حجم میں مشینری کے ساتھ کمی رونما ہوئی ہے'' یہ بیانات ڈاکٹر گرین ہاؤ کی رپورٹ 1860ء سے لیے گئے ہیں(۲)۔

1863ء میں کمشنروں سے حسب ذیل عبارت لی گئی ہے۔ڈاکٹر جے۔ٹی آرلیج۔نارتھ اسٹافرڈ شائر انفرمری۔کے سینئر فزیشن کہتے ہیں کہ''مٹی کے کارخانوں کے مزدور ایک طبقے کی حیثیت سے مرد اور عورت دونوں آبادی کے زوال آمادہ طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔جسمانی طور پر بھی اور اخلاقی طور پر بھی۔ان سے متعلق ایک عام قانون

(۱) چلڈرنس امپلائمنٹ کمیشن پہلی رپورٹ وغیرہ 1863ء شہادت صفحہ 16-18-19۔

(۲) پبلک ہیلتھ تیسری رپورٹ وغیرہ صفحہ 102-104-105۔

یہ ہے کہ ان کی نشو ونما رک جاتی ہے۔ بد ہیئت ہوتے ہیں۔ سینہ بدقوارہ ہوتا ہے اور وقت سے پہلے بوڑھے ہو جاتے ہیں اور اس میں تو شک نہیں کہ وہ جلد مر جاتے ہیں۔ وہ بلغمی ہوتے ہیں اور خون ان میں کم ہوتا ہے۔ ضعف معدہ کے شدید حملوں' جگر کی خرابی' گردے اور گٹھیا کے امراض سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کی صحت بڑی خراب ہے۔ جن امراض کا وہ خاص طور پر شکار ہوتے ہیں وہ یہ ہیں۔ امراض سینہ' اور نمونیہ' سل' نرخرے کا ورم اور دمہ۔ اس کی ایک خاص بیماری ان سے مخصوص ہے جسے پاٹرس (برتن بنانے والے) کا دمہ کہتے ہیں یا پاٹرس کی دق کہتے ہیں۔ خنازیر کی بیماری جو غدود یا ہڈیوں یا جسم کے دوسرے حصوں پر حملہ کرتی ہے ایک ایسی بیماری ہے جس میں ان مزدوروں کی 2/3 یا اس سے زیادہ تعداد مبتلا ہے۔ اس ضلع کی آبادی کا یہ زوال اس سے بھی زیادہ ہوتا مگر قریبی علاقے سے برابر لوگوں کا بھرتی کرنا اور زیادہ صحت مند نسلوں سے ازدواج یہ زوال روکنے کا سبب بن گیا ہے(۱)۔

اسی ادارے کے ہاؤس سرجن آنجہانی مسٹر چارلس پارسنز نے کمشنر لونگ کو ایک خط لکھا جس میں اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا گیا تھا کہ "میں اپنے ذاتی مشاہدے کی بناء پر کہہ سکتا ہوں۔ اعداد و شمار کی بناء پر نہیں۔ لیکن مجھے یہ کہنے میں ذرا ہچکچاہٹ نہیں کہ ان غریب بچوں کو دیکھ کر جن کی صحت یا تو ان کے ماں باپ یا مالکوں کی حرص پر قربان ہوگئی ہے۔ مجھے سخت غصہ آتا ہے" اس نے مٹی کے برتن بنانے والوں میں بیماریاں پھیلنے کے اسباب کو ایک ایک کر کے بیان کیا ہے اور ان سب کا خلاصہ اس فقرے میں بیان کیا ہے "طویل گھنٹے" کمیشن کی رپورٹ اس بات پر پورا الیقین رکھتی ہے کہ "ایک کارخانہ دار جس نے ساری دنیا میں اتنی اہم جگہ حاصل کر لی ہے زیادہ عرصے اس الزام کا اپنے آپ کو مورد نہ بنائے رکھے گا کہ اس کی عظیم کامیابی ان کام کرنے والوں کی جسمانی حالت کی

---

(۱) چائلڈ امپلائمنٹ کمیشن پہلی رپورٹ صفحہ 24۔

خرابی۔ وسیع جسمانی مصیبتوں اور قبل از وقت اموات رونما ہونے کے ساتھ ساتھ رہی ہے...... جن کی کوششوں اور ہنر مندی کی وجہ سے اتنے شاندار نتائج حاصل ہوسکے(۱)''۔ پھر انگلستان کے مٹی کے برتن کے کارخانوں کی بابت جو کچھ صحیح ہے وہی اسکاٹ لینڈ کے کارخانوں کے متعلق بھی صحیح ہے(۱)۔

ماچس کی مصنوع کا کام 1833ء سے شروع ہوا ہے یعنی فاسفورس کو ماچس سے گھسنے کا طریقہ دریافت ہونے کے وقت سے 1835ء سے اس صنعت نے انگلستان میں بڑی تیزی کے ساتھ ترقی کی اور خاص طور پر لندن کے گنجان علاقوں میں کافی پھیل گئی بلکہ مانچسٹر۔ برمنگھم۔ لیور پول۔ برسٹل۔ ناروچ۔ نیوکاسل گلاسگو میں بھی بہت پھیل گئی۔ اسی کے ساتھ دانت پچی ہونے کی بیماری بھی وسعت حاصل کرگئی جس کی بابت ویانا کے ایک ڈاکٹر نے 1845ء میں دریافت کیا کہ وہ ماچس بنانے والوں سے مخصوص ہوتی ہے۔ اس کے آدھے مزدور ایسے بچے ہیں جن کی عمر 13 سال سے کم ہے یا وہ نوجوان ہیں جو 18 سال سے کم ہیں۔ اس کی پیداوار اس بناء پر کہ وہ غیر صحت مندانہ اور تکلیف دہ ماحول میں ہوتی ہے اتنی بری نظر سے دیکھی جاتی ہے کہ یہ کام مزدور طبقے کا نہایت بدقسمتی حصہ جیسے نیم فاقہ کش بیوائیں وغیرہ اپنے بچوں کو کرنے بھیجتی ہیں'' پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس۔ نیم فاقہ کش بے پڑھے بچے(۲)۔

کمشنر وائٹ نے جن لوگوں کی گواہیاں لیں (1863ء) ان میں 270 کی عمر 18 سے کم تھی۔ پچاس کی دس سے کم۔ دس کی صرف 8 اور پانچ کی تو چھ سال ہی تھی جہاں تک یوم کار کا تعلق ہے تو وہ 12 سے 14 بلکہ 15 گھنٹے تک تھا۔

رات بھر کی محنت بے قاعدہ اوقات طعام۔ زیادہ تر طعام انہیں کمروں میں

---

(۱) بحوالہ سابقہ صفحہ 47۔

(۲) بحوالہ سابقہ صفحہ 54

کھانا جن کے ماحول میں فاسفورس بھرا رہتا ہے دانتے نے اپنے جہنم میں جو دہشتناکیاں بیان کی ہیں وہ بھی ان کارخانوں کے حالات کے سامنے ماند پڑ جائیں گی۔

دیوار پر لگانے کے کاغذ کی صنعت میں بھدا قسم کا کاغذ مشین سے چھپتا ہے اور اچھا قسم کا ہاتھ سے (بلاک پرنٹنگ) اس صنعت میں کام کی سرگرمی کا زمانہ اکتوبر کے آغاز سے اختتام اپریل تک ہوتا ہے۔ اس مدت میں صبح چھ بجے سے رات کے دس بجے تک یا اس کے بھی بعد تک رات گئے کام بڑی تیزی کے ساتھ اور رکے بغیر جاری رہتا ہے۔

ج۔ لیچ۔ کہتے ہیں کہ ''گذشتہ سردیوں میں 19 لڑکیوں میں سے چھ اس لیے کام پر نہ آسکیں کہ کام کی کثرت کی وجہ سے ان کی صحت خراب ہوگئی تھی۔ مجھے انہیں چیخ چیخ کر بیدار رکھنا پڑا'' ڈبلیو ڈوفی۔ کا بیان ہے کہ'' میں نے دیکھا ہے کہ کب بچوں میں سے کوئی ایسا نہیں رہتا جو کام کے لیے اپنی آنکھیں کھلی رکھ سکے۔ ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں کرسکتا'' ج۔ لائٹ بورن کے الفاظ میں میری 13 سال کی عمر ہے پچھلی سردیوں میں ہفتے 9 بجے (رات کے) تک کام کیا اور اس سے پہلے سردیوں میں دس بجے تک۔ گذشتہ سردیوں میں ٹانگوں کے سوج جانے کی وجہ سے میں چیختا تھا'' جی ایسڈن وہ نو سال کا بچہ...... جب وہ سات سال کا تھا تو میں اسے اپنی پشت پر اٹھا کر برف کے ڈھیر سے گذار کر لایا اور لے جایا کرتا تھا اور وہ 16 گھنٹے کام کیا کرتا تھا۔ اکثر میں نے جھک کر اس وقت اسے کھانا کھلایا ہے جب وہ مشین پر کھڑا ہوتا تھا اس لیے کہ وہ نہ تو مشین بند کرسکتا تھا نہ چھوڑ سکتا ہے'' مانچسٹر کے ایک کارخانے کے انتظامی شریک اسمتھ نے کہا'' ہم (اس کی مراد اپنے مزدوروں سے ہے جو ہمارے لیے۔ کام کرتے ہیں) برابر کام کرتے رہتے کھانے تک کے لیے رکے بغیر تا آنکہ دن کا کام جو 10-1/2 گھنٹے کا کام ہوتا 4-1/2 بجے شام ختم ہوتا۔ اور پھر اس کے بعد کا سارا کام اور ٹائم ہوتا(۱)'' (حاشیہ اگلے صفحہ پر) (کیا یہ مسٹر اسمتھ خود بھی اس 10-1/2 گھنٹے کے

دوارن کھانا نہیں کھاتے)'' ہم (یہی مسٹر اسمتھ) کبھی اتفاقاً 6 بجے سے پہلے کام چھوڑتے ہیں۔ (مطلب ان کا یہ کہ اپنی قوت محنت رکھنے والی مشینوں کو کام سے ہٹنے نہیں دیتے) اس طرح ہم (یعنی وہی مزدور) حقیقتاً پورے سال ہی۔ اوورٹائم کرتے رہتے ہیں...... یہ تمام بچے اور جوان (152 بچے اور نوجوان اور 140 جوان) پچھلے 18 ماہ اوسطاً جو کام کرتے رہے وہ کم سے کم 7 دن پانچ گھنٹے یا 78-1/2 گھنٹے فی ہفتہ تھا۔ باقی چھ ہفتوں میں جو اس سال (1862) کی 6 مئی کو ختم ہوتے ہیں۔ اوسط اس سے بھی زیادہ رہا۔ 8 دن یا ہفتے میں 84 گھنٹے لیکن یہی مسٹر اسمتھ جو اس قدر شریفانہ انداز اختیار کیے ہوئے مسکراتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''مشین کا کام کوئی بڑا کام نہیں ہے'' اسی طرح بلاک پرنٹنگ کرنے والے مالکان کہتے ہیں کہ ''دستی محنت زیادہ صحت مندانہ ہے بمقابلہ مشین کے کام کے'' من حیث المجموع مالکان اس تجویز کی مخالفت کرتے رہے ہیں کہ ''مشینوں کو روکا جائے کم سے کم کھانے کے اوقات میں'' مسٹر آٹ لے نے جو دیواری کاغذ بنانے والے کارخانے کے منیجر ہیں کہا ہے کہ وہ دفعہ ''جو 6 بجے اور 9 بجے کے درمیان کام کرنے کی ہمیں اجازت دیتی ہے ہمارے لیے بالکل ٹھیک اور موزوں ہے مگر 6 بجے صبح سے رات کے 9 بجے تک کے اوقات کار موزوں نہیں ہیں۔ ہماری مشین ہمیشہ کھانے کے لیے رک جاتی ہے (کتنی بڑی عنایت ہے) نہ کاغذ کا ضیاع ہوتا ہے اور نہ

بقیہ حاشیہ (۱) اس کا مطلب وہ نہ سمجھا جائے جو زائد محنت کے وقت کا ہوتا ہے۔ ان حضرات کے خیال میں 10-1/2 گھنٹے کی محنت کا معمولی یوم کار ہوتا ہے جس میں ظاہر ہے زائد محنت بھی شامل ہوتی ہے۔ اس کے بعد اوورٹائم شروع ہوتا ہے جس کا معاوضہ ذرا زیادہ ہوتا ہے۔ آگے چل کر آپ دیکھیں گے کہ نام نہاد معمولی دن میں جو محنت لگائی جاتی ہے وہ اپنی قیمت سے کم پر لگائی جاتی ہے۔ اس طرح اوورٹائم صرف ایک سرمایہ دارانہ چال ہے تاکہ مزید زائد محنت کرائی جا سکے۔ جو زائد ہی رہے گی' چاہے معمولی یوم محنت کے دوران جو محنت صرف کی جاتی ہے اس کی مناسب اجرت بھی دی جائے گی۔

رنگ کا لیکن انہوں نے بڑے ہمدردانہ انداز میں کہا ہے کہ ''میں اس وقت کا ضیاع تو سمجھ سکتا ہوں جو ناپسندیدہ ہو'' مشین کی رپورٹ بڑے مخلصانہ انداز میں اس خوف کا اظہار کرتی ہے کہ بعض بڑے کارخانے وقت نہ ضائع کریں یعنی وہ وقت جو دوسروں کا ہوتا ہے اور وہ جو اپنے لیے مخصوص کر لیتے ہیں اور اس لیے نفع کم ہونا اس بات کی کافی اور معقول دلیل نہیں ہے کہ 13 سال سے کم عمر کے بچے اور 18 سال کے نوجوان روزانہ 12 سے لے کر 16 گھنٹے تک کام کریں۔ کھانا بھی نہ کھائیں۔ نہ انہیں اسی طرح غذا مہیا کی جائے جس طرح کوئلہ اور پانی بھاپ کے انجن کو دیا جاتا ہے اور صابن اون کو یا تیل مشین کو اور وہ صرف آلات محنت کے لیے امدادی مواد کے بطور کام کریں اس تمام عمل کے دوران جن میں پیداوار ہوتی ہے (۱)۔

انگلستان میں صنعت کی کسی شاخ (اس وقت ہم روئی بنانے والے کارخانوں پر غور نہیں کر رہے جن میں حال ہی میں مشینری کا استعمال شروع ہوا ہے) نے اب تک پیداوار کے اس قدر فرسودہ طریقے کو باقی نہیں رکھا ہے جس قدر نانبائیوں کے کام نے جیسا کہ رومن شہنشاہیت کے شعراء کے مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جیسا کہ پہلے کہا گیا سرمایہ پہلے پہل عمل محنت کے تکنیکی پہلو سے بے پرواہ رہا۔ اس نے عمل محنت کو جب اور جہاں پایا وہیں سے شروع کر دیا۔

روئی میں جو ناقابل یقین حد تک ملاوٹ ہوتی ہے خاص طور پر لندن میں اس کا انکشاف پہلے پہل ایوان عام کی کمیٹی برائے ''اشیاء خوردنی میں ملاوٹ'' (1855-1856ء) اور ڈاکٹر ہسال کی کتاب ''ملاوٹ پکڑی گئی (۲)'' سے فاش

---

(۱) بحوالہ سابقہ شہادتیں صفحات-123-124-125-149 اور 54۔

(۲) پھٹکری کو خوب پیسنے اور نمک میں ملا دینے کے بعد ایک مقبول تجارتی مال بن جاتا ہے جو ''نانبائیوں کی جنس کا اہم نام حاصل کر لیتا ہے''۔

ہوئی۔ ان انکشافات کا نتیجہ 6 اگست 1860ء کے قانون کی شکل میں برآمد ہوا جو ''اشیاء خوردنی اورنوشیدنی میں رکاوٹ سے متعلق ہے'' مگر ایک بے اثر قانون ہے۔ اس لیے کہ یہ فطرتاً ہر آزاد تاجر کے ساتھ جو ملاوٹی اشیاء کی خرید وفروخت کے ذریعے ''ایمانداری کا پیسہ کماتا ہے'' بڑی نرمی کا سلوک کرتا ہے (۱)۔

کمیٹی نے کم وبیش طفلانہ انداز پر اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ آزاد تجارت جوہری طور پر ملاوٹی سامان کی تجارت کو کہتے ہیں یا جسے انگریز بڑے پرکارانہ انداز میں ''مہذب تجارت'' کہتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے اس قسم کی سوفسطائیت خود سوفسطائی فلسفی بروتا غوراس سے بھی یہ زیادہ بہتر طور پر جانتی ہے کہ کیونکر سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید بنایا جاتا ہے اور الیائی فلسفیوں کی بہ نسبت یہ بات بہتر طور پر ثابت کرسکتی ہے کہ یہ دنیا صرف مظاہر کا نام ہے کوئی حقیقت موجود نہیں ہے (۲)۔

---

(۱) دھوئیں کی کالک کاربن کی مشہور اور متحرک قسم ہوتی ہے اور کھاد کے بطور استعمال ہوتی ہے جسے انگریزی کارخانوں کی چمنیاں صاف کرنے والے برطانی کاشتکاروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ اب 1862ء میں ایک مقدمے کے دوران برطانی جیوری کو یہ فیصلہ کرنا پڑا کہ آیا یہ کالک جس میں خریدار کے علم بغیر 90 فیصد خاک دھول اور ریتا ملایا جاتا ہے تجارتی مفہوم میں حقیقی کالک ہے یا قانونی مفہوم میں ملاوٹی کالک ہے۔ تجارتی ارکان جیوری نے فیصلہ یہ دیا کہ وہ حقیقی تجارتی کالک ہوتی ہے اور اس لیے کاشتکار کا دعویٰ غلط ہے لہٰذا اسے مقدمے کا ہرجہ خرچ دینا چاہیے۔

(۲) فرانسیسی کیمیادان۔ کیویر نے اجناس کی ''ملاوٹوں'' سے متعلق اپنے ایک کتابچے میں 6 سو یا ان سے زیادہ اشیاء پر تبصرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان میں ملاوٹ کے 10-20 یا 30 طریقے ہیں۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اسے سارے طریقے معلوم نہیں ہیں اور جو معلوم ہیں وہ سب ہی اس نے بیان نہیں کیے ہیں۔ شکر میں ملاوٹ کے اس نے 6 طریقے بتائے ہیں۔ روغن زیتون کے 9 مکھن کے 10 نمک کے 12 دودھ کے 19 روئی کے 20 برانڈی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تاہم اس کمیٹی نے عوام کی توجہ ان کی روزانہ روٹی کی طرف مبذول کرائی اور اس طرح بیکریوں کی پوری تجارت پر متوجہ کیا۔ سات ہی عوامی جلسوں اور پارلیمنٹ میں جو پٹیشن پیش کیے گئے۔ ان میں لندن کے پھیری کرنے والے نانبائیوں کی کثرت کار کی بابت کافی شور بلند ہوا۔ شور اتنا بڑھا کہ مسٹر ایچ۔ ایس ٹریمن ہیری جو 1863ء کے اس کمیشن کے رکن بی تھے جس کا بار بار تذکرہ ہو چکا ہے شاہی تحقیقاتی کمیشن کمشنر مقرر کیے گئے (۱) ان کی رپورٹ نے جس میں وہ شہادتیں شامل تھیں جو کمیشن کے سامنے دی گئیں عوام کے دل کو تو حرکت نہ دی البتہ لوگوں کے شکم کو متحرک ضرور کیا۔ انگریز جو ہمیشہ بائبل کی واقفیت میں آگے رہے ہیں اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ انسان یہ الگ بات ہے کہ وہ کسی انتخابی خوش قسمتی سے سرمایہ دار زمیندار یا بے کام کے عہدے کی تنخواہ پانے والا ہو۔ اس امر پر مامور کیا گیا ہے کہ اپنی محنت کی پیدا کی ہوئی روٹی کھائے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتے کہ اسے روزانہ اپنی روٹی کے ساتھ تھوڑا سا انسانی پسینہ جس میں پیپ مکڑی کے جالے۔ مردہ بھونرے اور عفونت خیز جرمن خمیر بھی شامل ہو گیا ہو۔ کھانا پڑتا ہے۔ رہی پھٹکری۔ ریتا اور دوسری قابل برداشت دھاتیں سوان کی آمیزش اس کے علاوہ ہے لہٰذا آزاد تجارت کے تقدس کا کوئی خیال کیے بغیر نانبائیوں کی آزاد تجارت کو سرکاری انسپکٹروں کی نگرانی میں لے آیا گیا (1863ء کے پارلیمانی سیشن کے قریب) اور پارلیمنٹ کے اسی قانون کے تحت رات کے 9 بجے سے صبح 5 بجے تک پھیری والے

(بقیہ حاشیہ) کے 23 طعام کے 24 چاکلیٹ کے 28 شراب کے 30 کافی کے 32 وغیرہ۔ حد ہے خود قادر مطلق بھی اس ملاوٹ سے نہ بچ سکا۔ چنانچہ ملاحظہ ہو رونارڈ ڈی کارڈ جس نے کلام مقدس میں دجل وتبلیس پر بحث کی ہے۔ (کلام الٰہی میں تبلیس۔ پیرس 1856ء)

(۱) پھیری کرنے والے نانبائیوں کی شکایتوں سے متعلق رپورٹیں وغیرہ لندن 1862ء اور ''دوسری رپورٹ وغیرہ لندن 1863ء)۔

نانبائیوں کے لیے جس کی عمر 18 سال سے کم ہو۔ کام کرنے کی ممانعت کردی گئی۔ آخری دفعہ اس پرانے طرز کی گھریلو تجارت میں کثرت کار کی موجودگی کی بابت بہت کچھ بتاتی ہے۔

لندن کے ایک پھیری والے نانبائی کا کام عام طور پر رات کے گیارہ بجے شروع ہوتا ہے۔ اس وقت وہ خمیر تیار کرتا ہے۔ اور یہ کام بڑا دقت طلب ہوتا ہے جو آدھ گھنٹے سے پون گھنٹے میں مکمل ہو پاتا ہے۔ اس بات کا انحصار روٹیوں کی گھان یا جو محنت لگائی جاتی ہے اس کی مقدار پر ہے۔ اس کے بعد نانبائی آٹا گوندھنے کے تختے پر لیٹ جاتا ہے۔ یہی تختہ اس ناند کا ڈھکنا بھی ہوتا ہے جس میں آٹا گندھتا ہے۔ اس کے نیچے ایک بوری ہوتی ہے اور ایک دوسری بوری لپیٹ کر تکیے کے لیے رکھ لیتا ہے اور دو گھنٹے کے لیے سو جاتا ہے پھر اس کے بعد مسلسل پانچ گھنٹے تک بڑی پھرتی کے ساتھ کام کرتا ہے۔ کبھی خمیر اٹھاتا ہے کبھی پھینٹتا ہے۔ پھر اسے بھٹی میں رکھتا ہے۔ اور چھوٹی خوبصورت ڈبل روٹیاں بناتا ہے۔ ان کے پورے گھان کو بھٹی سے نکالتا اور دکان میں لاکر رکھتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ تنور خانے کا ٹمپریچر 75-90 ڈگری تک کا ہوتا ہے اور تنور خانوں میں اس سے کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے جب رد ٹیوں اور ڈبل روٹیوں کے بنانے کا کام مکمل ہوجاتا ہے تو پھر ان کی فروخت اور بانٹنے کا کام شروع ہوتا ہے اور ان پھیری کرنے والوں میں کی کافی بڑی تعداد رات میں سخت محنت ختم کرنے کے بعد دن میں گھنٹوں گھومتی ہے۔ یہ ٹوکریوں یا پہیے کی خچر گاڑیوں میں مال پہنچاتے ہیں اور بعض اوقات پھر تنور خانے میں لوٹ آتے ہیں۔ اس طرح کام ایک بجے سے لے کر چھ بجے کے درمیان کسی وقت چھوڑ دیتے ہیں جس کا انحصار سال کے متعلقہ موسم پر ہے یا ان کے مالک کے کاروبار کی مقدار و قیمت پر ہے۔ جبکہ دوسرے نانبائی تنور خانے کے اندر شام تک مزید روٹیاں پکاتے رہتے ہیں (۱) وہ چیز جسے لندن کا موسم کہتے ہیں اس کے دوران وہ کارکن

(۱) بحوالہ سابقہ پہلی رپورٹ صفحہ 6۔

جو شہر کے ویسٹ اینڈ کے علاقے کے پورے نرخ والے نانبائیوں میں شامل ہیں عام طور پر 11 بجے رات کے کام شروع کرتے ہیں اور درمیان میں آرام کے ایک یا دو وقفوں کے علاوہ (جو بعض اوقات بہت ہی مختصر ہوتے ہیں) دوسرے دن صبح 8 بجے تک برابر کام کرتے رہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ سارے دن 4-5-6 بجے تک اور شام کے سات بجے تک بھی روٹیاں لیے پھرتے ہیں یا بعض اوقات دوپہر میں تنور خانے لوٹ آتے ہیں تاکہ بسکٹ بنانے میں مدد دیں۔ کام ختم کرنے کے بعد سونے کی مہلت مل جاتی ہے جو کبھی پانچ یا چھ گھنٹے اور کبھی صرف چار یا پانچ گھنٹے ہی ہوتی ہے۔ جمعہ کے دن انہیں ہمیشہ جلدی کام شروع کرنا پڑتا ہے۔ بعض تو دس بجے ہی کام کا آغاز کر دیتے ہیں اور روٹیاں پکانے یا بانٹنے کے کام میں بعض اوقات سنیچر کی رات 8 بجے تک کام میں لگے رہتے ہیں۔ اور عام طور پر اتوار کی صبح 4 یا پانچ بجے تک کام میں لگے رہتے ہیں۔ اتوار کے روز یہ ضروری ہے کہ دن کے وقت ایک یا دو گھنٹے کے لیے دو بار یا تین بار آئندہ دن کے کام کی تیاری کریں۔ کم دام روٹیاں فروخت کرنے والوں کے پاس جو لوگ ملازم ہیں (یاد رہے یہ حضرات پورے نرخ کا نام لے کر اپنی فروخت کرتے ہیں) اور یہ لندن کے نانبائیوں کا 3/4 حصہ ہیں انہیں اوسطاً زیادہ محنت کام کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ ان کا کام تقریباً سارا کا سارا تنور خانے تک محدود ہوتا ہے یہ کم نرخ والے عام طور پر دکانوں پر فروخت کرتے ہیں۔ اگر وہ باہر مال بھیجیں جو کہ عموماً نہیں بھیجتے۔ سوائے روغن فروشوں کی دکانوں کے اور اگر بھیجتے ہیں تو اس مقصد کے لیے کچھ اور لوگ ملازم رکھ لیتے ہیں۔ گھروں پر مال پہنچانا ان کا طریقہ نہیں ہے۔ ہفتے کے اختتام پر...... لوگ جمعرات کی رات کو دس بجے سے کام شروع کرتے ہیں اور تھوڑے سے وقفے سے سنیچر کی شام تک کام کرتے رہتے ہیں (1)۔

---

(1) ایضاً، سابقہ صفحہ 69

بورژوا ذہن بھی ان کم نرخ والوں کی پوزیشن سمجھ سکتے ہیں'' لوگوں کی محنت جس کا وہ معاوضہ ادا نہیں کرتے وہ ذریعہ ہوتا ہے جس سے مقابلہ (کمپٹیشن) کیا جاتا ہے (ا)۔ کم نرخ پر مال مہیا کرنے والے اس کارخانے دار نے تحقیقاتی کمیشن کے سامنے اپنے مدمقابل کارخانے دار پر ''غیر ملکی محنت کا چور اور ملاوٹ کے الزامات لگائے''۔ اب یہ پہلے تو صرف اس لیے زندہ ہیں کہ پبلک کو دھوکہ دیتے ہیں اور دوسرے اس لیے کہ آپ ایسے آدمیوں سے 12 گھنٹوں کی اجرت کا معاوضہ دے کر 18 گھنٹے کام کراتے ہیں (۲)۔

روٹی میں ملاوٹ اور نانبائیوں کے ایسے طبقے کا وجود میں آ جانا جو پوری قیمت سے کم پر مال فروخت کرتا ہے اٹھارویں صدی سے شروع ہوا ہے یعنی اس وقت سے جب اس تجارت کا اجتماعی کردار ختم ہوا اور سرمایہ دار اس مالک نانبائی کے عقب میں آٹا چکی کا مالک یا آٹے کے کاروبار کے ایجنٹوں کی حیثیت سے ظاہر ہوا (۳)۔ اس طرح اس تجارت میں بھی سرمایہ دارانہ طرز پیداوار کا آغاز ہوا۔ مطلب یہ کہ یوم کار کا لامحدود

(ا) جارج ریڈ۔ نانبائی کے فن کی تاریخ لندن 1848ء صفحہ 16۔

(۲) رپورٹ (پہلی) پورے نرخوں والے نانبائیوں کی شہادتیں چسمین صفحہ 108۔

(۳) جارج ریڈ بحوالہ سابقہ 17 ویں صدی کے اختتام اور اٹھارویں صدی کے آغاز تک ایجنٹوں کو جو ہر تجارت میں پھیل گئے تھے پبلک کو پریشان کرنے والے خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ضلع سامرسٹ کے جسٹس آف پیس کے سہ ماہی اجلاس میں گرانڈ جیوری نے ایوان زیریں کو ایک یادداشت پیش کی۔ جس میں اور باتوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا تھا کہ ''بلیک ویل ہال کے یہ ایجنٹ عوامی زحمت کا سبب بنے ہوئے ہیں اور ملبوسات کی تجارت کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لہٰذا عوام کے لیے زحمت ہونے کی بنا پر انہیں ختم کر دیا جائے۔ ہماری برطانوی روئی کی صورتحال لندن 1885ء صفحہ 6-7۔

اضافہ اور محنت شبینہ۔ گو یہ صحیح ہے کہ آخر الذکر نے خود لندن میں بھی 1824ء سے صحیح مضبوط بنیاد حاصل کی (ا)۔

اوپر جو کچھ کہا گیا ہے اس سے یہ بات اوضح ہو جاتی ہے کہ کمیشن کی رپورٹ نے پھیری لگانے والے نانبائیوں کو ان لوگوں میں شامل کیا ہے جن کی عمر بہت کم ہوتی ہے اور جو اگر خوش قسمتی سے مزدوروں کے بچوں کی حیثیت سے پہلے مرکھپ نہیں جاتے تو کم ہی 42 سال کی عمر تک پہنچ پاتے ہیں۔ تاہم نانبائی کی تجارت میں برابر نئے آدمی آتے رہتے ہیں۔ لندن میں جو مزدور اس تجارت میں آتے ہیں وہ اسکاٹ لینڈ۔ انگلستان کے مغربی زرعی اضلاع اور جرمنی کے ہوتے ہیں۔

1858ء اور 1820ء میں پھیری والے نانبائیوں نے آئرلینڈ میں اپنے ذاتی خرچ سے عوامی جلسے کئے تا کہ رات اور اتوار کے دن میں جو کام کرایا جاتا ہے اس کے خلاف احتجاج کیا جائے۔ عوام نے ڈبلن کے جلسے مئی 1860ء میں آئرستانی جوش و خروش کا مظاہرہ کرتے ہوئے جلسے میں شرکت کی اس تحریک کے نتیجے میں وکسفورڈ۔ کلکینی۔ کلونمل اور واٹرفورڈ وغیرہ میں رات کی محنت بند ہوگئی۔ لیمرک میں جہاں پھیری والوں کی شکایات کی بابت یہ ثابت ہو گیا کہ وہ انتہائی سنگین ہیں مالک نانبائیوں کی مخالفت کی وجہ سے جن میں چکیوں کے مالکوں کی مخالفت بڑی شدید تھی پوری تحریک ناکام ہوگئی۔ لیمرک کی مثال سے اینس اور ٹپی ریدی میں بھی تحریک کو نقصان پہنچا۔ کارک میں جہاں احساسات کا شدید تر اور پرجوش مظاہرہ دیکھنے میں آیا مالکوں نے اپنے اس حق کو کہ وہ ملازم کو نکال سکتے ہیں استعمال کر کے تحریک کو ناکام بنا دیا۔ ڈبلن میں مالک نانبائیوں نے تحریک کی بڑی مخالفت کی اور ان پھیری والوں سے جو تحریک کی حمایت کر رہے تھے سخت ناراضگی کا اظہار کر کے لوگوں کو اتوار کے دن اور رات کے وقت

(ا) پہلی رپورٹ وغیرہ۔

کام کرنے پر راضی کرنے میں کامیابی حاصل کر لی (۱)۔

انگریزی حکومت کی کمیٹی نے اور یہ یاد رہے کہ انگریزی حکومت آئرستان کی حد تک تمام اختیارات کی مالک ہے اور عام طور پر ان اختیارات کو استعمال کرنے کا طریقہ بھی جانتی ہے بڑے نرم اور روتے انداز میں ڈبلن۔ لیمرک اور کارک وغیرہ کے مالک نانبائیوں کو سرزنش کی ہے اور کہا ہے کہ "کمیٹی یقین رکھتی ہے کہ اوقات محنت فطری طور پر محدود ہوتے ہیں اور ان حد بندیوں کی خلاف ورزی کی جائے تو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ مالک نانبائیوں کا اپنے ملازموں کو ملازمت سے الگ کرنے کی دھمکی دے کر اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ اپنے مذہبی عقائد اور بہتر حالات کو کچل دیں ملکی قوانین توڑ دیں اور رائے عامہ کو ٹھکرا دیں (یہ سب کچھ اتوار کے دن کے کام کی طرف اشارہ ہے) مالکوں اور ملازموں میں تلخی اور کدورت پیدا کرنے کا سبب بنے گا اور ایک ایسی مثال قائم ہوگی جو مذہب اخلاقیات اور سماجی نظام کے لیے خطرناک ہے۔

کمیٹی باور کرتی ہے کہ 12 گھنٹے کے بعد مسلسل کام مزدوروں کی گھریلو اور نجی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے جس سے تباہ کن اخلاقی نتیجے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر شخص کے گھریلو مسائل میں مداخلت ہوتی ہے اور ایک بیٹے۔ بھائی۔ شوہر اور باپ کی حیثیت سے مزدور کے جو فرائض ہیں ان کی ادائیگی میں رکاوٹ پڑتی ہے۔ پھر 12 گھنٹے سے زیادہ کام کی وجہ سے صحت بگڑ جاتی ہے اور وقت سے پہلے بڑھاپا آجاتا بلکہ موت آجاتی ہے جس سے مزدور خاندانوں کو سنگین حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کہ وہ اپنے سردار خاندان کی نگہداشت اور مدد سے اس وقت محروم ہو جاتے ہیں جس وقت انہیں اس کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے (۲)۔

---

(۱) آئرستان میں نانبائی کی تجارت کی بابت رپورٹ برائے 1861ء۔

(۲) بحوالہ سابقہ۔

اب تک ہم نے آئرستان کے معاملات پر گفتگو کی ہے۔ ادھر آبنائے کے اس پار اسکاٹ لینڈ میں زراعتی مزدور اور ہل چلانے والے بارش کے موسم میں 13-14 گھنٹے کام کرنے اور اتوار کے دن مزید 4 گھنٹے کام کرنے کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں۔ (اس علاقے میں وہ فرقہ بسا ہوا ہے جو اتوار کے دن کام کرنا حرام خیال کرتا ہے(ا))۔ جبکہ اسی کے ساتھ لندن کے کارونرافسر نے جیوری بٹھائی ہے جس کے سامنے ریلوے کے تین ملازم ماخوذ ہیں۔ ایک گارڈ' ایک انجینئر ڈرائیور اور ایک سگنل مین۔ ریلوے کے ایک سنگین ترین حادثے میں سینکڑوں مسافر ہلاک ہوگئے۔ ان ریلوے ملازمین کی غفلت کو حادثے کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ انہوں نے جیوری کے سامنے یک زبان ہوکر کہا کہ دس یا 12 سال پہلے انہیں صرف 8 گھنٹے یومیہ کام کرنا پڑتا تھا۔ لیکن گذشتہ پانچ یا چھ سال کے دوران کام کے اوقات 14-18 بلکہ 20 گھنٹے ہوگئے اور

(ا) ریڈ برا کے قریب لاس واد میں ایک عام جلسہ ہوا جو 5 جنوری 1866ء کو ہوا تھا (ملاحظہ ہوا۔ ورک مینس ایڈووکیٹ 13 جنوری 1866ء) سب سے پہلے اسکاٹ لینڈ میں 1865ء کے آخر میں زراعتی مزدوروں کی ٹریڈ یونین کی تشکیل ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ انگلستان کے سب سے زیادہ ستم میں پسے ہوئے زراعتی اضلاع میں سے ایک بکھنگم شائر میں مزدوروں نے مارچ 1867ء میں ایک زبردست ہڑتال کی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ ان کی ہفتہ وار اجرت 9-10 شلنگ سے بڑھا کر 12 شلنگ کردی جائے۔ (سابقہ عبارت سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انگلستان کے زراعتی پرولتاریہ کی تحریک جو پہلے 1830ء کے شدید مظاہروں کے بعد کچل دی گئی تھی اور خاص طور پر نئے پور لاز (قوانین غرباء) کے نفاذ کے نتیجے میں 18 ویں صدی کے چھٹے دہے میں پھر اٹھی تا آنکہ 1827ء میں عہد ساز بن گئی۔ میں جلد دوئم میں پھر اس پر گفتگو کروں گا نیز ان نیلی کتابوں پر بھی گفتگو کروں گا جو انگلستانی مزدوروں کے حالات کی بابت 1867ء سے برابر شائع ہو رہی ہیں (تیسرے ایڈیشن کا ضمیمہ)۔

تعطیلات گذارنے والے مسافروں کے ہجوم کے زمانے میں اور تفریحات کے زمانے میں تو 40-45 گھنٹے رکے بغیر کام کرنا ہوتا ہے اور وہ عام قسم کے آدمی ہیں جنات تو ہیں نہیں ایک نقطہ ایسا آتا ہے کہ مزدور کی قوت جواب دے جاتی ہے۔غنودگی طاری ہو جاتی ہے۔دماغ کام کرنا بند کر دیتا ہے اور آنکھیں دیکھنے سے معذور ہو جاتی ہیں مکمل طور پر ''مہذب'' برطانی جیوری نے اس کے جواب میں جو فیصلہ دیا وہ یہ تھا کہ ان ملزموں کو قتل انسانی کے جرم میں سیشن سپرد کر دیا جائے اور اپنے اس فیصلے کو ذرا نرم کرنے کے لیے یہ نیک امید بھی ظاہر کی کہ ریلوں کے سرمایہ دار مالک مستقبل میں کافی مزدور رکھنے کا بندوبست کریں گے اور تنخواہ پانے والے مزدوروں کے استعمال میں زیادہ بخیل زیادہ محتاط اور زیادہ کفایت شکار ثابت ہوں گے(ا)۔

(ا) رینالڈس۔نیوز پیپر۔جنوری 1826ء یہی اخبار ہر ہفتے سنسنی خیز سرخیوں کے ساتھ جیسے خطرناک اور مہلک حادثے دہشتناک المیے۔وغیرہ ریلوں کے تازہ تر حادثوں کی فہرست شائع کیا کرتا ہے۔ان خبروں پر نارتھ اسٹافرڈ شائر ریلوے لائن کے ایک ملازم نے ان الفاظ میں اظہار رائے کیا۔ ''ہر شخص جانتا ہے کہ اگر گاڑی کا ڈرائیور اور فائر مین ہر وقت چوکس و چوکنا نہ رہیں تو انجام کیا ہوگا۔ لیکن جو شخص 29-30 گھنٹے سے برابر کام کر رہا ہو۔موسم کی سختیاں جھیل رہا ہو اور اس نے کوئی آرام نہ کیا ہو تو اس سے کیسے چوکس و چوکنا رہنے کی توقع قائم کی جا سکتی ہے۔اس کی حسب ذیل مثال یہ ہے جو اکثر دیکھنے میں آتی رہتی ہے۔ایک فائر مین نے پیر کو علی الصبح کام شروع کیا۔جب اس نے پورے دن کا کام ختم کیا تو 14 گھنٹے پچاس منٹ گزر چکے تھے۔ابھی وہ چائے پی کر نمٹا بھی نہ تھا کہ پھر اسے ڈیوٹی پر بلا لیا گیا......اب پھر جو وہ ڈیوٹی کر کے نمٹا تو 14 گھنٹے 25 منٹ گزر رہے تھے۔یعنی کل 29 گھنٹے 15 منٹ اور یہ کام بلا وقفے کے ہوا تھا۔ہفتے کے ایام کا کام اس طرح ہوا بدھ 15 گھنٹے۔ جمعرات 15 گھنٹے 35 منٹ جمعہ 14 گھنٹے۔سنیچر 14 گھنٹے 10 منٹ۔اور اس طرح پورے ہفتے میں کام کے گھنٹے ہوئے 88-40 منٹ۔اب جناب والا خیال فرمائیے۔(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بھانت بھانت کے مزدوروں میں سے جس میں ہر پیشے ہر عمر اور ہر صنف کے شامل ہیں اور جن کا تاثر ہم پر اوائسس کے میدان میں ہلاک ہونے والوں سے زیادہ پڑتا ہے اور جن کی ان نیلی کتابوں سے قطع نظر جوان کی بغل میں ہوتی ہیں ہم جب ایک نظر ان پر ڈالتے ہیں تو کثرت کار کی صاف علامتیں ان کے چہروں پر نظر آتی ہیں۔ آیئے دو اور مثالیں لیں جن کے باہمی توازن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سرمائے کے سامنے سب انسان یکساں ہیں چاہے وہ لباس ساز ہو یا لہار۔

جون 1863ء کے آخری ہفتے میں لندن کے تمام روزانہ اخباروں نے یہ عبارت سنسنی خیز سرخی سے شائع کی۔ سرخی یہ تھی کثرت کار سے اموات۔ اس میں ایک لباس ساز کی موت کا ذکر تھا جس کا نام میری اینے وارکلی۔ ہے جو بیس سال پہلے ایک نہایت ممتاز ملبوسات ساز ادارے میں ملازم ہوئی۔ اس ادارے کی مالک ایک خاتون تھیں جن کا پیارا نام ایلس تھا۔ یہ پرانی کہانی ہے (۱)۔ جو بار بار کہی گئی ہے لیکن اسے پھر دہرایا جاتا ہے۔ یہ میری نامی لڑکی روزانہ اوسطاً 1/2-16 گھنٹے کام کرتی تھی اور فصل کے زمانے میں 30 گھنٹے بلا کسی وقفے کے۔ جب تھک جاتی تو شراب اور کافی سے تھکن دور کرتی۔ ایک بار فصل شباب پر تھی۔ ضروری یہ تھا کہ آنکھ جھپکتے امرا کی خواتین کے لیے

(بقیہ حاشیہ) اس مزدور کو یہ معلوم کر کے کتنا تعجب ہوا ہوگا کہ اسے صرف 1/2-6 گھنٹے کا معاوضہ دیا گیا۔ وہ سمجھا کہ کوئی غلطی ہوگئی ہے۔ اس لیے اس نے اوقات کا حساب رکھنے والے کو درخواست دی...... اور یہ پوچھا کہ پورے دن کی مدت محنت کیا رکھی گئی ہے تو اسے جواب ملا کہ ایک ٹھیک آدمی کے لیے 13 گھنٹے (یعنی ہفتے کے 72 گھنٹے......) پھر اس نے پوچھا کہ اس نے 78 گھنٹے فی ہفتہ سے کس قدر زیادہ کام کیا ہے اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ آخر کار اسے بتایا گیا کہ اسے مزید ایک چوتھائی یعنی دس پنس دے دیے جائیں گے۔ بحوالہ سابقہ 4 فروری 1866ء۔

(۱) ملاحظہ ہو الف۔ اینگلز بحوالہ صفحات 253-254

باشکوہ کپڑے تیار کیے جائیں جنہیں یہ ہدایت کی گئی تھی کہ وہ نئی درآمد شدہ شہزادی ویلز کے اعزاز میں ڈانس میں شریک ہوں۔ میری اینے والکلی نے 1/2-26 گھنٹے رکے بغیر کام جاری رکھا۔ اس کے ساتھ 60 اور لڑکیاں بھی کام کر رہی تھیں جن میں سے 30 ایک کمرے میں تھیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ ہر لڑکی کو جتنی مکعب فیٹ ہوا ملنی چاہئے تھی اس کا صرف 1/3 حصہ ہی ملی۔ رات کے وقت دو لڑکیاں ایک تنگ و تاریک کمرے میں جو تختوں سے منقسم کیا گیا تھا سوتی تھیں (ا)۔

(ا) ڈاکٹر لیتھر بائی نے جو بورڈ آف ہیلتھ کے مشیر ڈاکٹر ہیں کہا کہ ''ہر ایک جوان کو سونے کے کمرے میں تین سو مکعب فیٹ ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اور رہنے کے کمرے میں دو سو مکعب فیٹ کی ''لندن کے شفاخانوں میں سے ایک کے بڑے ڈاکٹر۔ ڈاکٹر رچرڈسن کہتے ہیں کہ ''سوئی کا کام کرنے والی تمام قسم کی عورتوں۔ کلاہ ساز لباس ساز اور عام قسم کی رفوگر کے ساتھ تین بدقسمتیاں لگی رہتی ہیں۔ پہلی کثرت کار دوسری ہوا کی کمی اور تیسری غذا کی کمی یا بدہضمی ...... سوئی کے کام کے لیے مردوں کے مقابل عورتیں موزوں تر ہیں۔ لیکن اس تجارت کی خرابی خاص طور پر لندن میں یہ ہے کہ اس پر کوئی 26 سرمایہ داروں کی اجارہ داری قائم ہے لہٰذا اس سہولت کی بناء پر جو سرمائے سے حاصل ہوتی ہے وہ زیادہ سرمایہ لگا کر مزدوروں کی تعداد کم کر سکتے ہیں۔ سرمایہ دار کی یہ طاقت پورے طبقے پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر ایک لباس ساز اپنے لیے کچھ گاہک جمع کر لیتا ہے تو مقابلہ اتنا سخت ہے کہ مالک خاتون کو اپنے گھر کاروبار چلانے کے لیے اتنا کام کرنا چاہئے کہ مرنے کی نوبت آ جائے اور اگر وہ کسی کو اپنی مدد کے لیے ملازم رکھے تو اسے بھی کثرت کار کے اس عذاب کا شکار ہونا چاہئے۔ اب اگر وہ اپنا آزاد کاروبار چلانے میں ناکام ہو جائے یا آزادانہ رہنے کی کوشش نہ کرے تو پھر کسی لباس ساز ادارے سے وابستہ ہو جائے۔ ایسی صورت میں اس کا روپیہ تو محفوظ ہو جائے گا مگر محنت کم نہ ہوگی۔ ایسی مشکل صورتحال میں لباس ساز خاتون محض ایک کنیز بن جاتی ہے۔ اور سماجی تغیر و تبدل کے ساتھ ادھر ادھر ماری پھرتی ہے۔ اگر اپنے گھر رہتی ہے تو ایک کمرے میں پڑی فاقہ کشی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور یہ لندن کا سب سے اچھا لباس ادارہ ساز ہے۔ میری اینے والکلی جمعہ کے دن بیمار پڑی۔ اتوار کو مرگئی اور مادر ایلیس کو حیرت ہوئی کہ جو کام وہ کر رہی تھی اسے پورا کیے بغیر مرگئی۔ ڈاکٹر مسٹر کینز کو بڑی دیر میں بلایا گیا وہ عالم نزع کے وقت پہنچا۔ اس نے علاقائی عدالت کے سامنے گواہی دیتے ہوئے کہا کہ ''میری اینے والکلی ایک تنگ کمرے میں جس میں بہت سے آدمی کام کرتے تھے۔ جو بے حد چھوٹا تھا اور جس میں ہوا کی آمد کا کوئی انتظام نہ تھا حد سے زیادہ کام کرتے رہنے کی وجہ سے انتقال کرگئی۔ ڈاکٹر کو مہذب طریقے سے سکھانے کے خیال سے عدالت جیوری نے یہ فیصلہ دیا کہ ''مریضہ مرگی کے دورے سے مرگئی لیکن اس خوف کے وجوہ موجود ہیں کہ اس کی موت کثرت کار سے جو کہ پرہجوم کمرے میں ہوتا تھا۔ واقع ہوئی'' اخبار مارننگ اسٹار نے جو آزاد تجارت کے حامیوں کا بڈن اور برائٹ کا ترجمان ہے لکھا ہے کہ'' ہمارے سفید غلام جو کام کرتے کرتے قبر میں داخل ہوجاتے ہیں عام طور پر خاموشی سے سوکھتے رہتے ہیں اور انتقال کرجاتے ہیں (۱)''۔

(بقیہ حاشیہ) یا نیم فاقہ کشی کرتی ہے۔ یا پھر کام کرتی ہے تو 15-16 بلکہ 18 گھنٹے یومیہ گویا 24 گھنٹوں میں سے اور یہ کام بھی ایسی ہوا میں کرتی ہے جو بمشکل ہی قابل برداشت ہوتی ہے اور ایسی غذا کھاتی ہے جو اگر اچھی بھی ہو تو ہوا کے فقدان کی وجہ سے ہضم نہیں ہوتی۔ اس قسم کے لوگوں میں دق کی بیماری پھیلتی ہے۔ جو کہ بری ہوا سے پیدا ہوا کرتی ہے۔ ڈاکٹر رچرڈسن'' کار اور کثرت کار'' اور رسالہ ''سوشل سائنس ریویو'' 18 جولائی 1863۔

(۱) مارننگ اسٹار 23 جون 1863ء اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اخبار ٹائمز نے برائٹ وغیرہ کے خلاف لکھتے ہوئے امریکہ کے غلاموں کے مالکوں کی حمایت کا جواز نکال لیا۔ اس اخبار کی 2 جولائی 1862ء کی اشاعت کے مقالۂ افتتاحیہ میں لکھا گیا کہ ''ہم میں سے کافی لوگ یہ سوچنے لگے ہیں کہ جبکہ ہم اپنی نوجوان لڑکیوں کو کوڑوں کی سزا سے ڈرانے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

لباس سازوں کے کمروں میں ہی موت تک پہنچانے کا عمل روزانہ کا معمول نہیں ہے بلکہ دوسری اور ہزاروں جگہوں پر بھی ایسا ہی ہو رہا ہے جو اس جگہ جیسا کہ میں نے ہمیشہ کہا ہے جہاں کاروبار کافی ترقی کر رہا ہے..... بطور نمونہ لہار کے کام کو لیجئے۔ اگر شعراء صحیح کہتے ہیں تو کوئی شخص اس قدر خوش اور مطمئن نہیں ہے جس قدر لہار۔ وہ صبح سویرے اٹھتا ہے اور سورج کے چڑھنے سے پہلے بھٹی جلا دیتا ہے۔ وہ اس طرح کھاتا پیتا اور سوتا ہے کہ کوئی شخص اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ معتدل زندگی گزارتے ہوئے وہ فی الواقع بہترین انسانی پوزیشن میں ہے۔ گویا جسمانی اعتبار سے لیکن آیئے جس شہر یا قصبے میں وہ جاتا ہے ہم اس کے ساتھ وہاں چلیں اور اس مضبوط شخص پر کام کی کثرت جو دباؤ ڈالتی ہے اس کا جائزہ لیں اور یہ بھی دیکھیں کہ ملک میں اموات کا جو اوسط ہے اس

(بقیہ حاشیہ) کے بجائے فاقہ کشی کے عذاب سے ڈرا کر کام کرانے اور موت تک پہنچانے کا کام کر رہے ہیں تو پھر بمشکل ہی ہمیں اس بات کا حق پہنچتا ہے کہ ان خاندانوں پر جو غلاموں کے مالک پیدا ہوئے ہیں نکتہ چینی کے تیر برسائیں جو کم سے کم اپنے غلاموں کو غذا تو اچھی دیتے اور کام تو کم لیتے ہیں۔ اسی انداز میں ایک ٹوری اخبار ''اسٹینڈرڈ'' نے مقدس نیومین ہال کی لے دے کی اور لکھا ''انہوں نے غلاموں کے ان مالکوں کو دین بدر کر دیا ہے جبکہ یہ ان اچھے حضرات کے لیے دعا کرتے ہیں جو لندن وغیرہ کی بسوں کے ڈرائیور اور کنڈیکٹروں سے روزانہ 16 گھنٹے کام لیتے ہیں اور معاوضہ اتنا دیتے ہیں جو کتوں کے لیے موزوں ہو'' اور آخر میں صاحب الہام جناب ٹامس کارلائل بولے۔ انہوں نے ایک مختصری شکایت کے طرز میں معاصر تاریخ کے عظیم واقع امریکی سول وار۔ کو اس سطح پر بیان کیا کہ شمال کے پیٹر یہ چاہتے تھے کہ پوری طاقت سے جنوب کے پال کا سر توڑ دیں۔ اس لیے کہ شمال کے پیٹر اپنے مزدور کو دن کے بدلے میں ملازم رکھتے ہیں اور جنوب کے پال مزدور کو اس کی زندگی کے بدلے میں (میکملن میگزین) اور اس طرح شہری مزدور کے لیے دیہاتی کے لیے نہیں۔ ٹوریوں کی ہمدردیوں کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اس تمام گفتگو کا موضوع ہے۔ غلامی.....

میں اس لہار کا مقام کیا ہے میرل بون میں لہار 31 فی ہزار فی سال کے اوسط سے انتقال کرتے ہیں یعنی ملک کے نوجوان مجموعی طور پر جس حساب سے مرتے ہیں اس اوسط سے لہاروں کی اموات کا اوسط 11 کے بقدر زیادہ ہے۔ اس کا پیشہ جو جبلی ہے اس حد تک کہ انسانی آرٹ کا حصہ معلوم ہوتا ہے اور انسانی محنت کی شاخ کی حیثیت سے ناقابل اعتراض ہے۔ صرف کثرت کار کی وجہ سے انسان کے لیے تباہ کن بن گیا لہار روزانہ اتنی ضربیں لگاتا ہے۔ اتنا چلتا ہے۔ اتنے سانس لیتا ہے اس قدر کام پورا کرتا ہے اور پھر زندہ رہتا ہے صرف اوسطاً پچاس سال اتنی ضربیں لگانے پر وہ مجبور ہوتا ہے۔ اتنا چلنے اور روز اتنی ہی بار سانس لینے پر مجبور ہوتا ہے کہ اپنی چوتھائی عمر سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ نتیجہ یہ کہ کم وقت میں چوتھائی سے زیادہ کام کرتا اور 37 سے پچاس سال کی عمر تک مر جاتا ہے۔

فصل چہارم

(ریلے سسٹم)

دن اور رات کا کام

سرمایہ جاری یعنی ذرائع پیداوار اس اعتبار سے کہ وہ قدر زائد کی تخلیق کرتا ہے صرف اس لیے موجود ہوتا ہے کہ محنت کو جذب کرے مگر محنت میں جو ذرا سی کمی ہوتی ہے اسی نسبت سے زائد محنت کی مقدار میں کمی ہوتی ہے۔ جب ذرائع پیداوار اس فرض کو انجام نہیں دیتے تو صرف ان کی موجودگی سرمایہ دار کو نسبتی نقصان پہنچا دیتی ہے اس لیے کہ جس مدت کے دوران ذرائع پیداوار معطل رہتے ہیں تو سرمایہ بیکار رہتا ہے اور جو نقصان ہوتا ہے وہ اس وقت بالکل قطعی اور یقینی بن جاتا ہے جب کام میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے اور پھر دوبارہ کام شروع کرنے پر مزید ابتدائی خرچ کرنا پڑتا ہے۔ یوم کار کا فطری حدود سے متجاوز ہوکر رات تک پھیل جانا اشک شوئی کا سبب بنتا ہے۔ اس سے محنت کے زندہ خون کے لیے اژدہے کی جو پیاس ہوتی ہے وہ جزوی طور پر بجھتی ہے۔ لہٰذا دن کے تمام 24 گھنٹوں کے دوران مدت میں توسیع سرمایہ داری طرز پیداوار کے جبلی رجحانات میں شامل ہے۔ مگر چونکہ طبعی طور پر یہ بات ناممکن ہے کہ ایک ہی شخص کی محنت کو رات اور دن کے دوران مسلسل طور پر کام میں لایا جا سکے لہٰذا دن میں تھک جانے

اور رات میں تھک جانے والے مزدوروں کا ردوبدل ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ ردوبدل۔ مختلف انداز میں ہوتا ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مزدوروں کے ایک حصے کو ایک ہفتے دن میں کام پر لگایا جائے اور دوسرے ہفتے رات میں۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ ردوبدل کا یہ نظام (ریلے سسٹم) یہ مزدوروں کی دو جماعتوں کا ردوبدل انگلستان کی روئی کی مصنوعات تیار کرنے کا جب بڑا زور تھا تو پوری طرح رائج رہا اور موجودہ زمانے میں ماسکو کے ضلع میں روئی کاتنے کی صنعت میں اور چیزوں کے ساتھ اب بھی ترقی پر ہے۔ 24 گھنٹے کام جاری رکھنے کا یہ عمل برطانیہ عظمیٰ کی صنعت کی بہت سی ان شاخوں میں آج بطور نظام کے موجود ہے جو اب بھی آزاد ہیں۔ انجن بھٹیوں لہار بھٹیوں۔ پلیٹیں بنانے کے کارخانوں اور دھاتوں سے متعلقہ دوسرے اداروں میں جو انگلستان ویلز اور اسکاٹ لینڈ میں واقع ہیں یہ طریقہ آج بھی مروج ہے۔ یہاں جو اوقات کار ہیں ان سے ہفتے کے 6 دنوں کے 24 گھنٹوں کے ساتھ اتوار کا ایک حصہ بھی شامل ہوتا ہے۔ مزدوروں میں دونوں صنعتوں کے مرد عورتیں جوان اور بچے سب ہی شامل ہوتے ہیں اور جوان 8 سال سے (بعض حالات میں چھ سال) سے لے کر 18 سال تک کی تمام عمروں کے ہوتے ہیں (۱)۔

صنعت کی بعض شاخوں میں لڑکیاں اور عورتیں رات بھر مردوں کے ساتھ کام کرتی ہیں (۲)۔

---

(۱) چلڈرنس امپلائمینٹ کمیشن۔ تیسری رپورٹ۔ لندن 1864ء صفحات 4-5-6۔

(۲) اسٹافرڈ شائر اور ساؤتھ ویلز دونوں میں نوجوان لڑکیاں اور عورتیں کانوں کے کناروں اور کوئلے کے ڈھیروں پر کام کرتی ہیں اور صرف دن میں نہیں بلکہ رات میں بھی۔ پارلیمنٹ کو جو رپورٹیں پیش کی گئی ہیں ان میں اس طریقے کے رواج اور اس سے جو سخت اور شرمناک برائیاں پیدا ہوتی ہیں

رات کی (۱) محنت کے جو نقصانات ہیں ان سے قطع نظر پیداوار کا وہ تسلسل جو 24 گھنٹے برابر جاری رہتا ہے وہ عام یوم کام کی حدود توڑ دینے کے مناسب و موزوں مواقع مہیا کر دیتا ہے خاص طور پر صنعت کی ان شاخوں میں جس کا پہلے تذکرہ کیا جاچکا اور جو بے حد تھکا دینے والی ہوتی ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) سے لباس میں ممتاز نہیں ہوتیں اور دونوں عورتیں اور مرد یکساں طور پر گندگی اور دھوئیں میں اٹے ہوتے ہیں اور پست کردار کی زد میں رہتے ہیں جو کہ عورتوں کی عزت نفس کی اس فقدان سے پیدا ہوتا ہے جو ان کے غیر نسوانی کام کی صورت میں بمشکل ہی باقی رہ سکتا ہے۔ (بحوالہ سابقہ 194 صفحہ 26 ملاحظہ ہو چوتھی رپورٹ (1855ء61 صفحہ 13) یہی صورتحال گلاس ورکس میں پائی جاتی ہے۔

(۱) فولاد بنانے والے ایک مالک نے جو بچوں کو رات کے لیے ملازم رکھتا ہے کہا ہے کہ "یہ بالکل فطری بات ہے کہ جو بچے رات کے وقت کام کرتے ہیں وہ دن میں بھی نہ سو سکتے ہیں نہ آرام کر سکتے ہیں بلکہ ادھر ادھر بھاگتے پھرتے ہیں۔ (بحوالہ رپورٹ نمبر 4-63 صفحہ 13) جسم کی بقاء اور نشوونما کے لیے دھوپ کس قدر ضروری ہے اس کی بابت ایک ڈاکٹر لکھتا ہے۔ "دھوپ جسم کے نسیجوں پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے کہ وہ ان کو سخت بناتی ہے اور لچکدار بھی کرتی ہے۔ جب کسی جانور کے اعصاب مناسب دھوپ سے محروم ہو جاتے ہیں تو وہ نرم ہو کر لچک کھو بیٹھتے ہیں۔ اور اعصاب کی قوت ناکافی ہیجان کی وجہ سے اپنا صحیح مزاج کھو بیٹھتی ہیں جس سے نشوونما رک کر رہ جاتی ہے۔ بچوں کا جہاں تک تعلق ہے دن میں دھوپ کی زیادتی اور دن کے ایک حصے میں سورج کی براہ راست شعاعوں کی زد میں رہنا صحت کے لیے بڑا مفید ہے۔ سورج کی شعاعیں نسیج کو ٹھیک رکھنے والے خونی ذرات پیدا کرنے میں مدد دیتی ہیں۔ کمزور ریشوں کو مضبوط بناتی ہیں۔ اعضاء بصارت پر بھی ان کا خوشگوار اثر پڑتا ہے جس سے دماغی رگوں کے اعمال تیز ہو جاتے ہیں۔ وورسٹر جنرل ہاسپٹل کے سینئر ڈاکٹر مسٹر ڈبلیو۔ اسٹرینج نے جن کی کتاب "صحت" (1824ء) سے مذکورہ عبارت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سرکاری یوم کار کا مطلب یہ ہے کہ ہر مزدور کو دن اور رات میں 12 گھنٹے کام کرنا ہوگا۔ لیکن اس حد سے زیادہ جو کام کی کثرت ہوتی ہے وہ انگلستان کی سرکاری رپورٹ کے الفاظ میں کئی حالات میں ''دہشتناک'' ہو جاتی ہے۔

یہ ناممکن ہے رپورٹ میں کہا گیا ہے ''کہ کسی ذہن میں یہ آ سکے کہ حسب ذیل عبارت میں کام کی جو نوعیت بیان کی گئی ہے وہ 9 سال سے لے کر 12 سال کی عمر کے بچے سرانجام دے سکیں (۱) لیکن...... اس نتیجے پر سب کا پہنچنا ناگزیر ہے کہ ماں باپ اور مالکان اپنے اختیارات کا جو اس انداز میں ناجائز استعمال کرتے ہیں اسے بہرحال ختم کر دینا چاہیئے (۲)۔

یہ طریقہ کہ لڑکے دن اور رات میں کام کریں یا تو عام انداز پر چلنا ہے اور یا جب حالات کا دباؤ زیادہ ہو تو ناگزیر طور پر ایسی صورت پیدا کرنے کا باعث بنتا ہے کہ ان لڑکوں سے غیر ضروری طور پر طویل عرصے کام لیا جاتا ہے۔ یہ عرصہ بعض حالات میں بہیمانہ بلکہ ناقابل یقین طور پر بچوں کے لیے بے حد طویل ہو جاتا ہے۔ چنانچہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک یا ایک سے زیادہ لڑکے کسی نہ کسی وجہ سے کام سے غائب ہو جاتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ) نقل کی گئی ہے۔ صحت کے ایک کمشنر مسٹر وائٹ کو ایک خط میں لکھا ہے کہ ''پہلے میں لنکاشائر میں تھا تو مجھے اس بات کا موقع ملا کہ رات کے کام کا بچوں پر جو اثر ہوتا ہے اس کا مشاہدہ کروں۔ اب میں یہ کہنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا گو یہ مالکوں کے بیانات ہیں۔ برعکس خلاف ہے کہ رات کو کام کرنے سے بچوں کی صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ (بحوالہ سابقہ 284 صفحہ 55) اس جیسا معاملہ بھی سنجیدہ اختلاف پیدا کرتا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سرمایہ داری طرز پیداوار سرمایہ داروں اور ان کے حواریوں کے ذہن کے عمل پر کس طرح اثر انداز ہوتا ہے۔

(۱) بحوالہ سابقہ 57 صفحہ 12۔

(۲) بحوالہ سابقہ۔ چوتھی رپورٹ (1865ء) 58 صفحہ 16۔

جب یہ صورت پیدا ہوتی ہے تو ان کی جگہ ایک یا زیادہ بچے کام پر لگائے جاتے ہیں۔ جو دوسری باری میں کام کرتے ہیں یہ کہنا غیر ضروری ہے کہ یہ نظام جانا بوجھا ہے...... دھات کی پتریاں اور چھڑیاں بنانے والی بعض بڑی ملوں کے منیجروں نے میرے اس سوال کے جواب میں کہ جب کام کرنے والے لڑکے اپنی باری پر کام کرنے نہیں آتے تو ان کی جگہ کیسے پر ہوتی ہے یہ کہا کہ جناب والا میں یہ کہنے کی جرأت کروں گا۔ اسے آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی اور حقیقت واقعہ کو تسلیم کیا (۱)۔

''دھات کی پتریاں اور چھڑیاں بنانے والی ایک مل میں جہاں صحیح اوقات صبح 6 بجے سے شروع ہو کر شام کے ساڑھے پانچ بجے تک ہوتے ہیں۔ ایک لڑکے نے ہر ہفتے تقریباً 4 راتوں میں کم سے کم 8-1/2 بجے تک کام کیا...... اور یہ سلسلہ چھ ماہ تک جاری رہا۔ ایک اور لڑکے نے 9 سال کی عمر میں بعض اوقات تو 12 گھنٹے کی تین شفٹوں میں مسلسل کام کیا اور جب 10 سال کی عمر ہوگئی تو دو دن اور دو رات بالتواتر کام کیا'' ایک اور لڑکا ''اب دس سال کی عمر کا...... 6 بجے صبح سے رات کے 12 تک مسلسل تین راتوں تک کام کرتا رہا اور باقی راتوں میں رات کے 9 بجے تک کام کرتا رہا'' ایک اور لڑکا ''جس کی عمر 13 سال ہے صبح 6 بجے سے دوسرے دن 12 بجے تک کام کرتا رہا...... پورے ہفتے اسی کام کرتا رہا۔ اور بعض اوقات تین شفٹیں ساتھ ساتھ کام جاری رکھا۔ یعنی مثلاً دوشنبے کی صبح سے منگل کی رات تک'' ''ایک اور لڑکا جس کی عمر اب 12 سال ہے۔ جو اسٹیولی کی فولاد کی فاؤنڈری میں کام کرتا ہے اس نے 6 بجے صبح سے رات کے 12 تک کام کیا۔ اور اسی طرح برابر دو ہفتے کام جاری رکھا۔ اس لیے کہ اس سے زیادہ مدت تک وہ کام کرنے کے قابل نہ رہا'' جارج ایلنس ورتھ عمر 9 سال گذشتہ جمعہ کو یہاں شراب خانے میں کام کرنے والے کی حیثیت سے آیا تھا'' دوسرے دن صبح کے 3 بجے

---

(۱) بحوالہ سابقہ

ہم نے کام شروع کیا۔ اس لیے ہمیں یہاں رات بھر ٹھہرنا پڑا۔ قیام یہاں سے پانچ میل دور ہے۔ بھٹی کے فرش پر سویا۔ پیش بند جو کام کے وقت جسم کے اگلے حصے پر باباندھ لیا جاتا ہے وہ میرے نیچے تھا اور جیکٹ کا ایک حصہ اوپر باقی دو دن صبح 6 بجے میں آیا۔ ہاں یہاں گرمی بہت ہے۔ یہاں آنے سے پہلے میں ملک کے دوسرے حصے کے کارخانے میں بھی ایک سال تک یہی کام کرتا رہا۔ سنیچر کی صبح کو 3 بجے وہاں بھی کام شروع کرتا۔ میں اسی طرح کرتا مگر گھر سے یہ جگہ قریب تھی اس لیے گھر ہی میں سوتا۔ ہفتے کے دوسرے دنوں میں صبح 6 بجے کام شروع کیا اور شام کے 6 یا 7 بجے ختم کیا (ا)

(ا) بحوالہ سابقہ صفحہ 13۔ ان لوگوں کا تہذیبی درجہ کس قدر گرا ہوتا ہے اس کا اندازہ حسب ذیل گفتگو سے ہوگا جو ایک مزدور کمشنر سے ہوئی جرمیاہ ہینس نے جس کی عمر 12 سال ہے کہا ''4 جگہ 4-8 ہوتے ہیں 4-4-16 ہوتے ہیں۔ بادشاہ اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس روپیہ ہو۔ ہمارا بھی ایک بادشاہ ہے (کہا گیا کہ وہ ملکہ ہے) لوگ اسے ملکہ اسکندریہ کہتے ہیں اسے بتایا گیا کہ اس نے ملکہ کے لڑکے سے شادی کی ملکہ کے لڑکے نے شہزادی اسکندریہ کے ساتھ شادی کی۔ ایک شہزادی مرد ہوتی ہے'' ولیم ٹرنر جس کی عمر 16 سال ہے کہا کہ ''انگلستان میں نہیں رہتا۔ سمجھتا یہ ہوں کہ وہ ایک ملک ہے مگر پہلے یہ بات نہ جانتا تھا'' جان میرس عمر 14 سال نے بتایا ''لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے خدا نے اس دنیا کو بنایا ہے اور تمام لوگ سمندر میں ڈوب گئے تھے مگر ایک بچ رہا۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک پرندہ تھا جو ڈوبنے سے بچ رہا'' ولیم اسمتھ عمر 15 سال ''خدا نے مرد کو بنایا ہے اور مرد نے عورت کو بنایا ہے'' ایڈورڈ ٹیلر عمر 15 سال ''مجھے نہیں معلوم لندن کیا ہے'' لندن میتھیو مین عمر 17 سال ''گرجا تو گیا ہوں مگر پچھلے دنوں عرصے سے نہیں گیا۔ ایک وہ نام جس کی وہ تبلیغ کیا کرتے ہیں۔ عیسی مسیح۔ ہیں۔ مگر میں نہیں جانتا وہ کون ہیں اور کیا ہیں۔ ان کو قتل نہیں کیا گیا بلکہ دوسرے آدمیوں کی طرح ان کی وفات بھی ہوئی۔ بعض باتوں میں وہ دوسروں کی رطح نہ تھے اس لیے کہ بعض حیثیتوں سے وہ مذہبی آدمی تھے اور دوسرے لوگ نہیں ہیں'' (بحوالہ سابقہ صفحہ 15) ''شیطان ایک اچھے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

آیئے اب ہم یہ سنیں کہ سرمایہ 24 گھنٹے کے اس سسٹم کی بابت خود کیا خیال کرتا ہے۔ اس سسٹم کی جو انتہائی مشکل ہے اور جس میں یوم کار کی توسیع انتہائی بے رحمانہ اور ناقابل یقین حد تک کر دی گئی ہے اس کا تو کچھ ذکر نہیں کیا جاتا۔ سرمایہ تو اس کا عام حالات کی صورت میں ذکر کرتا ہے۔

فولاد ساز کارخانوں کے مالک میسرز ٹیلر اینڈ ورکرس جن کے یہاں 6 سو سے لے کر 7 سو تک آدمی ملازم ہیں جن میں سے دس فی صد کی عمر 18 سال ہے اور ان میں سے صرف 20 لڑکے جن کی عمر 18 سال سے کم ہے رات کی شفٹ میں کام کرتے ہیں ان الفاظ میں گوہر افشاں ہوتے ہیں' لڑکوں کو گرمی سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ ٹمپریچر بھی کوئی 68 اور 90 کے درمیان ہوتا ہے۔ بھٹیوں میں اور پتریاں بنانے والے کارخانوں

(بقیہ حاشیہ) آدمی کا نام ہے۔ مگر مجھے یہ علم نہیں وہ کہاں رہتا ہے''۔ ''عیسیٰ ایک نہایت برے آدمی تھے''۔ ''اس لڑکے نے گاڈ (خدا) کی ہجے کی ڈاگ (کتا) اور اسے ملکہ کا نام معلوم نہ تھا۔ (ملاحظہ ہو امپلائمینٹ کمیشن۔ پانچویں رپورٹ 1866ء صفحہ 55 نمبر 278 دھاتوں کی صنعتوں میں معاملات کی جو نوعیت ہے وہی شیشے اور کاغذ کی صنعتوں میں ہے۔ کاغذ کے کارخانوں میں جہاں مشین سے کاغذ بنتا ہے کام صرف رات کے وقت ہی ہوتا ہے۔ البتہ پھٹے پرانے کاغذ کو جدا جدا کرنے کا کام ان کارخانوں میں دن میں ہوتا ہے۔ بعض حالات میں رات کا کام شفٹوں کے طریقے پر مسلسل پورے ہفتے ہوتا رہتا ہے۔ عام طور پر اتوار کی رات سے لے کر آنے والے سنیچر کی نصف رات تک۔ جو لوگ دن کا کام کرتے ہیں وہ ہفتے میں پانچ دن 12 گھنٹے اور ایک دن 18 گھنٹے کام کرتے ہیں۔ رہے رات کے وقت کام کرنے والے سو وہ 5 رات 12 گھنٹے اور ایک دن 6 گھنٹے کام کرتے ہیں۔ بعض دوسرے حالات میں ہر جماعت 24 گھنٹے مسلسل کام کرتی ہے اور ایک دن کے وقفے سے دوسری پارٹی پیر کو۔ گھنٹے اور سنیچر کو 18 گھنٹے کام کرتی ہے کہ اس طرح 24 گھنٹے پورے ہو جائیں۔ بعض اور حالات میں ایک درمیانی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس طریقے کے تحت (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

میں مزدور رات کو بھی کام کرتے ہیں۔ اور دن کو بھی شفٹوں کے تحت۔ لیکن کام کے باقی حصے دن میں ہوتے ہیں یعنی 4 بجے صبح سے 6 بجے شام تک۔ بھٹیوں کے اوقات کار 12 بجے سے 12 بجے تک ہوتے ہیں۔ بعض تو ہمیشہ رات کے وقت کام کرتے ہیں اور رات و دن کے ردو بدل میں نہیں آتے...... جو لوگ دن میں کام کرتے ہیں اور جو لوگ رات میں کام کرتے ہیں ان دونوں کی محنتوں میں کوئی فرق نظر نہیں آیا اور امکان یہ ہے کہ جو لوگ کسی ایک ہی وقت کام کرتے ہیں وہ آرام سے سو سکتے ہیں بمقابلہ ان کے جن کے کام کا وقت بدلتا رہتا ہے...... 18 سال سے کم عمر کے کوئی 20 لڑکے رات کی شفٹ میں کام کرتے ہیں...... 18 سال سے کم عمر کے بچے جو رات کو کام کریں ان کے بغیر ٹھیک کام نہیں ہوتا۔ اعتراض یہ ہوسکتا ہے کہ پیداوار کی قیمت بڑھ جاتی ہے۔ ہنرمند

(بقیہ حاشیہ) کاغذ سازی کے کارخانے میں وہ ہفتے میں روزانہ 15 یا 16 گھنٹے کام کرتے ہیں۔ کمشنر لارڈ نے کہا ہے کہ "یہ طریقہ 12 گھنٹے اور 24 گھنٹے کی شفٹوں کے طریقوں میں جو برائیاں موجود ہیں ان دونوں پر مشتمل ہے۔ رات کے اس طریقے میں 13 سال سے کم عمر کے بچے 18 سال سے کم عمر کے نوجوان اور عورتیں سبھی کام کرتی ہیں۔ بعض اوقات 12 گھنٹے کام کے سسٹم کے تحت انہیں صرف اس لیے دوگنا کام یعنی 24 گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے کہ دوسری شفٹ کام پر نہیں آئی۔ واقعات سے یہ ثابت ہے کہ لڑکے اور لڑکیاں اور ٹائم کرتی ہیں جو کبھی کبھی 24 گھنٹے بلکہ 36 گھنٹے بالتسلسل جاری رہتا ہے۔ شیشے پر پالش لگانے کے کام میں جو مسلسل جاری رہتا ہے 12 سال کی لڑکیاں کام کرتی دیکھی گئی ہیں جو پورے مہینے روزانہ 14 گھنٹے کام کرتی ہیں اور درمیان میں انہیں جو وقفہ ملتا ہے وہ دو بار یا تین بار ہوتا ہے اور آدھ گھنٹے سے زیادہ کا نہیں ہوتا۔ یہ کھانے کا وقفہ ہوتا ہے۔ چند ملوں میں جن میں رات کا باقاعدہ کام بند ہو گیا ہے کثرت کار دہشتناک حد تک پائی جاتی ہے اور وہ بھی اکثر نہایت گندہ۔ نہایت گرم اور انتہائی غیر دلچسپ حالات میں۔ (ملاحظہ ہو امپلائمنٹ کمیشن کی رپورٹ 1885ء صفحہ 38 اور 39)

مزدور اور ہر شعبے کے سربراہ مشکل سے دستیاب ہوتے ہیں مگر یہ بچے ہر تعداد میں مل جاتے ہیں...... بچوں کے اس کم تناسب کے اعتبار سے جو ہمارے ملازم ہیں اس موضوع (یعنی رات کے کام پر پابندیاں لگانا) سے ہمیں کوئی خاص دلچسپی نہیں اور کوئی نمایاں اہمیت نہیں رکھتا (ا)۔

میسرز جان اینڈ کو کے لوہے اور فولاد کے کارخانے کے مسٹر جے۔ ایکس نے جن کے یہاں تین ہزار بچے اور بڑے مرد کام کرتے ہیں اور جن کا ایک کام فولاد اور بھاری لوہے کا بنانا ہے جو شفٹوں میں رات دن جاری رہتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ''بھاری فولاد کے حصے میں 20 یا 40 بڑے مردوں کے ساتھ ایک یا دو بچے کام کرتے ہیں۔ ان کے کارخانے میں 18 سال کی عمر سے کم پانچ سو لڑکے کام کرتے ہیں جن میں سے 1/3 یا ایک سو ستر 13 سال سے کم عمر کے ہیں۔ قانون میں مجوزہ ترمیم کے بارے میں مسٹر ایکس نے کہا کہ میرے خیال میں اس بات پر تو کوئی بڑا اعتراض ہونا نہیں چاہیے کہ یہ قانون بن جانے کہ 18 سال سے کم عمر کے لڑکے 24 گھنٹے میں 12 گھنٹے کام نہ کریں۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ 12 سال کی عمر سے زائد عمر کے لڑکوں کے لیے کوئی تعین عمر کیا جاسکے کہ اس حد تک کہ لڑکے رات کے کام سے مستثنٰی رہیں گے۔ لیکن جلد ہی ایسا ہونا چاہیے کہ ہمیں 13 سال یا 14 سال رات کی شفٹ میں بھی کام کرنا چاہیے۔ اس لیے کہ بڑی عمر کے مزدور صرف رات کی شفٹ میں کام نہیں کر سکتے اس طرح تو ان کی صحت جواب دے جائے گی...... تاہم ہمارا خیال یہ ہے کہ ایک ایک ہفتے کے وقفے کے ساتھ رات کا کام نقصان رساں نہیں ہے (ادھر میسرز نیلر اور وکرس نے اپنے کاروباری مقاصد کے مطابق یہ رائے قائم کی ہے کہ وقفے وقفے کے ساتھ رات کا کام مسلسل رات کام کرنے کے مقابل زیادہ نقصان رساں ثابت ہوسکتا ہے)۔ ہمیں ایسے آدمی مل

(ا) چوتھی رپورٹ وغیرہ 1865ء۔ 79۔ صفحہ 16۔

جاتے ہیں جو اسی طرح کام کریں ٹھیک اسی طرح جیسے بہت سے دوسرا کام صرف دن ہی میں کرتے ہیں...... 18 سال سے کم عمر کے بچوں کو رات میں کام کرنے پر ہمارا جو اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ اس طرح اخراجات بہت بڑھ جاتے ہیں اور اعتراض صرف یہی ہے (کس قدر عجیب طفلانہ انداز نظر ہے) ہم خیال کرتے ہیں کہ خرچ میں اضافہ اتنا ہوگا کہ تجارت اگر کامیابی کے ساتھ چلے تو بمشکل ہی اس کا بوجھ برداشت کرسکتی ہے (کتنی چکنی چپڑی باتیں ہیں) یہاں مزدور مشکل سے ملتے ہیں اور اگر اس قسم کا قانون بن گیا تو اور کم پڑ جائیں گے (یہی ایکس راؤن اینڈ کو اس تکلیف دہ مصیبت کا شکار ہو جائیں گے کہ انہیں مزدوروں کو پوری قیمت ادا کرنی پڑے گی (۱)۔

''سائکلاپ اسٹیل اینڈ آئرن ورکس'' جو میسرز کیمل اینڈ کو کی کمپنی ہے یہ بھی اتنے ہی بڑے پیمانے پر کام کرتی ہے جتنے بڑے پیمانے پر مذکورہ جان براؤن اینڈ کو کام کرتی ہے۔ اس کے مینیجنگ ڈائریکٹر نے گورنمنٹ کے کمشنر مسٹر وائٹ کو تحریری شہادت دی۔ لیکن جب اس تحریری شہادت کے مسودات نظر ثانی کے لیے انہیں واپس کیے گئے تو انہوں نے دبا لیے مگر مسٹر وائٹ کی قوت حافظہ تیز تھی۔ انہوں نے اسے پوری طرح یاد رکھا کہ میسرز سائکلاپ کے لیے بچوں اور نوجوانوں کی رات کی ڈیوٹی کا امتناع قطعی ناممکن رہے گا اور ایسا ہوا تو ان کا کام بند ہو جانے کا خطرہ ہے۔ تاہم اس کارخانے میں 18 سال سے کم عمر کے لڑکے صرف 4 فیصد ہیں اور 13 سال سے کم عمر کے ایک فی صد سے بھی کم (۲)۔

اسی موضوع پر مسٹر ای ایف سینڈرسن نے جو سینڈرسن اینڈ برادرز اینڈ کو کی فرم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور یہ فرم فولاد سازی اور لوہے کی پتریاں وغیرہ بنانے کا کارخانہ

---

(۱) بحوالہ سابقہ 80 صفحہ 16۔

(۲) بحوالہ سابقہ 82۔ صفحہ 17۔

ہے جو اسٹیر کلف میں واقع ہے۔ کہا ہے کہ ''18 سال سے کم عمر کے لڑکوں کو رات میں کام کرنے سے روک دینے کی صورت میں مشکلات کا شکار ہونا پڑے گا۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہوگی کہ بچوں کی جگہ بڑوں سے کام لینا ہوگا جس سے اخراجات بڑھ جائیں گے یہ تو میں نہیں بتا سکتا کہ خرچ میں اضافہ کس قدر ہوگا مگر اتنا زیادہ ضرور ہوگا کہ کارخانے دار فولاد کے نرخ بڑھا کر پورا نہ کر سکیں گے۔ لہٰذا یہ خرچ ان پر پڑے گا اس لیے کہ لوگ (خود یہ کس بھیجے کے لوگ ہیں) نرخوں میں اس اضافے کو ادا کرنے سے انکار کر دیں گے''۔ مسٹر سینڈرسن کو یہ معلوم نہیں ہے کہ وہ ان بچوں کو کیا کچھ دیتے ہیں لیکن ''خیال یہ ہے کہ نوجوان لڑکے فی ہفتہ 4 شلنگ سے 5 شلنگ تک لیتے ہیں...... ان لڑکوں کا کام اس طرح کا ہے کہ اس کے لیے بچوں کی قوت عام طور پر (عام طور پر ہمیشہ نہیں) کافی ہوتی ہے اور اس لیے بڑے مزدوروں سے کام لینا جن کی قوت زیادہ ہوتا کہ زیادہ لڑکوں کی وجہ سے جو نقصان ہو اسے کم کیا جا سکے۔ منفعت بخش نہیں ہے۔ ہاں اگر اس کی ضرورت بھی پڑتی ہے تو اس وقت جب متعلقہ دھات بہت وزنی ہو۔ لوگ لڑکوں کو رکھنا اس لیے بھی پسند کرتے ہیں کہ بڑے مزدور مطیع کم ہوتے ہیں۔ علاوہ بریں ان لڑکوں کو قدرے بچپن سے ہی کام شروع کرنا چاہئے تا کہ وہ کام کو ابتداء ہی سے سمجھنے لگیں اب اگر دن کا کام صرف لڑکوں کے لیے مخصوص کر دیا جائے تو اس صورتحال کا حل سامنے آئے گا۔ مگر کیوں نہ آئے گا؟ کیوں لڑکے اس کام کو دن میں نہ سیکھ لیں؟ اس سلسلے میں آپ کی دلیل کیا ہے؟'' دن میں بڑے مزدوروں کے دن اور رات میں ہفتہ واری وقفے کے ساتھ کام کرنے کی بنا پر مرد آدھے ٨ وقت میں اپنے لڑکوں سے جدا رہیں گے اور ان کے ذریعے جو نفع وہ کماتے ہیں اس سے محروم رہیں گے ایک نو آموز کو وہ جو ٹریننگ دیتے ہیں وہ لڑکے کی محنت کا معاوضہ ہے اور اسی طرح بڑے مزدور اس طرح کی ٹریننگ سستے داموں کر لیتے ہیں۔ ہر شخص یہ چاہے گا کہ اسے نفع کا آدھا حصہ ملے'' دوسرے لفظوں میں میسرز سینڈرسن کو بڑے مزدوروں کی اجرتوں کا ایک حصہ اپنی جیب سے دینا پڑے گا

بجائے اس کے کہ وہ اسے لڑکوں کی محنت سے ادا کریں یوں میسرز سینڈرسن کا نفع کسی حد تک کم ہو جائے گا۔ اور یہی وجہ ہے کہ میسرز سینڈرسن یہ کہتے ہیں کہ یہ بچے دن میں کام نہیں سیکھ سکتے (۱)۔ مزید براں شبینہ محنت ان پر آ پڑے گی جو بچوں کی جگہ کام کرتے ہیں مگر جو اسے برداشت نہ کر سکیں گے اور مشکل فی الواقع اتنی بڑی ہوگی کہ انہیں شبینہ کام بالکل ہی چھوڑ دینا پڑے گا اور ''جہاں تک خود کام کا تعلق ہے'' مسٹر ای۔ ایف۔ سینڈرسن کہتے ہیں کہ ''وہ بھی اس طرح موزوں رہے گا لیکن ''میسرز سینڈرسن کو فولاد کے علاوہ کچھ اور بھی تو بنانا ہے۔ تو فولاد سازی تو صرف ''قدر زائد'' بنانے کے لیے ایک اعتذار ہے۔ پگھلانے والی بھٹیاں پتریاں بنانے والے کارخانے۔ عمارتیں۔ مشینری۔ لوہا اور کوئلہ وغیرہ کو اپنے آپ کو فولاد میں منتقل کرنے کے بجائے کچھ اور فرض بھی انجام دینا ہوتا ہے۔ وہ زائد محنت جذب کرتے ہیں اور یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ 12 گھنٹے کی بہ نسبت 24 گھنٹے میں وہ زیادہ ''جذب محنت'' کرتے ہیں بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ ان سب نے خدا اور قانون کی عنایت سے میسرز سینڈرسن کو ایک چیک مہیا کر دیا ہے کہ وہ بعض مزدوروں سے پورے 24 گھنٹے کام لے سکیں اور جونہی یہ اشیاء زائد محنت جذب کرنے کا کام بند کر دیں اور سرمایہ ہونے کے اپنے کردار سے محروم ہو جائیں تو سینڈرسن کے لیے خالص نقصان بن کر رہ جائیں''۔ لیکن پھر (۲) اتنی قیمتی مشینری سے نقصان ہونے لگے گا کہ وہ آدھے وقت بیکار پڑی رہے گی۔ اب اس وقت جتنا کام ہم کر لیتے

---

(۱) ہمارے سوچنے اور غور کرنے والے عہد میں وہ شخص کسی کام کا نہیں جو ہر چیز کے لیے کوئی اچھا عذر پیش نہ کر سکے۔ یہ الگ سوال ہے کہ یہ عذر کس قدر لغو اور کس قدر نامعقول ہے۔ ہر وہ چیز جو اس دنیا میں غلط کی گئی ہے۔ بہترین وجوہ کے تحت غلط کی گئی ہے۔ (ہیگل۔ بحوالہ سابقہ صفحہ 249)۔

(۲) میسرز سینڈرسن کا جو جملہ قوسین میں اب سے پہلے آ چکا ہے اور لیکن پر ختم ہوا تھا آنے والا جملہ اسی سے متعلق ہے۔ (اردو مترجم)

ہیں اتنا کام پورا کرنے کے لیے ہمیں اپنی عمارتیں اور مشینری دوگنی کرنی پڑے گی جن پر صرف بھی دوگنا ہوا کرے گا'' لیکن سوال یہ ہے کہ میسرز سینڈرسن کو وہ رعایتیں کیوں حاصل ہوں جو دوسرے سرمایہ داروں کو حاصل نہیں ہیں جو کہ صرف دن میں کام کرتے ہیں اور جن کی عمارتیں۔ مشینری اور خام مواد رات کے وقت بیکار پڑا رہتا ہے۔ ای۔ ایف سینڈرسن نے تمام سینڈرسنوں کی طرف سے جواب دیا ہے کہ ''یہ صحیح ہے کہ جن کارخانوں میں صرف دن کے اندر کام ہوتا ہے ان میں مشینری کے بیکار پڑے رہنے کی وجہ سے نقصان ہوتا ہے لیکن ہمارے معاملے میں مزید نقصان بھٹیوں کے بیکار پڑے رہنے سے بھی ہوتا ہے۔ اب اگر وہ جلائی جاتی رہیں تو ایندھن کا نقصان ہوتا ہے (مزدور کے زندہ مواد کے نقصان کی جگہ جو اس وقت ہو رہا ہے) اور اگر انہیں بجھا دیا جائے تو آگ روشن کرنے اور بھٹیوں کے گرم کرنے میں وقت کا نقصان ہوتا ہے (جبکہ 18 سال تک کے بچوں کے سونے کا نقصان سینڈرسن کے قبیلے کے لیے یوم کار میں نفع کا سبب بنتا ہے) اور خود بھٹیاں بھی ٹمپریچر میں تغیر وتبدل سے نقصان اٹھاتی ہیں (جبکہ وہی بھٹیاں دن اور رات کی شفٹوں کے بدل جانے سے کسی نقصان کا شکار نہیں ہوتیں)۔(۱)

---

(۱) بحوالہ سابقہ 85۔ صفحہ 17۔ شیشہ سازوں کے اسی طرح کی نازک احتیاطوں کا کمشنر وائٹ نے جواب دیا ہے۔ ان کی احتیاطیں یہ تھیں کہ بچوں کے لیے کھانے کے باقاعدہ اوقات مقرر کرنا ممکن نہیں ہے اس لیے کہ بھٹیوں سے جو تھوڑی بہت حرارت نکلتی رہتی ہے وہ ''خالص نقصان'' میں رہے گی۔ بالکل ''ضائع'' جائے گی۔ کمشنر وائٹ نے جو جواب دیا وہ نہ سینئر وغیرہ کا تھا نہ ان کے گھٹیا جرمن سرقہ بازوں۔ روشر کی طرح کا جو کہ سرمایہ داروں کی اس ''جزرسی'' ۔ ''کم خرچی'' ۔ اور ''کفایت شعاری'' سے جو وہ اپنے سونے کے ذخائر کے صرف میں کرتے ہیں مگر انسانی جان کے اصراف میں تیمور لنگ کا سا انداز اختیار کرتے ہیں بڑے متاثر ہیں۔ کمشنر وائٹ نے کہا کہ ''اس وقت

جتنی حرارت ضائع ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ حرارت البتہ ضائع جائے گی اگر ان بچوں کے لیے کھانے کے اوقات دیے گئے۔ لیکن یہ ضیاع روپے کی قیمت کے نقطہ نظر سے اتنا بڑا نہ ہوگا جتنا حیوانی طاقت کا آج کل پوری مملکت کے شیشے کے کارخانوں میں نشوونما پانے والے لڑکوں کو کافی وقت اطمینان کے ساتھ کھانا کھانے اور اس کے بعد ہضم کے لیے تھوڑا سا آرام کرنے کی سہولت نہ ملنے سے ہو رہا ہے۔ اور یہ سب کچھ بھی سال ارتقاء یعنی 1825ء میں ہو رہا ہے۔ سامان کے اٹھانے اور لے جانے میں ان بچوں کی جو قوت صرف ہوتی ہے اس سے قطع نظر جن شیڈوں میں شیشے کی بوتلیں اور چقماق بنتے ہیں ان میں کام کرتے وقت انہیں ہر چھ گھنٹے میں 15-16 میل چلنا پڑتا ہے اور کام اکثر 14-15 گھنٹے بھی ہوتا ہے۔ بہت سے شیشے کے کارخانوں میں ماسکو اسپنگ ملوں کی طرح چھ گھنٹے کے وقفے کے کام کا طریقہ رائج ہے۔ ''ہفتہ کے کام کے حصے میں آرام کی زیادہ سے زیادہ مسلسل مدت چھ گھنٹے تک پہنچتی ہے اور اسی چھ گھنٹے میں سے کام آنے جانے کا وقت بھی نکلتا ہے۔ ہاتھ منہ دھونے۔ کپڑے بدلنے اور کھانا کھانے کا وقت بھی۔ انجام یہ کہ آرام کا وقت تو بہت ہی کم ملتا ہے اور صاف ہوا کھانے یا کھیلنے کا وقت تو ملتا ہی نہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ سونے کا وقت کم کر دیں۔ مگر نیند بچوں کے نشوونما کے لیے ضروری ہے بالخصوص ایسے گرم اور تھکا دینے والے کام کے بعد...... پھر یہ مختصر نیند رات میں بچوں کے اٹھ جانے اور دن میں شور کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے۔''مسٹر وائٹ نے ایسی مثالیں دی ہیں کہ ایک لڑکے نے مسلسل 36 گھنٹے کام کیا اور 12 سال کے لڑکے نے 2 بجے رات تک کام کیا اور پھر کارخانے ہی میں 5 بجے تک سویا (3 گھنٹے) اور اس کے بعد پھر کام شروع کر دیا۔ ٹریمن ہیری اور لف تل جنہوں نے عام رپورٹ تیار کی ہے کہا کہ ''یہ بچے نوجوان۔ لڑکیاں اور عورتیں اپنی دن یا رات کی محنت کے دوران جتنا کام سرانجام دیتے ہیں۔ وہ بلاشبہ غیر معمولی ہے (بحوالہ سابقہ 43 اور 44) ادھر صورت یہ ہے اور تو ادھر شیشے کے کارخانے کے مالک صاحب جو ذاتی خرچ کم کرتے ہیں۔ رات گئے شراب میں دھت کلب سے باہر نکل رہے ہوتے ہیں جبکہ وہ نشے میں مزخرفات بکتے رہتے ہیں کہ ''انگریز کبھی کبھی بھی غلام نہیں ہو سکتے''۔

فصل پنجم

معمولی یوم کار کے لیے جدو جہد۔ یوم کار کی توسیع کے لیے جبر یہ قوانین 14 ویں صدی سے لے کر 17 ویں صدی کے اختتام تک

''یوم کار کیا ہوتا ہے؟ وقت کا وہ کون سا وقفہ ہے جس میں سرمایہ اس قوت و محنت کو استعمال کرتا ہے جس کی روزانہ قیمت کو وہ خریدتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یوم کار اس وقت کار سے کس قدر بڑھایا جاسکتا ہے جو خود قوت محنت کے بحال کرنے کے لیے ضروری ہے۔ دیکھا یہ گیا ہے کہ ان سوالات کا جواب سرمائے کی طرف سے یہ دیا جایا کرتا ہے۔ یوم کار پورے 24 گھنٹے پر مشتمل ہوتا ہے۔ باقی اس میں سے چند گھنٹے کم کردو جو کہ آرام کے گھنٹے ہیں کہ بغیر اس کے قوت محنت دوبارہ کام کرنے کے لیے بالکل تیار نہیں ہوتی۔

تو اس طرح یہ بات بالکل واضح ہے کہ مزدور سوائے قوت محنت کے جو اس کی تمام حیات میں سرایت کیے ہوتی ہے اور کچھ نہیں ہے اس لیے اس کا تمام وہ وقت جو وہ کام میں لاتا ہے۔ فطرت اور قانون دونوں کے تحت۔ وقت محنت۔ ہے جو کہ سرمائے کی خود توسیعی پر لگتا ہے۔ تعلیم کے لیے وقت ذہنی ارتقاء کے لیے وقت سماجی فرائض اور سماجی

تعلقات کے لیے وقت جسمانی اور ذہنی سرگرمی کے آزادانہ استعمال کے لیے وقت۔ بلکہ اتوار کے دن آرام کا وقت (اور وہ بھی اتوار کے دن مذہبی طور پر کام نہ کرنے والوں کے ملک میں (۱) شیخ چلی کے منصوبے۔ مگر سرمایہ زائد محبت کے سلسلے میں اپنے اندھے۔ بے قابو جذبات اور انسان نما بھیڑیئے کی بھوک میں یوم کار کی نہ صرف اخلاقی بلکہ طبعی حدود کو بھی پار کر جاتا ہے۔ وہ جسم کے نشوونما۔ ارتقاء اور صحت مند بقاء کے لیے جو وقت ضروری ہے اسے غصب کر لیتا ہے۔ تازہ ہوا اور دھوپ کھانے کے لیے جو وقت ہونا چاہئے اسے چرا لیتا ہے۔ وہ کھانے کے وقت کی بابت سودے بازی کرتا ہے اور جہاں بھی ممکن ہوتا ہے اسے عمل پیداوار میں استعمال کرا لیتا ہے تا آنکہ مزدور کو غذا صرف اس اعتبار سے دی جاتی ہے جیسے صرف ذرائع پیداوار کو دی جا رہی ہو جس طرح بوائکر

---

(۱) انگلستان میں اب بھی کبھی کبھی دیہی علاقوں میں ایک مزدور کو اس بات پر قید کر دیا جاتا ہے کہ اس نے ہفتہ واری تعطیل کے مذہبی تقدس کو توڑ کر اپنے مکان کے باہر کے باغ میں کام کیوں کیا۔ کہیں اسی مزدور کو اس بات پر بھی سزا دی جاتی ہے کہ وہ معاہدے کو توڑ کر اتوار کے دن دھات۔ کاغذ یا شیشے کے کارخانے میں کام کرنے کیوں نہیں آیا۔ چاہے وہ مذہبی تقدس کی بناء پر کام کرنے سے رکا ہو۔ اگر ہفتہ واری تعطیل کے تقدس کا خیال کر کے اس نے سرمائے کی توسیع میں رکاوٹ ڈالی تو اس خطا کی بابت پارلیمنٹ کوئی عذر سننے کو تیار نہیں ہوتی۔۔ مچھلیاں پکڑنے یا مرغبانی میں ملازمت کرنے والے مزدوروں نے ایک یادداشت پیش کی تھی (اگست 1863ء) جس میں اتوار کے کام کو ممنوع کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ اس میں کہا گیا تھا کہ وہ ہفتے کے 6 دنوں میں روزانہ اوسطاً 15 گھنٹے کام کرتے ہیں اور اتوار کے دن 8-10 گھنٹے امراء میں سے نفاست پسند۔ بڑ پیٹو۔ اس اتوار کے کام کی خاص طور پر ہمت افزائی کرتے ہیں۔ یہ مقدس حضرات جو بہترین کھانوں کے شوقین ہیں اپنی عیسائیت اس طرح ظاہر کرتے ہیں کہ وہ دوسروں کی غربت' فاقہ کشی اور کثرت کام کو بڑے انکسار کے ساتھ برداشت کر لیتے ہیں۔

کوکوئلہ دیا جاتا ہے اور مشینری کو گریس اور تیل لگایا جاتا ہے جسمانی قویٰ کی تروتازگی۔ بحالی اور بجا آوری کے لیے گہری نیند ضروری ہوتی ہے۔ اسے چند گھنٹوں کی غنودگی میں بدل دیتا ہے یہ غنودگی ایک بالکل تھکے ہوئے جسم پر دوبارہ تروتازگی کے لیے طاری ہوئی لازمی ہے۔ یوم کار کا تعین اس اعتبار سے نہیں ہوتا کہ اتنا وقت یوم کار کا ہونا چاہئے جس سے مزدور کا معمولی انداز میں بقاء ممکن رہے بلکہ روزانہ قوت محنت کو زیادہ سے زیادہ صرف میں لایا جاتا ہے۔ چاہے یہ استعمال کسی قدر بھی مریضانہ' جابرانہ اور تکلیف دہ کیوں نہ ہو۔ اس پیمانے پر یوم کار اور مزدور کے آرام کا تعین کیا جاتا ہے۔ قوت محنت کی حیات کس قدر طوالت حاصل کرے گی سرمائے کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسے جس چیز سے دلچسپی ہے وہ صرف اور محض زیادہ سے زیادہ قوت محنت ہے۔ جو ایک یوم کار میں کام آسکے۔ وہ اس مقصد کو مزدور کی عمر کم کر کے حاصل کرتا ہے جس طرح ایک حریص کاشتکار زمین کی زرخیزی کو لوٹ کر اس سے زیادہ سے زیادہ پیداوار حاصل کرتا ہے۔ سرمایہ داری طرز پیداوار (بالخصوص۔ قدر زائد کی پیداوار۔ زائد محنت۔ کا جذب کرنا) یوم کار میں توسیع کر کے نہ صرف یہ کہ انسانی۔ قوت محنت۔ کو اس کی معمولی۔ اخلاقی اور طبعی حالات ارتقاء اور حالات عمل سے محروم کر کے کمزور اور زوال آمادہ بنا دیتی ہے بلکہ اس قوت محنت کو قبل از وقت تھکا دیتی ہے۔ مار ڈالتی ہے (۱)۔ وہ مزدور کے وقت پیداوار کو ایک متعین مدت میں طول تو دے دیتی ہے مگر مزدور کی حقیقی عمر کو کم کر کے لیکن قوت محنت کی قیمت میں ان اجناس کی قیمت بھی شامل ہے جو کہ مزدور کو بحال کرتے یا مزدور طبقے کو باقی رکھنے کے لیے ضروری ہوتی ہیں۔ اب اگر یوم کار کی غیر فطری توسیع جس کی سرمایہ

---

(۱) ہم نے متعدد تجربہ کار کارخانہ داروں کے بیانات سابقہ باب میں پیش کیے جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کثرت کار...... انسانوں کی قوت محنت کو لازماً قبل از وقت ختم کر کے رکھ دیتی ہے" (بحوالہ سابقہ 84۔ صفحہ 13)

اپنے بے اندازہ خود توسیعی جذبے میں برابر کوشش کرتا رہتا ہے۔ انفرادی مزدور کی طول عمر کو کم کر دیتی ہے اور قوت محنت کے وقفے میں تقلیل کرتی ہے تو اس کی ضرورت ہے کہ جو قوتیں کام میں آ کر ختم ہو گئیں انہیں تیزی کے ساتھ بحال کیا جائے مگر قوت محنت کی بحالی کے لیے جو مصارف ہوں گے وہ زیادہ ہوں گے۔ ٹھیک اسی طرح جیسے مشین جب فرسودہ ہو جاتی ہے تو اس کی خرابی دور کرنے میں روزانہ جو خرچ اٹھانا ہوتا ہے وہ زیادہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ لہٰذا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ خود سرمائے کا اپنا مفاد اس میں ہے کہ یوم کار معمول کے مطابق رہے۔

غلاموں کا مالک اسطرح غلام خریدتا ہے جس طرح گھوڑا خریدتا ہے۔ اگر وہ اپنے غلام سے محروم ہو جائے تو وہ اس سرمائے سے محروم ہو جاتا ہے جو غلاموں کے بازار (نخاس) میں مزید سرمایہ لگانے سے بحال ہو سکتا ہے۔ لیکن ''جارجیا کے چاول کے کھیت'' یا مسسی پی کی دلدلیں انسانی جسم کے لیے مہلک ہو سکتی۔ لیکن ان اضلاع میں انسانی جان کا جو ضیاع ناگزیر ہوتا ہے وہ اتنا زیادہ نہیں ہے جو ورجینا اور کنٹکی کی کثیر آبادی سے پورا نہ ہو سکے۔ علاوہ بریں معمولی فطری صورتحال میں آقا کے اس مفاد کے تحت کہ اس کے غلام کا بقا اس کا اپنا مفاد ہے غلام کے ساتھ شریفانہ سلوک کی ضمانت پیدا ہوتی ہے اور مالک خرچ میں زیادتی سے بچنے کے لیے مزدور کی بقا کا خیال رکھتا ہے مگر جب غلامی عام ہو جاتی ہے تو پھر غلام سے زیادہ سے زیادہ سختی کے ساتھ کام لیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ جب ایک غلام کی جگہ پُر کرنے کے لیے غیر ملکی ذخائر سے مزید غلام مہیا ہو سکتے ہیں تو مزدور کی طول عمر اتنی اہمیت نہیں رکھتی جتنی اس کی صلاحیت پیداوار جب تک یہ صلاحیت پیداوار باقی ہے۔ چنانچہ غلامی والے ملکوں میں مزدور رکھنے کا ایک یہ اصول مانا جاتا ہے کہ سب سے زیادہ کم خرچ اس طرح ممکن ہے کہ انسانی جانور سے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ محنت کرائی جائے اتنی جتنی وہ کر سکتا ہے منطقہ حارہ میں

ہے نیگرو سے بے رحمانہ انداز میں کام لیا جاتا ہے۔ ویسٹ انڈیز۔ کا نظام زراعت جو صدیوں سے افسانوی دولت پر مشتمل خیال کیا جاتا ہے لاکھوں افریقی نسل کے باشندوں کو اپنے دائرے میں لیے ہوئے ہے۔ اس وقت کیوبا میں جس کی مالگزاری لاکھوں سے متجاوز ہے اور جس کے زمیندار شہزادے بنے ہوئے ہیں۔ غلاموں کا طبقہ سب سے زیادہ بدقسمت ہے وہ سخت تکلیف دینے والی محنت بالتسلسل کرتا ہے بلکہ ہر سال ان غلاموں کی کافی تعداد تو لقمہ اجل بن جاتی ہے(۱)۔

غلاموں کی تجارت کی بابت کچھ جاننا ہو تو کنٹکی۔ ورجینیا۔ آئرلینڈ اور انگلستان۔ اسکاٹ لینڈ اور ویلز کے زرعی اضلاع۔ افریقہ اور جرمنی کے بازار محنت کا حال پڑھو۔ اب ہم سنتے ہیں کہ کثرت کار نے لندن میں نانبائیوں کی تعداد کم کردی تاہم لندن کا بازار محنت ہمیشہ جرمنی اور دوسرے علاقوں کے ان امیدواروں سے بھرا رہتا ہے جو روٹی کی صنعت میں گھس کر موت کو دعوت دیتے ہیں جیسا کہ ہم نے دیکھا مٹی کے برتن بنانے کی صنعت میں جو سب سے کم عمر صنعت ہے۔ کیا کمہاروں کی کمی ہے؟ جوسیاہ ویجووڈ جو مٹی کے برتنوں کی نئی صنعت کا موجد ہے پہلے خود ایک عام مزدور تھا۔ اس نے ایوانِ عام کے سامنے 1885ء میں کہا تھا کہ اس تمام صنعت میں 15 سے لے کر 20 ہزار تک (۲) مزدور کام کرتے ہیں۔ سن 1861ء میں اس صنعت سے متعلق جو شہر صرف برطانیہ میں بسے ہوئے تھے ان کی آبادی ہی 101302 تھی۔ ''روئی کی تجارت نوے سال سے جاری ہے...... یہ صنعت انگریزوں کی تین نسلوں سے ہو رہی ہے اور میں باور کرتا ہوں کہ یہ بات میں پورے اطمینان کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس مدت کے دوران یہ صنعت کارخانوں کے مزدور کی نو نسلوں کو

---

(۱) کیرنس ''غلاموں کی قوت۔ صفحات 110-111۔

(۲) جان وارڈ ''اسٹاک۔ اپان۔ ٹرنٹ۔ کے ضلع کی تاریخ'' لندن 1843ء صفحہ 42۔

لقمہ اجل بنا چکی ہے(۱)

اس بات میں البتہ شبہ نہیں کہ جب کام میں بڑی تیزی اور شدت کا وقت آتا ہے تو ''بازار محنت'' میں اہم خلاء پیدا ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں کارخانے دار پورلا کمشنرز کے سامنے یہ تجویز پیش کرتے ہیں کہ وہ ''زراعتی اضلاع کی'' زائد آبادی شمالی علاقوں کی طرف منتقل کر دیں اس لیے کہ'' کارخانہ داران سب کو جذب کر لیں گے (۲)''۔ پورلا کمشنروں کی مرضی سے ایجنٹ مقرر کیے گئے...... مانچسٹر میں ایک دفتر قائم کیا گیا ان زراعتی اضلاع میں جو کام کرنے والے افراد ہیں اور ملازمت چاہتے ہیں ان کے ناموں کی فہرست اس دفتر کو بھیجی جاتی تھی اور کتابوں میں ان کے ناموں کا اندراج کر لیا جاتا تھا۔ ان دفاتر میں کارخانے دار آتے تھے اور لوگوں کا انتخاب کرتے تھے۔ جب وہ ان کا انتخاب ان خصوصیات کے مطابق جو متعلقہ ملازمت کی وہ رکھتے تھے کر لیتے تھے تو ان کو مانچسٹر بھیج دینے کی ہدایت دے دیتے تھے۔ اور یہ لوگ سامان کی بوریوں کی طرح نہروں کے ذریعے سڑک کی گاڑیوں کے ذریعے بھیج دیے جاتے تھے۔ بہت سے پیدل روانہ ہو جاتے تھے اور ان میں سے کافی ایسے تھے جو راستہ بھول کر ٹھوکریں کھاتے پھرتے تھے اور نیم فاقہ کشی کا شکار ہوتے تھے۔ یہ نظام اتنی ترقی کر گیا کہ خود ایک تجارت بن گیا۔ یہ ایوان بمشکل ہی یقین کرے گا مگر میں ارکان پارلیمنٹ سے یہ کہوں گا کہ انسانی گوشت کی تجارت پوری باقاعدگی کے ساتھ جاری ہے اور یہ مزدور عملاً اور باقاعدہ ان (مانچسٹر) کارخانے داروں کے ہاتھ اسی طرح فروخت کیے جاتے ہیں جس طرح ریاستہائے متحدہ امریکہ کے روئی کے پیدا کرنے والوں کے ہاتھ غلام فروخت کیے جاتے ہیں...... 1860ء میں۔ روئی کی صنعت اپنے عروج پر تھی......

---

(۱) ایوان عام میں فرینڈ کی تقریر۔ 27 اپریل 1863ء۔

(۲) ٹھیک یہی الفاظ اُون کے کارخانہ داروں نے استعمال کیے تھے ''[illegible]

کارخانے داروں نے پھر یہ دیکھا کہ مزدور کم ہو گئے...... چنانچہ انہوں نے پھر ان ایجنٹوں کو بلایا جو انسانی گوشت کے ایجنٹ کہلائے جاتے ہیں۔ یہ ایجنٹ انگلستان کے جنوب کے پہاڑی علاقوں میں بھیجے گئے۔ ڈورسٹ شائر کی چراگاہوں۔ ڈیون شائر کے ابتدائی اسکولوں اور ولٹ شائر کے چرواہوں کی طرف روانہ کیے گئے لیکن یہ ایجنٹ ناکام رہے۔ ''زائد آبادی'' پہلے ہی ''جذب'' کی جا چکی تھی۔ فرانسیسی معاہدے کی تکمیل پر ''بیوری گارجین'' نے کہا تھا کہ 'لنکا شائر میں مزید دس ہزار مزدور جذب ہو سکتے ہیں بلکہ 30 یا 40 ہزار کی مزید ضرورت پڑے گی' جب ''گوشت کے ایجنٹ اور ماتحتی ایجنٹ'' زرعی اضلاع میں ناکام کوششیں کرتے رہے تو ''ایک'' وفد لندن آیا اور رائٹ آنریبل جنٹلمین (مسٹر ویلیرس۔ صدر پور لا بورڈ) سے ملا تاکہ بعض یونینوں کے مراکز سے لنکا شائر کے لیے غریب بچوں کو حاصل کریں (۱)''۔

(۱) بحوالہ سابقہ مسٹر ویلیرس بہترین اور پرخلوص نیت کے باوجود ''قانوناً'' مجبور تھے کہ وہ کارخانہ داروں کی درخواستیں کو مسترد کر دیں۔ مگر ان حضرات نے مقامی پور لا بورڈوں (غرباء کے لیے بورڈ) کی عنایت کیشانہ فطرت کی بناء پر اپنا مقصد حاصل کر لیا۔ کارخانوں کے انسپکٹر مسٹر اے رڈگریو۔ کا بیان ہے کہ اس مرتبہ وہ نظام جس کے تحت یتیم اور قلاش بچوں کے ساتھ ''قانوناً'' نو آموز جیسا سلوک کرنا چاہیے ''اس کی قدیم انداز پر خلاف ورزی نہ کی گئی''۔ (ان خلاف ورزیوں سے متعلق ملاحظہ ہو اینگلز۔ بحوالہ سابقہ) گو ایک واقعہ ایسا ضرور ہوا کہ ''اس نظام کی خلاف ورزی ان متعدد لڑکیوں اور نوجوان عورتوں کے سلسلے میں کی گئی جو اسکاٹ لینڈ کے اضلاع سے لنکا شائر سے شائر لائی گئی تھیں''۔ اس نظام کے تحت کارخانے دار غریب بچوں کے مراکز کے حکام سے ایک معاہدہ کر لیتا ہے۔ وہ ان بچوں کو کھانا دیتا۔ کپڑے دیتا اور رہنے کی جگہ دیتا ہے۔ اور تھوڑا سا الاونس بھی دیتا ہے۔ مسٹر ریڈگریو کا ایک تبصرہ جو عنقریب بیان کیا جائے گا حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے خاص طور پر ایسی حالت میں جب ہم یہ بات بھی پیش نظر رکھیں کہ انگلستان کی روئی کی تجارت کی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سرمایہ داروں کو عام طور پر تجربہ یہ بتاتا ہے کہ آبادی میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ یعنی زائد مزدور جذب کرنے والے سرمائے کی صلاحیتوں سے وقتی طور پر زائد آبادی ہو جاتی ہے حالانکہ آبادی کی زیادتی ان متعدد انسانی نسلوں کی نشو ونما ختم ہو جانے اور عمر کی کمی کے نتیجے میں پوری ہو جاتی ہے۔ عمر کی اس کمی کی وجہ سے تیزی کے ساتھ ایک نسل کی جگہ دوسری نسل آ جاتی ہے اور یوں کہیے کہ وہ گل نو شگفتہ کی طرح وا کی جاتی ہے

(بقیہ حاشیہ) خوشحالی کے برسوں میں بھی اور 1860ء بے مثال حیثیت رکھتا ہے۔ اور وہ بھی اس حالت میں جب کہ اجرتیں بہت زیادہ اونچی تھیں۔ کام کے لیے افراد کی غیر معمولی طلب کو ایسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا کہ آئرلینڈ میں غیر معمولی تعداد میں لوگ آسٹریلیا اور امریکہ ہجرت کر گئے۔ اور خود انگلستان کے زراعتی علاقوں میں بھی آبادی کم ہو گئی جس کا جزوی سبب تو مزدور کی قوت حیات کا ختم ہو جانا تھا اور ایک اور سبب یہ تھا کہ انسانی گوشت کے ایجنٹوں کی سرگرمیوں کی وجہ سے آبادی کا کام کرنے والا حصہ ادھر ادھر منتشر ہو گیا تھا۔ ان تمام باتوں کے باوجود مسٹر رڈگریو کہتے ہیں کہ "لہٰذا اس قسم کے مزدور صرف اسی وقت حاصل کیے جاتے ہیں جب دوسری قسم کے مزدور نہیں ملتے اس لیے کہ یہ اونچے نرخوں والے مزدور ہیں۔ 13 سال کی عمر کے معمولی سے لڑکے کی اجرت 4 شلنگ فی ہفتہ ہوتی ہے۔ لیکن رہائش کپڑے اور کھانے پر نیز مناسب علاج اور 50 یا 100 لڑکوں کی نگرانی پر اور پھر ان کو کچھ معاوضہ دینے پر 4 شلنگ فی لڑکا فی ہفتہ مزید خرچ کرنا پڑتا ہے (کارخانوں کے مزدوروں کے انسپکٹر کی رپورٹ بابت 30 اپریل 1860ء صفحہ 27) مسٹر ریڈگریو یہ بتانا بھول گئے کہ خود مزدور کیونکر 4 شلنگ فی ہفتہ میں اپنے بچوں کو مذکورہ سہولتیں مہیا کر سکتا ہے۔ جبکہ کارخانے دار 50 یا 100 مزدوروں کی رہائش ونگرانی وغیرہ پر ایسا نہیں کر سکتا۔ متن سے غلط اقتباس لینے سے بچنے کے لیے مجھے یہاں یہ بھی بتانا چاہیے کہ انگلستان کی روئی کی صنعت جب سے 1850ء کے فیکٹری ایکٹ کے وقت محنت وغیرہ کے قوانین کے تحت آئی ہے تو وہ انگلستان کی مثالی صنعت سمجھی جانی چاہیے۔ قدرتاً روئی کی صنعت میں کام کرنے والا برطانی مزدور براعظم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور (ا) حقیقت یہ ہے کہ تجربہ ایک ہوشیار مبصر کو بھی یہ بتاتا ہے کہ سرمایہ داری طرز پیداوار نے کس تیزی اور سختی کے ساتھ لوگوں کی قوت حیات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے جبکہ تاریخی طور پر دیکھئے تو سرمایہ داری طرز پیداوار بس کل ہی پیدا ہوا ہے۔ تجربہ یہ بتاتا ہے ہے صنعتی آبادی کی جسمانی پستی کس طرح دیہات کے قدیمی اور نہ خراب ہونے والے باشندوں کے ان کارخانوں میں برابر جذب ہوتے رہنے کی وجہ سے رک گئی ہے۔ تجربہ یہ بھی بتاتا ہے کہ دیہاتی مزدور آبادی بھی کس طرح تازہ ہوا اور انتخاب طبیعی کے اصول کے عمل میں آتے رہنے کے باوجود جبکہ یہ انتخاب طبیعی کا اصول اتنے پرزور انداز میں

(بقیہ حاشیہ) یورپ کے روئی کی صنعت کے مزدور سے ہر اعتبار سے بہتر ہے۔ ''پروشیا کے کارخانے کا مزدور برطانی مزدور کے مقابل کم سے کم دس گھنٹے فی ہفتہ زیادہ کام کرتا ہے اور اگر وہ اپنے گھر میں اپنے کرگھے پر کام کرے تو پھر اس کی محنت وقت کی ان مزید حدود سے بڑھ جاتی ہے۔ (کارخانوں کے مزدور کی رپورٹ۔ اکتوبر 1853ء صفحہ 103) رڈگریو۔ کارخانے کے انسپکٹر نے جن کا اوپر ذکر آیا۔ 1851ء کی صنعتی نمائش کے بعد براعظم یورپ کا دورہ کیا خاص طور پر فرانس اور جرمنی کا تاکہ وہ کارخانوں کی صورتحال کا جائزہ لے سکیں۔ پروشیا کے مزدوروں کی بابت وہ کہتے ہیں کہ۔ ''اسے اس قدر اجرت ملتی ہے جو موٹا جھوٹا کھانے اور اس معمولی راحت و آرام مہیا کرنے کے لیے کافی ہو جس کا وہ عادی ہے...... وہ گھٹیا کھانے کھا کر زندہ رہتا ہے اور سخت کام کرتا ہے اور اس باب میں اس کی پوزیشن برطانی مزدور سے گری ہوئی ہے۔ (کارخانوں کے مزدوروں کی رپورٹ 31 اکتوبر 1853ء صفحہ 85)۔

(ا) جو مزدور کثرت کار کا شکار ہوتے ہیں وہ ''حیرت انگیز سرعت کے ساتھ مر جاتے ہیں۔ مگر جو لوگ مرتے ہیں ان کی جگہ دوسرے لے لیتے ہیں اور اس طرح ایک کی جگہ دوسرے کے آجانے کی وجہ سے سامنے کا منظر یکساں رہتا ہے''۔ (انگلستان اور امریکہ۔ لندن 1833ء جلد اول صفحہ 55 مصنفہ۔ ای۔ جی ویکفیلڈ)۔

ان کے درمیان عمل کرتا ہے اور صرف اصلح کو باقی رہنے دیتا ہے برابر مرتی چلی جارہی ہے۔ سرمایہ(۱) جو کہ اپنے چاروں طرف مزدوروں کے ہجوم ہیں ان کے مصائب سے انکار کرنے کے اتنے اچھے وجوہ رکھتا ہے وہ عملاً نسل انسانی کے مسلسل ختم ہونے اور مال کار بالکل ہی ختم ہو جانے سے اتنا کم متاثر ہوتا ہے جس قدر سورج اور زمین کے گر جانے کے امکان سے متاثر ہوسکتا ہے۔ جب بازار صرافہ میں کوئی سنگین دھوکہ بازی ہوتی ہے تو ہر شخص یہ جانتا ہے کہ کسی نہ کسی وقت تباہی آنے والی ہے مگر ہر شخص یہ بھی امید رکھتا ہے کہ وہ اس کے ہمسائے پر نازل ہوگی اور خود اس پر سونے کی بارش ہوتی رہے گی اور یہ سونا وہ حفاظت سے رکھ سکے گا۔ ہر انفرادی سرمایہ دار اور ہر سرمایہ دار قوم کا نعرہ یہ ہے کہ میرے علاوہ سب طوفان کی نذر ہو جائیں۔ لہٰذا سرمایہ مزدور کی صحت اور طول عمر کے بارے میں بڑا بے رحم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سماج کے دباؤ سے مجبور ہو جائے۔ جب (۲) یہ

---

(۱) ملاحظہ ہو۔ صحت عامہ۔ پریوی کونسل کے میڈیکل آفیسر کی چھٹی رپورٹ 1863ء جو لندن میں 1864ء میں چھپی ہے۔ یہ رپورٹ خاص طور پر زراعتی مزدوروں سے متعلق ہے۔ نیدرلینڈ ......کو عام طور پر ایک ترقی یافتہ علاقہ سمجھا جاتا ہے لیکن تازہ ترتحقیقات سے معلوم ہوا کہ یہ علاقہ کے زمانے میں بہترین افراد اور بہادر سپاہیوں کے لیے شہرت رکھتا تھا۔ وہاں کے حالانکہ یہ علاقہ کے زمانے میں بہترین افراد اور بہادر سپاہیوں کے لیے شہرت رکھتا تھا۔ باشندے بھی ایک پست اور کمزور نسل میں بدل گئے ہیں۔ پہاڑی علاقوں کے ان حصوں میں جو سمندر کے سامنے ہیں اور جہاں صحت کے لیے خوشگوار حالات پائے جاتے ہیں وہاں بھی فاقہ زدہ بچوں کے چہرے اس قدر زرد نظر آتے ہیں جس قدر لندن کی گلیوں کے گندہ ماحول میں رہنے والوں کے بچوں کے چہرے (ڈبلیو۔ ٹی۔ تھارنٹن۔ کثرت آبادی اور اس کا علاج۔ بحوالہ سابقہ صفحہ 74-75)۔ فی الواقع وہ ان تین ہزار ''بہادر پہاڑی باشندوں'' سے مشابہ نہیں۔ جو گلاسگو کی گلیوں اور احاطوں میں طوائفوں اور چوروں کے ساتھ خلط ملط رہتے ہیں۔

شکایت کی جاتی ہے اور اس پر شور مچتا ہے کہ سرمایہ طبعی اور ذہنی پستی۔ قبل از وقت اموات اور کثرت کار کے عذابوں کا ذمہ دار ہے تو وہ جواب دیتا ہے کہ: ہم ان چیزوں پر کیسے توجہ کریں جبکہ وہی سارے منافع میں اضافے کا باعث بنتے ہیں لیکن معاملات پر مجموعی حیثیت سے غور کیا جائے تو یہ تمام باتیں کسی ایک سرمایہ دار کی انفرادی اچھائی اور برائی پر موقوف نہیں ہیں۔ آزاد مقابلہ سرمایہ داری طرز پیداوار کے جوجوہری قوانین ہیں انہیں وجود میں لاتا ہے۔ یہ ایسے جابرانہ قوانین کی شکل میں ہوتے ہیں جو ہر انفرادی سرمایہ دار پر اقتدار رکھتے ہیں (۱)۔

(بقیہ حاشیہ) بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑے گا کہ مزدوروں کو ملازم رکھنے والا آجر طبقہ اس دولت کو بچانے اور محفوظ رکھنے میں کوئی دلچسپی نہیں لیتا۔ مالکان مل کو مزدوروں کی صحت کا خیال رکھنے کے لیے مجبور کیا گیا ہے (اخبار ٹائمز 5 نومبر 1861ء) ویسٹ رائیڈنگ کے باشندے بنی نوع انسان کو کپڑا پہنانے والے بن گئے ہیں...... کام کرنے والوں کی صحت کو قربان کر دیا گیا ہے اور نسل انسانی چند پشتوں میں اپنی صحت کھو بیٹھے گی۔ لیکن ایک ردعمل بھی پیدا ہو گیا ہے۔ لارڈ شیفسبری نے بچوں کی محنت کے اوقات محدود کر دیے ہیں (رجسٹرار جنرل کی رپورٹ بابت اکتوبر 1861ء)

(۱) چنانچہ بطور مثال ہم یہ دیکھتے ہیں کہ 1863ء کے آغاز میں 26 فرمین جو اسٹافرڈ شائر میں مٹی کے برتنوں کے بڑے بڑے کارخانوں کی مالک ہیں جن میں دوسروں کے علاوہ جوسیاہ ویجووڈ اینڈ سنز بھی شامل ہیں ایک یادداشت میں یہ درخواست کی تھی کہ ''بعض قوانین کی تشکیل کی جائے'' دوسرے سرمایہ داروں سے مقابلے کی وجہ سے وہ بچوں وغیرہ کے لیے اپنی اپنی مرضی سے وقت کار کم نہیں کر سکتے۔ ''مذکورہ بالا برائیوں کو ہم کسی قدر بھی خراب کیوں نہ قرار دیں مگر کارخانہ داروں کے درمیان مفاہمت کے کسی نظام کے ذریعے ان کا انسداد ممکن نہیں ہے...... ان تمام پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم اس یقین پر پہنچ گئے ہیں کہ اس ضمن میں کسی نہ کسی قانون کی تشکیل ضروری ہے۔ (چلڈرنس امپلائمنٹ کمیشن۔ رپورٹ نمبر 1-1863ء صفحہ 322) حال (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ایک معمولی یوم کار کا تعین سرمایہ داروں اور مزدوروں کے درمیان صدیوں جو جدو جہد ہوتی رہی اس کی وجہ سے ممکن ہو سکا ہے۔ اس جدو جہد کی تاریخ کے مطالعے سے دو متخالف رجحانات سامنے آتے ہیں۔ اب بطور مثال ہمارے زمانے میں انگلستان میں جو مزدور قوانین ہیں ان کا مقابلہ ان انگریزی قوانین سے کیجئے جو 14 ویں صدی سے تقریباً اٹھارہویں صدی کے نصف تک چلتے رہے(۱)۔ جدید قوانین نے وقت کار کو جبراً کم کر دیا ہے۔ مگر سابقہ قوانین کی سعی یہ ہوتی تھی کہ اس میں بہ جبر توسیع کی جائے۔ سرمایہ اپنے بالکل آغاز میں بڑے معتدل قسم کے ادعاء کرتا ہے بمقابلہ ان مراعات کے جو اپنے بلوغ کے زمانے میں کافی جھگڑے کے بعد وہ مزدوروں کو دینے پر مجبور ہوا۔ سرمایہ جب نشو و نما پانا شروع ہوتا ہے تو وہ زائد پیداوار کی ایک معقول مقدار جذب کرنے کا حق حاصل کرتا ہے اور یہ صرف معاشی رشتوں کے دباؤ کی وجہ سے نہیں بلکہ حکومت کی مدد سے۔ لیکن کئی صدیاں گذر جاتی ہیں کہ یہ آزاد مزدور سرمایہ داری طرز

(بقیہ حاشیہ) میں ایک اور بھی زیادہ اہم مثال سامنے آئی ہے۔ تیز کاروباری سرگرمیوں کے درمیان روئی کے نرخوں میں جو زیادتی ہوئی اس نے بلیک برن میں کارخانے داروں کو اس بات پر مائل کیا کہ وہ باہمی مفاہمت سے ایک مقررہ مدت تک اوقات کار کم کر دیں۔ یہ مدت نومبر 1871ء میں ختم ہو گئی۔ اس دوران میں دولت مند کارخانے داروں نے جو کاتنے اور بننے دونوں کا کام کرتے ہیں اس مفاہمت کی وجہ سے پیداوار میں جو کمی ہوئی اس سے فائدہ اٹھا کر اپنے کاروبار کو کافی توسیع دے لی اور یہ توسیع چھوٹے کارخانے داروں کی قیمت پر ہوئی۔ انتہائی مصیبت کے عالم میں یہ چھوٹے کارخانہ دار مزدوروں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے کہا کہ وہ 9 گھنٹے کام کے لیے تحریک چلائیں اور اس مقصد کے حصول کے لیے انہوں نے روپیہ دینے کا وعدہ بھی کیا۔ (۱) یہ مزدور قوانین جن کے مشابہ قوانین اسی زمانے میں فرانس، نیدرلینڈ اور دوسرے مقامات پر بھی بنائے گئے۔ پہلے رسمی طور پر 1813ء میں منسوخ کیے گئے یعنی اس وقت جب ... طریق پیداوار کی ترقیوں نے انہیں قطعی فرسودہ بنا دیا۔

پیداوار کے ارتقاء کی وجہ سے راضی بلکہ سماجی حالات سے مجبور ہو جاتا ہے کہ اپنی تمام عملی زندگی۔ خود اپنی صلاحیت کار کو ضروریات زندگی خریدنے کی قیمت پر بیچ دے۔ اپنے پیدائشی حق کو دلیا بھات کے لیے فروخت کردے۔ لہذا یہ بالکل قدرتی ہے کہ یوم کار کی طوالت جسے سرمایہ 14 ویں صدی کے نصف سے 17 ویں صدی کے اختتام تک جوان مزدوروں پر ریاستی اقدامات کے ذریعے تھوپے رہا انیسویں صدی کے نصف ثانی میں کئی ملکوں میں ساتھ ساتھ ہی کم ہوئی تاکہ بچوں کے خون سے دولت سازی کا سلسلہ بند ہو سکے مگر اب بطور مثال وہ حد جو امریکی ریاست مساچسٹس میں جو ابھی کچھ عرصے پہلے تک شمالی امریکہ کی جمہوریہ کی ایک آزاد ریاست تھی 12 سال سے کم عمر کے بچوں کے لیے محنت کے وقت کی قانونی حد تھی اسے انگلستان میں 17 ویں صدی کے وسط تک اچھے جسم والے کاریگروں۔ جسیم مزدوروں اور پہلوان قسم کے لوہاروں کے لیے معمولی یوم کار سمجھا جاتا تھا(ا)

(ا) ''12 سال سے کم کا کوئی بچہ کسی بھی کارخانے میں دس گھنٹے سے زیادہ ایک دن میں کام نہ کرے گا'' مساچسٹس کے عام قوانین۔ 63۔ باب 61۔ (متعدد قوانین 1836ء اور 1885ء کے درمیان بنائے گئے) تمام روئی۔ اون۔ ریشم۔ کاغذ۔ شیشہ اور پٹ سن کے کارخانوں یا فولاد اور پیتل ساز اداروں میں کسی بھی دن دس گھنٹے جو محنت کی جاتی ہے اسے ایک قانونی دن کی محنت خیال کیا جائے گا۔ اور یہ بھی قانون بنا دیا گیا کہ آئندہ سے کم عمر کے کسی بچے سے کسی دن دس گھنٹے سے زیادہ یا کسی ہفتے 60 گھنٹے سے زیادہ کام نہ کرایا جائے گا اور یہ کہ آئندہ سے کوئی نوعمر لڑکا جس کی عمر دس سال کے اندر ہو ملک کے کسی کارخانے میں داخل نہ ہوگا'' نیوجرسی کی ریاست ساعات محنت وغیرہ کی تحدید سے متعلق قانون۔ 61-62۔ (قانون بابت 11 مارچ 1855ء) کوئی لڑکا جس کی عمر 12 سال کی ہوگئی ہو اور 15 سال سے کم ہو کسی کارخانے میں ایک دن میں 11 گھنٹے سے زیادہ کام نہ کر سکے گا۔ 5 بجے صبح سے پہلے اور شام کے ساڑھے سات بجے کے بعد کام نہ کرے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

''مزدوری کا قانون'' اول (23 ایڈورڈ ثالث 1349ء) اس فوری عذر پر (اس کا سبب مذکورہ سبب نہ تھا اس لیے کہ اس قسم کا قانون متعلقہ عذر کے ختم ہو جانے کے بعد بھی صدیوں تک باقی رہا) بنایا گیا تھا کہ انگلستان میں شدید ترین طاعون پھیل گیا تھا جس نے آبادی کا صفایا کر دیا تھا۔ چنانچہ جیسا کہ ایک اہل قلم نے لکھا ہے کہ ''لوگوں کو معقول شرائط پر (معقول شرائط سے مطلب یہ کہ ایسی اجرتوں پر جن کی ادائیگی کے بعد آجروں کو۔ زائد محنت کی کافی مقدار باقی بچ رہے) کام کرنے کے لیے تیار کرنے میں اتنی مشکلات بڑھ گئی تھیں کہ صورتحال ناقابل برداشت ہو گئی تھی لہٰذا (۱) معقول اجرتوں اور یوم کار کی حدود کا تعین بھی قانوناً کرنا پڑا۔ یوم کار کی حدود کا جہاں تک تعلق ہے۔ جس سے اس وقت ہم یہاں بحث کر رہے ہیں۔ اس کا 1496ء کے قانون میں بھی ذکر کیا گیا (ہنری سوئم) اس قانون کی رو سے (جس پر عمل نہ کیا جا سکا) تمام کاریگروں اور مزدوروں کو مارچ سے ستمبر تک 5 بجے صبح سے لے کر شام یا رات کے سات۔ آٹھ بجے تک کام کرنا چاہئے۔ لیکن کھانے کے اوقات یہ ہیں۔ ایک گھنٹہ صبح کے ناشتے کا 1-1/2 گھنٹہ دوپہر کا کھانا اور آدھا گھنٹہ دوپہر کا آرام یا قیلولہ یعنی اس وقت قانون کی رو سے جو اوقات مقرر ہیں ان سے ٹھیک دوگنے اوقات۔ سردیوں (۲) میں کام کو صبح پانچ بجے

(بقیہ حاشیہ) گا۔ (جزیرہ رہوڈ کی ریاست کے نظر ثانی شدہ قوانین۔ باب 23-39۔ یکم جولائی 1857ء)۔

(۱) آزاد تجارت کے مغالطے'' ساتواں ایڈیشن۔ لندن 1850 صفحہ 205۔ نواں ایڈیشن صفحہ 253۔ یہی ٹوری مصنف ساتھ ہی یہ تسلیم بھی کرتا ہے کہ ''پارلیمنٹ کے قوانین جو اجرتیں متعین کرتے ہیں اور جو مزدور کے مخالف اور آجر کے موافق ہیں 364 سال تک جاری رہے۔ آبادی میں اضافہ ہوا۔ تو پھر یہ قوانین غیر ضروری معلوم ہونے لگے بلکہ ایک قسم کا بوجھ بن گئے۔ (بحوالہ سابقہ صفحہ 206)

(۲) اس قانون کے سلسلے میں جج ۔ وڈ ... نے بالکل صحیح لکھا ہے'' ... (بقیہ حاشیہ اگلا صفحہ)

شروع ہوکر مغرب تک جاری رہنا چاہیے مگر درمیانی وقفے وہی رہیں گے۔ ملکہ ایلیزبتھ کے ایک قانون نے جو 1562ء کا ہے۔ تمام ان مزدوروں کے لیے جو ''روزانہ یا ہفتہ واری اجرتوں پر رکھے گئے ہیں'' یوم کار کے طول کے مسئلے کو بالکل نہیں چھوا۔ اس قانون کا مقصود یہ ہے کہ گرمیوں میں 1/2-2 گھنٹے کے اور سردیوں میں دو گھنٹے کے جو وقفے رکھے گئے ہیں ان کی تحدید کی جائے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد کا آدھ گھنٹے کا قیلولہ ''صرف مئی کے وسط اور اگست کے وسط کے درمیان کیا جاسکے گا۔ غیر حاضری کے ہر گھنٹے پر ایک پنس اجرت سے کاٹا جائیگا۔ لیکن عملاً حالات مزدور کے لیے قانون کی بہ نسبت کہیں خوشگوار تھے۔ بابائے فلسفہ معاشیات۔ ولیم پیٹی نے جو بڑی حد تک شماریات کے بھی بانی ہیں اپنی تصنیف میں جو سترہویں کی آخری تہائی میں چھپی ہے لکھا ہے کہ ''محنت کرنے والے لوگ (اسوقت کھیت مزدوروں سے مراد تھی) روزانہ دس گھنٹے کام کرتے ہیں اور فی ہفتہ بیس بار کھانا کھاتے ہیں یعنی تین مرتبہ یومیہ کام کے دنوں میں اور دو بار اتوار کے دنوں میں۔ جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر وہ جمعہ کی راتوں میں روزے رکھ سکیں اور ڈیڑھ گھنٹے میں کھانا کھالیں جبکہ وہ 11 بجے سے لے کر ایک بجے

(بقیہ حاشیہ) کے بیان سے (جو قانون کے متعلق ہے) یہ بات واضح ہوتی ہے کہ 1496ء میں غذا کی بابت خیال یہ تھا کہ وہ ایک کاریگر کی آمدنی کی تہائی اور مزدور کی آمدنی کا 1/2 ہوتی ہے جس سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے کہ مزدور طبقہ اس وقت آج کے مقابل زیادہ آزاد تھا۔ اس لیے کہ مزدوروں اور کاریگروں دونوں کی رہائش کا خرچ پہلے کے مقابل آج اجرتوں کا زیادہ بڑا حصہ ہوتا ہے۔ (جے۔ ویڈ طبقہ وسطی اور نچلے طبقات کی تاریخ'' صفحہ 24-577) یہ رائے کہ یہ فرق اس وقت کے اور اس وقت کے ان نرخوں کی وجہ سے ہے جو خوراک اور لباس کا اس وقت تھا اور آج ہے۔ بشپ فلیٹ ووڈ کی کتاب۔ ''کرانیکم پریشوسم وغیرہ'' پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے غلط ثابت ہوجاتی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن لندن 1707ء اور دوسرا ایڈیشن لندن 1745ء

تک کے دو گھنٹوں میں کھانا کھاتے ہیں تو اس طرح ان کا کام 1/20 زیادہ اور خرچ 1/20 کم ہو جائے گا جس سے مذکورۃ الصدر (ٹیکس) وصول کیا جا سکے گا (۱) کیا ایسے میں ڈاکٹر انیڈریو آوور نے جب 1833ء کے قانون کے بل کی مذمت کرتے ہوئے یہ کہا کہ یہ بل عہد تاریک کے قوانین سے بھی گیا گذرا ہے تو انہوں نے کوئی غلطی کی تھی؟ یہ توصحیح ہے کہ یہ احکام جو اُن قوانین میں موجود ہیں جس کا ذکر ولیم پیٹی نے کیا ہے نوآموزوں پر بھی اطلاق رکھتے ہیں مگر بچوں کے حالات کا رسترہویں صدی کے آخر تک بھی جیسے تھے اس کا اندازہ حسب ذیل شکایت سے ہو سکتا ہے۔ ''ان کا (جرمنی میں) یہ طریقہ نہیں ہے جو اس مملکت میں ہمارا ہے کہ ایک نوآموز کو سات سال تک اسی منزل پر رکھا جائے۔ بس تین یا چار سال تک نوآموزی جاری رہتی ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ عہد شیر خوارگی سے ہی کسی نہ کسی کام کی تربیت حاصل کرنی شروع کر دیتے ہیں جس سے وہ کام کے لیے زیادہ موزوں اور فرماں بردار بن جاتے ہیں اور اس لیے اپنے کاروبار میں تیزی کے ساتھ مہارت اور پختگی حاصل کرنے کی اہلیت پیدا کر لیتے ہیں۔ جبکہ یہاں انگلستان کے ہمارے نوجوان نوآموز بننے سے پہلے کچھ نہ سیکھنے کی وجہ سے بڑی مشکل سے کام سیکھنے میں ترقی کرتے ہیں اور کافی مدت گذرنے کے بعد ہی ماہر فنکار بننے کی منزل پر پہنچ پاتے ہیں (۲)۔

---

(۱) ڈبلیو۔ پیٹی۔ ''آئر لینڈ کا معاشی تجزیہ''۔ 1762ء۔ ایڈیشن 1691ء صفحہ 10۔

(۲) ''مشینی صنعت کی ہمت افزائی کرنے سے متعلق ایک مقالہ''۔ لندن 1689ء صفحہ 13۔

میکالے جس نے وہگ (قدامت پسند پارٹی) اور بورژوا کے حق میں تاریخ کو توڑا مروڑا ہے حسب ذیل رائے ظاہر کی ہے ''قبل از وقت بچوں کو کام پر لگانے کا طریقہ...... 17 ویں صدی میں رائج تھا اور اس حد تک کہ اگر نظام صنعت کاری کی وسعت سے اس کا توازن کیا جائے تو بات محض نا قابل تصور

باوجود اس کے اٹھارویں صدی کے بڑے حصے میں بلکہ جدید صنعت اور مشینی دور تک انگلستان میں سرمایہ اس بات میں کامیاب نہ ہوسکا تھا کہ وہ ہفتہ وار قوت محنت کو خرید کر اپنے لیے مزدور کے پورے ہفتے کو مخصوص کر لے البتہ زراعتی مزدوروں کا معاملہ اس سے مختلف ہے۔ یہ حقیقت کہ وہ پورے ہفتے چار دن کی اجرتوں پر زندگی گزار سکتے

(بقیہ حاشیہ) بچے کو بھی محنت کے لئے موزوں خیال کیا جاتا ہے۔ اس عہد کے متعدد مصنف جن میں بعض تو ایسے بھی ہیں جنہیں بڑا رحم دل خیال کیا جاتا ہے اس واقعہ کو بڑی مسرت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ صرف ایک اس شہر میں بڑی کم عمر کے لڑکے اور لڑکیاں اتنی دولت پیدا کرتی ہیں جو ان کی ضروریات خورد و نوش سے 12 ہزار پونڈ (ایک پونڈ ساڑھے تیرہ روپے سے کچھ کم ہوتا ہے) سالانہ کے بقدر زیادہ ہوتی ہے۔ ماضی کی تاریخ کا ہم جتنی احتیاط کے ساتھ جائزہ لیں گے اسی قدر ہم ان لوگوں سے اختلاف کے وجوہ پائیں گے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا عہد بہت سی سماجی خرابیاں پیدا کرنے کا سبب بنا ہے..... وہ چیز جو نئی ہے (نئے عہد میں مترجم) وہ ہے وہ ذہانت اور انسان دوستی جو ان خرابیوں کو دور کرتی ہے۔ (تاریخ انگلستان۔ جلد اول۔ صفحہ 419) میکالے اسی کے ساتھ سترہویں صدی کے طریقہ تجارت کے بہترین حالات بتا سکتے اور کہہ سکتے تھے۔ پوری مسرت کے ساتھ کہ ہالینڈ کے ایک غریب گھر میں ایک چار سالہ بچہ بھی ملازم تھا اور یہی طریقہ کار آدم اسمتھ کے عہد تک رائج رہا۔ یہ صحیح ہے کہ دستی صنعت کے مشینی صنعت میں بدلنے پر بچوں کے استحصال کا طریقہ شروع ہوا۔ مگر یہ طریقہ کسی نہ کسی حد تک کاشتکاروں میں ہمیشہ سے موجود رہا اور جتنا کاشتکار پر بوجھ پڑا اس طریقے میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس میں سرمائے کا جو رجحان ہوتا ہے وہ واضح ہے مگر حقائق ابھی تک اس قدر اکا دکا ہیں جس قدر دو بچوں کی پیدائش کا واقعہ۔ چنانچہ ان واقعات کو بڑی مسرت کے ساتھ نوٹ کیا گیا۔ جیسے وہ قابل ذکر ہوں اور عجیب ہوں اور انہیں اپنے وقت اور آنے والے زمانے کے لیے بطور نمونے کے بتایا گیا۔ اسکاٹ لینڈ کے اس چاپلوس اور باتونیے میکالے نے یہ بھی کہا ہے کہ "ہم آج کل صرف رجعت قہقری کا ذکر سنتے ہیں جبکہ ہر طرف ترقی ہوتی نظر آتی ہے" کیا آنکھیں ہیں۔ اور خاص طور پر کس قسم کے کان ہیں۔

ہیں مزدوروں کے لیے اس بات کی معقول وجہ نہیں بنتی کہ وہ باقی دنوں سرمایہ دار کے لیے کام کریں۔ انگلستان کے ماہرین معاشیات کا ایک گروہ مزدور کی اس قسم کی ضد کو سرمائے کے مفاد میں سخت نکتہ چینی کی آماجگاہ بناتا ہے جبکہ ماہرین کا دوسرا گروہ مزدوروں کی طرف سے بولتا ہے۔ آیئے ذرا پوسٹلے تھویٹ جس کی تجارت کی لغت اس زمانے میں وہی مقبولیت رکھتی تھی جو میک کلاک اور ایم گریگر کی لغت کو آج درجہ حاصل ہے۔ اور ''کاروبار وتجارت پر مقالہ کے مصنف میں جو مباحثہ ہوا اس کو سنیں (۱)''۔

پوسٹلے تھویٹ نے اور کئی باتوں کے علاوہ یہ بات بھی کہی ہے کہ ''ہم نے جو مختصر ملاحظات کیے ہیں ان کو ختم کرنے سے پہلے اس پیش یا افتادہ خیال کا جو بہت سے لوگوں کی زبان پر ہے ذکر کرنا ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر غریب محنتی مزدور پانچ دن کے اندر اپنی ضروریات کے لیے کافی کچھ حاصل کر لے تو پھر وہ پورے چھ دن کام نہ

---

(۱) مزدوروں کو برا بھلا کہنے والوں میں جو ان سے سب سے زیادہ خفا ہے وہ نامعلوم مصنف ہے جسے متن کتاب میں ''کاروبار وتجارت سے متعلق مقالہ جس میں ٹیکس کے بارے میں ملاحظات بھی شامل ہیں۔ لندن 1770ء'' کا لکھنے والا بتایا گیا ہے''۔ مذکورہ مصنف نے اس موضوع پر اپنی سابقہ کتاب ''ٹیکس کے بارے میں ملاحظات'' لندن 1765ء میں اب سے پہلے بھی بحث کی تھی۔ یہی انداز بیان۔ پولونیس۔ آرتھر ینگ۔ کا ہے جو شماریات میں بچوں کی سی باتیں کرتا ہے۔ مزدور طبقے کے حمایتیوں میں سب سے نمایاں شخصیتیں یہ ہیں۔ جیکب وانڈرلنٹ جن کی کتاب ہے ''زر تمام سوالات کا جواب دیتا ہے'' لندن 1734ء۔ مقدس نیتھانیال فارسٹر ڈی ڈی کی ضروریات زندگی کے نرخوں کے اسباب کی تحقیقات لندن 1766ء نامی کتاب۔ ڈاکٹر پرائس اور خاص طور پر پوسٹلے تھویٹ جنہوں نے اپنی کتاب ''کاروبار اور تجارت کی عمومی لغت۔ کے ضمیمے اور اسی طرح ''برطانیہ کے تجارتی مقاصد کی توضیح اور تصحیح'' دوسرا ایڈیشن 1755ء میں مزدور نقطہ نظر کی حمایت کی ہے۔ حقائق کی خود وقت کے اہل قلم نے تصدیق کی ہے۔ جن میں جوسیا ٹکر قابل ذکر ہیں۔

کرے گا۔ اس بات سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ٹیکسوں کی وجہ سے اور دوسری وجوہ سے ضروریات زندگی کی اشیاء کا قیمتی ہو جانا ضروری ہے جس کی وجہ سے کام کرنے والا کاریگر اور کارخانے کا مزدور پورے ہفتے رکے بغیر کام کرنے کے لیے مجبور ہے۔ میں ان عظیم سیاستدانوں کے جذبات سے اختلاف کی جرأت کرنے کی اجازت چاہوں گا جو اس مملکت کے مزدوروں کی دائمی غلامی کی تائید کرتے ہیں۔ وہ اس پیش یا افتادہ کہاوت کو بھلا بیٹھے ہیں۔ صرف کام کھیل نہیں۔ کیا انگریز اپنے مزدور فن کاروں اور صناعوں کی چابکدستی اور اپج پر اتنا فخر نہیں کرتے جس کی وجہ سے انہوں نے انگریزی مال کی اتنی عزت اور شہرت پیدا کر دی ہے؟ یہ سب کچھ کیوں ہوتا ہے؟ غالباً سوائے اس کے اور کسی وجہ سے نہیں کہ اپنے طرز پر مزدوروں کو آرام پہنچایا جائے۔ کیا ان مزدوروں کو پورے سال کام کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ اور ہفتے کے پورے چھ دن۔ ایک ہی کام کا اعادہ کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ کیا اس سے ان کی اپج کند ہو کر نہیں رہ جاتی جس سے وہ چوکنا اور چابکدست ہونے کے بجائے بے وقوف اور کودن نہیں ہو جاتے۔ اور کیا ہمارے مزدور اس نوع کی بیرونی غلامی کی وجہ سے اپنی شہرت باقی رکھنے کے بجائے اسے گنوا نہیں رہے ہیں؟...... اور اس قسم کے مشکل محنت کرنے والے جانور سے آپ کسی فنی کاریگری کی توقع رکھتے ہیں؟...... ان میں سے بہت سے 4 دن میں اتنا کام کرتے ہیں جس قدر ایک فرانسیسی پانچ یا چھ دن میں کرتا ہے۔ لیکن اگر انگریز ایسے ہی لدو جانور کی طرح محنت شاقہ کرتے رہے تو خوف یہ ہے کہ وہ فرانسیسی مزدور سے بھی نیچے جا گریں گے۔ ہماری قوم جنگ کے میدان میں بہادری کے لیے مشہور ہے تو کیا ہم یہ نہیں کہتے کہ اس کا سبب گائے کا بھنا ہوا گوشت اور پڈنگ کا استعمال اور جسمانی رُوح آزادی کا موجود ہونا ہے۔ اور ہمارے فنکاروں اور صناعوں کی برتر اپج اور چابکدستی اس حریت اور آزادی کی بناء پر کیوں نہیں ہو سکتی جس کی وجہ سے وہ اپنے اقدامات اپنے انداز میں کرتے ہیں اور مجھے افسوس ہے کہ ہم ان مراعات اور بہتر زندگی کی سہولتوں سے محروم نہ

ہوں گے جس کی وجہ سے ان مزدوروں کی اینچ اور جرأت پیدا ہوتی ہے (ا)۔ اس کا ''کاروبار اور تجارت کے مقالے'' کے مصنف نے یہ جواب دیا ہے کہ ''اگر ہر ساتویں دن کی تعطیل کو ایک اُلوہی ادارے کے طور پر فرض کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ باقی کے چھ دن محنت کے لیے دے دیے گئے ہیں (اس کا مطلب یہ ہے کہ سرمائے کو دے دیے گئے ہیں جیسا کہ آگے چل کر واضح ہوگا) یقیناً اسے ظالمانہ خیال نہ کیا جائے گا اگر اسے عملی جامہ پہنایا جائے۔ یہ امر کہ انسانیت من حیث العموم فطرتاً آرام طلبی اور کاہلی کی طرف مائل ہے، ہم اس کا تجربہ مہلک طور پر کرتے ہیں۔ اپنی صناع آبادی کے انداز سے جو اوسطاً فی ہفتہ 4 دن سے زیادہ کام نہیں کرتی تاآنکہ ضروریات زندگی بے حد گراں نہ ہو جائیں...... غریبوں کی تمام ضرورتیں آپ ایک طرف رکھیں اور مثلاً دن تمام ضرورتوں کو آپ گیہوں۔ سے تعبیر کریں۔ یا فرض کیجئے...... گیہوں کے ایک بشل (29 سیر) کے دام پانچ شلنگ ہوں اور وہ (ایک صناع) اپنی محنت سے ایک شلنگ کماتا ہو تو پھر وہ ہفتے میں پانچ دن کام کرنے پر مجبور ہوگا اور اگر ایک بشل گیہوں کا نرخ 4 شلنگ ہو تو پھر صرف چار دن ہی کام کرے گا۔ مگر چونکہ اس مملکت میں اجرتیں ضروریات زندگی کے نرخوں کی نسبت سے کہیں زیادہ ہیں...... تو صناع جو چار دن کام کرتا ہے اتنا بچا لیتا ہے کہ ہفتے کے باقی دنوں میں کوئی کام نہیں کرتا۔ مجھے امید ہے میں نے یہ واضح کرنے کے لیے کہ ہفتے میں چھ دن کا معتدل کام کوئی غلامی نہیں ہے کافی کچھ کہہ دیا ہے۔ ہمارے مزدور یہی کچھ کرتے ہیں اور تمام ظاہر بظاہر حالات کے پیش نظر تمام محنت کش غرباء سے زیادہ خوش ہیں (۲)۔ لیکن ہالینڈ والے اتنا ہی کام کارخانوں میں کرتے ہیں اور بہت مسرور

(ا) پوسٹلے تھویٹ۔ بحوالہ سابقہ ''پہلا ابتدائی مباحثہ'' صفحہ 14۔

(۲) ایک مقالہ وغیرہ وہ خود صفحہ 86 پر بیان کرتا ہے کہ انگلستان کے مزدوروں کی۔ خوشی اور

قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور جب چھٹیاں نہیں آتیں تو فرانسیسی بھی اسی قدر کام کرتے ہیں (۱)۔ لیکن ہماری آبادی نے یہ خیال قائم کر رکھا ہے کہ انگریز ہونے کی حیثیت سے وہ زیادہ آزاد اور پابندیوں سے مبرا ہونے کا پیدائشی حق رکھتے ہیں جو یورپ کے کسی اور ملک کے باشندوں کا حق نہیں ہے۔ یہ خیال جہاں تک ہماری افواج کی بہادری پر اثرانداز ہوتا ہے تو اس کا کچھ فائدہ بھی ہے لیکن غریب کاریگر یہ خیال جس قدر بھی کم رکھیں اتنا ہی یقیناً ان کے اور حکومت دونوں کے لیے بہتر ہوگا محنت کش عوام کو کبھی یہ نہ سوچنا چاہئے کہ وہ اپنے آقاؤں کی گرفت سے آزاد ہیں...... یہ بات انتہائی خطرناک ہے کہ ہماری جیسی تجارتی مملکت کے عوام کی جن کے آٹھ میں سے سات آدمی کسی بھی قسم کی ملکیت سے محروم ہیں اس کا تصور قائم کرنے میں ہمت افزائی کی جائے اس صورتحال کو اس وقت تک بدلا نہ جاسکے گا جب تک ہمارے غریب صناع اس وقت چار دن کا جو معاوضہ لیتے ہیں اسی معاوضے میں 6 دن کام کریں اور یہ معاوضہ لے کر مطمئن ہوجائیں (۲)۔ اس مقصد کے حصول کے لیے اور ''کاہلی عیاشی اور تعیش پسندی کو ختم کرنے کے لیے'' نیز محنت کا جذبہ بڑھانے اور ''ہمارے کارخانوں میں محنت کی اجرت

(بقیہ حاشیہ) آخری نقطے تک استعمال ہوتی تھیں۔ وہ جتنی سستی زندگی گزار سکتے ہیں اور جتنا سخت کام کرسکتے ہیں کرتے ہیں۔

(۱) پروٹسٹینٹ نے قریباً تمام تعطیلات کو ایام کار میں بدل کر سرمائے کی تشکیل میں بڑا اہم کردار انجام دیا ہے۔

(۲) ایک مقالہ وغیرہ۔ صفحات 15-41-96-97-55-57-69 جیکب وانڈرنفٹ نے 1734ء میں ہی کہہ دیا تھا کہ سرمایہ دار مزدوروں کی کاہلی سے متعلق جو شور مچاتے ہیں اس کا راز صرف یہ ہے کہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ مزدور 4 دن کی مزدوری کا جو معاضہ لیتے ہیں وہی 6 دن کی محنت کے لیے قبول کرلیں۔

کم کرنے کے لیے''۔ ہمارے سرمائے کے ''وطن دوست لیڈر'' مذکورہ پسندیدہ طریقہ تجویز کرتے ہیں۔ یعنی یہ کہ ایسے مزدوروں کو جو عوامی امداد پر منحصر ہو جاتے ہیں بالفاظ دیگر قلاشوں کو۔ ''مثالی کام گھروں'' میں بند کر دیا جائے۔ اس قسم کے کام گھروں کو ''دہشت گھر۔ بنا دینا چاہیئے۔ غریبوں کی پناہ گاہیں نہیں'' جہاں انہیں کثرت کے ساتھ غذا مہیا کی جائے۔ اچھے اور گرم کپڑے دیے جائیں اور جہاں وہ بس تھوڑا سا کام کیا کریں (۱)۔ ان دہشت گھروں میں ''اس'' مثالی کام گھر میں مزدور کو 14 گھنٹے یومیہ کام کرنا پڑے اور کھانے کے لیے مناسب وقت دیا جائے۔ اس طرح کہ 12 گھنٹے خالص محنت کے لیے بچ رہیں۔

ملاحظہ ہو۔ مثالی کام گھر میں (۲) 1770ء کے ''دہشت گھر'' میں 12 گھنٹے یومیہ کا کام۔ 63 سال بعد 1833ء میں جب انگلستانی پارلیمان نے یوم کار 13 سے لے کر 18 سال کے بچوں کے لیے صنعت کی چار شاخوں میں کم کر کے 12 گھنٹے کر دیا تو بڑی صنعت کا یوم حساب آ گیا۔ 1852ء میں جب لوئی بونا پارٹ نے بورژوازیوں میں اپنی ساکھ بڑھانے کے لیے قانونی یوم کار میں مداخلت کی تو تمام فرانسیسی قوم نے بیک آواز شور مچایا کہ ''وہ قانون جو یوم کار کو 12 گھنٹے تک محدود کرتا ہے وہی ایک اچھا قانون ہے جو ہمارے لیے جمہوریہ کا قانون بنا ہوا ہے (۳)۔ ''زیورچ میں دس سال

---

(۱) بحوالہ سابقہ صفحہ 292۔

(۲) بحوالہ سابقہ ''فرانسیسی'' وہ کہتا ہے کہ ''ہمارے حریت کے پرجوش تصورات پر ہنستے ہیں'' بحوالہ سابقہ صفحہ 78۔

(۳) انہوں نے یومیہ 12 گھنٹے سے زائد کام پر خاص طور سے اعتراض کیا اس لیے کہ جس قانون نے ساعات کی یہ تحدید کی ہے وہی صرف بہتر ہے جو ان کے لیے جمہوریہ (ریپبلک) کا قانون ہے۔ (''کارخانوں کے انسپکٹر کی رپورٹ'' 31 اکتوبر 1865ء صفحہ 80)

سے زائد عمر کے بچوں کے لیے کام کی مدت 12 گھنٹے ہے۔ آرکاؤ میں 1862ء میں 13 اور 41 سال کے درمیان کے مردوں کی مدت کار 12-1/2 سے 12 گھنٹے کر دی گئی۔ "1770ء(ا) سے" کیا ترقی ہوئی ہے" مکالے تو بڑے زور سے نعرہ تحسین بلند کرتے۔

قلاشوں کے لیے "دہشت گھر" جس کی 1770ء میں ہر سرمایہ دار رُوح صرف خواب دیکھا کرتی تھی۔ چند سال بعد عظیم "کام گھر" کے قیام کی صورت میں عملی جامہ اختیار کر گئی۔ یہ عظیم کام گھر کارخانہ ہے اور اس بار سارا مثالیہ حقیقت کے روبرو آ کر ہوا میں تحلیل ہو چکا ہے۔

(ا) یوم کار کے تعین میں بلجیئم مثالی بورژوا مملکت ہے۔ لارڈ ہووارڈ آف ویلڈن نے جو بروسلز میں سفیر ہیں۔ 20 مئی 1864ء کو محکمہ خارجہ کو اطلاع دی کہ "وزیر۔ ایم روژبر" نے مجھے بتایا ہے کہ بچوں کی محنت پر نہ تو کسی عام قانون سے کوئی پابندی عائد ہے نہ کسی مثالی قانون سے۔ پچھلے تین سال سے برابر حکومت ہر اجلاس میں اس عنوان پر ایک بل پیش کرنا چاہتی ہے مگر ہر بار یہ ناقابل عبور رکاوٹ پیش آتی ہے کہ اسے محنت کی مکمل آزادی کے اصول کے خلاف قرار دیا جاتا ہے اور اس کی سخت مخالفت کی جاتی ہے۔

فصل ششم

معمولی یوم کار کے لیے جدوجہد یوم کار کی تحدید کے لیے جبریہ قانونی حد بندیاں۔ انگلستان کے قوانین کارخانہ 1833ء تا 1864ء

سرمائے نے جب صدیوں تک یوم کار کو اس کی معمولی انتہائی حد تک بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر 12 گھنٹے کے فطری دن (ا) تک طول دے لیا تو مشینیت اور جدید صنعت کے آغاز پر یعنی اٹھارویں صدی کے ثلث آخر میں تو یوم کار کی حدود کو توڑنے کے

(ا) اس بات پر یقیناً سخت افسوس کیا جانا چاہیے کہ کوئی بھی انسانی طبقہ 12 گھنٹے یومیہ کام کرے جو کہ کھانے اور کام پر آنے جانے کے اوقات ملا کر 24 گھنٹوں میں سے 14 گھنٹے ہو جاتے ہیں...... صحت کی بحث چھیڑے بغیر۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی شخص اس بات کے تسلیم کرنے میں ذرا تامل نہ کرے گا کہ اخلاقی نقطہ نظر سے محنت کش طبقے کے سارے وقت کا اس طرح استعمال جس میں کوئی وقفہ نہ ہو اور وہ بھی 13 سال کی ابتدائی عمر سے لے کر بلکہ جن صنعتوں میں عمر کی پابندی نہیں اس سے بھی کم عمر سے لے کر آخر عمر تک انتہاء درجے کی تکلیف دہ حرکت ہے اور ایک ایسی برائی ہے جس کی سخت مذمت کرنی چاہیے...... لہٰذا عوامی اخلاق کے نقطہ نظر سے اور ایک منظّم آبادی کے وجود میں لانے

سلسلے میں ایک انتہائی شدید اور طاقتور قسم کا طوفان آیا۔ اخلاق۔ فطرت۔ عمر اور صنف اور روز و شب کی ساری حدود توڑ ڈالی گئیں۔ دن اور رات کا تصور اور قدیم قوانین کی دیہاتی سادگی بھی اس قدر پریشان خیالی کا شکار ہوگئی کہ ایک انگریز جج کو 1860ء میں بھی یہ بتانے کے لیے کہ عدل کی رو سے دن کیا ہوتا ہے اور رات کیا (۱)۔ تالمود کی ذکاوت کی ضرورت درپیش آئی۔ سرمائے نے اپنی بدمستیوں کا جشن منایا۔

جونہی مزدور طبقہ جو نئے نظام پیداوار کے شور و غوغا سے پہلے پہل دہشت زدہ ہوگیا تھا ذرا سنبھلا تو اس کے حواس بحال ہوئے اور اس کی طرف سے مزاحمت شروع ہوگئی اور آغاز اس کا مشینیت کے گھر انگلستان سے ہوا۔ لیکن 30 سال تک وہ رعایتیں جو مزدوروں نے حاصل کی تھیں محض نام کی تھیں۔ 1802ء اور 1833ء کے درمیان پارلیمنٹ نے پانچ مزدور قوانین پاس کیے لیکن پارلیمنٹ اتنی چالاک تھی کہ اس نے ان قوانین پر عمل کرانے کے لیے ایک دھیلا بھی منظور نہ کیا جو متعلقہ افسران وغیرہ پر خرچ کیا جاسکتا (۲)۔

ان لوگوں کی عمر جو بچپن کے پردے میں آٹھ گھنٹے کے کام کی رعایت حاصل

(بقیہ حاشیہ) خیال سے اس بات کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ ہر قسم کے کاروبار میں ہر یوم کار کا ایک حصہ آرام اور راحت کے لیے مخصوص کیا جائے (کارخانوں کے انسپکٹروں کی رپورٹ دسمبر 1841ء میں لیونارڈ ہارنر کا اظہار خیال)۔

(۱) ملاحظہ ہو ''مسٹر جے ایچ آٹوی۔ بلفاسٹ کا فیصلہ۔ ہلیری سیشنز کاؤنٹی اینٹرم 1860ء''۔

(۲) بورژوا تاجدار لوئی فلپ کی حکومت کی خصوصی بات یہ ہے کہ اس کے زمانے میں جو صرف ایک قانون کارخانہ یعنی 22 مارچ 1841ء کا پاس ہوا اس پر کبھی عمل نہ ہوسکا اور یہ قانون بھی صرف بچوں کی محنت سے تعلق رکھتا تھا۔ اس قانون نے 8 سے 12 سال کے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی جبریہ تعلیم کے حصول پر بھی مجبور ہیں۔ سرمایہ داری بشریات (اینتھروپالوجی) کی رو سے بچپن دس سال میں یا زیادہ سے زیادہ 11 سال میں ختم ہوجاتا ہے۔ قانون کارخانہ کے نفاذ کے سال یعنی۔ 1836ء کا اہم سال جوں جوں قریب آتا گیا کارخانہ داروں کا ہجوم اسی قدر مشتعل ہوتا چلا گیا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ اس حد تک حکومت کو دھمکانے میں کامیاب ہوگئے کہ 1835ء میں حکومت نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ کم سے کم عمر 13 سال سے گھٹا کر 12 سال کیے دیتی ہے مگر اس دوران میں بیرونی دباؤ اور زیادہ خطرناک بن گیا۔ چنانچہ ایوان عام میں ہمت باقی نہ رہی اور اس نے 13 سال کی عمر کے بچوں کو سرمائے کے بھاری بھرکم پاؤں تلے 8 گھنٹے یومیہ سے زیادہ عرصے کچلے جانے کی اجازت دینے سے انکار کردیا اور آخر 1833ء کا قانون پوری طرح نفاذ پذیر ہوگیا اور جون 1844ء تک غیر مبدل حالت میں باقی رہا۔

ان دس برسوں کے دوران جن میں قانون کارخانہ کارخانوں کے کام کو قاعدے کے تحت لایا۔ پہلے جزوی اور پھر کلی طور پر کارخانوں کے انسپکٹروں کی سرکاری رپورٹیں ایسی شکایتوں سے بھری ہوئی ملتی ہیں جن سے قانون مذکورہ کا نفاذ ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ 1833ء کے قانون نے آقایا سرمایہ کو اس بات کی کھلی چھوٹ دے دی تھی کہ

(بقیہ حاشیہ) درمیان کے بچوں کے لیے 8 گھنٹے کا وقت رکھا اور 12 و 16 سال کے درمیان کی عمروں کے لڑکوں کے لیے 12 گھنٹے رکھے مگر اس میں کئی استثناء بھی شامل تھے جن کے تحت 8 سال کی عمر کے بچوں تک رات کی ڈیوٹی کرائی جاسکتی تھی۔ پھر اس قانون کی نگرانی و نفاذ بھی تجارتی قائدین کی خیرسگالی پر تھا اور یہ اس ملک میں ہوا جہاں ایک چوہا بھی پولیس کے نظام کے تحت رہتا ہے۔ 1858ء سے یہ ہوسکا کہ صرف ایک شعبے میں ایک سرکاری تنخواہ یافتہ افسر مقرر کیا گیا۔ فرانسیسی سماج کے ارتقاء کی ایک خصوصیت یہ واقعہ بھی ہے کہ لوئی فلپ کا یہ قانون فرانس کے اور تمام ہمہ گیر قوانین

وہ صبح ساڑھے پانچ بجے سے لے کر رات کے ساڑھے 8 بجے تک کے 15 گھنٹوں کے درمیان کسی ''نوجوان لڑکے'' یا ''کسی بچے'' سے کسی بھی وقت 12 یا 8 گھنٹے کی ڈیوٹی شروع کرائے ختم کرائیں۔ پھر انہیں اس بات کی اجازت بھی دے دی گئی تھی کہ وہ مختلف افراد کے لیے کھانے کے مختلف اوقات مقرر کردیں۔ لہٰذا ان حضرات نے ایک نئے قسم کا ریلے سسٹم۔ دریافت کرلیا جس کے تحت یہ محنتی گھوڑے مقررہ اسٹیشنوں پر بدل بدل کر چار جامہ کس کر رکھے جاتے تھے۔ یہاں اس نظام کے حسن پر ہم مزید گفتگو نہ کریں گے اس لیے کہ ہمیں باردگر اس موضوع پر لوٹنا ہے۔ لیکن پہلی ہی نظر میں اتنی بات صاف ہے کہ اس سسٹم نے سارے قانون کارخانہ ہی کو بے معنی کر کے رکھ دیا نہ صرف اپنے مفہوم میں بلکہ اپنے الفاظ میں بھی سوال یہ ہے کہ کارخانوں کے انسپکٹر جن کے پاس ہر ایک بچے اور نوجوان لڑکے کے بارے میں پیچیدہ رجسٹر موجود ہیں قانوناً کام کا جو وقت مقرر ہے اسے اور کھانے کے قانونی اوقات کو کس طرح نفاذ پذیر کرائے۔ بہت سے کارخانوں میں پرانی بربریتیں پھر لوٹ آئیں اور ان پر کسی کو سزا نہ دی گئی۔ وزارت داخلہ کے سیکرٹری سے ایک انٹرویو کے دوران (1844ء) کارخانوں کے انسپکٹروں نے بتایا کہ نو رائج ریلے سسٹم کے تحت کسی قسم کا کنٹرول قائم کرنا محض ناممکن (ا) ہے۔ لیکن اس عرصے میں حالات میں زبردست تبدیلی رونما ہوگئی۔ کارخانوں کے مزدوروں نے خاص طور پر 1838ء سے۔ دس گھنٹے کے کام کے بل کو اس طرح اپنے انتخاب کا معاشی نعرہ بنالیا جس طرح انہوں نے چارٹر کو اپنے انتخاب کا سیاسی نعرہ بنالیا تھا۔ بعض کارخانہ داروں نے جن میں وہ بھی شامل ہیں جو 1833ء کے قانون کے تحت اپنے کارخانوں کو چلا رہے تھے پارلیمنٹ کو یادداشتوں پر یادداشتیں پیش کیں جن میں اپنے ان فریب کار بھائیوں کے غیر اخلاقی مقابلے کا ذکر تھا جن کی بڑھی ہوئی بے احتیاطی یا زیادہ بہتر مقامی

(ا) کارخانوں کے انسپکٹروں کی رپورٹ'' 31 اکتوبر 1849ء صفحہ 6۔

حالات نے قانون توڑنے کی سہولت مہیا کردی تھی۔ علاوہ بریں ایک انفرادی کارخانہ دار کو حصول نفع کی اپنی پرانی بھوک کی تسکین کا کسی قدر بھی موقع مل جاتا ہو مگر کارخانہ دار طبقے کے ترجمانوں اور سیاسی لیڈروں نے مزدوروں کے بارے میں اپنے محاذ اور تقریروں کے انداز کو بدل ڈالا۔ وہ غلے کے قانون کی تنسیخ کے لیے میدان میں اتر چکے تھے اور انہیں مزدوروں کے تعاون کی ضرورت تھی تاکہ اس جنگ کو جیت سکیں۔ لہٰذا انہوں نے نہ صرف یہ کہ مزدوروں کو زیادہ روٹی دینے کا وعدہ کیا بلکہ دس گھنٹے کے بل کو بھی آزاد تجارت کی جنت میں قانون بنا دینے کی حامی بھر لی (۱)۔ اس لیے انہوں نے ایک ایسے اقدام کی جس کا مقصد 1833ء کے قانون کو حقیقت بنانا تھا اور بھی کم مخالفت کی۔ اپنے مقدس ترین مفاد یعنی زمین کے لگان کو خطرے میں دیکھ کر ٹوری پارٹی نے خدمت انسانی کے جذبے کا اظہار کرتے ہوئے اپنے دشمنوں کی ''قابل ملامت (۲)'' سرگرمیوں کے خلاف اعلانات کیے۔

7 جون 1844ء کے مزید قانون کارخانہ کی ابتداء اس طرح ہوئی۔ یہ 10 ستمبر 1844ء کو نفاذ پذیر ہوا۔ اس کے ذریعے مزدوروں کا ایک اور طبقہ تحفظ حاصل کرسکا یعنی 18 سال سے زائد عمر کی عورتیں۔ انہیں بھی وہی درجہ دیا گیا جو نوجوان افراد کو دیا گیا تھا۔ ان کے کام کی مدت 12 گھنٹے تک محدود کردی گئی۔ اور شبینہ کام پر پابندی لگادی گئی وغیرہ۔ پہلی مرتبہ قانون مجبور ہوا کہ وہ براہ راست اور سرکاری طور پر جوانوں کی محنت پر کنٹرول کرے۔ 1844ء 1845ء کے کارخانوں کی رپورٹ میں بڑی ستم ظریفی کے ساتھ یہ بات کہی گئی ہے کہ ''میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں آئی کہ جوان

---

(۱) کارخانوں کے انسپکٹروں کی رپورٹ ''31 اکتوبر 1848ء صفحہ-98

(۲) لیونارڈ ہارنر نے اپنی سرکاری ''قابل ملامت'' سرگرمیوں کی اصطلاح استعمال کی ہے (کارخانوں کے انسپکٹروں کی رپورٹ ''31 اکتوبر 1859ء صفحہ 7۔

عورتوں نے اس بات پر کسی افسوس کا اظہار کیا ہو کہ اب تک ان کے حقوق میں مداخلت کی گئی (۱)۔ 13 سال سے کم عمر کے بچوں کا یوم کار 4-1/2 گھنٹے اور بعض حالات میں 7 گھنٹے یومیہ کر دیا گیا (۲)۔

''جعلی قوم کے ریلے سسٹم'' کی برائیوں سے بچنے کے لیے قانون نے دوسرے اہم قواعد کے ساتھ حسب ذیل قاعدے بھی وضع کیے۔ ''یہ کہ بچوں اور نوجوان افراد کے ساعات کار اس وقت سے گنے جائیں گے جب سے بچہ یا نوجوان صبح سے اپنے کام کا آغاز کرے گا۔'' تو اس طرح اگر الف مثلاً صبح 8 بجے سے کام شروع کرے گا اور ب۔ دس بجے سے تو بھی۔ ب کا یوم کار اسی وقت ختم ہوگا جب الف کا۔ اور ''وقت پبلک گھڑی سے متعین ہوگا۔ مثلاً قریب کی ریلوے گھڑی سے جس سے کارخانے کی گھڑی ملا دی جائے گی۔ کارخانے کی عمارت کا قابض ایک مطبوعہ نوٹس جسے پڑھا جا سکے لگا دے گا جس میں یہ بیان کیا جائے گا کہ کام کے آغاز اور اختتام کے اوقات کیا ہوں گے اور کھانے کے مختلف اوقات کیا رہیں گے۔ 12 بجے دوپہر سے پہلے جو بچے کام شروع کریں گے وہ ایک بجے کے بعد دوبارہ کام پر نہ لگائے جا سکیں گے۔ لہٰذا بعد دوپہر کی شفٹ ان لڑکوں پر مشتمل ہوگی جنہوں نے صبح کی شفٹ میں کام نہ کیا ہوگا۔ کھانے کے اوقات کے ڈیڑھ گھنٹے میں سے ''کم سے کم ایک گھنٹہ دوپہر کے تین بجے سے پہلے دیا جائے گا...... اور دن کے کسی ایک وقت بھی دیا جایا کرے گا۔ کوئی بچہ یا نوجوان ایک بجے سے پہلے پانچ گھنٹے سے زیادہ وقت کم سے کم تیس منٹ کا وقفہ کھانے کا دیے بغیر۔ کام کرنے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ کوئی بچہ یا نوجوان (یا عورت) کسی اس کمرے میں جس

---

(۱) رپورٹ وغیرہ 3 ستمبر 1844ء صفحہ 15۔

(۲) قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ اگر بچے روزانہ کام نہ کریں تو ان سے دس گھنٹے کام کرایا جا سکتا ہے لیکن ایسا ایک دن کا وقفہ دے کر ہو سکتا ہے۔ مگر یہ دفعہ زیادہ تو معطل رہی۔

میں مصنوعات سازی کا عمل اس وقت (کھانے کے وقت) ہو رہا ہو نہ داخل ہو سکے گا نہ کام پر لگایا جا سکے گا۔

یہ بات بہ آسانی دیکھی جا سکتی ہے کہ یہ جزئیات قانونی جو فوجی یکسانگی کے ساتھ گھنٹے کی ضرب سے وقت حدود اور وقفہ کار کا تعین کرتی ہیں پارلیمنٹ کے تخیل کی پیداوار بالکل نہ تھیں۔ وہ جدید طرز پیداوار کے فطری قوانین کی حیثیت سے حالات نے بالتدریج پیدا کی تھیں۔ حکومت کی طرف سے ان قوانین کی تشکیل۔ سرکاری اعتراف اور ان کا اعلان طبقات کی طویل جدوجہد کی وجہ سے ممکن ہو سکا۔ اس کا پہلا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ کارخانوں میں بڑی عمر کے مزدوروں کا یوم کار اس قسم کی پابندیوں کے تحت آ گیا اس لیے کہ پیداوار کے زیادہ طریقوں میں بچوں' جوانوں اور عورتوں کا عمل پیداوار میں تعاون قطعی ناگزیر ہے۔ لہٰذا من حیث المجموع 1844ء سے 1847ء تک 12 گھنٹے کا یوم کار ایک عام بات بن گئی۔ اور وہ قانون کارخانہ کے تحت صنعت کی تمام شاخوں میں نفاذ پذیر ہو گیا۔

لیکن کارخانوں نے اس ''ارتقاء'' کو اسی وقت برداشت کیا جب وہ اسی کے ساتھ اس کے ''رجعت پسندانہ'' پہلو بھی لے آنے میں کامیاب ہو گئے۔ کارخانہ داروں کے اکسانے پر ایوان عام نے قابل استحصال بچوں کی عمر 8 سال کر دی۔ تاکہ کارخانوں میں کام کرنے والے بچوں کی رسد مہیا ہوتے رہنے کا یقین ہو جائے جو کہ سرمایہ داروں کا الوہی اور انسانی قانون کی رو سے حق ہے(۱)

انگلستان کی معاشی تاریخ میں 47-1846ء کے سال عہد آفرین سالوں

---

(۱) اوقات کار میں کمی ان (بچوں) کے بڑی تعداد میں ملازم رکھنے کا سبب بنے گی لہٰذا یہ سوچا گیا کہ 8 سے 9 سال کی عمر کے بچوں سے اس بڑھی ہوئی مانگ کو پورا کرنا ممکن ہو جائے گا۔ (بحوالہ سابقہ صفحہ 13)

کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انہیں برسوں میں قوانین غلہ کی تنسیخ عمل میں آئی۔ روئی اور دوسرے خام مواد سے ڈیوٹی ختم کی گئی۔ قانون سازی کے لیے رہنما سیارہ آزاد تجارت۔ کو قرار دیا گیا۔ مختصراً یوں کہئے کہ عہد سعادت قائم ہو گیا۔ ادھر دوسری طرف انہیں برسوں میں چارٹر کے حامیوں اور دس گھنٹے کے کام کی تحریک چلانے والوں کا ایجیٹیشن اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا۔ اس تحریک کے حامیوں کو وہ ٹوری مصنف مل گئے جو انتقام لینے کے لیے ترس رہے تھے۔ چنانچہ جھوٹی قسم کھانے والے آزاد تجارتیوں کی فوج جس کے قائد برائٹ اور کابڈن تھے۔ کی شدید مخالفت کے باوجود دس گھنٹے کام کا بل جس کے لیے اتنے عرصے جدوجہد کی گئی تھی پارلیمنٹ میں پاس ہو جانے میں کامیاب ہو گیا۔

8 جون 1847ء کے نئے قانون کارخانہ نے یہ حکم دیا کہ نوجوان افراد۔ (13 سے لے کر 18 سال تک کی عمر تک) اور عورتوں کے لیے 31 جولائی 1847ء سے یوم کار کی ابتدائی تخفیف ہونی چاہئے اور گیارہ گھنٹے کا یوم ہونا چاہئے مگر یکم مئی 1848ء سے یوم کار لازمی طور پر دس گھنٹے کا ہو جانا چاہئے۔ دوسرے اعتبارات سے اس قانون نے 1833ء اور 1844ء کے قوانین میں ترمیمات کیں اور ان کی تکمیل کی۔

اب سرمائے نے ابتدائی مہم کا آغاز کیا تا کہ یہ قانون یکم مئی 1848ء کو پوری طرح عمل میں نہ آسکے۔ اور خود مزدوروں کو بھی اس عذر کے تحت کہ تجربے نے انہیں سبق دے دیا ہے خود ان کے اپنے کام کو تباہ کرنے میں مدد دینے کی توقع رکھی گئی۔ سرمایہ داروں نے بڑی چالاکی سے وقت کا انتخاب کیا۔ ''یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ دو سال سے زائد مدت شدید مصائب کی مدت تھی (1846ء سے 1847ء کے دہشتناک بحران کی وجہ سے) کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے لیے بہت سی ملیں مختصر وقت کے لیے کام کر رہی تھیں اور جبکہ بہت سی بند بھی ہو گئی تھیں۔ نتیجہ یہ کہ مزدوروں کی کافی بڑی تعداد بڑے مشکل حالات میں زندگی بسر کر رہی تھی۔ بہت سے مقروض تھے اور

اس طرح یہ بات بہ آسانی فرض کی جاسکتی تھی کہ اس وقت مزدور طویل عرصے کام کرنے پر راضی ہوجائیں گے تاکہ ماضی میں جو نقصانات انہیں اٹھانے پڑے ہیں۔ انہیں دور کیا جاسکے یا قرضے ادا کرنے یا اپنے فرنیچر کو جو گروی رکھ دیا ہے اسے چھڑانے یا جو بک گیا ہے اسے خریدنے یا اپنے اور اپنے اہل خاندان کے لیے نئے کپڑے بنانے کے لیے روپیہ حاصل کیا جاسکے (۱)۔

ادھر کارخانہ داروں نے یہ کوشش کی کہ اجرتوں میں دس فیصد عمومی کمی کرکے مذکورہ حالات کے فطری اثرات کو اور زیادہ سنگین بنادیں یہ سب کچھ یوں کہیے کہ آزاد تجارت کے عہد نو کا افتتاح کرنے کے لیے کیا گیا تھا۔ پھر جب یوم کار 11 گھنٹے کردیا گیا تو انہوں نے اجرتوں میں 8-1/3 فی صد اور کمی کردی اور جب آخری بار یوم کار دس گھنٹے کا ہی کردیا تو انہوں نے مذکورہ کمی سے دگنی اجرتوں میں کمی کردی تو اس طرح جب بھی حالات نے اجازت دی اجرتوں میں کم سے کم 25 فیصد کمی تک کردی گئی (۲)۔

اس نوع کے خود تیار کیے ہوئے مناسب حالات میں کارخانوں کے مزدوروں میں 1847ء کے قانون کی تنسیخ کے لیے تحریک شروع ہوئی۔ اس کوشش میں نہ تو کذب بیانیوں میں کمی کی گئی۔ نہ رشوت میں نہ دھمکیوں میں۔ لیکن یہ سب کچھ بے نتیجہ رہیں۔ رہے وہ نصف درجن پٹیشن جن میں مزدوروں سے یہ شکایت کرائی گئی تھی کہ قانون کارخانہ نے ان پر ظلم کیا ہے'' تو خود پٹیشن پیش کرنے والوں نے زبانی جرح میں خود یہ اقرار کیا کہ ان کے دستخط جبریہ طور پر حاصل کیے گئے تھے'' وہ اپنے آپ کو خیال کرتے

---

(۱) کارخانوں کے انسپکٹروں کی رپورٹ 31 اکتوبر 1848ء صفحہ 16۔

(۲) میں نے یہ بات معلوم کی کہ جو مزدور دس شلنگ فی ہفتہ لے رہے تھے ان کی اجرت ایک شلنگ یا دس فی صد کم ہوگئی۔ اور باقی 9 شلنگ میں سے ایک شلنگ 4 پنس وقت میں کمی ہوئی۔ ان تمام

ہیں مگر قانون کارخانہ کی وجہ سے نہیں (۱)۔" لیکن اگر چہ کارخانہ دار مزدوروں سے اپنی مرضی کی بات کہلوانے میں کامیاب نہ ہو سکے تاہم مزدوروں کی طرف سے اخباروں اور پارلیمنٹ میں سب سے زیادہ شور و غوغا یہ کارخانہ دار ہی کر رہے تھے انہوں نے کارخانوں کے انسپکٹروں کی بڑی مذمت کی اور کہا کہ وہ انقلابی کمشنروں کی طرح ہیں جیسے فرانس کے نیشنل کنونشن کے کمشنر تھے اور کارخانے کے بدقسمت مزدوروں کو اپنی بشریت پرستانہ ترنگوں پر قربان کر رہے ہیں۔ لیکن ان کی یہ چال بھی ناکام ہوگئی۔ کارخانوں کے انسپکٹر لیونارڈ ہارنر نے خود اور اپنے نائبین کے توسط سے لنکا شائر کے کارخانوں میں کئی افراد کی گواہیاں لیں جن مزدوروں کی گواہیاں لی گئیں ان میں سے 70 فی صد نے دس گھنٹے کے حق میں فیصلہ دیا۔ بہت کم فی صد نے 11 گھنٹے کے حق میں اور بالکل ہی ناقابل ذکر اقلیت نے 12 گھنٹے کے حق میں (۲)۔

ایک اور دوستانہ چال یہ چلی گئی کہ بڑی عمر کے مزدوروں سے 12 سے 15 گھنٹے تک کام کرایا گیا اور پھر اس حقیقت کو اس بات کا کہ پرولتاریہ دل سے کیا چاہتے ہیں ثبوت بنا کر پیش کیا گیا۔ مگر پھر "بے رحم" انسپکٹر کارخانہ لیونارڈ ہارنر میدان میں

---

(۱) ہر چند میں نے اس پر (پٹیشن پر) دستخط تو کیے ہیں مگر میں نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ میں ایک غلط چیز پر دستخط کر رہا ہوں۔" ایسا ہے تو پھر تم نے کیوں ایک غلط چیز پر دستخط کیے" اس لیے کہ اگر میں انکار کرتا تو ملازمت سے جواب مل جاتا" جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مزدور اپنے آپ کو مظلوم تو خیال کرتا ہے مگر "قانون کارخانہ" کا مظلوم نہیں ہے" بحوالہ سابقہ صفحہ 102۔

(۲) بحوالہ سابقہ صفحہ 17۔ مسٹر ہارنر کے ضلع میں 10270 بڑی عمر کے مزدوروں سے 101 کارخانوں میں گواہیاں لی گئیں۔ ان کی یہ گواہیاں اکتوبر 1848ء میں ختم ہونے والی ششماہی کی فیکٹری رپورٹوں کے ضمیمے میں موجود ہیں۔ یہ گواہیاں دوسرے معاملات سے متعلق بھی مفید مواد مہیا کرتی ہیں۔

آ گیا۔ اور ٹائم کرنے والوں کی اکثریت نے اعلان کیا کہ "وہ کم اجرتیں لے کر بھی دس گھنٹے کام کرنے کو ترجیح دیں گے مگر ان کی مرضی نہیں چلتی۔ بہت سے مزدور بے روزگار ہیں (سوتی کپڑا بننے والے مزدوروں کی بڑی تعداد ٹوٹے ہوئے ڈوروں کو جوڑنے کا کام کرنے کی وجہ سے بہت کم اجرتیں لیتی ہے اس لیے کہ وہ اس سے بہتر اور کچھ نہیں کر سکتے)۔ اور اس لیے اگر وہ طویل مدت کام کرنے سے انکار کریں تو ان کی جگہ فوراً دوسرے کام کرنے آ جائیں گے۔ لہٰذا ان کے سامنے سوال یہ ہے کہ یا تو وہ طویل مدت کام کریں اور یا بالکل بے روزگار ہو جانے کا خطرہ مول (۱) لیں۔

اس طرح سرمائے کی ابتدائی مہم ناکامی سے دوچار ہو گئی اور یکم مئی 1848ء کو دس گھنٹے کام کا قانون نفاذ پذیر ہو گیا۔ لیکن اس دوران میں چارٹرسٹ پارٹی کی تحریک کی ناکامی نے جس کے لیڈر جیل میں ڈال دیے گئے اور پارٹی قانوناً توڑ دی گئی۔ انگریزی مزدوروں کے اپنی تحریک میں اعتماد کو متزلزل کر دیا۔ اس کے فوراً بعد پیرس کی جون کی بغاوتوں اور خونیں انداز میں ان کے کچل دینے کے اقدامات نے انگلستان میں بھی اور براعظم میں بھی حکمرانوں کے تمام طبقوں' زمینداروں سرمایہ داروں' سٹے کے بھیڑیوں اور دکانداروں کو متحد کر دیا تحفظ تجارت اور آزاد تجارت کے حامیوں۔ حکومت اور حزب اختلاف پادریوں اور آزاد خیال افراد۔ نوجوان طوائفوں اور بوڑھی راہباؤں۔ وغیرہ سب کو جائیداد۔ مذہب۔ خاندان اور سماج کو خطرہ سے بچانے کے نعرے پر متحد کر دیا۔ چنانچہ مزدوروں پر ہر جگہ پابندی لگا دی گئی۔ اور انہیں عملاً مشکوک قرار دے دیا گیا۔ پھر کارخانہ داروں کو اپنے آپ پر قابو رکھنے کی کوئی ضرورت نہ رہی۔ انہوں نے نہ صرف

---

(۱) ملاحظہ ہو خود لیونارڈ ہارنر کی جمع کردہ شہادت۔ نمبر 69-70-71-72-92 اور 93 اور نائب انسپکٹر کی جمع کردہ شہادت نمبر 51-52-58-59-62-70 ضمیمے سے متعلق ایک کارخانہ ... صفحہ نمبر 14

یہ کہ دس گھنٹے کے خلاف کھل کر بغاوت کردی بلکہ 1833ء کے بعد سے جتنے قوانین مزدوروں کے ''آزادانہ'' استحصال پر تھوڑی بہت پابندیاں لگانے کے لیے بنے تھے ان سب کے خلاف بھی بغاوت کردی۔ یہ چھوٹے پیمانے پر غلامی کی حمایت میں بغاوت تھی جو کہ دو سال تک انسان دشمن بے رحمی کے ساتھ جاری رہی۔ ایک دہشت انگیزانہ توانائی کے ساتھ مگر بڑی سستی بغاوت تھی اس لیے کہ باغی سرمایہ دار نے خطرے کے داؤ پر اپنے ''مزدوروں'' کی کھال کے علاوہ اور کچھ نہ لگایا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا اسے سمجھنے کے لیے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ 1833ء۔ 1844ء اور 1847ء کے قوانین کارخانہ تینوں کے تینوں نافذ العمل تھے اس لیے کہ ان میں سے کوئی قانون پچھلے قانون کی تنسیخ نہیں کرتا اور ان میں سے کوئی 18 سال سے زائد عمر کے مرد مزدور کا یوم کار محدود نہیں کرتا اور یہ کہ 1833ء سے ساڑھے پانچ بجے صبح سے ساڑھے آٹھ بجے رات تک کے 15 گھنٹے ''قانونی'' یوم کار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان 15 ساعات کی حدود کے اندر پہلے 12 اور اس کے بعد دس گھنٹے کی محنت نوجوانوں اور عورتوں کو انجام دینی ہوتی ہے مگر چند مقررہ شرائط کے تحت۔

کارخانہ داروں نے اپنی جوابی کارروائی اس طرح شروع کی کہ انہوں نے ادھر ادھر اپنے ملازم نوجوان مزدوروں اور عورتوں کو جزواً اور بعض جگہ تو نصف کی تعداد میں ملازمت سے جواب دے دیا اور پھر بڑی عمر کے مزدوروں سے شبینہ کام شروع کرایا جو ایک فرسودہ طریقہ ہے۔ انہوں نے شور مچایا کہ دس گھنٹے کے قانون نے ہمارے لیے اب اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں چھوڑا ہے (۱)۔

ان کا دوسرا اقدام اوقات طعام کے وقفوں سے متعلق تھا۔ آیئے اب ذرا فیکٹریوں کے انسپکٹروں کے خیالات سنیں۔ ''جب سے ساعات کار دس مقرر ہوئے

---

(۱) رپورٹیں۔ 31 اکتوبر 1848ء صفحات 33-134۔

کارخانوں کے مالکان یہ کہتے ہیں کہ گوابھی انہوں نے آخری قدم نہیں اٹھایا ہے تاہم اگر یہ فرض کیا جائے کہ کام کے اوقات 9 بجے صبح سے 7 بجے شام تک ہیں تو وہ قانون کی دفعات کی اس طرح پابندی کریں گے کہ 9 بجے سے ایک گھنٹہ پہلے اور 7 بجے سے آدھ گھنٹہ بعد کا وقت کھانے کے لیے رکھیں گے۔ بعض حالات میں وہ اس وقت کھانے کے لیے ایک گھنٹے یا آدھ گھنٹے کی اجازت دیتے ہیں مگر ساتھ ہی اس بات پر اصرار بھی کرتے ہیں کہ اس ایک گھنٹے یا آدھ گھنٹے مدت کا کوئی بھی جزو کارخانے کے یوم کار میں شامل نہیں (۱) ہے۔ اور جب صورت یہ ہے تو کارخانہ دار 1844ء کے قانون کی احتیاط کے ساتھ پابندی درباره اوقات طعام مزدوروں کو صرف یہ حق دیتی ہے کہ وہ کارخانے آنے سے پہلے اور جانے کے بعد کھا یا پی سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اپنے گھر اور سوال یہ ہے کہ آخر مزدور صبح 9 بجے سے پہلے کیوں کھانا نہیں کھالیتے؟ لیکن سرکار کے وکلاء نے فیصلہ دیا کہ مقررہ اوقات طعام۔ ''ساعات کار کے درمیان ہونے چاہئیں۔ اور یہ کہ 9 بجے صبح سے 7 بجے شام تک کسی وقفہ بغیر کام کرتے رہنا خلاف قانون ہے (۲)''۔

ان خوش آئند نظاموں کے بعد سرمائے نے اپنی بغاوت سے پہلے وہ قدم اٹھایا جو 1844ء کے قانون کے الفاظ کے عین مطابق تھا اور اس لیے قانون کے تحت تھا:

یہ بالکل یقینی تھا کہ 1844ء کے قانون نے 8 اور 13 سال کی درمیانی عمر کے ان بچوں کا ایک بجے بعد کام پر رکھنا ممنوع قرار دیا تھا جو دوپہر سے پہلے کام کرتے رہے ہوں لیکن اس دفعہ کے تحت یہ قانون تو کسی طرح بھی نہ بنا کہ جن بچوں نے 12 بجے دوپہر یا اس کے بعد کام شروع کیا ہو انہیں صرف 6-1/2 گھنٹے کام کرنا چاہئے۔ 8

(۱) رپورٹیں وغیرہ۔ بابت 30 اپریل 1848ء صفحہ 47۔

سال کے بچے اگر دوپہر سے کام پر لگے ہوں تو 12 سے لے کر ایک بجے تک کام کر سکتے ہیں۔ یعنی ایک گھنٹے اور 2 بجے سے 4 بجے تک بعد دوپہر یعنی دو گھنٹے۔ شام کے وقت پانچ سے لے کر ساڑھے آٹھ بجے تک یعنی ساڑھے تین گھنٹے۔ گویا مجموعی 1/2 گھنٹے اور یہ وقت محض قانونی وقت ہوگا۔ یا اس سے بھی ایک بہتر صورت ہے۔ اگر ان کے کام کو بڑی عمر کے مزدوروں کے کام کے اوقات سے رات کے ساڑھے آٹھ بجے تک ہم آہنگ بنانا مقصود ہو تو کارخانہ داروں کو صرف اتنا کرنا ہوگا کہ بچوں کو دو بجے تک کوئی کام نہ دیں۔ پھر اس کے بعد کسی وقفے بغیر وہ ان کو رات کے ساڑھے آٹھ بجے تک کام پر لگا سکتے ہیں۔'' اور اب یہ بات بالکل واضح طور پر تسلیم کی جاتی ہے کہ مالکوں کی اس خواہش کی وجہ سے کہ دن میں دس گھنٹے سے زیادہ مشینیں چلیں۔ انگلستان میں طریقہ کار یہ ہے کہ بچوں کو بڑوں کے ساتھ اس وقت تک کام پر لگائے جاتا رہے جب تک تمام نوجوان لڑکے اور عورتیں کام کر کے جا چکی ہوں۔ یعنی ساڑھے آٹھ بجے رات تک اگر کارخانوں کے مالک یہ پسند کریں (۱)''۔

مزدوروں اور کارخانوں کے انسپکٹروں نے اس صورتحال پر صحت کی بنیاد پر اور اخلاقی وجوہ سے اعتراض کیا مگر سرمائے نے جواب دیا کہ:

''میرے اعمال میرے سر پر۔ میں قانون کا متمنی ہوں ہمارے معاہدے کا اختتام اور سزائے تعزیری''۔

حقیقت یہ ہے کہ 26 جولائی 1850ء کو ایوان عام میں جو اعداد وشمار رکھے گئے۔ تمام احتجاجوں کے باوجود ان سے معلوم ہوا کہ 15 جولائی 1850ء کو 3742 بچے۔ 257 کارخانوں میں اسی ''طریقہ کار'' کے تحت کام کر رہے تھے (۲)۔ لیکن یہ بات بھی کافی نہ ہوئی۔ سرمائے کی سیاہ خرگوش والی آنکھ نے یہ

---

(۱) رپورٹیں وغیرہ۔ بحوالہ سابقہ صفحہ 142۔

(۲) رپورٹیں وغیرہ۔ بابت 31 اکتوبر 1850ء صفحات 5 اور 6

کرلیا کہ 1844ء کا قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ نصف دن سے پہلے 5 گھنٹے کام لیا جائے البتہ قانون نصف دن کے بعد اس قسم کی کوئی پابندی نہیں لگاتا۔ لہٰذا سرمائے نے نہ صرف یہ کہ 2 بجے سے لے کر ساڑھے آٹھ بجے تک 8 سال کے بچوں سے مشقت لینے کا دعویٰ کیا بلکہ یہ مشقت کرانے اور اس تمام مدت میں انہیں بھوکا رکھنے کی مسرت بھی حاصل کی۔

''جی ہاں۔ اس کا دل
معاہدے میں یہی لکھا ہے'' (۲)

یہ شائلاک یہودی کی طرح قانون 1844ء کے الفاظ پر اڑنا (۱) اس حد تک جس حد تک کہ وہ بچوں کی محنت سے تعلق رکھتے ہیں بس نتیجہ پیدا کرسکتا تھا کہ اس قانون کے خلاف بغاوت کردی جاتی۔ جہاں تک وہ ''نوجوانوں اور خواتین'' کی محنت کا تعین کرتا ہے یہ بات یاد رہے کہ اس قانون کا خاص مقصد یہ تھا کہ ''جعلی ریلے سسٹم'' کی

(۲) سرمایہ اپنی دونوں ترقی یافتہ شکلوں میں ایک ہی فطرت رکھتا ہے وہ قانون جسے غلاموں کے مالکوں کے اثر سے امریکی خانہ جنگی سے ٹھیک پہلے نیو میکسیکو کے علاقوں پر تھوپا گیا اس میں کہا گیا ہے کہ مزدور کی قوت کار۔ اس حیثیت سے کہ سرمایہ دار نے اسے خریدا ہے۔ ''اس کے (سرمایہ دار کے) زر کی حیثیت رکھتی ہے''۔ اسی قسم کا خیال روم کے امراء میں بھی پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے جو روپیہ عامی افراد کو بطور قرض دیا تھا وہ ذرائع خورد ونوش کے ذریعے ان قرضداروں کے خون اور گوشت میں منتقل ہوگیا لہٰذا۔ ''گوشت اور خون ان کا روپیہ ہے۔ اس لیے شائلاک یہودی کی ذہنیت کی نمائندگی کرنے والا'' قانون جو دس قصص میں شامل ہے بنایا گیا۔ لنگٹ کا یہ مفروضہ کہ قرض دینے والے امرائے دریائے ٹائبر کے پار۔ مختلف اوقات میں قرضداروں کے گوشت کی ضیافتیں کیا کرتے تھے اسی طرح غیر طے شدہ رہے گا جس طرح عیسائی عشائے ربانی کے متعلق ڈامر کا مفروضہ غیر طے شدہ ہے۔

تنسیخ کی جائے۔ مالکوں نے اس سیدھے سادھے اعلان کے ساتھ اس کے خلاف بغاوت کی کہ 1844ء کے قانون کی دفعات جو نوجوانوں اور عورتوں کے کام کو 15 گھنٹے کی مدت کے اس تھوڑے سے حصے میں جسے مالک پسند کرے۔ من مانے طور پر ممنوع قرار دیتی ہیں۔ ''نسبتاً بے ضرر پابندی ہے مگر اس وقت تک جب تک یوم کار 12 گھنٹے کار ہے۔ مگر دس گھنٹے کے قانون کے تحت یہ پابندی۔ ''سخت مشکلات'' پیدا کرتی ہے (۱)۔ انہوں نے بڑے ٹھنڈے انداز میں انسپکٹر کو بتایا کہ وہ اپنے آپ کو قانون کے الفاظ سے بلند تر رکھیں گے اور خود ہی پرانے نظام کو بحال کر دیں گے (۲)۔ وہ تو غلط مشورہ حاصل کرنے والے مزدوروں کے خود اپنے مفاد میں یہ اقدامات کر رہے ہیں۔ ''تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ اجرتیں دے سکیں''۔ ''دس گھنٹے کے قانون کی صورت میں انگلستان کی صنعتی برتری کو باقی رکھنے کا واحد منصوبہ صرف یہی ہے''۔ ''ممکن ہے کہ ریلے سسٹم کے تحت باقاعدگیوں کا پتہ چلانا ذرا مشکل ہو لیکن اس سے ہوتا کیا ہے کیا اس ملک کی صنعت کاری کے عظیم مفادات کو صرف اس لیے ثانوی درجے پر رکھنا چاہئے تاکہ کارخانوں کے انسپکٹروں اور سب انسپکٹروں کو اس تھوڑی سی زحمت سے بچایا جا سکے (۳)۔

لیکن ان چالبازیوں سے کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ کارخانوں کے انسپکٹروں نے عدالتوں میں مقدمے دائر کیے مگر جلد ہی مالکوں نے پٹیشنوں کا ایک طوفان برپا کر دیا جس سے وزارت داخلہ کے سیکرٹری سر جارج گرے اتنے دب گئے کہ انہوں نے 15

---

(۱) رپورٹیں وغیرہ بابت 30 اپریل 1848ء صفحہ 28۔

(۲) دوسروں کے علاوہ انہیں الفاظ کو بشریت نواز آشوا تھ نے لیونارڈ ہارنر کو ایک قابل نفرت خط میں جو اس راہب نے لکھا تھا۔ کہا تھا (رپورٹیں وغیرہ۔ اپریل 1839ء صفحہ 4)۔

(۳) بحوالہ سابقہ صفحہ 140۔

اگست 1848ء کو ایک گشتی مراسلہ بھیجا جس میں انسپکٹروں کو مشورہ دیا کہ وہ ''مل کے مالکوں کے خلاف قانون شکنی یا نوجوان لڑکوں کو ریلے سسٹم کے تحت ملازم رکھنے خاص طور پر ان حالات میں جن میں یہ باور کرنے کی وجوہ موجود نہ ہوں کہ ان نوجوانوں کو واقعی اس مدت سے زیادہ کام پر رکھا گیا جو قانوناً جائز ہے۔ سے متعلق ثبوت (عدالت کو) مہیا نہ کریں۔'' اس پر کارخانے کے انسپکٹر جے استوارٹ نے نام نہاد ریلے سسٹم کو 15 گھنٹے کے یوم کارخانہ کے دوران تمام اسکاٹ لینڈ میں جاری رہنے کی اجازت دے دی چنانچہ جلد ہی یہ اس علاقے میں کافی ترقی کر گیا مگر انگلستان کے کارخانوں کے انسپکٹروں نے اس کے برخلاف یہ اعلان کیا کہ وزارت داخلہ کے سیکرٹری کو آمرانہ طور پر قانون کے معطل کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور انہوں نے اس غلامی پسندانہ بغاوت کے خلاف اپنی قانونی کارروائیاں جاری رکھیں۔

مگر سوال یہ ہے کہ سرمایہ داروں کو عدالتوں میں بلانے سے کیا حاصل جب یہ عدالتیں۔ یعنی مفصلاتی عدالتیں کابٹ کی ''بے تنخواہ کی عظیم عدالتیں'' سب سرمایہ داروں کو رہا کر دیتی ہیں۔ ان عدالتوں میں تو مالک خود اپنے اوپر فیصلے سنانے بیٹھتے ہیں۔ ایک مثال لیجئے۔ روئی کاتنے کا کام کرنے والی ایک مل کے مالک۔ اسکریگے۔ نے جو کرشا لیز اینڈ کو نامی فرم سے متعلق تھا، اپنے اضلاع کے کارخانے کے انسپکٹروں کے سامنے ایک اسکیم اپنی مل میں ریلے سسٹم سے متعلق پیش کی۔ اس اسکیم کے رد ہو جانے پر وہ کچھ دن تو خاموش رہا مگر چند ماہ بعد ایک اور صاحب جن کا نام رابنسن تھا اور وہ بھی کاتنے والے کارخانے کے مالک تھے اور گو وہ اسکریگے کے مقلد تو نہ تھے مگر انسے تعلق ضرور رکھتے تھے۔ اسٹاکپورٹ کے مجسٹریٹوں کے سامنے اس الزام میں پیش ہوئے کہ انہوں نے اسی قسم کا ریلے سسٹم ایجاد کیا ہے جو اسکریگے نے تیار کیا تھا۔ چار منصف ان کا مقدمہ سننے بیٹھے جن میں تین کاتنے والی ملوں کے آدمی تھے اور منصف اعظم یہی اسکریگے صاحب تھے۔ اسکریگے نے رابنسن کو رہا کر دیا اور اب [illegible]

بات رابنسن کے لیے جائز ہے وہی اسکر یگّے کے لیے جائز ہے۔خود اپنے دیے ہوئے اس قانونی فیصلے سے مدد لے کر اسکر یگّے نے بھی اپنے کارخانے میں یہی سسٹم نافذ کر دیا(۱)۔ ویسے اس عدالت کا قیام ہی قانون کے خلاف (۲) تھا۔ یہ عدالتی ادارے۔انسپکٹر ہاول نے پُرزور الفاظ میں اعلان کیا فوری علاج کا تقاضہ کرتے ہیں۔ اب یا تو یہ ہو کہ قانون کو اس انداز پر بدلا جائے کہ وہ ان عدالتی فیصلوں کے مطابق ہوجائے اور یا قانون کا نفاذ ایسی عدالتیں کریں جو کم غلطیاں کرتی ہوں اور جن کے فیصلے قانون کے مطابق ہوں...... جب کہ اس نوع کے مقدمات ان کے سامنے آئیں ہیں تو ایسے مجسٹریٹوں کے قیام کی خواہش رکھتا ہوں جن کو اس کام کا وظیفہ دیا جائے (۳)۔

سرکاری وکلاء نے مالکوں کی قانون 1848ء کی تاویلات کو مضحکہ خیز قرار دیا۔لیکن سماج کے نجات دہندگان نے اپنے مقصد سے ہٹنے سے انکار کر دیا۔لیونارڈ ہانر نے بتایا ہے کہ ''سات مجسٹریٹوں کی عدالتوں میں دس مقدمے دائر کر کے جبکہ صرف ایک مقدمے میں مجسٹریٹ نے میری اعانت کی میں نے قانون کے نفاذ کی کوشش کی۔مگر صرف ایک مجسٹریٹ کا موافقانہ فیصلہ دیکھ کر میں اس بات کو بے نتیجہ سمجھنے لگا کہ قانون سے بچنے کی ان کوششوں کے خلاف مزید مقدمے دائر کیے جائیں۔اس طرح 1848ء کے قانون کا وہ حصہ جسے ساعات کار میں ہم آہنگی کے قیام کے لیے بنایا گیا ہے......اب

---

(۱) رپورٹیں وغیرہ۔بابت 30 اپریل 1849ء صفحات 21-22 ایسی ہی مثالوں کے لیے ملاحظہ ہو صفحات 5-6۔

(۲) وہ قانون جو سر جان ہابس کے قانون سے مشہور ہے اس کی رو سے کاتنے یا بننے والے کسی کارخانے کے مالک۔یا اس کے باپ بیٹے اور بھائی کو اس بات کی ممانعت کی گئی ہے کہ وہ جسٹس آف دی پیس کے طور پر کسی اس تحقیقات میں کام کرے جس کا تعلق قانون کارخانہ سے ہو۔

(۳) بحوالہ سابقہ۔

میرے ضلع (لنکا شائر) میں نفاذ پذیر نہیں ہے۔ سب انسپکٹران اور میں جب ان شفٹوں میں چلنے والی ملوں کا معائنہ کرتے ہیں تو اس بارے میں کہ نوجوان افراد اور عورتیں یومیہ دس گھنٹے سے زیادہ کام نہیں کر رہے مطمئن ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں رکھتے۔ 30 اپریل کی رپورٹ میں ...... جو ان ملوں کے مالکوں سے متعلق ہے جو شفٹوں میں کام کرتی ہیں ایسی تعداد جو گویا زائد کام کرتے ہیں۔ مترجم۔ 114 ہے اور اس تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ من حیث العموم یہ کہا جاسکتا ہے کہ ملوں میں کام کا وقت 13-1/2 گھنٹے تک بڑھ گیا ہے یعنی 6 بجے صبح سے 7-1/2 بجے شام تک۔ بلکہ بعض حالات میں 15 گھنٹے ہے یعنی صبح 5-1/2 بجے سے رات کے 8-1/2 تک (۱)۔"

دسمبر 1848ء ہی میں لیونارڈ ہارنر کے پاس 65 کارخانہ داروں اور 29 نگرانی کرنے والوں (کارخانوں میں مترجم) کی ایک فہرست موجود تھی جنہوں نے بالاتفاق یہ اعلان کیا تھا کہ اس ریلے سسٹم کے تحت نگرانی کا کوئی بھی نظام کیوں نہ ہو مگر وہ اوور ورک (کثرت کار یا کثرت محنت۔ مترجم) کو نہیں روک (۲) سکتا۔۔ اب ہو یہ رہا ہے کہ بچوں اور نوجوانوں کو پہلے کاتنے کے شعبے میں لگایا اور پھر وہاں سے ہٹا کر بننے کے شعبے میں لگا دیا جاتا ہے اور 15 گھنٹے کی ڈیوٹی کے دوران ایک کارخانے سے ہٹا کر دوسرے کارخانے میں لگا دیے جاتے ہیں۔ ایسے میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک نظام کو قابو میں لایا جائے جو کہ "ریلے سسٹم کے پردے میں مزدوروں کو ایک جگہ منتقل کرنے کے ان گنت طریقوں اور مختلف افراد کے لیے پورے دن میں کام اور آرام کے ساعات میں ردوبدل کرنے کے نت نئے منصوبوں میں سے کئی ایک پر عمل کر رہا ہو نتیجہ یہ ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ مزدوروں کی ایک جماعت ایک ساتھ۔ ایک کمرے میں اور ایک

---

(۱) رپورٹیں وغیرہ۔ بابت 30 اپریل صفحہ 5۔

(۲) رپورٹیں وغیرہ۔ بابت 31 اکتوبر 1849 صفحہ 6

وقت کام کرتی مل جائے (۱)۔

لیکن کثرت کار کے عملی پہلو سے قطع نظر یہ نام نہاد۔ ریلے سسٹم۔ سرمایہ دارانہ تخیل آفرینی کی پیداوار ہے جیسے فوریئر اپنے مزاحیہ خاکوں میں اس منزل سے آگے نہ بڑھ سکا کہ ''محنت کی کشش' سرمائے کی کشش میں بدل گئی۔ بطور مثال آپ مالکوں کی ان اسکیموں کو دیکھیں جنہیں قابل احترام اخبارات نے اس بات کا جسے ''معقول درجے کی احتیاط اور ہوشمندانہ طریقہ کار وجود میں لاسکتا ہے۔'' نمونہ قرار دیا ہے۔ بعض اوقات مزدوروں کو 12 سے لے کر 14 خانوں میں بانٹ دیا جاتا ہے جو کہ مسلسل طور پر بدلتے رہتے ہیں۔ اوران کے اجزاءترکیبی میں تنظیم نو ہوتی رہتی ہے۔ یوم کارخانہ کے 15 گھنٹوں کے دربان سرمایہ مزدور کو کبھی تیس منٹ کے لیے کام پر لگاتا ہے۔ کبھی ایک گھنٹے کے لیے۔ پھر انہیں ادھر ادھر دھکیل دیتا ہے کبھی اسے یہاں رکھتا ہے کبھی وہاں وقت کے مختلف اجزاء میں۔ لیکن جب تک دس گھنٹے کام نہیں کرالیتا تو اپنی گرفت ڈھیلی نہیں کرتا۔ یوں سمجھئے کہ تھیئٹر کا اسٹیج ہے کہ ایک ہی جیسے اشخاص کو مختلف ایکٹ کے مختلف مناظر میں باری باری آنا پڑتا ہے مگر جس طرح ایکٹر کھیل کی تمام مدت کے دوران اسٹیج سے تعلق رکھتا ہے اسی طرح مزدور 15 گھنٹوں کے دوران کارخانے سے تعلق رکھتا ہے۔ آنے جانے کے اوقات کا شمار کیے بغیر۔ اس طرح آرام کے اوقات بھی جبریہ بیکاری کے اوقات میں بدل جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے نوجوان شراب خانوں اور عورتیں چکلوں میں جانے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ سرمایہ دار مزدوروں کی تعداد بڑھائے بغیر اپنی مشینوں کو روزانہ 12 سے 15 گھنٹے تک پھیلاتے رہنے کے لیے آئے دن جوئی نئی چالیں چلتا رہتا ہے انجام اس کا یہ ہوتا ہے کہ کبھی مزدور کو اس وقت کے ایک حصے اور کبھی دوسرے حصے میں کھانا کھانے کا وقت ملتا ہے۔ دس گھنٹے کی تحریک کے وقت مالکوں

---

(۱) رپورٹیں وغیرہ۔ بابت 31 اکتوبر 1847ء صفحہ 95۔

نے شور مچایا کہ مزدوروں نے اس امید میں اپنی یادداشتیں پیش نہ کیں کہ 12 گھنٹے کی اجرت انہیں دس گھنٹے کے کام میں مل جائے۔اب انہوں نے صورتحال کو الٹ دیا۔اب وہ 12 یا 15 گھنٹے مزدوروں پر حکومت جتا کر صرف دس گھنٹے محنت کی اجرت دیتے ہیں (۱)۔مسئلے کا خلاصہ یہ ہے۔دس گھنٹے کے قانون کی مالکوں کے نقطہ نظر سے تشریح یہ ہے۔تو یہ ہیں ان آزاد تجارت والوں کی چکنی چپڑی باتیں جو کہ انسان دوستی کے جذبے میں عرق آلود ہو جاتے ہیں اور پورے دس سال سے قانون غلہ کی تنسیخ کی تحریک کے دوران مزدوروں کو یہ تبلیغ کرتے رہے کہ اگر پونڈوں۔شلنگوں اور پنسوں سے حساب کیا جائے تو غلہ کی درآمد کے نتیجے میں اور انگلستان کی صنعت کے ذرائع کے پیش نظر دس گھنٹے کی محنت سرمایہ داروں کو دولت مند بنانے کے لیے کافی ہوگی (۲)۔دو سال بعد سرمائے کی یہ بغاوت انگلستان کی چار سب سے بڑی عدالتوں میں سے ایک کے فیصلے کی وجہ سے کامیابی سے ہمکنار ہوئی۔یہ عدالت کورٹ آف ایکچیکر۔(عدالت خزانہ) تھی جسے ایک مقدمے میں جو 8 فروری 1850ء کو اس کے سامنے آیا یہ فیصلہ دیا کہ کارخانہ دار 1844ء کے قانون کے مفہوم کے خلاف یقیناً عمل کر رہے ہیں مگر خود اس قانون میں بعض ایسے الفاظ موجود ہیں جنہوں نے اسے بے معنی بنا کر رکھ دیا ہے۔"اس فیصلے کی وجہ سے دس گھنٹے کا قانون منسوخ کر دیا گیا (۳)"۔مالکوں کا ایک گروہ جو کہ اس وقت تک

---

(۱) 30 اپریل 1819ء سے متعلق رپورٹوں کو (صفحہ 6) ملاحظہ کیجئے نیز شفٹوں کے نظام کی جو تفصیلی تشریح ہاول اور سنیڈ اس نامی انسپکٹروں نے کی ہے اسے "1848ء کی رپورٹوں وغیرہ میں دیکھئے۔علاوہ بریں ایشٹن اور مضافات کے پادریوں نے 1849ء کی بہار میں "شفٹ کے نظام کے خلاف جو پٹیشن ملکہ کو پیش کیا تھا اسے دیکھئے۔(۲) بطور مثال ملاحظہ ہو۔آر۔ایچ۔گرگ کی کتاب "کارخانے کا مسئلہ اور دس گھنٹے کے کام کا بل" 1837ء۔

نوجوانوں اور عورتوں کے لیے ریلے سسٹم استعمال کرنے سے ڈرتا تھا اب اسے دل و جان سے عمل میں لانے (۱) لگا۔

لیکن سرمائے کی اس ظاہر بظاہر فتح پر شدید جوابی ہیجان پیدا ہوا۔ اب تک مزدوروں نے انفعالی کو مسلسل اور بے لچک مدافعت کی تھی۔ مگر اب انہوں نے لنکا شائر اور یارک شائر کے دھمکی آمیز اجتماعات کے دوران سخت احتجاج کیا۔ اس طرح دس گھنٹے کا یہ نمائشی قانون ایک محض فریب اور پارلیمانی دھوکہ بازی تھا اور فی الواقع یہ کبھی وجود میں آیا ہی نہ تھا۔ کارخانوں کے انسپکٹروں نے ہنگامی طور پر حکومت کو متنبہ کیا کہ طبقاتی منافرت ناقابل بیان کشیدگی تک پہنچ گئی ہے۔ چند مالکوں نے بھی دبی زبان میں کہا کہ ''مجسٹریٹوں کے متضاد فیصلوں کی وجہ سے ایک بالکل غیر معمولی صورتحال جوانارکی سے پرہے پیدا ہوگئی ہے۔ لنکا شائر میں جو ایک قانون ہے وہ اس کے ٹھیک قریبی علاقے میں موجود نہیں ہے کارخانہ دار بڑے شہروں میں قانون کو نظرانداز کرسکتا ہے لیکن مفصلات کے علاقوں کا کارخانہ دار ریلے سسٹم چلانے کے لیے ضروری افراد حاصل نہیں کرسکتا۔ رہا ایک کارخانے سے دوسرے کارخانے منتقل کرنے کے لیے مزدوروں کا حصول تو وہ اور بھی مشکل ہے''۔ اور سرمائے کا پہلا پیدائشی حق یہ ہے کہ مزدور کی محنت کا تمام سرمایہ دار یکساں استحصال کریں۔

ان حالات میں مالکوں اور مزدوروں میں مفاہمت کرائی گئی جس پر پارلیمنٹ

(۳ حاشیہ پچھلا صفحہ) نئے نئے زائمنگ۔ پالشیشے۔ اوکونامیشے۔ ریویوے'' جسے کارل مارکس نے ایڈٹ کیا ہے۔ ماہ اپریل کا شمارہ 1850ء صفحہ 13) اسی عدالت ''عالیہ'' نے امریکہ کی خانہ جنگی کے دوران ایک لفظی ابہام دریافت کیا تھا جس کے نتیجے میں بحری قزاقی کرنے والے جہازوں کو مسلح کرنے کے خلاف جو قانون تھا اس کا مفہوم ہی یکسر الٹ کر رہ گیا تھا۔

(۱) رپورٹیں وغیرہ بابت اپریل 1850ء۔

نے 15 اگست 1850ء کا ایک اور قانون کارخانہ بنا کر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی۔ ''نوجوانوں اور عورتوں کے لیے'' یوم کار ہفتے کے پہلے پانچ دن میں دس گھنٹے سے بڑھا کر 1/2-10 گھنٹے کر دیا گیا اور سنیچر کے لیے 1/2-7 گھنٹے کام 6 بجے صبح سے 6 بجے شام تک جاری (۱) رہے گا اور 1/2-1 گھنٹہ۔ کھانے کے لیے ہوگا۔ کھانے کا یہ وقت سب کے لیے ایک ہی ساتھ ہوا کرے گا اور 1844ء کی شرطوں کے مطابق۔ اس طرح ''ریلے سسٹم'' کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا گیا (۲)۔ بچوں کی محنت کے لیے 1844ء کا قانون ہی نفاذ پذیر رہا۔

حسب سابق اس بار بھی مالکوں کی ایک جماعت نے پرولتاریہ کے بچوں پر خاص جاگیردارانہ اختیارات حاصل کر لیے۔ یہ جماعت ریشم بنانے والے کارخانے داروں کی ہے۔

1833ء میں انہوں نے دھمکی آمیز طرز میں شوروغوغا کیا تھا کہ ''اگر مزدور بچوں سے چاہے وہ کسی عمر کے بھی کیوں نہ ہوں دس گھنٹے یومیہ کام کرنے کی آزادی چھین لی گئی تو وہ کام کرنا بند کر دیں گے (۳)۔'' ان کے لیے 13 سال سے زائد عمر کے بچوں کا کافی مقدار میں حصول ناممکن ہے۔ چنانچہ جو رعایت وہ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ انہوں نے حاصل کر لی۔ بعد کو جو تحقیقات کی گئی اس سے واضح ہو گیا کہ انہوں نے جس عذر میں پناہ لی تھی وہ جانا بوجھا جھوٹ (۴) تھا تاہم دس سال تک وہ ان چھوٹے بچوں

---

(۱) سردیوں میں صبح 7 بجے سے شام کے سات بجے تک۔ (۲) موجودہ قانون (1850ء کا) ایک مفاہمت تھا جس کے ذریعے ملازم نے دس گھنٹے کام کی آسانی اس رعایت کی وجہ سے چھوڑی کہ جن مزدوروں کی محنت محدود ہے ان کے کام کے آغاز اور اختتام کا ایک ہی وقت کر دیا گیا۔ (رپورٹیں وغیرہ بابت 30 اپریل 1882ء صفحہ 14) (۳) رپورٹیں وغیرہ بابت ستمبر 1844ء صفحہ 13۔ (۴) بحوالہ سابق

کے نام سے جنہیں (کم قد ہونے کی وجہ سے مترجم) اسٹول پر کھڑا کرنا پڑتا تھا تا کہ وہ اپنا کام کرسکیں۔ دس گھنٹے یومیہ کام کرا کے ریشم بنانے سے نہ روکا جاسکا۔ 1844ء کے قانون نے البتہ ان سے اس بات کی ''آزادی'' ''چھین لی' کہ وہ 11 سال سے کم عمر کے بچوں کو 6-1/2 گھنٹے یومیہ سے زیادہ کام کراسکیں لیکن اس کے برعکس اس قانون کے ذریعہ انہیں گیارہ اور تیرہ سال کے بچوں سے دس گھنٹے یومیہ کام کرانے کی رعایت حاصل ہوگئی اور کارخانوں کے تمام بچوں کو جبریہ تعلیم دلانے کی جو ذمہ داری ان پر عائد ہوتی تھی مذکورہ بچوں کے معاملے میں وہ اس سے بھی بچ گئے۔ اس بار جو عذر کیا گیا وہ یہ تھا کہ ''اس کپڑے کا نازک ڈھانچہ جسے بنانے پر وہ ملازم ہیں اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ اسے آہستہ سے چھوا جائے اور کام کی اس جیسی نزاکت کو سیکھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ابتداء سے ان کارخانوں میں کام کریں (ا)''۔ یہ بچے اپنی نازک تر انگلیوں کی وجہ سے ذبح کیے جاتے رہے جس طرح جنوبی روس کے سینگوں والے مویشی اپنے چمڑے اور چربی کی وجہ سے ذبح کیے جاتے ہیں۔ تا آنکہ 1850ء میں وہ رعایت جو 1844ء میں دی گئی تھی ریشم کی بٹیاں بنانے اور ریشم کے دھاگے بنانے کے شعبوں تک محدود کردی گئیں۔ مگر اب سرمائے کو جو اپنی ''آزادی'' سے محروم ہوگیا تھا خوش کرنے کے لیے 11 سے 13 سال تک کے بچوں کے کام کا وقت 10 سال سے بڑھا کر 10-1/2 سال کردیا گیا۔ عذر ''ریشم کی ملوں میں محنت ہلکی ہوتی ہے بمقابلہ دوسرے کپڑوں کے کارخانے کے اور دوسرے اعتبارات سے بھی صحت کے لیے کم خطرات رکھتی ہے (۲) اس کے بعد طبی تحقیقات سے اس کے برعکس ثابت ہوا کہ ''ریشم بنانے والے

(ا) بحوالہ سابقہ۔

(۲) رپورٹیں وغیرہ بابت 31 اکتوبر 1861ء صفحہ 26۔

(۳) بحوالہ سابقہ صفحہ 27 [illegible] (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

علاقوں میں اوسط اموات بہت ہی زیادہ ہے اور آبادی کے نسوانی حصے میں تو لنکا شائر کے روئی کے اضلاع سے بھی زیادہ ہے(۱)۔ کارخانوں کے انسپکٹر کے احتجاج کے باوجود جو ہر 2 ماہ میں دہرایا جاتا ہے۔ یہ شرارت اب اس وقت تک جاری (۱) ہے

(جدول اگلے صفحہ پر)

(بقیہ حاشیہ) قانون کارخانہ کا اطلاق ہوتا ہے جسمانی طور پر کافی بہتر ہوگئی ہے اس معاملے پر طبی آراء بالکل متفق ہیں اور مختلف اوقات میں جو ذاتی مشاہدے میں نے کیے ہیں انہوں نے اس باب میں مجھے یقین دلا دیا ہے۔ لیکن اس کے باوجود۔ اس دہشت انگیز کثرت اموات کے علاوہ جو بچوں میں ان کی زندگی کے ابتدائی برسوں میں پائی جاتی ہے۔ ڈاکٹر گرین ہاؤ کی سرکاری رپورٹیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے علاقوں میں'' ''معمولی صحت رکھنے والے زراعتی اضلاع'' کی بہ نسبت صحت کی صورتحال ناموافق ہے۔ چنانچہ حسب ذیل جدول جو ان کی 1861ء کی رپورٹ سے حاصل کی گئی ہے اس کے ثبوت میں پیش ہے۔

(۱) یہ بات سب جانتے ہیں کہ انگلستان کے ''آزاد تجارت والوں'' نے کس قدر مشکل سے ریشمی صنعت کے تحفظ کی ڈیوٹی ختم کرنے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ اب فرانسیسی درآمد کے خلاف تحفظ کے بجائے انگلستان کے کارخانوں کے بچوں کے تحفظ کا فقدان [illegible]

صنعت کاری میں بڑی عمر کے جو مزدور ملازم ہیں ان کا اوسط	ایک لاکھ مزدوروں میں پھیپھڑوں کی بیماری سے موت کا اوسط	ضلع کا نام	ایک لاکھ عورتوں میں پھیپھڑے کی بیماری سے موت کا اوسط	صنعت کاری میں بڑی عمر کی عورتوں کا اوسط	عورتوں کے پیشے کی اقسام
9,14	598	ویگان بلیک	644	0,18	روئی بنی ہوئی
2,46	708	برن ہیلی	734	9,34	اون ریشم مٹی
3,37	547	فاکس بریڈفورڈ	564	4,20	کے برتن
9,41	611	میک لس فیلڈ	603	0,30	
0,31	691	لیک اسٹاک	804	0,26	
9,14	588	اپان ٹرنٹ	705	2,17	
6,36	721	وول اسٹانٹن	665	3,19	
4,30	726	صحت کے	727	9,13	
	305	آٹھ زراعتی اضلاع	340		

1850ء کے قانون نے صبح چھ بجے سے رات کے ساڑھے آٹھ بجے کے درمیان کے 15 گھنٹے صبح 6 بجے سے شام کے 6 بجے تک کے 12 گھنٹے کر دیے مگر صرف نوجوان افراد اور عورتوں کے لیے۔'' اور اس لیے اس کا اثر ان بچوں پر کچھ نہ ہوا جو اس مدت سے آدھ گھنٹے پہلے اور ڈھائی گھنٹے بعد ملازم رکھے جاتے تھے بشرطیکہ ان کی تمام محنت 6-1/2 گھنٹے سے زیادہ وقفے کی نہ ہو۔ جب بل زیر بحث تھا تو کارخانوں کے انسپکٹروں نے پارلیمنٹ کے سامنے وہ اعداد و شمار پیش کیے جن میں اس بے تکے بن کی وجہ سے جو شرمناک غلط کاریاں پیدا ہوئیں ان کی وضاحت کی گئی تھی۔ مگر نتیجہ کچھ نہ نکلا۔ دراصل پس منظر میں یہ ارادہ چھپا ہوا تھا کہ خوشحالی کے سالوں میں بڑی عمر کے مزدوروں کا یوم کار۔ بچوں کی مدد سے بڑھانے کی صورت پیدا کی جائے۔ آنے والے تین برس کا تجربہ ... ظاہر کرتا ہے کہ اس قسم کی کوشش بڑی عمر کے مزدوروں کی مزاحمت کی

وجہ سے کامیابی حاصل نہ کرے گی۔ بنابریں 1850ء کا قانون 1853ء میں تکمیل کو پہنچا جس میں اس بات کی ممانعت کردی گئی کہ ''نوجوان مردوں اور عورتوں کے صبح کام شروع کرنے سے پہلے اور شام کام ختم کرنے کے بعد بچوں سے کام نہ لیا جائے'' اس کے بعد مستثنیٰ مثالوں کے علاوہ 1850ء کے قانون کارخانہ نے صنعت کی ان شاخوں میں جو اس کے تحت آتی ہیں تمام مزدوروں کے لیے یوم کار کا تعین کردیا (۱)۔ پہلے قانون کارخانہ کے پاس ہونے کے بعد سے نصف صدی گزر چکی ہے (۲)۔

پہلی بار قانون کارخانہ'' 1845ء کے پرنٹ ورکس ایکٹس'' کے تحت اپنے ابتدائی دائرے سے باہر تک چلا گیا۔ اس ''زیادتی'' سے سرمایہ جتنا ناراض ہوا اس کا

---

(۱) 1859ء اور 1860ء کے دوران جو کہ انگلستانی صنعت کے عروج کے سال ہیں۔ چند کارخانہ داروں نے اوورٹائم کے لیے زیادہ اجرتیں دینے کا جھانسہ دے کر اس بات کی کوشش کی کہ بڑی عمر کے مزدور یوم کار میں توسیع پر راضی ہو جائیں۔ لیکن دستی کاتنے والوں اور خودکار مزدوروں نے اس تجربے کو اپنے مالکوں کے سامنے ایک پٹیشن پیش کر کے ختم کردیا جس میں کہا گیا تھا کہ ''صاف صاف بات یہ ہے کہ ہماری زندگی ہمارے لیے بوجھ بن گئی ہے اور جب ہم ملک کے دوسرے مزدوروں کے مقابل فی ہفتہ تقریباً دو دن زیادہ ملوں میں رہتے ہیں تو ہم کھیتوں میں کام کرنے والے علاقوں کی طرح اپنے آپ کو محسوس کرتے ہیں اور ہم ایک ایسے نظام کو دوام دے رہے ہیں جو ہمارے لیے اور آنے والی نسلوں کی صحت کے لیے تباہ کن ہوگا...... لہٰذا ہم آپ کو پوری عزت واحترام کے ساتھ نوٹس دیتے ہیں کہ اب کہ کرسمس اور سال نو کی تعطیلات کے بعد ہم کام شروع کریں گے تو ہم فی ہفتہ ساٹھ گھنٹے کام کریں گے اس سے زیادہ نہیں یا چھ بجے تک جس میں ڈیڑھ گھنٹے کا وقفہ بھی شامل ہوگا''۔ (رپورٹیں وغیرہ بابت 30 اپریل 1860ء صفحہ 30۔

(۲) اس قانون کے الفاظ میں اس کی خلاف ورزی کرنے کے لیے جو بندوبست کیا گیا تھا اس کے لیے ملاحظہ ہو پارلیمانی رپورٹ'' قواعد کارخانہ کا قانون''۔ (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

انحصار قانون کی ہر ہر سطر سے ہوتا ہے۔ یہ قانون یوم کار 8 سے 13 گھنٹے بچوں کے لیے اور عورتوں کے لیے 16 گھنٹے 6 بجے صبح سے دس بجے شام تک مقرر کرتا ہے جس میں کسیقسم کا کوئی قانونی وقفہ۔ موجود نہیں ہے۔ 13 سال سے زیادہ عمر کے مردوں کو دن رات کام کرنے کی اجازت دیتا ہے (۱)۔ اور اس طرح یہ پارلیمانی اسقاط حمل کی حیثیت رکھتا (۲)۔ تاہم جو اصول تھا وہ کامیاب ہو گیا۔ یہ کامیابی صنعت کی ان شاخوں میں ہوئی جو کہ جدید طرز پیداوار کی سب سے زیادہ مخصوص تخلیقات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ان شاخوں کی 1853ء سے لے کر 1860ء تک حیرت انگیز ترقی جس کے ساتھ ساتھ فیکٹری کے مزدوروں میں طبعی اور اخلاقی طور پر نئی زندگی پیدا ہوئی وہ ایک اندھے کو بھی نظر آتی ہے۔ نصف صدی کی خانہ جنگی کے بعد درجہ بدرجہ مالکوں سے جو قانونی پابندیاں اور قواعد منوانے میں کامیابی حاصل کی گئی اس سے ان توازن کا اندازہ ہوتا ہے جو ان شاخوں اور ان کے درمیان پایا جاتا ہے جن میں اب تک استحصال کی ''آزادی'' موجود ہے (۳)۔ ''فلسفہ معاشیات کے نمائشی علماء اب یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ ''ایک قانونی

(بقیہ حاشیہ) (6 اگست 1859ء) اس میں لیونارڈ ہارنر کے مشورے قوانین کارخانہ کی ترمیم سے متعلق تاکہ انسپکٹران خلاف قانون عمل کو جو آج کل عام ہو گئے ہیں روکنے میں کامیاب ہوسکیں''۔

(۱) 8 سال اور اس سے زائد عمر کے بچے بھی حقیقتاً 2 بجے صبح سے 6 بجے شام تک میرے ضلع میں آدھے سال تک ملازم رکھے جاتے تھے (رپورٹیں وغیرہ بابت 31 اکتوبر 1857ء صفحہ 39)۔

(۲) پرنٹ ورکس ایکٹ کی بابت یہ تسلیم کرلیا گیا کہ وہ ناکام ہو گیا یعنی اپنے تعلیمی مقاصد کے اعتبار سے بھی اور تحفظاتی مقصد سے بھی (رپورٹیں وغیرہ بابت 31 اکتوبر 1862ء صفحہ 52۔

(۳) چنانچہ مسٹر۔ ای پوٹر نے اخبار ٹائم کے 24 مارچ 1863ء کے پرچے میں ایک خط لکھا ہے جس میں یہی الفاظ استعمال کیے ہیں اخبار نے انہیں یاد دلایا ہے کہ کارخانے داروں نے دس

طور پر متعین یوم کار کا تعین ان کے ''علم'' کی دریافت (۱) ہے۔ یہ بات بہ آسانی سمجھی جاسکتی ہے کہ جب کارخانوں کے مالک تھک کر بیٹھ رہے اور ناگزیر کے سامنے انہوں نے سر جھکا دیا تو سرمائے کی قوت مدافعت آہستہ آہستہ کمزور ہوتی گئی جبکہ اس کے ساتھ ساتھ مزدور طبقے کی حملے کی قوت سماج کے ان طبقوں کے تعاون اور ہمدردی حاصل ہونے کی وجہ سے جو براہ راست اس مسئلے سے متعلق نہ تھے بڑھتی چلی گئی۔ اسی لیے 1860ء کے ارتقاء کی رفتار نسبتاً تیز ہوگئی۔

1860ء میں (۲) رنگائی اور کپڑے سفید کرنے کے کام 1805ء کے

---

(۱) ٹک کی ''نرخوں کی تاریخ'' کے ایڈیٹر اور تعاون کنندہ مسٹر ڈبلیو نیو مارچ نے اسی قسم کی بات لکھی ہے۔ مگر کیا رائے عامہ کو بزدلوں کی طرح رعایتیں دینا کوئی سائنسی ارتقاء ہے۔

(۲) 1860ء میں جو قانون پاس ہوا اس نے یہ طے کیا کہ رنگائی اور کپڑا سفید کرنے کے کارخانوں میں یکم اگست 1861ء سے یوم کار عارضی طور پر 12 گھنٹے کا ہونا چاہئے اور یکم اگست 1862ء سے دائمی طور پر دس گھنٹے یومیہ کا۔ یعنی 1/2-10 گھنٹے عام دنوں کے لیے اور 1/2-7 گھنٹے سنیچر کے لیے۔ لیکن جب 1862ء کا فیصلہ کن سال آیا تو پرانی دھوکے بازی کا پھر اعادہ ہوا۔ مزید یہ کہ کارخانہ داروں نے پارلیمنٹ کے سامنے پٹیشن پیش کیا کہ انہیں نوجوان مردوں اور عورتوں سے مزید ایک سال 12 گھنٹے کام کرانے کی اجازت دی جائے۔ ''تجارت کی موجودہ صورتحال میں (اس وقت جبکہ روئی کا قحط پڑا ہوا ہے) یہ بات مزدوروں کے بہترین مفادات کے مطابق ہے کہ وہ 12 گھنٹے یومیہ کام کریں اور جب ممکن ہو تو زیادہ اجرتیں حاصل کریں۔ اس مقصد کے لیے ایک بل بھی پیش کیا گیا۔'' اور اسکاٹ لینڈ کے کپڑا سفید کرنے کے کارخانوں کے ملازمین کے اقدام کے نتیجے میں یہ بل واپس لینا پڑا (رپورٹیں وغیرہ۔ بابت اکتوبر 1862ء صفحات 14 و 15) اس طرح انہیں مزدوروں کے ہاتھ شکست کھا کر جن کے نام پر سرمایہ یہ بل لانا چاہتا ہے۔ ان کارخانہ داروں نے اپنے قانونی مشیروں [illegible] 1860 [illegible] (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

قانون کے تحت آئے اور 1861ء میں سادہ کاری اور زرتار۔ نیز موزے سازی کے کام بھی اس قانون کے تحت آ گئے

بچوں کی ملازمت سے متعلق پہلے کمیشن کی رپورٹ کے نتیجے میں مٹی کے تمام برتن بنانے والے (صرف کمہاری کا کام نہیں) ماچس بنانے والے۔ بارود بھری ہوئی آتشیں ٹوپی۔ بندوق کی گولیاں۔ قالین اور موٹے چھوٹے کپڑے کاتنے کے کارخانوں کے مالک بھی مذکورہ قسمت میں حصہ دار بن گئے اور ''مصنوع کی تکمیل'' کرنے کے سلسلے میں جو صنعتی اعمال کئے جاتے ہیں وہ بھی اسی کی زد میں آ گئے۔

1863ء میں کھلی فضا (ا) میں کپڑا سفید کرنے کے کام اور طباخی کے کام کو بھی خاص قوانین کے تحت لے آیا گیا۔ جس کی وجہ سے سفیدی کے کام میں نوجوان لڑکوں اور عورتوں کی رات کے وقت محنت (رات کے آٹھ بجے سے صبح کے چھ بجے تک)

(بقیہ حاشیہ) کا قانون پارلیمنٹ کے دوسرے قوانین کی طرح ''مزدوروں کے تحفظ'' کے لیے تیار کیا گیا ہے گو اس میں مبہم جملے استعمال کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے انہیں ایسی بات کا عذر مل گیا کہ وہ اس قانون کے دائرے سے کپڑا چکنا اور صاف کرنے والوں اور کپڑے کو صاف اور ستھرا بنانے والوں کو الگ کرا دیں۔ انگلستان کے مجموعہ قوانین نے جو ہمیشہ سرمائے کا فرمانبردار خادم رہا ہے عام اعتذارت سننے والی عدالت کے ذریعے اس قانونی حیلہ بازی کی اجازت دے دی۔ ''مزدور سخت مایوس ہو گئے ہیں۔ انہوں نے کثرت کار کی شکایت کی ہے اور یہ بات بڑی افسوس کی ہے کہ ایک جملے کی غلط تعریف کی بناء پر قانون ساز اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام ہو جائیں (بحوالہ سابقہ صفحہ 18)۔

(ا) کھلی فضا میں کپڑا سفید کرنے والے'' کارخانوں کے مالک 1860ء میں یہ جھوٹ بول کر قانون سے بچ گئے کہ کوئی عورت رات میں یہ کام کرنے پر راضی نہیں۔ کارخانوں کے انسپکٹروں نے اس جھوٹ کا بھانڈا پھوڑ دیا۔ ساتھ ہی مزدوروں کے پٹیشن کے نتیجے میں پارلیمنٹ نے اس خیال کو خیر باد کہہ دیا کہ ٹھنڈے سبزہ زار کی خوشبو میں کپڑا سفید اور چکنا کرنے (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اور طباخی کے کام میں 18 سال سے کم عمر کے پھیری والے نانبائیوں کا شام کے نو بجے سے صبح پانچ بجے تک ملازم رکھنا ممنوع کر دیا گیا۔ ہم اس کمیشن کی بعد کی تجاویز پر بحث

(بقیہ حاشیہ) کا کام ہوسکتا ہے۔ اس فضائی سفید سازی کے دوران کپڑے خشک کرنے کے کمرے 90 سے 100 ڈگری فارن ہائٹ تک گرم رکھے جاتے ہیں جن میں زیادہ تر لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ خشک کرنے والی لڑکیاں ان کمروں سے کبھی کبھی کھلی فضا میں آ جاتی ہیں جس کے لیے ''ٹھنڈی ہوا'' کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔ 15 لڑکیاں آتشدانوں پر کام کرتی ہیں۔ 80 سے 90 ڈگری تک گرمی عام سوتی کپڑے کے لیے اور 100 یا اس سے زیادہ مہین سوتی کپڑے کے لیے ہوتی ہے۔ ایک چھوٹی سے کمرے میں جو دس مربع فیٹ ہوتا ہے اور جس کے وسط میں یہ آتشدان ہوتا ہے 12 لڑکیاں گرم استری کپڑے پر چلاتی رہتی ہیں۔ یہ لڑکیاں آتشدان کے چاروں طرف کھڑی ہوتی ہیں اور اس سے بڑی شدید حرارت برآمد ہوتی رہتی ہے۔ یہ حرارت مہین کپڑوں کو خشک کر دیتی ہے جس کے بعد وہ استری کرتی ہیں۔ ان لڑکیوں کے ساعات کار لامحدود ہیں۔ اگر زائد کام ہو تو رات کے 9 سے 12 تک ہر رات میں کام کرتی ہیں۔ (رپورٹیں وغیرہ بابت 31 اکتوبر 1862ء صفحہ 52) شعبہ طب سے متعلق ایک صاحب بیان کرتے ہیں کہ ''ٹھنڈی ہوا کھانے کے لیے ساعات مخصوص نہیں کی گئیں لیکن اگر ٹمپریچر بہت زیادہ بڑھ جائے یا پسینے کی وجہ سے مزدوروں کے ہاتھ خراب ہو جائیں تو وہ چند منٹ کے لیے باہر جا سکتے ہیں...... آتشدان پر کام کرنے سے جو امراض پیدا ہوئے ہیں ان کے علاج کے سلسلے میں میرا تجربہ بڑا طویل ہے۔ یہ تجربہ مجھے مجبور کرتا ہے کہ میں یہ رائے ظاہر کروں کہ ان کے لیے صحت کے حالات اتنے اچھے نہیں ہیں جس قدر کاتنے کے کارخانوں کے مزدوروں کے حالات بہتر ہیں۔ (اور سرمائے نے ان کے حالات کی بڑی ہی خوش آئند تصویر کھینچی ہے) ان میں جو امراض خاص طور پر نظر آتے ہیں وہ یہ ہیں سل، نرخرے کی نالیوں کا ورم۔ پیشاب کے نظام میں گڑبڑ، اختناق الرحم انتہائی سخت شکل میں۔ اور گنٹھیا میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ سب امراض بلاواسطہ اور بالواسطہ ان کمروں میں جن میں مزدور کام کرتے ہیں۔ گندی اور شدید گرم (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کریں گے۔ جن کے ذریعے زراعت معدنیات اور ذرائع مواصلات کے علاوہ (۱) انگلستانی صنعت کی تمام شاخوں کو ان کی ''آزادی'' سے محروم کر ڈالنے کی دھمکی دی گئی ہے

❖

(بقیہ حاشیہ) ہوا کی وجہ سے اور ان کے ناکافی لباس کی وجہ سے جو کہ انہیں سردی اور تری سے جب سردیوں میں وہ گھروں کو واپس جاتے ہیں محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ پیدا ہوئے ہیں۔(بحوالہ سابقہ صفحات 55-57)1860ء کے ضمنی قانون پر کارخانوں کے انسپکٹروں نے جو تبصرہ کیا وہ یہ تھا (یاد رہے اس ضمنی قانون کو کھلی ہوا میں کپڑا سفید کرنے والوں سے غیر متعلق کر دیا گیا تھا) کہ یہ قانون نہ صرف یہ کہ مزدوروں کو وہ تحفظ مہیا کرنے میں ناکام رہا ہے جو وہ مہیا کرنا چاہتا ہے بلکہ ایک ایسی دفعہ پر مشتمل ہے...... جو بظاہر ایسے الفاظ سے مرکب ہے کہ اگر کسی شخص کو 8 بجے رات کے بعد کام کرتے پکڑ ہی نہ لیا جائے تو پھر یہ مزدور کسی تحفظی دفعہ کے تحت ہی نہیں آتے اور اگر وہ 8 بجے کے بعد کام بھی کریں تو ثبوت مہیا کرنا اتنا مشکل ہے کہ سزا دلانا ممکن نہیں (بحوالہ سابقہ صفحہ 52)''لہٰذا تمام عملی مقاصد کے اعتبار سے ایک ایسا قانون ہونے کی حیثیت میں جو سودمند اور تعلیمی ہو یہ محض ناکام ہے اس لیے کہ یہ بات تو بمشکل ہی مزدورو کے لیے سودمند قرار دی جا سکتی ہے کہ بچوں اور عورتوں کو 14 گھنٹے کھانے کا وقفہ ملے یا بے ملے بغیر جیسی بھی صورت ہو بلکہ غالباً اس سے بھی زائد وقت (عمر کا لحاظ کیے بغیر۔ جنس کی پرواہ کیے بغیر اور اس کارخانے سے جس میں سفید کرنے اور رنگ کرنے کا کام ہوتا ہے۔ اطوار کی پرواہ کیے بغیر) کام کرنے کی اجازت دی جائے بلکہ یوں کہیے کہ انہیں مجبور کیا جائے''۔ (رپورٹس وغیرہ بابت 30اپریل 1863ء صفحہ 40)۔

(۱) کتاب کے دوسرے ایڈیشن کا نوٹ۔ 1866ء سے جب میں نے مذکورہ عبارت لکھی تھی ایک ردعمل پیدا ہونا شروع ہو گیا۔

فصل ہفتم

معمولی یوم کار کے لیے جدوجہد۔ انگلستانی قانون کا دوسرے ممالک پر ردعمل

یہ بات قاری کے ذہن میں ہوگی کہ قدر زائد یا زائد محنت کا استحصال سرمایہ داری طرز پیداوار کا خاص مدعا۔ مقصد۔ جوہر اور خلاصہ ہوتا ہے قطع نظر اس امر کے کہ طرز پیداوار میں کیا تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں جو کہ محنت کے سرمائے کے زیر اثر آنے سے رونما ہوا کرتی ہیں قاری کو یاد ہوگا کہ اب تک ہم جس نقطے تک پہنچے ہیں آزاد مزدور جو قانوناً اپنی طرف سے قدم اٹھانے کا حق رکھتے ہیں سرمایہ دار سے اس حیثیت سے معاہدہ کرتے ہیں کہ مزدور ایک جنس کے فروخت کرنے والے ہیں۔ لہٰذا اگر تاریخ کے اس خاکے میں جو ہم نے پیش کیا ہے۔ ایک طرف جدید صنعت اور دوسری طرف ان لوگوں کی محنت جو جسمانی اور قانونی طور پر نابالغ ہیں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ اس میں اول الذکر ہمارے لیے صرف ایک ہی شعبہ ہے اور ثانی الذکر صرف ایک خاص اہم مثال ہے مزدوروں کے استحصال کی۔ آئندہ ہماری جو بحث ہوگی اس کے کیا نتائج نکلیں گے ان کو فوری طور پر معرض بحث میں لائے بغیر صرف تاریخی حقائق کو ایک دوسرے سے مرتبط کر کے اس وقت جو صورتحال سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ:

اول: یہ کہ سرمایہ یوم کار کی توسیع کے لیے جو لامحدود اور بے رحمانہ خواہش رکھتا ہے وہ ابتداء میں ان صنعتوں میں تسکین پاتی ہے۔ جن میں آبی قوت۔ بھاپ اور مشینری نے پہلے پہل انقلاب برپا کیا۔ یعنی جدید طرز پیداوار کی تخلیقات۔ روئی۔ اون۔ سن اور ریشم کی کتائی اور بنائی میں۔ مادی طرز پیداوار میں تبدیلیوں اور انہی کی نسبت سے پیداوار کنندگان (۱) کے سماجی رشتوں میں تبدیلیوں نے پہلے تو لامحدود زیادتیوں کو جنم دیا اور پھر ان کی مخالفت پیدا کر دی جس کی وجہ سے سماج پر یہ بوجھ آ پڑا کہ وہ ان حالات پر کنٹرول کرے۔ چنانچہ سماج یوم کار اور اس کے درمیانی وقفوں کو محدود کرتی ہے۔ قانون کے تحت لاتی ہے اور یکساں بناتی ہے۔ چنانچہ یہ کنٹرول انیسویں صدی کے پہلے نصف میں صرف غیر معمولی قسم کی قانون سازی کی صورت میں رونما ہوا (۲)۔ جوں ہی نئے طرز پیداوار کا یہ قدیم دائرہ مفتوح ہوا تو یہ پتہ چلا کہ اسی دوران میں نہ صرف یہ کہ پیداوار کی بہت سی شاخیں اسی نظام کے تحت آ گئیں بلکہ کم و بیش فرسودہ طریقوں سے کام کرنے والے کارخانہ دار جیسے مٹی کے برتن بنانے والے اور شیشہ سازی کرنے والے وغیرہ بالکل پرانے طرز کی دستکاریاں جیسے طباخی اور آخر میں وہ صنعتیں جو گھریلو کہی جاتی ہیں جیسے گھروں (۳) کی گل کاری۔ یہ سب عرصے سے کارخانوں کی طرح مکمل طور پر

---

(۱) ان دونوں طبقات (سرمایہ دار اور مزدور) میں سے ہر ایک کا طرز عمل اس اضافی صورتحال کی پیداوار ہوتا ہے جس صورتحال میں ان میں سے ہر طبقہ رہتا ہے۔ (رپورٹیں وغیرہ۔ بابت 31 اکتوبر 1847ء صفحہ 113) (۲) جن صنعتوں پر پابندی لگائی گئی وہ ایسی لباس سازی کی صنعت ہے جو بھاپ یا پانی کی قوت سے چلنے والی مشینوں سے تعلق رکھتی ہے۔ دو شرطوں کے تحت کسی کی ملازمت کو آنا چاہیے تا کہ اس کا معائنہ کیا جا سکے۔ یعنی بھاپ یا پانی کی قوت کا استعمال اور چند متعین قسم کے کپڑوں کا بننا۔ (رپورٹیں۔ بابت 31 اکتوبر 1864ء صفحہ 8)۔

(۳) نام نہاد گھریلو صنعتوں کی حالت کے بارے میں بڑا قیمتی مواد (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

سرمایہ داری طرز پیداوار کے تحت آ گئیں لہٰذا قانون اس بات پر مجبور ہوا کہ تدریجی طور پر اپنی مستثنیٰ نوعیت سے چھٹکارا حاصل کرے۔ یا جہاں روم کے قانونی موشگافیاں کرنے والوں کی طرح کی صورتحال تھی جیسے انگلستان میں سو ہر اس گھر کو جہاں کام ہوتا تھا کارخانہ قرار دینے کا اعلان کر دے (۱)۔

دوئم: پیداوار کی بعض شاخوں میں یوم کار سے متعلق جو قوانین بنائے گئے ان کی اور اس جدوجہد کی تاریخ جو اس نوع کا قانون بنانے کے سلسلے میں دوسری شاخوں میں جاری ہے یہ بات قطعی طور سے ثابت کر دیتی ہے کہ ایک تنہا مزدور۔ یعنی مزدور اس حیثیت سے کہ وہ اپنی قوت محنت کا۔ آزادی کے ساتھ فروخت کرنے والا ہے۔ جب سرمایہ داری طرز پیداوار ایک مرتبہ ایک خاص درجے پر پہنچ جاتا ہے تو بغیر کسی قوت مزاحمت کے کامیاب ہو جاتا ہے لہٰذا ایک معمولی یوم کار کا حصول ایک طویل جدوجہد کی وجہ سے ممکن ہو سکا جو کہ کم و بیش مخفی انداز میں سرمایہ دار اور مزدور طبقے کے درمیان جاری ہے۔ چونکہ یہ جدوجہد جدید صنعت کے میدان میں رونما ہو رہی ہے تو وہ پہلے جدید صنعت کے گھر انگلستان میں شروع ہوئی (۲)۔ انگلستان کے کارخانے کے مزدور نہ

(بقیہ حاشیہ) چلڈرنس ایمپلائمنٹ کمیشن کی تازہ تر رپورٹوں میں موجود ہے۔

(۱) پارلیمنٹ کے آخری اجلاس کے قوانین (1864ء)..... متنوع شعبوں کو اپنے دائرے میں لیتے ہیں جن کے رواج ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔ مشین کو حرکت میں لانے والی میکانیکی قوت اب ان ضروری عناصر میں شامل نہیں سمجھی جاتی جو قانونی اصطلاح میں ''کارخانے'' کا تعین کرتی ہیں (رپورٹیں وغیرہ بابت 31 اکتوبر 1864ء صفحہ 8)۔

(۲) بلجیم جو براعظم یورپ میں لبرل نقطہ نظر کی جنت ہے اس نوع کی تحریک سے واقف نہیں ہے کوئلے اور دھات کی صنعتوں میں بھی۔ دونوں صنعتوں سے تعلق رکھنے والے اور ہر عمر کے مزدور مکمل

صرف انگریزی مزدوروں بلکہ عموماً عہد جدید کے سارے مزدوروں کے قائد کی حیثیت رکھتے ہیں جیسے کہ ان کے نظریہ نواز سرمائے کا نظریہ سمجھنے میں سب کے پیشرو ثابت ہوئے (۱) چنانچہ کارخانے کے فلسفی۔ آور نے اس بات کو برطانوی مزدور طبقے پر بدنما داغ قرار دیا کہ مزدوروں نے ''قوانین کارخانہ کی غلامی'' اس جھنڈے پر لکھوایا جسے انہوں نے سرمائے کے خلاف اٹھایا تھا ''مزدوروں کی مکمل آزادی'' کے لیے جرأت مندانہ سعی کرتے ہوئے (۲) فرانس آہستہ آہستہ اور لنگڑاتا ہوا انگلستان پیچھے چل رہا

(بقیہ حاشیہ) گل سڑ رہے ہیں ہر ایک ہزار ملازم مزدوروں میں سے 733 مرد۔ 88 عورتیں اور 135 بچے ہوتے ہیں۔ ان میں 44 لڑکیاں 16 سال سے کم۔ اور انجن بھٹی۔ وغیرہ پر کام کرنے والوں میں سے ہر ایک ہزار میں سے 688 مرد۔ 149 عورتیں 98 بچے اور 58 لڑکیاں ہوتی ہیں جن کی عمر 16 سال سے کم ہے۔ اس کے ساتھ اجرتوں کی کمی کو بھی پیش نظر رکھیے جن کے ذریعے بڑے اور چھوٹے مزدوروں کی قوت محنت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ مرد کی اوسطاً یومیہ آمدنی 2 شلنگ 6 پنس ہے۔ عورت کی ایک شلنگ آٹھ پنس اور بچے کی ایک شلنگ 2-1/2 پنس۔ چنانچہ نتیجہ یہ کہ 1863ء میں بلجیم 1865ء کی بہ نسبت کوئلے اور لوہے وغیرہ کی اپنی برآمد قیمت اور مقدار دونوں میں دوگنی کر دینے کے قابل ہو گیا۔

(۱) 1811ء کے فوراً بعد رابرٹ آوون نے نہ صرف یہ کہ یوم کار کی تجدید کا نظریہ قائم کیا بلکہ نیو لینارک کے اپنے کارخانے میں دس گھنٹے کا یوم کار رائج بھی کیا۔ اس کے اس اقدام کو کمیونسٹ یوٹوپیا قرار دیا گیا۔ اس طرح اس نے ''بچوں کی تعلیم کو پیداواری محنت سے ملانے'' کی جو کوشش کی اسے بھی یہی خطاب دیا گیا۔ مزدوروں کی امداد باہمی کی انجمنیں بھی سب سے پہلے اسی نے بنائیں۔ آج پہلا یوٹوپیا قانون کارخانہ ہے اور دوسرا وہ جملہ جو تمام سرکاری قانونوں میں استعمال ہوتا ہے یعنی ''بچوں کی تعلیم اور پیداواری محنت کی ہم آہنگی'' اور تیسرا یعنی تحریک امداد باہمی سو اسے رجعت پسندانہ دھوکے بازی کے لیے ابھی سے استعمال کیا جانے لگا ہے۔

(۲) اور فرانسیسی ترجمہ فلاسفی آف مینوفیکچرز پیرس 1836 جلد دوم (بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر)

ہے۔انقلاب فروری کا آنا 12 گھنٹے کا یوم کار متعین کرنے کے لیے ضروری تھا(۱)۔ جو کہ اپنے اصلی انگلستانی قانون سے کئی پہلوؤں سے ناقص ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود فرانس کا انقلابی طریقہ چند خوبیوں کا مالک ہے۔ اس طریقے کے تحت تمام دوکانوں اور کارخانوں میں یوم کار کی یکساں حدود رکھی گئی ہیں اور اس میں کوئی امتیاز نہیں برتا گیا جبکہ انگریزی قانون بڑی کراہت کے ساتھ حالات کے دباؤ کے سامنے سر جھکاتا ہے مگر کبھی کسی ایک نقطے اور کبھی کسی دوسرے پر اور اس لیے نتیجہ یہ ہے کہ وہ متضاد قانون سازی کے جھیلے میں پھنس کر رہ گیا ہے(۲)۔ اس کے برعکس فرانسیسی قانون نے اس چیز

(بقیہ حاشیہ) صفحات 77-67-39-40 وغیرہ

(۱) شماریات کی بین الاقوامی کانگریس منعقدہ پیرس 1850ء کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ''فرانسیسی قانون جو کارخانوں اور ورکشاپوں میں یوم کار کو 12 گھنٹے تک محدود کرتا ہے۔ کام کو متعین ساعات کے درمیان محدود نہیں کرتا۔ البتہ بچوں کی محنت کے لیے یوم کار 5 بجے صبح سے 9 بجے رات تک مقرر کیا گیا۔ اوقات سے متعلق اس مہلک خاموشی نے بعض مالکوں کو اس بات کا حق دے دیا کہ وہ روزانہ اتوار کے ممکن استثناء کے ساتھ اپنے کارخانوں کو چلاتے رہیں۔ اس مقصد کے لیے وہ مزدوروں کی دو مختلف جماعتوں کو استعمال کرتے ہیں جن میں سے کوئی بھی 12 گھنٹے سے زیادہ کسی ایک وقت موجود نہیں رہتی لیکن کارخانے کا کام رات دن جاری رہتا ہے۔ قانون کی تو تسلی ہو جاتی ہے مگر انسانیت؟'' جسم انسانی پر شبینہ کام کا جو تباہ کن اثر پڑتا ہے اس کے علاوہ زور اس بات پر بھی دیا گیا ہے کہ '' دونوں اصناف کی رات کے وقت ایک جگہ موجودگی۔ ایک ہی جیسے گندہ ورکشاپوں میں تباہ کن اثر ڈالتی ہے''۔

(۲) بطور مثال خود میرے ضلع میں ایک شخص ہے۔ مالک مکان جو قانون اراضی متعلق مکانات کی رو سے ایک ہی وقت میں بلیچنگ اور ڈائنگ ورکس ایکٹ کے تحت کپڑا سفید کرنے والا بھی ہے

کوسب کے لیے بطور اصول کے مان لیا ہے جسے انگلستان میں بچوں نابالغوں اور عورتوں کے نام پر حاصل کیا گیا ہے اور اب بالکل حالیہ زمانے میں پہلی بار ایک حق کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے(۱)۔

ریاستہائے متحدہ شمالی امریکہ میں ہر آزاد تحریک اس وقت تک مفلوج رہی جب تک امریکی جمہوریہ پر غلامی کا کلنک کا ٹیکہ لگا رہا۔ مزدور سفید رنگ میں اس وقت تک اپنے آپ کو آزاد نہیں کرا سکتا جب تک سیاہ رنگت میں وہ غلام ہے البتہ غلامی کی موت سے فوراً ہی ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی۔ خانہ جنگی کا پہلا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ 8 گھنٹے کے یوم کار کی تحریک وجود میں آ گئی جو تیزی کے ساتھ اوقیانوس سے لے کر بحرالکاہل تک اور انگلینڈ سے لے کر کیلیفورنیا تک پھیل گئی۔ بالٹی مور میں (16 اگست 1866ء) کو مزدوروں کی جنرل کانگریس کا اجلاس ہوا اس نے اعلان کیا کہ ''موجودہ وقت کی پہلی اور سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ اس ملک کے مزدوروں کو سرمایہ دار کی غلامی سے آزاد

(بقیہ حاشیہ) کی نفاست کی تکمیل کرنے والا بھی ہے۔ (31 اکتوبر 1861ء صفحہ رپورٹس وغیرہ میں مسٹر بیکر کی رپورٹ) اس قانون کی مختلف دفعات اور ان سے جو پیچیدگیاں پیدا ہوئی ہیں انہیں گننے کے بعد مسٹر (بقیہ حاشیہ) بیکر کہتے ہیں کہ ''اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ اگر کارخانے کی عمارت کا مالک قانون سے بچنا چاہے تو پارلیمنٹ کے ان تینوں قوانین کا عمل میں لانا مشکل ہوگا''۔ البتہ اس سے قانون دان جس بات کا یقین حاصل کر سکتے ہیں وہ مقدمات کا موجود رہنا ہے۔

(۱) چنانچہ کارخانوں کے انسپکٹران کو آخر کار یہ کہنا پڑا کہ ''یہ اعتراضات (جو سرمائے نے یوم کار کی معقول تحدید پر وارد کیے ہیں) حق محنت کے وسیع تر اصول کے سامنے ختم ہو کر رہ جاتے ہیں..... ایک وقت ایسا آتا ہے جب مالک اپنے مزدور کی محنت پر جو استحقاق رکھتا ہے وہ ختم ہو جاتا ہے اور مزدور کا وقت اس کا اپنا بن جاتا ہے چاہے مزدور تھکا ہوا ہو یا نہ ہو (رپورٹیں وغیرہ بابت 31 اکتوبر 1862 صفحہ 45)

کرائے جانے کے لیے ایک ایسا قانون بنوایا جائے جس کے ذریعے امریکی یونین کی تمام ریاستوں میں معمولی یوم کار آٹھ گھنٹے کا ہو۔ جب تک یہ شاندار مقصد حاصل نہ ہوگا ہم اپنی پوری طاقت سے تحریک جاری رکھیں گے(۱)۔

اس زمانے میں جنیوا میں بین الاقوامی مزدور انجمن نے لندن جنرل کونسل کی تجویز پر یہ قرارداد منظور کی کہ "یوم کار کی تحدید ابتدائی شرط ہے جس کے بغیر اصلاح اور مزدوروں کی آزادی کی تمام مساعی رائیگاں رہیں گی...... کانگریس تجویز کرتی ہے کہ یوم کار کی قانونی حد آٹھ گھنٹے ہونا چاہیے"۔

اس طرح اوقیانوس کے دونوں بازوؤں میں مزدوروں کی تحریک جو کہ خود حالات پیداوار سے فطری طور پر پیدا ہوئی تھی انگلستان کے کارخانے کے انسپکٹر آر۔ جے۔ سانڈرس۔ کے ان الفاظ کی تصدیق کا سبب بن گئی کہ "سماج کی اصلاح کے لیے مزید اقدامات کامیابی کی توقع قائم کر کے اس وقت تک نہیں کیے جاسکتے جب تک ساعت کار کی تحدید نہ کی جائے اور جو حدود متعین کی جائیں ان پر سختی کے ساتھ عمل نہ ہو(۲)۔

---

(۱) ہم ڈنکرک کے مزدور اعلان کرتے ہیں کہ موجودہ نظام کے تحت مزدوروں سے جتنے وقت کام کرنے کی توقع کی جاتی ہے وہ بہت زیادہ ہے اور اس طوالت وقت کی وجہ سے مزدور کو آرام کرنے اور تعلیم حاصل کرنے کا تو کیا وقت ملتا مدت کار کی یہ زیادتی اسے غلامی سے کچھ ہی بہتر حالت میں رکھتی ہے۔ اسی لیے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ یوم کار کے لیے آٹھ گھنٹے کا وقت بالکل کافی ہے اور یہ ضروری ہے کہ قانون بھی اس مدت کو کافی تسلیم کرے۔ اسی لیے ہم اس مقصد کے حصول میں طاقتور ترذریعے یعنی اخبارات کی مدد مانگتے ہیں...... اور اسی لیے ہم ان تمام افراد کو جو اس مدد کے دینے سے انکار کریں محنت کی اصلاح اور مزدور کے حقوق کا دشمن خیال کرتے ہیں (ڈنکرک کے مزدوروں کی قرارداد۔

یہ بات بھی ماننی پڑے گی کہ ہمارا مزدور عمل پیداوار سے نکل کر جب لوٹتا ہے تو وہ بدلا ہوا ہوتا ہے۔ بازار میں وہ جنس "قوت محنت" کا مالک ہوتا ہے اور دوسری اسکی ہی اجناس کے مالکوں کے مقابل ہوتا ہے۔ فروخت کنندہ فروخت کنندہ کے مقابل جس معاہدے کے ذریعے اس نے اپنی قوت محنت سرمایہ دار کے ہاتھ بیچی ہے واضح طور پر یہ ثابت کرتی ہے کہ اس نے آزادی کے ساتھ اپنے آپ کو فروخت کر ڈالا۔ مگر جب معاملت ہو چکتی ہے تو یہ دریافت ہوتا ہے کہ اب وہ ایک "آزاد شخص" باقی نہیں رہا اور یہ کہ وہ وقت جس کے لیے وہ اپنی قوت محنت بیچنے میں آزاد ہے ایسا وقت ہے جس کو وہ بیچنے پر مجبور ہوا ہے(۱)۔ اور یہ کہ خونِ آشام عفریت اس وقت تک اپنی گرفت کو ڈھیلا نہ کرے گا "جب تک عضلات۔ اعصاب اور خون کا ایک وہ قطرہ موجود ہے جس کا استعمال کیا جا سکتا ہے" (۲) جو سانپ انہیں ڈس رہا ہے اس کے خلاف "تحفظ" کے لیے مزدوروں کو متحد ہو جانا چاہئے اور ایک طبقے کی حیثیت سے ایک قانون بنوانے پر مجبور کرنا چاہئے۔ تاکہ یہ قانون ایک طاقتور ترین سماجی رکاوٹ ہو جو خود مزدوروں کو

(۱) دستکاریاں (بطور مثال دھوپلیں جو سرمایہ نے 1848ء۔1850ء سے چلیں) اس دعوے کی واضح طور پر تردید کرتی ہے جو اکثر کیا جاتا رہا ہے کہ مزدوروں کو تحفظ کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ انہیں اس واحد جائیداد کی فروخت کے بارے میں قطعاً آزاد سمجھنا چاہئے جب کہ وہ مالک ہیں یعنی ان کے ہاتھوں کی محنت اور ان کے ماتھے کی پسینہ۔ (رپورٹ وغیرہ بابت 30 اپریل 1850ء صفحہ 45) آزاد محنت (اگر اسے آزاد کہا جا سکے) ایک آزاد ملک میں بھی اس بات کی متقاضی ہے کہ قانون کا مضبوط ہاتھ اس کا تحفظ کرے۔ (رپورٹ وغیرہ بابت 31 اکتوبر 1864ء صفحہ 44) "جس کی اجازت دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ...... 14 گھنٹے کھانے کا وقفے کے ساتھ یا بغیر اس کے۔ کام کرنے پر مجبور کیا جائے۔ رپورٹ وغیرہ بابت 30 اپریل 1863ء صفحہ 40)۔

رضا کارانہ معاہدے کے ذریعے اپنے اور اپنے خاندان کو غلامی اور موت کے غار میں دھکیلنے کے لیے سرمائے کے ہاتھوں فروخت کرنے سے روکے(۱)۔ ''انسان کے ناقابل انتقال حقوق'' کی پرشکوہ فہرست کی جگہ قانوناً محدود شدہ یوم کار کے ایک معمولی قسم کے منشور کو آنا چاہئے جو اس بات کو واضح کردے کہ ''وہ وقت کب ختم ہوتا ہے جسے مزدور نے فروخت کر دیا ہے اور وہ وقت کب شروع ہوتا ہے جو اس کا اپنا ہے(۲)۔''

---

(۱) دس گھنٹے کے دن نے صنعت کی ان شاخوں میں جو اس کے تحت باقی ہیں۔ ان قدیم مزدوروں کی قبل از وقت ضعف واماندگی کا خاتمہ کر دیا جو طویل عرصے کام کرتے تھے'' (رپورٹس وغیرہ بابت 31 اکتوبر 1859ء صفحہ 47۔ ''سرمایہ (کارخانوں میں) ایک محدود وقت سے زیادہ مشین کو حرکت میں نہیں رکھ سکتا مگر وہ ان مزدوروں کی صحت اور اخلاق کے لیے تباہ کن ثابت ہوگا جو اس کے ملازم ہیں اور اپنا تحفظ نہیں کر سکتے۔ (بحوالہ سابقہ صفحہ 8)

(۲) ایک اور رحمت یہ ہوئی کہ مال کار مزدور کے وقت اور ان کے مالک کے وقت کے درمیان امتیاز قائم ہوا۔ اب مزدور یہ جانتا ہے کہ اس نے جو وقت بیچا ہے وہ کب ختم ہوتا ہے اور وہ وقت جو اس کا ہے کب شروع ہوتا ہے اور اس کی پیشگی معلومات ہونے کی وجہ سے وہ اپنے لمحات اپنے ذاتی مقاصد میں صرف کرنے کا منصوبہ بنا سکتا ہے (بحوالہ سابقہ صفحہ 52)۔ انہیں اپنے وقت کا مالک بنا کر (قوانین کارخانہ نے) ان میں اخلاقی توانائی پیدا کر دی جو ان کی رہنمائی کر رہی ہے کہ وہ مال کار سیاسی قوت پر قابو حاصل کر لیں (بحوالہ سابقہ صفحہ 47) دبی ہوئی ستم ظریفی اور بے حد متوازن الفاظ میں کارخانوں کے انسپکٹروں نے اس طرف بھی اشارہ کیا کہ عملاً جو قانون ہے وہ سرمایہ داروں کو بھی اس بربریت سے جو اس شخص کے لیے فطری ہوتی ہے جو صرف سرمایہ کا مجسمہ ہوتا ہے کسی حد تک نجات دلا دیتا ہے اور اسے وقت دیتا ہے کہ وہ تھوڑا بہت ''کلچر'' سے تعلق قائم کر سکے۔ اس سے پہلے مالک روپے کے علاوہ اور کسی کے لیے وقت نہ دیتا تھا اور ملازم محنت کے علاوہ اور کسی کام کے لیے وقت نہ

باب یازدہم

قدرزائد کا نرخ اور مجموعی مقدار

اس باب میں پہلے کی طرح فرض یہ کیا گیا ہے کہ قوت محنت کی قیمت اور یوم کار کا وہ حصہ جو اس قوت محنت کی بحالی اور بقا کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ وہ دونوں متواتر مقداروں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ تو رہی نرخ کی بات مگر ساتھ ہی اس قدرزائد کی مجموعی مقدار بھی دے دی گئی ہے جو ایک مزدور ایک مقررہ مدت میں سرمایہ دار کو مہیا کرتا ہے۔ اگر بطور مثال یہ ضروری محنت روزانہ چھ گھنٹے کی ہو جسے سونے کی مقدار میں ظاہر کیا جائے اور برابر ہو 3 شلنگ کے تو 3 شلنگ ایک مزدور کی محنت کی قدر یا قیمت ہے یا وہ قیمت ہے اس سرمائے کی جو ایک مزدور کی قوت محنت کی خرید میں لگایا گیا ہے۔ مزید برآں اگر قدرزائد کا نرخ =100% کے تو تین شلنگ کا یہ متغیر سرمایہ 3 شلنگ قدرزائد کی مجموعی مقدار پیدا کرتا ہے یا یہ مزدور روزانہ 6 گھنٹے کے بقدر قدرزائد کی مجموعی مقدار پیدا کرتا ہے۔

مگر صورت یہ ہے کہ سرمایہ دار کا متغیر سرمایہ زر کی صورت میں اظہار ہے ان تمام مزدوروں کی قوت محنت کا جنہیں سرمایہ ملازم رکھتا ہے۔ لہٰذا اس کی قیمت ایک مزدور کی قوت محنت جسے ان تمام مزدوروں کی قوت محنت سے ضرب دینے کے بعد جو قیمت آئے اس کے اوسط کے برابر ہوتی ہے۔ اس طرح قوت محنت کی جو خاص قیمت ہو

تو متغیر سرمائے کی مقدار ٹھیک اس نسبت سے بدلتی ہے جس نسبت سے ساتھ ساتھ ملازمت کرنے والے مزدوروں کی تعداد بدلتی ہے۔ اگر ایک قوت محنت کی روزانہ قیمت برابر ہو 3 شلنگ کے تو یہ ضروری ہے کہ 300 شلنگ صرف کیے جائیں تاکہ سو مزدوروں کی قوت محنت روزانہ کام میں لائی جاسکے یعنی 3 شلنگ کو۔ن۔ مرتبہ ضرب دی جائے تاکہ۔ن۔ کے بقدر مزدوروں کی قوت محنت روزانہ کام میں لائی جاسکے۔

اسی طرح اگر 3 شلنگ کا ایک متغیر سرمایہ ایک قوت محنت کی یومیہ قیمت ہونے کی حیثیت میں 3 شلنگ کی قدر زائد پیدا کرے تو 300 شلنگ کا متغیر سرمایہ یومیہ 300 شلنگ قدر زائد پیدا کرے گا۔ اور۔ن۔ گنا تین شلنگ میں کا ایک روزانہ ن×3 شلنگ کی یومیہ قدر زائد پیدا کرے گا۔ لہٰذا قدر زائد کی جو مجموعی مقدار پیدا ہوگی اس قدر زائد کے جو ایک مزدور کی یومیہ محنت کی پیداوار کے مزدوروں کی کل تعداد میں جمع کرنے سے جو مقدار حاصل ہوتی ہے وہ ہوگی۔ مگر مزید برآں چونکہ قدر زائد کی مجموعی مقدار جو صرف ایک مزدور پیدا کرتا ہے۔ جب کہ قوت محنت کی قیمت طے شدہ فرض کی جائے۔ تو متعین ہوگی قدر زائد کے نرخ سے۔ اس سے ایک قانون وجود میں آتا ہے جو یہ ہے کہ پیدا شدہ قدر زائد کی مجموعی مقدار برابر ہوتی ہے اس متغیر سرمائے کے جو کاروبار میں لگایا جاتا ہے اور جسے ضرب دی جائے قدر زائد کے نرخ سے۔ بالفاظ دیگر وہ متعین ہوتا ہے اس مرکب نسبت سے جو ایک ہی سرمایہ دار بیک وقت جن مزدوروں سے کام لے ان کے اور ہر ایک مزدور کا سرمایہ دار جس اوسط سے استحصال کرتا ہے ان کے درمیان پائی جاتی ہے۔

فرض کیجئے اس قدر زائد کی مجموعی مقدار۔س۔ ہے جو کوئی ایک مزدور ایک اوسط درجے کے۔ک۔ دن میں پیدا کرتا ہے اور وہ متغیر سرمایہ جو ایک مزدور کی قوت محنت کی خرید میں کھپتا ہے۔و۔ ہے اور متغیر سرمائے کا کل مجموعی۔د۔ ہے اور ایک اوسط

محنت / الف (ضروری محنت اور جو مزدور کام پر لگائے گئے ہیں وہ ۔ن۔ ہیں تو صورت یہ بنے گی۔

$$س \begin{cases} \dfrac{ک}{و} \times د \\ الف' \\ پ \dfrac{\quad}{الف} \times ن \end{cases}$$

یہ ہمیشہ ایک فرضیہ رہتا ہے کہ نہ صرف ایک اوسط قوت محنت کی قیمت متواتر رہتی ہے بلکہ یہ بھی کہ ایک سرمایہ دار جن مزدوروں سے کام لیتا ہے وہ بھی اوسط درجے کے مزدور ہوتے ہیں۔ ایسے معاملات بڑے مستثنیٰ قسم کے ہیں جب پیدا شدہ قدر زائد اس نسبت سے متزائد نہیں ہوتی جس نسبت سے استحصال ہونے والے مزدوروں کی تعداد بڑھتی ہے لیکن صورت یہ ہو تو قوت محنت کی قیمت متواتر نہیں ہوتی۔

لہٰذا قدر زائد کے ایک متعین مجموعے کی پیداوار میں ایک عنصر کی کمی کا کسی دوسرے عنصر کے اضافے کی وجہ سے بدل ہو جاتا ہے۔ اگر متغیر سرمایہ کم ہوتا ہے اور ساتھ ہی قدر زائد کا نرخ اس اوسط سے بڑھ جاتا ہے تو قدر زائد کا کل مجموعہ غیر متغیر رہتا ہے جیسا کہ ہم نے مذکورہ سطور میں فرض کیا۔ اگر کسی سرمایہ دار کو سو مزدوروں سے یومیہ کام لینے کے لیے 300 شلنگ لگانے پڑیں اور اگر قدر زائد کا نرخ 50% ہو تو 300 شلنگ کا متغیر سرمایہ 150 شلنگ کی قدر زائد یا 100x3 ساعات کار کی قدر زائد پیدا کرے گا۔ اب اگر قدر زائد کا نرخ دوگنا ہو جائے یا یوم کار 6 سے 9 کے بجائے 6 سے 12 گھنٹے ہو جائے اور ساتھ ہی متغیر سرمایہ نصف کے بقدر کم ہو کر 150 شلنگ ہو جائے تو وہ بھی 150 شلنگ کی قیمت یا 50×6 ساعات کار دے گا لہٰذا متغیر سرمائے کی کمی قوت محنت کے استحصال میں اسی کے بقدر اضافے سے دور ہو جاتی ہے یا کام پر لگنے والے مزدوروں کی تعداد میں کمی [illegible]

دور ہو جاتی ہے لہٰذا چند خاص حدود کے اندر ان مزدوروں کی رسد جو سرمائے کے لیے قابل استحصال ہوتے ہیں خود مزدوروں کی رسد سے بے نیاز ہوتی (ا) ہے۔ برعکس اس کے قدر زائد میں کمی اس مجموعی قدر زائد کو جو پیدا ہوئی ہے غیر متاثر رکھتی ہے بشرطیکہ متغیر سرمائے کی مقدار یا جو مزدور کام کرتے ہیں ان کی تعداد اسی نسبت سے بڑھ جائے۔

کام کرنے والے مزدوروں کی تعداد میں کمی یا متغیر سرمائے کی مقدار میں جو لگایا گیا ہے کمی کا بدل قدر زائد کے نرخ میں اضافے یا یوم کار کی طوالت میں اضافے سے ہو جاتا ہے لیکن اس بدل کی حدود ایسی ہیں جنہیں متعین نہیں کیا جا سکتا۔ قوت محنت کی قیمت جو کچھ بھی ہو اور مزدور کی بقاء کے لیے جو وقت محنت ہوتا ہے وہ 2 گھنٹے ہو یا 10 گھنٹے۔ ایک مزدور روزانہ جو کل قیمت پیدا کرتا ہے وہ ہمیشہ اس قیمت سے کم ہوگی جو 24 گھنٹے کے دن میں پیدا کی جا سکتی ہے۔ 12 شلنگ سے کم ہوگی۔ اگر 12 شلنگ 24 گھنٹے کی محنت کے زری اظہار کی شکل ہو۔ ہم نے گزشتہ سطور میں جو فرض کیا ہے اور جس کے مطابق خود قوت محنت کے بحال کرنے یا اس کی خرید کے لیے جو سرمایہ لگایا گیا ہے اسے واپس لانے کے لیے 6 گھنٹے کی روزانہ محنت ضروری ہے۔ 15 سو شلنگ کا متغیر سرمایہ جو کہ 12 گھنٹے کے یوم کار میں 500 مزدوروں کو 100 فی صد کے اوسط سے نفع پیدا کرنے کے لیے صرف کرنا ضروری ہے روزانہ 15 سو شلنگ یا 6×500 ساعات کار پیدا کرتا ہے۔ 300 شلنگ کا سرمایہ جو کہ سو مزدوروں کو یومیہ دو سو فی قدر زائد کے نرخ کے ساتھ یا 18 گھنٹے کے یوم کار کے ساتھ صرف 6 سو شلنگ یا 12×100 ساعات کار پیدا کرتا ہے اور اس کی ساری قیمت کی پیداوار جو کہ برابر ہے خرچ کردہ متغیر

(ا) ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی قانون گھٹیا معاشیات دانوں کو معلوم نہ تھا جو آرشمیدس کو الٹا کر کے محنت کے بازاری نرخ رسد و طلب کے ذریعے مہیا کرنے کے مسئلے میں یہ خیال قائم کیے

سرمائے جمع قدر زائد کے کبھی بھی 12 سو شلنگ یا 24×100 ساعات کار تک نہیں پہنچ سکتی۔ آخری یوم کار کی حد جو فطری طور پر 24 گھنٹے سے کم ہی رہتی ہے۔ ایک قطعی حد مقرر کر دیتی ہے اس بدل کی جو متغیر سرمائے میں کمی کا متزائد قدر زائد سے ہوتا ہے۔ یا مزدوروں کی تعداد میں کمی کا استحصال کے اوسط میں اضافے سے ہوتا ہے۔ بہت سے ان مظاہر کی گتھیاں سلجھانے کے لیے یہ واضح قانون اہمیت رکھتا ہے جو اس رجحان سے (جو کہ بعد کو تفصیل سے بیان کیا جائے گا) جو کہ سرمائے کا ہے کہ ان مزدوروں کی تعداد جنہیں وہ ملازم رکھتا ہے کم سے کم کر دے یا اس کے متغیر اجزائے ترکیبی کو قوت محنت میں منتقل کر دے۔ ساتھ ہی اس کے برعکس ان کا دوسرا یہ رجحان بھی ہے کہ قدر زائد کی زائد سے زائد مجموعی مقدار پیدا کرے۔ دوسری طرف اگر اس قوت محنت کا مجموعہ جو کام پر لگائی گئی ہے یا متغیر سرمائے کی مقدار تو بڑھے مگر اس اوسط سے نہیں جس اوسط سے قدر زائد گر جائے تو پیدا کردہ قدر زائد کا مجموعہ گر جاتا ہے۔ تیسرا قانون اس وقت پیدا ہوتا ہے جب پیدا کردہ قدر زائد کے مجموعے کا تعین دو عناصر سے کیا جائے۔ قدر زائد کے نرخ اور جو تغیر پذیر سرمایہ لگایا گیا ہے اس کی مقدار سے قدر زائد کا نرخ یا قوت محنت کے استحصال کا درجہ اور قوت محنت کی قیمت یا ضروری وقت کار کی مقدار۔ دی ہوئی ہو تو یہ بالکل ظاہر ہے کہ تغیر پذیر سرمایہ جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر قیمت کا مجموعہ زیادہ اور قدر زائد بھی زیادہ ہوگی۔ اگر یوم کار کی حد دی ہوئی ہو اور اس کے ضروری جزو کی قیمت بھی دی ہوئی ہو تو قیمت کا مجموعہ اور قدر زائد جو ایک سرمایہ دار پیدا کرتا ہے واضح طور پر صرف اس قیمت کے مجموعے پر منحصر ہوتا ہے جسے سرمایہ دار استعمال میں لاتا ہے۔ لیکن ان حالات میں جو اوپر فرض کیے گئے ہیں یہ سب کچھ قوت محنت کے مجموعے یا مزدوروں کی اس تعداد پر منحصر ہے جسے سرمایہ دار استعمال میں لاتا ہے۔ اور مزدوروں کی یہ تعداد متعین ہوتی ہے اس تغیر پذیر سرمائے سے جو صرف کیا گیا ہے۔ لہٰذا قدر زائد کے جو مجموعے پیدا

سرمایوں کی مقداریں بدلتی ہیں جو صرف کیے جاتے ہیں۔ سرمایہ دار اپنے سرمائے کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلا حصہ وہ ذرائع پیدار میں لگاتا ہے جو کہ اس کا متواتر سرمایہ ہوتا ہے۔ دوسرا حصہ وہ زائد قوت محنت کے لیے رکھتا ہے۔ یہ اس کا تغیر پذیر سرمایہ ہوتا ہے۔ سماجی پیداوار کے طریقہ پیداوار کے یکساں ہونے کی صورت میں سرمائے کی۔ متواتر اور تغیر پذیر میں تقسیم پیداوار کی مختلف شاخوں میں مختلف ہوتی ہے اور ایک شاخ کے اندر بھی یہ رشتہ تکنیکی حالات اور طریقہائے پیداوار کے سماجی ترکیبات میں تبدیلیاں کے ساتھ بدلتا رہتا ہے۔ لیکن ایک متعین سرمایہ متواتر اور تغیر پذیر کے درمیان کسی بھی نسبت سے کیوں نہ بنٹے۔ چاہے آخر الذکر کی اول الذکر سے نسبت 2:1 کی ہو یا 10:1 کی 1: ز۔ کی مگر جس قانون کی ابھی ابھی تشریح کی گئی اس پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ ہمارے سابقہ تجزیے کے تحت تغیر پذیر سرمائے کی قیمت دوبارہ پیدا شدہ چیز کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن نئی پیدا شدہ قیمت یا نئی تخلیق کردہ قیمتی شے میں داخل نہیں ہوتی۔ اگر ایک ہزار کاتنے والے افراد ملازم رکھے جائیں تو یقیناً زیادہ خام پیداوار اور تکلے وغیرہ مطلوب ہوں گے بہ مقابلہ مزدوروں کو ملازم کی صورت کے ان مزید ذرائع پیداوار کی قیمت بڑھ سکتی ہے۔ گر سکتی ہے۔ غیر متغیر رہ سکتی ہے بڑی یا چھوٹی ہوسکتی ہے مگر اس کا کوئی اثر قوت محنت کے ان ذرائع سے قدر زائد کی تخلیق کے عمل پر جنہیں یہ عمل حرکت میں لائے گا کچھ نہ پڑے گا۔ تو اس طرح ابھی جس قانون کی وضاحت کی گئی اس کی شکل یہ بنے گی = قیمت اور قدر زائد کے جو مجموعے مختلف سرمایوں سے پیدا ہوں۔ قوت محنت کی قیمت بھی دی ہوئی ہو اور اس کا استحصال بھی یکساں رہے۔ براہ راست اسی نسبت سے بدلتے ہیں جس نسبت سے ان سرمایوں کے تغیر پذیر اجزاء کی مقداریں۔ یعنی جس نسبت سے ان کے اجزاء زندہ قوت محنت میں متبدل ہوتے رہیں۔

یہ قانون ان تمام تجربات کی تردید کر دیتا ہے جو ظاہر بظاہر چیزوں پر قائم کیے

کے کل مجموعے پر نفع کا حساب لگاتے ہوئے جو زیادہ متواتر اور کم تغیر پذیر سرمایہ کام میں لاتا ہے اس کی وجہ سے روٹی پکانے کا کاروبار کرنے والے کے مقابل کم نفع نہیں کماتا جو نسبتاً زیادہ تغیر پذیر اور کم متواتر سرمایہ حرکت میں لاتا ہے۔ اس ظاہری تضاد کے حل کے لیے بہت سی درمیانی قسم کی اصطلاحات ابھی تک مطلوب ہیں۔ اس لیے کہ ابتدائی الجبرے کے نقطہ نظر سے بہت سی درمیانی قسم کی اصطلاحات مطلوب ہیں تاکہ یہ سمجھا جاسکے کہ ہوسکتا ہے کہ 5/5 ایک واقعی خارجی مقدار کی نمائندگی کر رہی ہو۔ کلاسیکی معاشیات کو اس سلسلے میں قانون تو نہ بنا سکی تاہم جبلی طور پر مذکورہ اصول پر جمی ہوئی ہے اس لیے کہ یہ قیمت کے عمومی قانون کے لازمی نتیجے کی حیثیت رکھتا ہے۔ کلاسیکی معاشیات اس قانون کو متضاد مظاہر کے ٹکرانے سے بچانے کے لیے ایک متشدانہ تجرید کرتی ہے۔ آگے چل کر یہ بتایا جائے گا (۱) کہ کیونکر رکارڈو کا اسکول اس رکاوٹ کے سامنے ناکام ہوکر رہ گیا۔ گھٹیا معاشیات جس نے حقیقتاً ''کچھ بھی سبق حاصل نہیں کیا''۔ وہ اس معاملے میں بھی دوسرے معاملوں کی طرح ان ظواہر سے چمٹی ہوئی ہے جو قانون کے مخالف ہیں حالانکہ قانون ان ظواہر کو منظم کرتا اور ان کی تشریح کرتا ہے۔ وہ اسپنوزا کی مخالفت میں یہ باور کرتی ہے کہ ''ناواقفیت کسی بات کی کافی دلیل ہوتی ہے''۔

کسی سماج کا مجموعی سرمایہ روزانہ جتنے سرمائے کو حرکت میں لاتا ہے اسے ایک ہی مجموعی یوم کار سمجھا جاسکتا ہے۔ اگر بطور مثال مزدوروں کی تعداد دس لاکھ ہے اور ایک مزدور کے لیے اوسط یوم کار دس گھنٹے کا ہوتا ہے تو پورا سماجی یوم کار ایک کروڑ گھنٹے کا ہوگا۔ اب اگر اس یوم کار کی تعداد متعین ہو چاہے طبعی طور پر یا سماجی طور پر تو مجموعی قدر زائد اسی وقت بڑھ سکتی ہے جب مزدوروں یعنی مزدور آبادی کی تعداد بڑھ جائے۔ لیکن یہاں آبادی کی زیادتی مجموعی سماجی سرمائے سے قدر زائد کی جو پیداوار ہوتی ہے اس کی

---

(۱) [illegible]

ریاضیاتی حد ہے۔ برعکس اس کے اگر آبادی متعین ہو۔ تو پھر یہ حد یوم کار کے محض اضافے سے پیدا ہوگی (ا) لیکن آنے والے باب میں آپ یہ دیکھیں گے کہ یہ قانون قدر زائد کی صرف اس شکل پر اطلاق رکھتا ہے جس پر اب تک بحث کی گئی ہے۔

اب تک قدر زائد پر جو بحث کی گئی اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ہر زر کی مقدار یا ہر قیمت اپنی مرضی سے سرمائے میں منتقل کی جانی ممکن ہے۔ سرمائے میں اس انتقال کے لیے فی الحقیقت یہ ضروری ہے کہ زر کی ایک خاص کم سے کم مقدار یا قیمت مبادلہ کی بابت پہلے یہ فرض کرلیا جائے کہ وہ زر یا اجناس کے مالک کے قبضے میں ہے۔ کم سے کم تغیر پذیر سرمایہ کسی ایک قوت محنت کی جو پورے سال روزانہ قدر زائد پیدا کرنے کے لیے کام میں آئے قیمت پیداوار (کاسٹ پرائس) ہوتی ہے۔ اگر یہ مزدور خود اپنے ذرائع پیداوار رکھتا ہے اور مزدور کی حیثیت میں رہنے پر مطمئن ہے تو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اس ضروری وقت سے مثلاً 8 گھنٹے زیادہ کام کرے جو اس کے وسائل خورد ونوش کے مہیا کرنے کے لیے ضروری ہوتا ہے علاوہ بریں اسے ذرائع پیداوار میں سے بھی اس قدر کی ضرورت ہوگی جتنے 8 گھنٹے کے یوم کار میں استعمال میں آتے ہیں۔ دوسری طرف سرمایہ دار جو مزدور سے ان 8 گھنٹوں کے علاوہ گویا 4 گھنٹے کی مزید زائد محنت کراتا ہے تو زیادہ رقم حاصل کرنا چاہتا ہے زیادہ ذرائع پیداوار مہیا کرنے کے لیے مگر ہمارے مفروضے کے تحت تو اسے روزانہ جو قدر زائد حاصل ہوتی ہے اس پر زندہ رہنے کے لیے دو مزدوروں کو ملازم رکھنا ہوگا تاہم اس کی یہ زندگی مزدوروں سے بہتر نہ ہوگی یعنی

(ا) محنت یعنی سماج کا معاشی وقت ایک متعین جزو ہوتا ہے یوں کہیئے کہ دس لاکھ افراد کا دس گھنٹے کا دن یا ایک کرور گھنٹے...... سرمایہ اپنے اضافے کی حدود رکھتا ہے۔ یہ حدود کسی بھی متعین عہد میں عملی جامہ پہنتی ہیں اس معاشی وقت کے حقیقی خارجی پھیلاؤ میں جو پیداوار کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

وہ صرف اپنی ضروریات زندگی پوری کر سکے گا لیکن صورت یہ سمجھی جائے تو صرف زندگی کا بقاء اس کی پیداواری مساعی کا مقصود ہوگا دولت کا اضافہ مقصود نہ ہوگا مگر اضافہ دولت تو سرمایہ داری طرز پیداوار کا مدعاء ہوتا ہے اگر ایک سرمایہ دار ایک مزدور سے دوگنی بہتر حالت میں زندگی گذارنا چاہے اور ساتھ ہی اپنی پیدا شدہ قدر زائد کا آدھا حصہ سرمائے میں بھی لگایا چاہتا ہے تو مزدوروں کی تعداد کے ساتھ اس سرمائے کو جو لگایا جائے گا آٹھ گنا بڑھانا پڑے گا۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ مزدور کی طرح وہ خود ہی کام کرنا چاہے اور پیداوار کے عمل میں براہ راست شرکت کرے۔ لیکن اس صورت میں وہ سرمایہ دار اور مزدور کے درمیان دو نسلے کی حیثیت حاصل کرلے گا وہ ایک ''چھوٹا آقا'' ہوگا۔ سرمایہ داری طرز پیداوار کا ایک خاص درجہ اس بات کو ضروری قرار دیتا ہے کہ سرمایہ دار اپنا وہ تمام وقت جس میں وہ سرمایہ دار کی حیثیت یعنی سرمایہ تجسیم شدہ کی حیثیت سے دوسروں کی محنت کے حصول اور مزدوروں کا کنٹرول نیز ان مزدوروں کی پیداواروں اور ان کی فروخت کا بندوبست کرنے پر لگائے (۱)۔ اسی لیے قرون وسطیٰ کی پیشہ وارانہ انجمنوں

---

(۱) ایک کاشتکار صرف اپنی محنت پر تکیہ نہیں کرسکتا اور اگر کرے گا تو مجھے یقین ہے نقصان میں رہے گا۔ اس کا کام یہ ہوگا کہ وہ ہر چیز پر توجہ رکھے۔ غلہ نکالنے کی کل کا خیال رکھے یا پھر یہ ہوگا کہ غلے میں جو نکالا نہ جائے اس کی اجرتیں وجود میں نہ آسکیں گی اس طرح گھاس کاٹنے کی کل اور درانتی وغیرہ کا بھی اسے خیال رکھنا ہوگا۔ اسے بار بار اپنے باڑہ کے چاروں طرف جانا پڑے گا اور یہ خیال رکھنا ہوگا کہ کسی طرح کوئی غفلت ہونا ضروری ہے۔ ''اشیائے مستعملہ کی قیمتوں اور کھیت کے حجم وغیرہ کے درمیان جو رشتہ ہوتا ہے اس سے متعلق تحقیقات ایک کاشتکار کے قلم سے'' لندن 1773ء صفحہ 12) یہ کتاب بڑی دلچسپ ہے۔ یہیں سے ''سرمایہ دار کاشتکار'' یا ''تاجر کاشتکار'' کا آغاز ہوتا ہے۔ اس کا مطالعہ مفید ہے اور مصنف نے چھوٹے کاشتکار کے مقابلے میں جو صرف خورد و نوش پر قناعت کرتا ہے

نے یہ جبر تجارت کے ایک آقا کو سرمایہ دار بننے سے روکنے کے لیے یہ طے کر دیا تھا کہ ایک مالک جتنے مزدور ملازم رکھے گا وہ کم سے کم ہوں گے۔ زیادہ اجناس کا مالک حقیقتاً صرف انہیں حالات میں سرمایہ دار بنتا ہے جب پیداوار کے لیے جو کم سے کم روپیہ صرف کیا جاتا ہے وہ قرون وسطیٰ میں جو روپیہ صرف ہوتا تھا اس سے بہت ہی زیادہ ہو۔ علوم طبیعیہ کی طرح یہاں بھی اس قانون کی صحت ثابت ہوتی ہے جو ہیگل نے دریافت کیا تھا (اپنی۔ ''منطق'' میں) کہ خالص کمی فرق ایک خاص درجے کے بعد کیفی بن جاتا ہے(۱)۔

(بقیہ حاشیہ) کا طبقہ ابتداء میں تو جزوی طور پر اور آخر میں کلی طور پر دستی محنت کرنے سے محفوظ ہو گیا (اقوام کے فلسفہ معاشیات کے خطبات کی نصابی کتاب مصنفہ رچرڈ جونس ہرٹ فورڈ۔ 1852ء خطبہ سوئم صفحہ 39)

(۱) جدید کیمیا کا ذراتی نظریہ جسے پہلے لارنٹ اور گیرہارٹ نے سائنسی طریقے پر دریافت کیا تھا کسی اور قانون پر مبنی نہیں ہے۔ (تیسرے ایڈیشن کا ضمیمہ) اس بیان کی توضیح کے لیے جو کیمیا سے ناواقف لوگوں پر واضح نہیں ہے ہمیں یہ کہنا چاہئے کہ یہاں مصنف بعض مرکبات کے مماثل سلسلوں کی بات کر رہا ہے۔ جن کو 1843ء میں پہلے پہل سی۔ جر ہارٹ نے مماثل سلسلے کہا تھا۔ ان میں سے ہر سلسلہ اپنا عمومی الجبرائی فارمولا رکھتا ہے۔ چنانچہ پیرافینوں (وہ چیز جس سے پٹرول کو صاف کیا جاتا ہے۔ مترجم) کے سلسلے یہ ہیں CNHNx جو عام الکحل کا فارمولا ہے۔ CNHNx0۔ جو چربی والے تیزابوں کا فارمولا ہے۔ CNHNO اور دوسرے بہت سے فارمولے۔ مذکورہ مثالوں میں CH کے سادہ سے مقداری اضافے کی وجہ سے جو ذراتی فارمولا میں کیا جائے ایک بالکل کیفی طور پر مختلف شئے وجود میں آتی ہے اس حقیقت کے تعین میں لارنٹ اور جر ہارڈ نے جو کردار انجام دیا ہے (جسے مارکس نے ضرورت سے زیادہ اہمیت دی ہے) ملاحظہ ہو۔ کاپ۔ انٹ وکلنگ ڈاکیمی'' منچن 1873ء صفحات 709-716 شوریم''۔

قیمت کی وہ کم سے کم مقدار جو کسی زر یا اجناس کے مالک کے پاس ہونی چاہیئے تا کہ وہ اپنے آپ کو سرمایہ دار بنا لے۔ وہ سرمایہ داری طرز پیداوار میں تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ بدلتی ہے اور کسی ایک عہد میں بھی پیداوار کے مختلف دائروں میں ان کے مخصوص اور تکنیکی حالات کے مطابق مختلف ہوتی ہے۔ پیداوار کے بعض دائروں کا تقاضہ یہ ہوتا ہے۔ سرمایہ داری طرز پیداوار کے بالکل ابتدائی درجے میں بھی کہ کم سے کم اتنا سرمایہ صرف کیا جائے جو انفرادی سرمایہ داروں کے لیے مہیا کرنا ممکن نہ ہو۔ جزوی طور پر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نجی افراد کو حکومت کی طرف سے مدد دی جاتی ہے جیسا فرانس میں کوبرٹ کے زمانے میں ہوا۔ اور جرمنی کی کئی ریاستوں میں ہمارے اپنے زمانے تک ہو رہا ہے جزوی طور پر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے اداروں کی تشکیل کی جاتی ہے جو صنعت اور تجارت کی بعض شاخوں میں استحصال کرنے کی اجارہ داری حاصل کر لیتے ہیں۔ یہ ادارے ہمارے دور کے مشترکہ سرمائے سے چلنے والی کمپنیوں کے پیش رو تھے(۱)۔

جیسا کہ ہم نے دیکھا عمل پیداوار کے دوران سرمایہ محنت پر اقتدار حاصل کر لیتا ہے یعنی قوت محنت کے عمل یا خود محنت پر برتری حاصل کر لیتا ہے۔ سرمایہ دار جو مجسم شدہ سرمایہ ہوتا ہے اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ اس کے مزدور باقاعدہ کام کریں اور مناسب توجہ و انہماک کے ساتھ۔

سرمایہ ایک جبریہ رشتہ بھی پیدا کر لیتا ہے جس کی وجہ سے وہ مزدور طبقے کو مجبور کرتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ کام کرے جتنا اس مزدور کی محدود تر ضروریات کی تکمیل تقاضہ کرتی ہے۔ دوسروں کے عمل کے پیدا کرنے والے کی حیثیت میں اور قدر زائد حاصل کرنے اور قوت محنت کے استحصال کرنے والے کی حیثیت میں۔ سرمایہ دار تمام

سابقہ پیداواری نظاموں سے جو براہ راست جبریہ محنت پر مبنی تھے۔ سرگرمی۔ حدود کی بے پرواہی۔ بے رحمی اور کارکردگی میں آگے نکل جاتا ہے۔

پہلے پہل سرمایہ محنت کو ان تکنیکی حالات کی وجہ سے جن میں تاریخی طور پر وہ اپنے آپ کو پاتا ہے اپنا ماتحت بناتا ہے۔ لیکن اس بناء پر وہ فوری طور پر طرز پیداوار کو تبدیل نہیں کرتا لہٰذا قدر زائد کی پیداوار اس شکل میں جس میں ہم اب تک اس پر غور کرتے رہے۔ جو یوم کار میں صرف توسیع کے ذریعے ہو۔ خود طرز پیداوار میں کی تبدیلی سے بالکل غیر متعلق معلوم ہوتی ہے۔ وہ پرانے طرز کے نانبائیوں کی دکانوں میں بھی اسی طرح فعال تھی جیسی آج کے روئی کے کارخانوں میں ہے۔

اگر ہم عمل پیداوار پر سادہ عمل محنت کے نقطہ نظر سے غور کریں تو مزدور ذرائع پیداوار سے جو رشتہ قائم کرتا ہے وہ ان ذرائع کے سرمایہ ہونے کی صنعت ہونے کی حیثیت میں نہیں ہوتا بلکہ ان کا محض ذریعہ اور مواد ہوتا ہے مزدور کی عاقلانہ پیداواری سرگرمی کا اب مثلاً دباغی میں مزدور کا واسطہ کھالوں سے ہوتا ہے جو اس کی سادہ سی محنت کا مرکز بنتی ہیں۔ مزدور سرمایہ دار کی اپنی کھال کی دباغت نہیں کرتا۔ لیکن اگر ہم عمل پیداوار پر ایک ایسے عمل کی حیثیت سے غور کریں جو قدر زائد پیدا کرتا ہے تو صورتحال بالکل مختلف ہو جاتی ہے۔ اس صورت میں ذرائع پیداوار فوری طور پر دوسروں کی محنت جذب کرنے کے ذرائع بن جاتے ہیں۔ اب مزدور ذرائع پیداوار کو کام میں لانے والا نہیں رہتا بلکہ ذرائع پیداوار مزدور کو کام میں لاتے ہیں۔ اب بجائے اس کے کہ مزدور ان ذرائع کو اپنے پیداواری عمل میں صرف کرے یہ ذرائع مزدور کو ایک اس خمیر کی طرح صرف کرتے ہیں جو کہ خود ان کی حیات و زندگی کے لیے ضروری ہو اور سرمائے کی حیات و زندگی کا عمل صرف اس بات پر مشتمل ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی قیمت کی طرح رہے جو ہر وقت متحرک ہو۔ پھیلتی رہے۔ اپنے آپ کو ہر لمحہ بڑھاتی رہے۔ بھٹیاں اور

کے لیے نقصان محض۔ بنتے ہیں۔ لہٰذا بھٹیاں اور ورکشاپ مزدوروں پر شبینہ کام کرنے کے جائز قانونی حق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ زر کا عمل پیداوار کے مادی عناصر میں ذرائع پیداوار کو محنت اور دوسروں کی زائد محنت پر حق ملکیت کا ذریعہ بنا دیتا ہے۔ (بجائے خود حق ملکیت بنا دیتا ہے۔ مترجم) ایک مثال سے آخر میں یہ واضح ہوگا کہ کیونکر یہ تدلیسی ارتقاء جو سرمایہ داری طرز پیداوار کا اختصاص اور کردار ہوتا ہے۔ کیونکر یہ زندہ اور مردہ محنت اور قیمت اور اس قوت کے دریان جو قیمت کی تخلیق کرتی ہے جو رشتے ہوتے ہیں ان کا منقلب ہو جانا سرمایہ دار کے خود اپنے شعور میں منعکس ہوتا ہے۔ 1848ء سے 1850ء کے درمیان ''انگلستانی کارخانوں کے مالکوں کی بغاوت کے دوران'' مغربی اسکاٹ لینڈ کے سب سے زیادہ پرانے اور محترم خاندان۔ یعنی میسرز کارلائل سنز اینڈ کو جو پسلی میں اون اور سوت کے دھاگے بنانے والے ہیں (یادر ہے یہ کارخانہ اب ایک سو صدی پرانا ہے) 1752ء میں بھی کام کر رہا تھا اور اس خاندان کی چار نسلیں اسے چلا رہی ہیں) ان کے سر براہ نے ''......ان'' بہت ہی ہوشیار بزرگ' نے 25 اپریل 1849ء کے گلاسگو ڈیلی میل ''میں'' ریلے سسٹم کے عنوان سے ایک خط لکھا (ا)۔ جس میں اور چیزوں کے علاوہ حسب ذیل معنی خیز اور طفلانہ عبارت بھی موجود تھی' آیئے اب یہ دیکھیں کہ...... کارخانے کے کام کو دس گھنٹے تک محدود کرنے سے کیا برائیاں پیدا ہوں گی...... یہ برائیاں مالکان مل کے امکانات ترقی اور جائداد کو سنگین تر نقصانات پہنچا دینے والی ہوں گی۔ اگر وہ (یعنی اس کے مزدور) اب سے پہلے تک 12 گھنٹے روزانہ کام کرتے رہے اور اب دس گھنٹے کام کی پابندی لگی تو اس کے کارخانے کی ہر بارہ مشینیں یا تکلے دس ہو کر رہ جائیں گے۔ اور اگر یہ کارخانے فروخت ہوں تو ان کی قیمت بھی 10 رہ جائے گی جس کے معنی یہ ہوئے کہ ملک کے ہر کارخانے کی قیمت میں 1/6

کمی رونما ہوگئی (۱)۔

مغربی اسکاٹ لینڈ کے اس بورژوا عقل رکھنے والے کے خیال میں جسے "چار نسلوں" کی مجموعی سرمایہ دارانہ خصوصیات ورثے میں ملی ہیں۔ ذرائع پیداوار اور تکلوں وغیرہ کی قیمت ان سرمایہ داروں کی اپنی جائداد سے جو سرمائے کی حیثیت میں ان کی قیمت بڑھائے اور روزانہ دوسروں کی ادا کردہ قیمت والی محنت کی ایک متعین مقدار ہضم کر جائے ایسے لاینفک طور پر مخلوط ہے کہ کارلائل اینڈ کو فرم کے اس سربراہ کا دماغ واقعی یہ یقین رکھتا ہے کہ اگر وہ اپنا کارخانہ فروخت کرے تو نہ صرف یہ کہ اس کے تکلوں کی قیمت اسے حاصل ہونی چاہئے بلکہ مزید برآں ان تکلوں کی قدر زائد حاصل کرنے کی قوت کی قیمت بھی۔ نہ صرف وہ محنت جو ان مشینوں میں مجسم ہوگئی ہے اور اس قسم کے تکلوں کی پیداوار کے لیے ضروری ہے بلکہ اس قدر زائد کی قیمت بھی جو یہ تکلے روزانہ پیسلی کے بہادر اسکاٹ باشندوں کے ذریعے پیدا کرتے ہیں اسے حاصل ہونی چاہئے اور اسی لیے وہ یہ خیال کرتا ہے کہ یوم کار میں 2 گھنٹے کی کمی کی وجہ سے 12 کاتنے والی مشینوں کا نرخ دس مشینوں کی برابر رہ جائے گا۔

---

(۱) بحوالہ سابقہ صفحہ 20۔ کارخانے کے انسپکٹر اسٹوارٹ نے جو خود اسکاٹ لینڈ کا رہنے والا ہے۔ اور انگلستان کے کارخانوں کے انسپکٹروں کے برعکس سرمایہ دارانہ طرز تفکر کا بڑا عاشق ہے اس خط پر واضح تبصرہ کیا ہے جسے اس نے اپنی رپورٹ میں شامل کر دیا ہے۔ اس میں اس نے کہا ہے "یہ خط نہایت ہی مفید تر خط ہے جسے ریلے سسٹم چلانے والے کسی مالک کارخانہ نے اس کاروبار میں شرکت کرنے والوں کے سامنے پیش کیا ہے اور جو ان لوگوں کی غلط فہمیوں کو جو ساعات کار کے نظام میں کسی قسم کی تبدیلی کی بابت تامل و پس و پیش کرتے ہیں دور کر دے گا"۔